سالگرہ نمبر

گھر کے ہر فرد کے لیے

کراچی

ماہنامہ

پاکیزہ

اپریل 2013

معراج رسول

عنیزہ سید نئے ناول کے ہمراہ

رفعت سراج، صائمہ اکرم و شیریں حیدر کی خوبصورت تحریریں

مدیرۂ اعلیٰ
عذرا رسول
مدیرہ
انجم انصار
معاون
آمنہ حماد

مکمل ناول



202
بہار راہ میں ہے — ثریا انجم

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ — 15

افسانے

تقاضے دلوں کے — نبیلہ ابر راجا — 55
سرپرائز — سکینہ فرخ — 87

سلسلے وار ناول



18
امانت — رفعت سراج



106
شامِ شہرِ یاراں — عنیزہ سید

پبلشر و پرنٹر: ذیشان رسول مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ڈیفنس، مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

ناولٹ



60
کہیں دیپ جلے کہیں دل — قیصرہ حیات



138
کالا شاہ کالا — صائمہ اکرم

مذاق — راحت وفا — 135
پیار تم سے ہی کیا — شیریں حیدر — 175

خصوصی مضامین

وہ آئے بزم میں — نزہت اصغر — 245
پاکیزہ کی مصنفات کے لیے پیغامات — شائستہ زریں — 261

مستقل عنوانات

دین کی باتیں — ادارہ — 16
بہنوں کی محفل — مدیرہ — 266
پاکیزہ ڈائری — عظمیٰ آفاق سعید — 287
جلترنگ — انجم انصار — 291
میں اکثر گنگناتی ہوں — صغریٰ زیدی — 294
خوش ذائقہ — پاکیزہ بہنیں — 296
سنئے — پاکیزہ بہنیں — 298
روحانی مشورے — ادارہ — 300
ہومیو کلینک — 302

ماڈل: مہوش .... میک اپ: روز بیوٹی پارلر .... فوٹو گرافر: موسیٰ رضا
جلد 41 • شمارہ 01 • اپریل 2013 • زرِ سالانہ 700 روپے • قیمت فی پرچا پاکستان 60 روپے •
پتا: پوسٹ بکس نمبر 662 کراچی 74200 • فون: 35895313(021) فیکس 35802551(021) E-mail:jdpgroup@hotmail.com



مجھے کچھ کہنا ہے......!

کسی دانش مند نے کہا تھا کہ جب کسی قوم کے بارے میں جاننا چاہو تو اس کا ادب دیکھو...... کہ وہاں کیا لکھا جا رہا ہے۔

ہر دور میں مخصوص رجحانات و میلانات پرورش پاتے ہیں، اسی لیے ادب کا جائزہ ہم اس دور کے مخصوص ماحول کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں۔ ہمارا ادب معاشرے کے خمیر سے تخلیق پاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ادب میں معاشرے کا عکس واضح طور پر نظر آتا ہے۔

بے شک آج ڈائجسٹ سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں مگر ایک بات جو آج کے تمام قلم کاروں کے لیے اہم ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنی تحریروں میں جتنے خوب صورت الفاظ استعمال کریں، جتنے مترنم فقرے اور مصرعے لکھیں اور جتنی تراش خراش سے عبارت آرائی کریں وہ اس وقت تک دل پر اثر نہیں کرے گی جب تک کسی حقیقت یا کسی سچائی کی ترجمان نہ ہو۔

حق اور سچ کی بلندی کے لیے اپنے قلم کو استعمال کرنا ایک باصلاحیت تخلیق کار کا کام ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنا قلم اور ذہن...... ظلم اور برائی کے خلاف اور اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لیے استعمال کریں۔

ادب اور زندگی کا ہمیشہ سے گہرا رشتہ رہا ہے، دونوں کے درمیان حد فاصل نہیں اور ایک رائٹر کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اس طرح پیش کرے کہ دوسروں کو اپنے دل کی آواز معلوم ہو۔ انسانی دل کی دھڑکنیں...... اس کے لفظوں میں رچی ہوئی ہوں۔

اور یہی ادارہ پاکیزہ کا مقصد حیات ہے کہ ہمارے ادیب اپنی تحریروں سے سچائی کا کام بھی لیں۔ پاکیزہ کی ہر سطر پڑھ کر آپ کو آگاہی حاصل ہو، آپ کے ذہن کے جالے صاف ہوں اور زندگی کے تمام معاملات...... خیر، شر، نیکی اور بھلائی کے بارے میں آپ خود فیصلہ کرنا سیکھیں۔

نیکی یا کسی بھی مثبت عمل میں ساتھ دینے سے خوشی ہوتی ہے اور برائی یا ظلم کا ساتھ دے کر دل غم سے بوجھل ہو جاتا ہے۔ یہ ایک مومن کی پہچان بھی ہے...... اور ہمیں ہمیشہ مثبت راہوں کی جانب اپنا قدم بڑھانا ہے، پاکیزہ کی سالگرہ آپ کو مبارک ہو۔

مدیرہ

انجم انصار

یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی کہہ پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں اور تمہارا شکاری جانوروں کو تعلیم کرنا (یعنی) تم (انہیں) شکار (کا طریقہ) سکھانے والے ہو (اور) جو کچھ تمہیں اللہ نے تعلیم کیا ہے اس سے ان کو تعلیم کردو پس وہ جس کو تمہارے لیے روک رکھیں اس میں سے کھاؤ اور اس (شکار) پر (جانور کو چھوڑتے وقت) اللہ کا نام پڑھ دو اور اللہ (کی نافرمانی) سے بچتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے (۴) آج تمہارے لیے (تمام) پاکیزہ چیزیں حلال کردیں گئیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے اور آزاد مسلمان عورتیں اور وہ آزاد عورتیں جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے جب تم انہیں ان کے مہر دے دو (اور) پاک دامنی کا ارادہ کرنے والے ہو نہ نفس پرستی کا اور نہ چھپ کر (انہیں) آشنا بناؤ اور (اے مسلمانو! اللہ کے حقوق کے ادا کرنے میں کمی نہ کرو کیونکہ) جو کوئی ایمان سے انکار کرے تو (یہ سمجھ لو کہ) بے شک اس کا (ہر نیک) عمل ضائع ہوگیا (اللہ کے ہاں وہ ہرگز قبول نہ ہوگا) اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا (۵) اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو (یعنی ارادہ کرو) تو اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھو ڈالو اور اپنے سروں کا مسح کرو (یعنی تر ہاتھ ان پر پھیرلو) اور اپنے پیروں کو (بھی ٹخنوں تک (دھولو) اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو (اس سے بھی) زیادہ پاکی کرو (یعنی نہاؤ) اور اگر تم بیمار ہو یا مسافر یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے (حاجت کرکے) آئے یا تم نے عورتوں سے اختلاط کیا ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو یعنی (اس پر اپنے دونوں ہاتھ مار کر) اپنے منہ اور اپنے ہاتھ اس سے ملو (دیکھو اللہ نے تمہارے لیے کیسی آسانی کردی) اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کچھ تنگی کرے لیکن یہ چاہتا ہے کہ تمہیں (ظاہری اور باطنی نجاستوں سے) پاک کردے اور اپنی نعمت تم پر پوری کردے تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ (۶)

(سورۂ مائدہ آیت نمبر ۴ تا ۶)





سیدنا محمد ﷺ

محمد ﷺ اور احمد ﷺ میں مماثلت

۲۔ محمد ﷺ اور احمد ﷺ کا مادہ ایک ہی ہے۔ ح۔م۔د

احمد کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ کسی کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، کمالات جمیلہ اور فضائل ومحاسن کو محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنا۔ اسم فاعل کی صورت میں اس سے مراد ہے مخلوق میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی حمد وستائش کرنے والا اور اسم مفعول کی صورت میں اس کے معنی ہیں سب سے زیادہ تعریف کیا گیا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ کی ذات مبارکہ بے نظیر تھی۔ آپ ﷺ کے یہ اسما بھی بے مثل تھے۔

۳۔ القرآن، (احمد ﷺ)

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ... (۶۔ الصف)

ترجمہ: اور جب مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا رسول آیا ہوں اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے یعنی تورات، اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئے گا جن کا نام احمد ﷺ ہوگا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا (۸۔ المزمل)

ترجمہ: اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے بے تعلق ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسما النبی ﷺ سے اقتباس

امانت

رفعت سراج

قسط 4

لہو سے سینچنے پڑتے ہیں برگ و بار کے موسم
بظاہر یوں لگا دینا شجر آسان کتنا ہے
جنہوں نے دھوپ کی دشواریاں جھیلیں بتائیں گے
بدن پر سایۂ دیوار و در آسان کتنا ہے
شکستِ خاک سے لے کر نمو یابی کے منظر تک
ذرا۔ دشوار ہے رستہ مگر آسان کتنا ہے

بات ایک امانت ہے، ذات ایک امانت ہے عفت ایک امانت ہے، زندگی خدا کی امانت ہے، زمین کے وجود پر سورج کی روشنی امانت ہے، تاروں کا نور...... چاند کی چاندنی امانت...... امانت کو خیانت سے بدل دیا جائے تو چہار سو اندھیروں کا راج ہے۔ اسی اندھیرے میں امانت کی تابانیاں پھر سے روشنی کی کرنیں بکھیرتے ہوئے چہار سو اجالا کردیتی ہیں۔

امانت وخیانت کو واضح کرتی ایک پُردرد مگر خوب صورت تحریر



"اس کے نکاح نامے میں باپ کے خانے میں بنتِ آدم لکھواؤ، آخر سب لوگ آدمؑ کی ہی اولاد ہیں۔" مہر جان یہ کہہ کر گل جان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ یہ ایسی مسکراہٹ تھی جس کو سہنا، برداشت کرنا ایسا ہی تھا جیسے پلِ صراط پر چلنا۔

"ارے، تم تو بالکل خاموش ہو گئیں، تمہیں میری یہ بات پسند نہیں آئی۔ بھئی ڈاکٹر مہر جان کی بیٹیاں ہیں، ان کے لیے مہر جان کا نام ہی کافی ہے۔ جس باپ کو انہوں نے دیکھا نہ سنا اس کا ذکر کرنے سے بھی کیا فائدہ؟"

"بی بی جان یہ کان تو مرتے دم تک کھلے رہیں گے۔ زبان کاٹ کر پھینک دی ہے آپ کی بات کے سامنے میری کوئی بات نہیں۔" گل جان نے جھکی ہوئی نظریں آہستہ سے اٹھائیں اور مہر جان کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ہاں ظاہری بات ہے۔"

"بھئی دیکھو ناں، میں نے تو بچپن سے لے کر آج تک ان کو باپ کے ذکر سے دور ہی رکھا ہے اور ایسے باپ کا ذکر کرنے کا کیا فائدہ اگر غلطی سے بچیوں کو پتا چل جائے تو وہ باپ کے نام سے ہی شرمندہ ہونے لگیں۔" مہر جان بڑی معنی خیز سے انداز میں مسکرائیں اور گردن ہلانے لگیں۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بی بی جان، بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، میں ذرا سالن دیکھ لوں کہیں جل نہ جائے۔ محرم خان کو آپ نے کسی کام سے بھیجا ہوا ہے؟" گل جان اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہاں، ہاں ہانڈی جلنی نہیں چاہیے، دل کا کیا ہے اس کمبخت کو تو جلنا ہی راس آ گیا ہے، جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔" گل جان آہستہ قدموں سے کچن کی طرف بڑھنے لگی۔

مہر جان گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھ رہی تھیں...... ان کی آنکھوں میں عجیب سا ایک خالی پن تھا، یوں جیسے وہ ماحول سے اب کٹ سی گئی تھیں اور ان کا ذہن کہیں دور پہنچا ہوا تھا۔

☆☆☆

"آج تو آپ بہت جلدی گھر آ گئے اور آتے ہی سو گئے تھے۔ کیا رات کو پھر ڈیوٹی پر جانا ہے؟" صابرہ، جابر علی کا یونیفارم ہینگر کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ جابر علی ابھی ابھی نیند سے جاگا تھا۔ وہ بھی شاید صابرہ نے الماری کھولی تھی تو کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس طرح سے سر جھٹکنے لگا۔ جیسے نیند کا تاثر مٹانے کی کوشش کر رہا ہو پھر اس نے دو چار لمبی لمبی جمائیاں لیں اور منہ پر ہاتھ رکھ کر صابرہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں ڈیوٹی پر تو نہیں جانا ہے، بس تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے، موقع ہی نہیں مل پاتا، رات کو دیر اتنی ہو جاتی ہے سوچتا ہوں کل کر لوں گا۔" جابر علی الجھے الجھے انداز میں خود کلامی کر رہا تھا۔

صابرہ نے بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا کیونکہ لہجہ بھی آج بدلا ہوا تھا اور آواز بھی آہستہ تھی جو اس گھر میں ایک بہت غیر معمولی واقعہ تھا۔

"خیریت تو ہے، کیا بات ہے جو آپ اتنی سوچ بچار کر رہے ہیں؟" صابرہ الماری کا پٹ بند کر کے جابر علی کے قریب چلی آئی...... جو ابھی تک یونیفارم کی پینٹ اور بنیان میں ملبوس تھا۔ آتے ہی لیٹ گیا تھا اور نیند آ گئی تھی یوں بھی اس پُر آشوب دور میں ایک ایماندار پولیس آفیسر کی نیندیں کہاں پوری ہو سکتی ہیں۔

"ادھر میرے پاس بیٹھو اور میری بات بہت صبر و تحمل سے سننا۔ شور مچا کر اپنی اولاد کو اکٹھا کرنے کی ضرورت نہیں، یہ صرف میری اور تمہاری بات ہے۔"

جابر علی نے تمہید باندھی تو صابرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے سہمی سہمی نظروں سے جابر علی کی طرف دیکھا...... طرح طرح کے اندیشے اسے ستانے لگے۔ "اولاد سے چھپ کر بات ہو رہی ہے، اللہ رحم کرے، ایسی کیا انہونی ہو گئی کیا خاص بات کرنے لگے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

"آپ کہیں، میں سن رہی ہوں۔" صابرہ نے جیسے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ وہ جابر علی کو بہت صبر سے سنے گی اور حتی الامکان کوشش کرے گی کہ اس کی کسی بات سے جابر علی غصے میں نہ آئے۔

جابر علی نے ایک گہری سانس لی پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹیبل پر رکھی سگریٹ کی ڈبیا سے سگریٹ نکال کر سلگائی، دو چار کش لیے فضا میں دھواں بکھیرا اور کن انکھیوں سے بیوی کی طرف دیکھنے لگا۔ صابرہ ہمہ تن گوش تھی۔

"وہ...... میں شبینہ کے رشتے کی بات کر رہا ہوں۔" جابر علی، صابرہ کے قریب آیا۔ وہ بہت ہی آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا...... صابرہ نے گردن اٹھا کر جابر علی کو یوں دیکھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا ہو، ایک دم سے اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک نظر آنے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے بے اختیار کھڑی ہوئی تو جابر علی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔ صابرہ پھر اپنی جگہ بیٹھ گئی...... جابر علی دو تین کش لگا کر دھواں اڑا کر خود بھی پھر صابرہ کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔ آپ نے بہت اچھا سوچا۔ جوان بیٹی جتنی جلدی اپنے گھر کی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔" صابرہ بڑی بے تابی سے جلدی جلدی اپنے دل کی بات کہنے لگی۔

جابر علی نے ہاتھ اٹھا کر اسے جیسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "ابھی میری بات مکمل نہیں ہوئی صابرہ...... لڑکا بہت اچھا ہے، دین دار ہے، پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور لوگ اس کی شرافت کی بہت تعریف کرتے ہیں اور کیا چاہیے ہمیں، دین کے بغیر کیا دنیا...... آج کل کے زمانے میں دین دار داماد ملنا بھی بہت بڑی نعمت ہے۔" جابر علی نے اب جیسے اپنی بات مکمل کی اور صابرہ کی طرف سے کسی جواب کی توقع کرنے لگا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، جو دین دار ہوتا ہے۔ اس میں اللہ کا خوف ہوتا ہے اور جس میں اللہ کا خوف ہوتا ہے وہ زیادتی نہیں کرتا، اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" صابرہ کو تو جیسے خوشی کے مارے الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے ایک عجیب شادیِ مرگ کی کیفیت اس پر طاری ہو گئی۔

"ہاں پڑھا لکھا ہے، پیسے والا ہے لیکن......!" جابر علی یہاں تک کہہ کر رک گیا تھا۔ اس لیکن نے صابرہ کو نئے سرے سے اندیشوں کے طوفان میں لا کھڑا کیا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکنے لگا۔ بے ساختہ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جابر علی کی طرف دیکھا۔

"لیکن کیا......؟ بولیں ناں، بات تو مکمل کریں رک کیوں گئے؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"بات یہ ہے کہ صابرہ لڑکے کی عمر اور شبینہ کی عمر میں خاصا فرق ہے، اب تم ماں ہو، ماں اپنے حساب سے سوچتی ہے۔"

"کتنا فرق ہے......؟" صابرہ کی آواز اندیشوں کے طوفان میں ڈوب ڈوب گئی۔

"یہی کوئی پندرہ یا بیس سال کا......" اب تو صابرہ کو جیسے بری طرح کسی ان دیکھے بچھو نے ڈنک مارا تھا، بدک کر اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" صابرہ بہت پریشان کُن کیفیت میں جابر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "پندرہ، بیس سال بڑا لڑکا...... وہ تو پورا آدمی ہوا، کیا دوسری شادی کر رہا ہے؟" صابرہ نے اپنی آواز

دبالی کیونکہ تینوں بچے گھر پر ہی تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس بے نتیجہ بات چیت کی وجہ سے فضول میں کوئی جھگڑا کھڑا ہو جائے۔ اتنا سنتے ہی دل نے انکار تو کر ہی دیا لیکن ابھی بات ادھوری تھی۔ جابر علی کی طرف سے کوئی جواب آنا تھا۔ اب وہ خود مزید بات کرنے کا جذبہ بھی کھو چکی تھی۔ بڑی بے دلی سے اپنی جگہ کھڑی تھی۔

"بھئی مرد کی عمر بھی کسی نے دیکھی ہے، وہ کہتے ہیں ناں کہ مرد تو ساٹھا پاٹھا...... ساٹھ سال کا نہیں ہے، اب اپنا ہم عمر داماد تو بنانے سے رہا بے وقوف عورت، بات کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ عورت ذات کی یہ بے عقلی کی انتہا ہے، آدھی بات سن کر بری طرح شروع ہو جاتی ہے۔" جابر علی، صابرہ کے بے ساختہ اعتراض پر تلملا کر رہ گیا۔

"کمال کرتے ہیں آپ...... بیٹی ہے آپ کی، آپ سے زیادہ بہتر کون سوچ سکتا ہے لیکن بیس، اکیس سال کی بیٹی کو آپ چالیس، بیالیس سال کے آدمی سے بیاہنے جا رہے ہیں۔ اب ایسی بھی مجبوری نہیں۔ ابھی تو رشتے آنا شروع ہوئے ہیں، اللہ نے چاہا تو اس کے نصیب سے اس کے جوڑ کا کوئی مل ہی جائے گا۔ اب مجھے اتنی بھی جلدی نہیں ہے۔" صابرہ نے گویا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا۔ جابر علی، صابرہ کا یہ فیصلہ کن انداز دیکھ کر جیسے غصے سے ناچ تاچ گیا۔ ایک تو یہ اس کی عادت کے خلاف بات ہوئی کہ اس نے بات مکمل کی اور سامنے والے نے فوراً فیصلہ صادر بھی کر دیا۔

"او بھئی کوئی آج ہی نکاح نہیں ہو رہا ہے، تم اس لڑکے کو دیکھ لو...... جب تک تم اس لڑکے کو نہیں دیکھوگی۔ تمہاری بیٹی کی بات پکی نہیں ہو گی ......" جابر علی کے اس جملے نے گویا سوکھے دھانوں پر پانی چھڑک دیا۔ اسے ایک ہلکی سی امید نے پھر توانائی فراہم کرنا شروع کر دی۔ اس نے جابر علی کی طرف دیکھ کر بس اتنا کہا۔

"میں اس پر غور کروں گی لیکن آپ یاد رکھیے کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں، ان بچوں پر کچھ میرا بھی حق ہے۔ آپ اس لڑکے سے ملا دیجیے جو میرے حساب سے تو مرد ہے لیکن آپ کے حساب سے لڑکا ہے، دیکھ لیتی ہوں کیونکہ دیکھے بغیر میں نے انکار کیا تو شاید پھر......" صابرہ یہاں تک بولتے بولتے رک گئی۔ صابر علی کی بھی جیسے سانسیں بحال ہو گئیں۔ اس نے اپنی تابعدار، فرمانبردار اور شکر گزار بیوی کی طرف دیکھا اور اس کا دل اسے حوصلہ دینے لگا۔

"اس عورت نے ہمیشہ میری بات مانی ہے، ابھی نیا نیا معاملہ ہے، سنتے ہی بدک گئی ہے، آہستہ آہستہ رام ہو جائے گی۔ میرے خلاف کیوں چلے گی۔ آخر زندگی تو اسے میرے ساتھ گزارنی ہے۔" وہ سوچ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ اپنی مرضی سے کوئی دن طے کر لیں اور ہمیں ملوا دیں۔"

"ہمیں...... ہمیں کیا مطلب......؟" جابر علی نے ایک ابرو چڑھا کر صابرہ کو گھورا۔

"وہ میرا مطلب ہے کہ مجھے اور برہان کو...... ظاہر ہے جوان بھائی ہے اس کا بھی تو حق بنتا ہے۔ اس کے مشورے کی بھی تو اہمیت ہے۔ آنے والے دنوں میں وہ آپ کا بازو ہے۔"

صابرہ کے انداز میں جیسے التجا تھی...... وہ پل پل محتاط تھی، کہیں غلطی سے بھی منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے کہ جابر علی جو اس وقت بہت پرسکون ہو کر بیٹھا ہوا ہے پھر اپنے اصل پر لوٹ آئے۔

"ہاں، ہاں ٹھیک ہے، یہ بھی کوئی مجھے بتانے کی بات ہے، بیٹے کو نہیں ملواؤں گا تو کیا محلے والوں کو ملواؤں گا۔ پتا ہے مجھے کیا کرنا ہے، کیا کرنا چاہیے مجھے اور کیا نہیں...... جاؤ ذرا میرے لیے ایک کپ گرم گرم چائے لے آؤ۔"

صابرہ کی جیسے جان چھوٹی وہ اب مسلسل سوچنا چاہتی تھی، جابر علی کے ادا کیے ہوئے ایک، ایک لفظ کو کئی بار اپنے ذہن میں دہرانا چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اب بات شروع ہو گئی ہے اور آگے معاملہ بات سنبھالنے کا

ہے، وہ اس کے لیے چائے بنانے باہر نکل گئی۔

جابر علی نے تنی ہوئی ابرو کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھا اور یوں مسکرا دیا جیسے بیوی پر ہنس رہا ہوں اور دل ہی دل میں کہہ رہا ہو...... "اس بے چاری کی اوقات ہی کیا ہے۔"

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ ان کے چہرے سے لگتا تھا جیسے وہ کوئی گتھی سلجھا رہی ہوں۔ اپنے آپ سے بے خبر کسی اور جہان میں کھوئی ہوئی...... دروازے پر دستک ہوئی تو وہ یوں چونک پڑیں جیسے کہیں دور سے پلٹ کر آئی ہوں۔

"ہاں کون اصیل خان......؟ آجاؤ اندر......" مہر جان نے اس الجھی، الجھی کیفیت میں کہا تھا۔ دروازہ کھلا...... اصیل خان اندر داخل ہوا، اپنے مخصوص انداز میں دونوں ہاتھ ناف پر باندھے ہوئے سر جھکائے ہوئے۔ مہر جان نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور سر کو یوں جھٹکا دیا...... جیسے وہ خیالات کے طوفان سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی کیفیت ابھی تک ایسی تھی جیسے وہ اپنے ماحول میں موجود نہیں۔

"آپ نے یاد فرمایا بیگم صاحب؟" اصیل خان نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"ہاں، ہاں اصیل خان تم سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں، یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ رابی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، میرے سر پر بہت کام ہیں، اسپتال میں بھی دو ڈاکٹروں کے جانے کے بعد بڑا ابرڈن آچکا ہے، مینج کرنا مشکل ہو رہا ہے۔"

"آپ حکم کیجیے......" اصیل خان نے ایک نظر مہر جان کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

مہر جان نے اصیل خان کی طرف دیکھے بغیر اپنا رخ موڑ لیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے بیڈ کی طرف بڑھیں۔

"سہراب خان کی طرف کے اور ہماری طرف کے ملا کر کل پندرہ سو مہمان ہوں گے، یہ اس شہر کی ایک بہت بڑی شادی ہوگی۔ سن رہے ہو اصیل خان......؟" بولتے بولتے مہر جان نے اسے مخاطب کیا...... جو سر جھکائے ہمہ تن گوش تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے تو اپنی سانس تک روکی ہوئی ہے۔

"وہ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈنر بھی بہت شاندار ہونا چاہیے کچھ ڈفرنٹ ہونا چاہیے۔ سہراب خان کے ساتھ تو زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔ ایسے ہی ہوں گے پندرہ بیس یا زیادہ سے زیادہ پچاس...... اصل میں تو ہمارے مہمان ہیں۔"

مہر جان بول رہی تھیں۔ اصیل خان اسی طرح ساکت و صامت سر جھکائے سن رہا تھا۔ مہر جان پھر کسی خیال میں کھو گئیں۔

اصیل خان ان کے ہم کلام ہونے کا منتظر تھا۔

سوچتے سوچتے مہر جان نے سر اٹھایا...... اور پلٹ کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

"وہ کل سہراب خان کی طرف سے دو بندے آئیں گے، میرا مطلب یہ ہے کہ جو دلہن کے تحائف وغیرہ ہوتے ہیں جسے عام طور پر بری کہا جاتا ہے، وہ لے کر آئیں گے۔ شاید میں کل وقت پر گھر نہ پہنچوں تو میری غیر موجودگی میں وہ سارا سامان سنبھالنا...... حفاظت سے رکھنا تمہاری ڈیوٹی ہوگی...... کیونکہ وہ اپنے ساتھ ایک بریف کیس بھی لائیں گے۔ جس میں صرف جیولری ہوگی......" انہوں نے خاصی تفصیل سے بتایا۔

"جی بیگم صاحب آپ فکر نہیں کریں، وہ میں سنبھال کر رکھ دوں گا۔"

"میں بہت خوش ہوں اصیل خان...... میرا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔" مہر جان کھوئی کھوئی کیفیت میں بولنے لگیں۔ "میں سوچا کرتی تھی کہ میں اس شہر میں اتنا نام اتنی عزت بنا چکی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے اپنی بیٹیوں کی شادی چوروں کی طرح کرنی پڑے لیکن قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا۔ اس نے انتظام کر ہی دیا...... تم دیکھنا میں رابی کی شادی کتنی دھوم دھام سے کروں گی۔ سارا شہر اس شادی کو مدتوں یاد رکھے گا۔ میری بیٹی اتنی شاندار دلہن بنے گی کہ لوگ دیکھ کر واہ واہ کریں گے۔" یہ کہہ کر مہر جان نے اصیل خان کو سر سے پاؤں تک جیسے نظروں ہی نظروں میں تولا۔

اصیل خان کا سر اتنا زیادہ جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات ٹھیک سے دیکھ نہیں سکتی تھیں۔ البتہ اس نے مہر جان کی ساری بات سن لینے کے بعد جی ضرور کہا تھا۔

"سہراب خان کا رشتہ قبول کر کے مجھے بہت سہولت ہو گئی ہے۔ اصیل خان میں رابی کے نکاح نامے پر اس کے باپ کا نام نہیں دے رہی کیونکہ میں نہیں چاہتی زندگی کے اس موڑ پر میری بیٹیوں کو کوئی ذہنی دھچکا لگے۔ میں اس کے باپ کے خانے میں بنتِ آدمؑ لکھواؤں گی۔ آخر ہم سب آدمؑ ہی کی تو اولاد ہیں۔ کیوں ٹھیک ہے ناں اصیل خان......؟" بولتے بولتے مہر جان کے لہجے میں خنجر کی سی کاٹ ابھری تھی۔ ایسی کاٹ جو ہر کوئی محسوس نہیں کر سکتا تھا...... اصیل خان بھی جیسے اپنی جگہ تڑپ کر رہ گیا تھا مگر وہ اسی طرح پتھر کا بت بنا خاموش کھڑا رہا۔

"ٹھیک ہے ناں اصیل خان کوئی مسئلہ تو نہیں ہے، لوگوں کو اعتراض تو نہیں ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ اعتراض ہونا تو نہیں چاہیے کیونکہ اس ملک میں تو بڑے سے بڑا کام...... میرا مطلب ہے دو نمبر کام اتنی آسانی سے ہو جاتا ہے، جتنی آسانی سے ایک نمبر نہیں ہوتا۔ کیا خیال ہے تمہارا؟" مہر جان نے ایک شیشی اٹھائی اس میں سے ایک ٹیبلیٹ نکال کر منہ میں رکھی اور پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگا لیا۔

اصیل خان اسی طرح سے ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا تھا...... مہر جان نے ٹیبلیٹ نگلنے کے بعد گلاس رکھنے سے پہلے اصیل خان کی طرف دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نظر کی کیفیت بدل گئی۔ ان کی آنکھوں میں جیسے درندوں کی سی سفاکی تھی۔

اصیل خان نے اب جی بھی نہیں کہا تھا...... یوں خاموش ہو گیا تھا جیسے کسی نے زبان ہی کاٹ کر پھینک دی ہو۔

"تم بولتے کیوں نہیں اصیل خان...... کیوں اتنی خاموشی سے سنتے رہتے ہو...... جانور تو نہیں ہو انسان ہو، میں تم سے اتنی باتیں کر جاتی ہوں تمہارے پاس میری کسی بات کے جواب میں کوئی بات نہیں ہوتی......؟" مہر جان کی آنکھوں کی سفاکی ایک پل میں اُن کے لہجے میں اتر آئی۔

"بیگم صاحبہ کس کی مجال ہے کہ آپ کے سامنے آپ کی بات کے سامنے اپنی بات کرے۔ آپ مجھ نوکر کو اتنی اہمیت دیتی ہیں کہ اپنی ساری باتیں مجھ سے کرتی ہیں، یہ تو آپ کا بڑا پن ہے، آپ کا ظرف ہے اور آپ کے ظرف کو تو شک کی نگاہوں سے تو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ آپ نے تو وہ کچھ کیا جو مردوں کے بس کی بات بھی نہیں۔" اصیل خان نے جیسے خوفزدہ ہو کر نظریں اٹھائیں اور گہری سانس لے کر بولا۔ اصیل خان یوں بول رہا تھا جیسے آہستہ آہستہ اس کی روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ رہی ہو۔

مہر جان نے پوری قوت سے اپنی مٹھیاں بھینچیں۔ اور اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ چند لمحے تک گہری گہری سانسیں یوں لیں جیسے ضبط کے مرحلے سے بخیر و خوبی گزرنا چاہتی ہوں۔ آخر کار پھر خود کو سنبھال لیا۔ اب ان کی آنکھوں کی سفاکی لہجے سے ہوتی ہوئی کہیں دور بھٹک رہی تھی۔ واپس پلٹ آنے کے لیے مگر

اس وقت انہوں نے خود کو سنبھال کر ایک دم سے ہی پینترا بدلا تھا۔ بڑے خوشگوار لہجے میں وہ اصیل خان سے گویا ہوئی تھیں۔

"اصیل خان میں تمہیں ایک بہت خوب صورت سی کہانی سناتی ہوں، کیا کروں چوبیس گھنٹے میں صرف یہی وقت ملتا ہے جو کسی سے بات کر سکتی ہوں اور اس وقت تمہارے علاوہ کوئی ہاتھ نہیں لگتا۔" اصیل خان نے نظر اٹھائی نہ سر...... وہ یوں کھڑا تھا جیسے دربارِ اکبری میں سب سے زیادہ خوشامدی درباری...... جہاں پناہ کا اقبال بلند ہو، کہنے کے علاوہ کچھ اور بولنا ہی نہ آتا ہو۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے اصیل خان...... ایک بہت خوب صورت پیاری لڑکی تھی جو بہت حسین دنیا میں بستی تھی جس کے آس پاس صرف اور صرف خوشیوں کے گیت گانے والے پرندے چہچہاتے تھے۔ کسی قسم کی کی نحوست اس کے آس پاس نہیں تھی۔ صبح...... دوپہر...... شام سب کچھ اس کی مرضی کا تھا وہ جس شے پر ہاتھ رکھتی...... اس کی ہو جاتی تھی۔ وہ جو خواب دیکھتی پورا ہو جاتا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ بدصورتی کیا ہوتی ہے۔ نہ اسے لہجوں کی بدصورتی کا پتا تھا نہ کردار کی بدصورتی کا شعور...... نہ دھوکے، فریب اور نہ خیانتوں کا...... پھر ایک دن ایسا ہوا کہ سارے خوب صورت گیت گانے والے پرندے کہیں ہجرت کر گئے چاروں طرف چمگادڑیں لٹک گئیں...... اُلّو بولنے لگے...... صبح بھی یوں ہوتی تھی جیسے رات ہو رہی ہو...... نحوست کے اندھیرے تھے جیسے کہ سیاہ گھنے بادل...... تہ بر تہ لگائے...... جو موسلا دھار بھی برسیں تو خالی نہ ہوں...... بالکل اسی طرح سے اس حسین دنیا پر نحوستوں کے بادل چھا گئے اور ایسے برسے کہ بس حد ہی ہو گئی اور پھر...... اور پھر کیا ہوا اصیل خان! آگے سنو گے......؟" اصیل خان جو بہت ضبط کیے ہوئے کھڑا تھا ایک دم تڑپ کر آگے بڑھا تھا اور اس نے جھک کر مہر جان کے پاؤں پکڑ لیے تھے...... اور جیسے گڑگڑایا تھا۔

"بس کر دیں بیگم صاحبہ...... بس کر دیں...... مجھے تو کچھ نہیں ہو گا مگر آپ کی حالت بگڑ جائے گی اور دیکھیں اب بہت ضروری ہے کہ آپ خود کو سنبھالیں...... یہ زخم یہ روگ، خدانخواستہ آپ کی جان لے سکتے ہیں۔ معاف کر دیں...... جو گزر گیا ہے اس کو نہ یاد کریں، چھوڑ دیں، جانے دیں۔"

"مجھے تم سے گھن آتی ہے اصیل خان...... خبردار جو تم نے آئندہ میرے پیروں کو ہاتھ لگایا۔ تم مجھے چھوتے ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شمشان گھاٹ میں کوئی مردہ جل رہا ہو...... گوشت جلنے کی چراند میرے چاروں طرف پھیل جاتی ہے، دفع ہو جاؤ اسی وقت...... غرق ہو جاؤ...... کہیں ایسا نہ ہو...... کہیں ایسا نہ ہو...... میں آج رات تمہاری جان ہی لے لوں...... دور ہو جاؤ یہاں سے...... شکل گم کرواپنی...... پتا نہیں میں نے تمہیں کیوں بلایا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا......" مہر جان نے ایک جھٹکے سے اصیل خان کے ہاتھ سے اپنے پاؤں چھڑائے...اور اتنا کہہ کر مہر جان نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چکراتا ہوا سر تھام لیا اور بہ مشکل بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔ وہ بڑبڑا رہی تھیں۔

"میں نے تمہیں کیوں بلایا اصیل خان......؟ میں تمہیں بلانا ہی نہیں چاہتی...... تم میرے کمرے میں کیوں آئے اصیل خان...... مجھے یاد ہی نہیں آ رہا میں نے تمہیں کیا کہنے کے لیے بلایا تھا۔" وہ بڑبڑانے لگیں...... اور اصیل خان دبے پاؤں کمرے سے باہر جا رہا تھا...... مہر جان کو اپنا بیڈ روم اپنی قبر محسوس ہو رہا تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، گل جان اور روما ناشتے کی ٹیبل پر تھیں۔ روما کا موڈ ہنوز آف تھا۔ وہ بالکل خاموشی سے ناشتا کرنے میں مصروف تھی۔

ڈاکٹر مہر جان نے ایک دو مرتبہ اس کی طرف دیکھا تھا مگر اس سے کوئی بات نہیں کی۔ اس سے پیشتر کہ وہ گل جان سے کوئی بات کرتیں رابی اندر آگئی۔

"السلام علیکم ایوری باڈی......" رابی نے حیرت انگیز طور پر بڑی گرم جوشی اور خوشگوار کیفیت میں سلام کیا تھا۔

ڈاکٹر مہر جان نے چونک کر رابی کی طرف دیکھا...... وہ مسکرا کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ جو ڈاکٹر مہر جان کے بالکل قریب رکھی تھی۔

"کیا بات ہے اماں جان آپ نے ابھی تک ناشتا شروع نہیں کیا...... کیا میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

گل جان، مہر جان کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن بھی تھی اور حیرت بھی...... یوں جیسے اسے رابی کی ذہنی حالت پر شک ہو رہا ہو۔

مہر جان کی نظر میں بھی گہری سوچ کا تاثر تھا۔ وہ رابی کو بغور دیکھنے لگیں۔

رابی نے جلدی سے سلائس اٹھا کر مارجرین لگانا شروع کر دیا۔

"روما تم بہت خاموش ہو...... خیریت تو ہے یا ابھی تک تمہارا موڈ خراب ہے؟" رابی، روما سے یوں باتیں کرنے لگی جیسے اس کے اور روما کے علاوہ کوئی اور موجود نہ ہو۔

"تم اس کی فکر نہیں کرو رابی...... اس کا دماغ خراب ہے، جو خود بخود ٹھیک ہو جائے گا، اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنی بات کرو۔" ڈاکٹر مہر جان نے ٹوکا تو رابی جلدی جلدی سلائس پر مارجرین لگانے لگی۔ وہ بہت مطمئن اور پُرسکون دکھائی دے رہی تھی اور اس کا یہی اطمینان مہر جان کو نہ جانے کیوں کھٹک رہا تھا۔ ایک چبھن تھی جو ان کے دماغ کو نہ جانے کیوں کھٹک رہی تھی۔ رابی کی اتنی زیادہ مثبت تبدیلی واقعی حیران کن تھی۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ آج تمہاری شادی کے کارڈ چھپنے کے لیے چلے جائیں گے، شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے، اب ہمارے پاس تیاریوں کے لیے بہت تھوڑا وقت ہے۔" مہر جان نے چند لمحے سوچا اور بولیں۔

رابی نے یہ سب سن کر کسی قسم کا کوئی چونکا دینے والا ردعمل نہیں ظاہر کیا۔ وہ اطمینان سے اپنے سلائس پر مارجرین لگا کر چھوٹے چھوٹے بائٹ لینے لگی۔

"تم میری بات سن رہی ہو ناں رابی؟" مہر جان نے رابی کو متوجہ کیا۔

گل جان کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس کے حلق سے تو آواز نکلنی ہی محال تھی۔ البتہ روما نے بڑے طنزیہ انداز میں رابی کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو رابی......؟" مہر جان نے پھر رابی کو ٹوکا۔

"نہیں، نہیں اماں میں کچھ نہیں سوچ رہی۔ میں تو یہ سوچ رہی تھی کہ اب کالج جانا تو فضول ہے، آج سے ہی کیوں نہ چھٹی کر لوں۔" رابی نے ایک دم چونک کر سر اٹھایا اور مسکرا دی۔

"چھٹی ہی نہیں بلکہ خدا حافظ...... بالکل چھٹی...... بس اب اپنا گھر بساؤ اور پریکٹیکل لائف گزارو...... آخر کار عورت کو یہی کچھ کرنا ہوتا ہے۔"

"چلیں آپا، آپ کی تو جان چھوٹی...... مزے آگئے۔" روما کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"تم اگر زبردستی پڑھ رہی ہو اور کالج جانا اتنی بڑی مصیبت ہے تو تم بھی چھوڑ دو کیونکہ پڑھائی شوق سے ہوتی ہے اور تمہیں تو بس ایک ہی شوق رہ گیا ہے کہ سہیلیوں سے گھنٹوں فضول باتیں کرو اور وقت ضائع کرو۔ میری طرف سے تم بھی کالج چھوڑ دو، مجھے کوئی پروا نہیں۔" مہر جان نے گھور کر روما کی طرف دیکھا۔

"روما بری بات ہے بیٹا...... ایسی بات کیوں کرتی ہو کہ بی بی جان کو غصہ آجائے؟" گل جان نے گھبرا کر روما کی طرف دیکھا تھا۔ وہ بہت آہستہ سے روما کو سمجھانے لگی۔

"تم چھوڑو گل جان...... اسے اپنی من مانی کرنے دو، یہ کتنی بھی من مانی کر لے، ماننی میری ہی پڑے گی، میں نے رسی زمین پر ڈالی ہوئی ہے۔ جب چاہے کھینچ لوں...... یہ جانے کس ہوا میں ہے اور تم دیکھ رہی ہو غلط صحبت کا رنگ اس نے کتنی جلدی پکڑا ہے، اپنی ماں سے سوال جواب کرنے لگی ہے۔" مہر جان برہمی سے بول رہی تھیں۔

"اماں جان چھوڑیں بے وقوف ہے یہ، کچھ دنوں میں خود ہی سب کچھ سمجھ جائے گی۔" رابی نے ایک دم ہاتھ اٹھا کر ماں کو روک دیا۔ پھر روما سے مخاطب ہوئی۔

"روما ٹھیک سے اپنی پڑھائی پر توجہ دو تمہارا مقصد صرف تعلیم حاصل کرنا ہونا چاہیے۔ اپنا قیمتی وقت برباد کرنے سے تو بہتر ہے کہ اپنی کوالیفکیشن بڑھاؤ...... اور پھر ابھی تک تمہاری پروگریس بہت اچھی ہے۔ تمہارا کیریئر بن سکتا ہے۔ اماں جان تمہیں فل سپورٹ کر رہی ہیں۔ چھوڑ دو وہ تمام باتیں جن سے اماں جان کو غصہ آتا ہے۔"

گل جان آنکھیں پھاڑے رابی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ راتوں رات اتنی تبدیلی...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا...... مہر جان بھی رابی کی اس تبدیلی پر خوش ہونے کے بجائے فکر مند تھیں مگر ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔

"آپا آپ رہنے دیں، میرے لیے اماں جان ہی کافی ہیں۔" روما نے غصے بھری نظریں اٹھا کر رابی کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹا ٹھیک سے ناشتا تو کر لو۔" گل جان نے جیسے تڑپ کر کہا تھا۔

"کر لیا ہے ناشتا خالہ جانی...... سنتے آئے ہیں کہ اتنا ہی کھانا پینا چاہیے جتنا زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔" یہ کہہ کر وہ بڑی تیزی سے ڈائننگ ہال سے نکل گئی تھی۔

مہر جان کی آنکھوں میں غصے کے انگارے تو دہکنے لگے تھے مگر وہ بہت ضبط کر رہی تھیں۔ گل جان کو بڑی بہن کی اس ذہنی کیفیت کا بخوبی اندازہ تھا۔ اس لیے اس نے اب مکمل خاموشی اختیار کرنے کا تہیہ کر لیا تھا...... کیونکہ اس وقت سیدھی بات بھی مہر جان کو الٹی ہی لگنا تھی۔

"یہ لڑکی تو جیسے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہے...... کائناز کے دادا نے کائناز کے غیر ضروری لاڈ پیار کر کے اسے بگاڑ دیا ہے۔ اس لیے میں کہتی ہوں کہ اس کا کائناز کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ٹھیک نہیں مگر گھر کی حد تک میں اسے روک سکتی ہوں۔ کالج کا کیا کروں۔ جیسے تیسے یہ سال تو پورا کرنا ہے۔" مہر جان بڑبڑانے کے انداز میں بول رہی تھیں۔

"چھوڑیں بھی اماں...... بے وقوف ہے اور بزدل بھی ہے آپ سے بہت ڈرتی ہے۔ آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گی آپ اطمینان رکھیں۔" رابی آج بہت نارمل انداز میں ماں سے بات کر رہی تھی... بلکہ ماں کو سمجھا بجھا رہی تھی۔

گل جان پر حیرت کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے وہ بہت پریشان نظر آنے لگی تھی۔ رابی کو یوں تک رہی تھی جیسے کسی حقیقت کا سراغ لگانے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہو۔

☆☆☆

"سر میں نے گھر والوں سے بات تو کی ہے لیکن ابھی ذرا سا مسئلہ ہے۔" جابر علی بہت مؤدبانہ انداز میں

اور قدرے ہچکچاتے ہوئے ایس پی سے بات کر رہا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے جابر علی۔ کھل کر بات کرو، ہمارے تمہارے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ سنیارٹی اپنی جگہ لیکن میں تمہیں اپنا دوست جانتا ہوں۔" ایس پی نے ایک خاص زاویے سے جابر علی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"سر وہ میرا ایک ہی بیٹا ہے، ماں کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے ابھی اس کی ماں ذہنی طور پر تیار نہیں ہوئی۔ اس لیے میں نے اس پر دباؤ نہیں ڈالا۔" جابر علی اسی طرح اٹک اٹک کر اپنی بات ایس پی تک منتقل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ جملے جو اس کے ذہن میں سرگرداں تھے وہ انہیں باہر آنے سے روکنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سب کچھ کہہ دینے سے بہت کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اسے اپنی بے وقوف بیوی پر غصہ تو بہت تھا لیکن فی الحال صبر و تحمل سے کام لینا وقت کا تقاضا تھا۔

"سر وہ بات یہ ہے کہ جوان لڑکے کو سنبھالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آج کل لڑکے جانے کون سی ہوا میں رہتے ہیں، ماں باپ کے احسانات یاد نہیں رکھتے۔ بس ذرا سا بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔ سینہ تان کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں ناں اپنی عزت اپنے ہاتھ...... اب جوان اولاد کے منہ کون لگے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ گھر والی کی سمجھ میں میری بات آجائے، وہ ہاں کہہ دے گی تو سمجھیں مسئلہ حل ہو گیا۔" جابر علی نے سر جھکا کر بہت آہستہ آواز میں اپنی بات کہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو جابر علی، آج کل کے لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں ہاتھ سے نکلی جا رہی ہیں۔ لیکن وارث علی کو بہت جلدی ہے۔ اپنے گاؤں سے بہت دور پڑا ہے، گھر کا سکون نہیں ہے عورت آجاتی ہے تو آدمی بہت بے فکری سے باہر کے کام کرتا ہے۔" ایس پی اپنی بات کرتے ہوئے جابر علی کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر مجھے پتا ہے کہ آپ میرے لیے جو بھی سوچیں گے اچھا ہی سوچیں گے۔ ایک مدت ہو گئی آپ کے ساتھ کام کرتے ہوئے...... میں تو آنکھیں بند کر کے آپ کی بات پر اعتبار کرتا ہوں۔ مسئلہ گھر والی کا ہے۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دیں۔ انشاء اللہ معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس کی ماں کو سمجھاؤں گا تو وہ سمجھ جائے گی اور جب وہ سمجھ جائے گی تو وہ اپنے بیٹے کو خود ہی سنبھال لے گی۔ مجھے اس سے بات کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہو گی......"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو، جابر علی۔ بالکل ٹھیک تم کسی طرح اس کی ماں کو کنونس کر لو، باقی معاملہ تو وہ خود ہی سنبھال لے گی...... جوان بیٹے کی ماں میں بڑا دم ہوتا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں سر جب بچے چھوٹے تھے تو جیسے اس عورت کے منہ میں زبان ہی نہیں تھی۔ جب سے بیٹا جوان ہوا ہے سوال جواب کرنے لگی ہے۔ میں تو خود پریشان ہو جاتا ہوں۔ ایسا لگتا ہے بیٹا ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے۔ کوئی بھی بات ہو، سامنے آکر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اب آپ بتائیں، آپ تو جانتے ہیں، میں کتنی ایمانداری سے کام کرتا ہوں۔ اپنی اولاد کو حلال روزی کما کر کھلاتا ہوں پھر بھی اولاد سامنے آکر کھڑی ہو اور... بدزبانی کرے تو غصہ تو آئے گا۔" جابر علی اپنے دکھڑے رونے لگا۔

"بالکل غصہ آئے گا اور غصہ کرنا تمہارا حق ہے......" ایس پی نے بہت گہری تجزیاتی نگاہ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جیسے اس کا اپنا ذہن بڑی تیزی سے کسی دوسری طرف کام کرنے لگا ہو...... گہری سانس لے کر گویا ہوا۔

"وہی تو میں انہیں کہتا ہوں...... بھئی ہم نے تو اپنے بڑوں سے یہی سنا ہے۔ کھلاؤ سونے کا نوالہ دیکھو شیر

کی نظر سے...... اب سونے کے نوالے تو نہیں کھلائے مگر اللہ نہ کرے کوئی چٹنی روٹی بھی نہیں کھلائی۔ سب کچھ اللہ نے دیا ہے۔ اپنے حساب کتاب سے چل رہے ہیں۔" جابر علی مزید گویا ہوا...... ایس پی، جابر علی کا ایک ایک لفظ جیسے کسی ان دیکھے ترازو میں تول رہا تھا۔ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کامیابی کے کتنے فیصد امکان ہیں۔ ایس پی کی خاموشی دیکھ کر جابر علی پھر بولا۔

"میں کسی رکاوٹ کو نہیں مانتا سر...... جب میں سوچ لیتا ہوں تو بس پھر مجھے کسی کی کوئی آواز نہیں آتی۔ کان بند ہو جاتے ہیں جو سوچتا ہوں اس پر عمل کرتا ہوں......" جابر علی کا اتنا کہنا تھا کہ جیسے ایس پی خوشی سے کھل اٹھا۔

"کیا بات ہے تمہاری جو لوگ فیصلہ کن ہوتے ہیں وہ مضبوط کردار کے ہوتے ہیں اور ان کی بات ایک ہوتی ہے۔ مر جاتے ہیں مگر اپنی زبان سے نہیں پھرتے۔ میں تو وارث علی کو یہی کہہ رہا تھا کہ تمہیں اتنا بہترین سسر دے رہا ہوں کہ دور دور تمہیں ایسا بندہ نہیں ملے گا۔" ایس پی کی یہ بات سن کر جابر علی تو جیسے عقیدت سے دہرا ہو گیا۔

"آپ کی بڑی عنایت، بڑی نوازش ہے سر۔ میں کسی قابل نہیں ہوں، آپ مجھے جو عزت دیتے ہیں، سچ پوچھیں تو مجھے بڑی شرمندگی ہوتی ہے، میں اس لائق نہیں ہوں۔" جابر علی نے بہت مہربان نظروں سے ایس پی کی طرف دیکھا۔

"جابر علی میں بہت شدت سے تمہاری ہاں کا انتظار کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ وارث علی نے مجھے پریشان کر دیا ہے...... صبح، دوپہر، شام مجھے فون کر کے پوچھتا ہے، تم سے تو بہت ہی زیادہ متاثر ہو چکا ہے۔ کہتا ہے آج کے زمانے میں اتنا نیک، شریف اور دین دار شخص میں نے نہیں دیکھا۔ اس خاندان میں رشتہ کر کے مجھے ذہنی سکون مل جائے گا...... اور میں نے تمہیں بتایا ہے ناں وہ خود بہت نیک اور عبادت گزار بندہ ہے۔" ایس پی بہت شاطرانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور اندر سے ابل ابل کر آنے والی مسکراہٹ کو بہ مشکل چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جی سر، میں آج موقع دیکھ کر گھر والی سے دو ٹوک بات کرتا ہوں...... بلکہ اپنا فیصلہ سناتا ہوں کیونکہ اس گھر میں میرا ہی سکہ چلتا ہے۔ اول آخر بات تو میری ہی مانی جائے گی۔ آپ اطمینان رکھیے......" جابر علی کا جواب انتہائی حوصلہ افزا تھا...... ایس پی کھل کر مسکرانے لگا۔ جیسے اسے اپنی کامیابی کا سو فیصد یقین ہو چکا ہو۔

☆☆☆

روما ایک گھنے درخت کے سائے کے نیچے منہ لٹکائے بیٹھی تھی اور کائناز اس کے برابر میں اس کو کندھوں سے تھامے، بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"روما، رات دادا جان نے مجھے بہت اچھی طرح سمجھایا۔ تم بھی اگر وہ باتیں سمجھ لو گی جو دادا جان نے میرے ذریعے تمہیں کہی ہیں تو مجھے پورا یقین ہے کہ تمہارا موڈ بھی اچھا ہو جائے گا اور تم ہر وقت comfortable feel کرو گی۔" کائناز کی بات سن کر روما نے دھیرے سے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا مگر اس کی اداسی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"کیا باتیں کی ہیں دادا جان نے......؟" وہ سابقہ انداز میں گویا ہوئی۔

"دادا جان کہہ رہے تھے ضد کرنے سے بات بگڑ جاتی ہے اور ماں باپ کے سامنے تو ویسے بھی ضد نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اگر ماں باپ کا کہنا مان لو تو وہ ویسے ہی نرم پڑ جاتے ہیں تم چونکہ ضد کر رہی ہو...... موڈ آف

کررہی ہو...... تو آنٹی اسے بدتمیزی سمجھ رہی ہیں۔ تم ضد کرنا چھوڑ دوگی تو آنٹی خود بخود تمہارا خیال کریں گی۔ نارمل ہو جائیں گی بلکہ خود ہی کہہ دیں گی کہ انہیں ہماری دوستی پر کوئی اعتراض نہیں......" روما پر کائناز کی بات کا ذرہ برابر اثر نہ ہوا۔

"چھوڑو کائناز، اماں تو ہر وقت یہی کہتی رہتی ہیں کہ تم مجھے بگاڑ رہی ہو، تم نے مجھے بگاڑ دیا ہے۔ تمہاری کمپنی میں، میں غلط باتیں سیکھ رہی ہوں......" اس طرح خفا خفا لہجے میں گویا ہوئی۔

روما کی یہ باتیں سن کر تو جیسے کائناز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ انتہائی صدمے کی کیفیت میں دکھائی دی۔

"او مائی گاڈ...... ایسا کہتی ہیں آنٹی! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ میرے بارے میں اس طرح بھی سوچ سکتی ہیں۔ ہاں غلطی میری بھی ہے۔ میں نے دو مرتبہ انہیں جواب دے دیا تھا ناں تو شاید اس وجہ سے انہوں نے کہہ دیا ہوگا۔ وہ تو یہی سمجھ رہی ہوں گی کہ میں تمہیں سکھائی پڑھاتی ہوں کیونکہ تم میری دوست ہو۔ میرے ساتھ بہت زیادہ وقت گزارتی ہو۔" وہ بات کی تہ تک پہنچ گئی تھی۔

"مجھے تو خود سمجھ نہیں آتا کائناز۔ پہلے ہفتے میں دو تین بار تمہاری طرف چلی جاتی تھی تو چینج آجاتا تھا سب کچھ بہت اچھا لگنے لگ جاتا تھا۔ اب تو انہوں نے جیسے مجھے پنجرے کے اندر بند کردیا ہے۔ کائناز وہ گھر ایک گہرا کنواں ہی تو ہے۔" بولتے بولتے روما کی آواز پر آنسو غالب آگئے۔ کائناز تڑپ کر رہ گئی۔ اس نے روما کو ایک دم اپنے لگالیا۔

"کوئی بات نہیں روما۔ تم بس اُن کے سامنے خاموش رہا کرو۔ وہ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی۔ پتا نہیں اُن کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ اُن جیسا تو کوئی بھی نہیں دکھائی دیتا۔ میں تو خود سوچتی ہوں تمہاری اماں نہ جانے اتنی سخت کیوں ہیں۔ مجھے تو اپنی ماں یاد ہی نہیں لیکن دادا جان کہتے ہیں کہ میں ہی تمہاری ماں ہوں اور میں ہی تمہارا باپ ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں ماں، باپ کے علاوہ تمہارا دوست بھی ہوں۔ سب کچھ مجھ سے شیئر کیا کرو۔ ان کو دیکھ کر تو مجھے یہی خیال آتا ہے کہ ماں کتنی نرم، کتنی مہربان ہوتی ہے۔" کائناز گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی بولتی جارہی تھی۔ روما اس کا ایک ایک لفظ دل میں اترتا محسوس کررہی تھی۔ کائناز کے جملوں نے اسے مزید احساسِ محرومی میں مبتلا کردیا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی گہری سانس کھینچی اور کتابیں اٹھا کر کھڑی ہوگئی۔

"ہمارے گھر میں تو ایک ڈکٹیٹر کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کہہ رہی ہوں اسے بھی پھانسی پر لٹکا دو، اسے بھی پھانسی پر لٹکا دو...... کوئی زندہ نظر نہ آئے۔" کائناز جو اپنا بیگ اور کتابیں سمیٹ رہی تھی۔ اٹھتے اٹھتے گرنے کے سے انداز میں دوبارہ بیٹھ گئی اور اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ ہنستے ہنستے بہ مشکل گویا ہوئی۔

"یار اسی لیے تو کہتی ہوں دادا جان نے جیسا کہا ہے ویسا کرو، بڑوں کی بات میں کوئی نہ کوئی حکمت چھپی ہوتی ہے، دادا جان نے یہ بات جو تمہیں سمجھانے کے لیے کہی ہے ناں اس پر تمہیں عمل کرنا چاہیے کیونکہ دادا جان نے یہ گارنٹی دی ہے اور مجھے بھی تمہاری بات کی سمجھ آگئی ہے، تم نے اپنی اماں جان کے سامنے جواب دینا شروع کردیے اسی لیے انہیں غصہ چڑھتا ہے۔" روما اپنا بیگ لٹکاتے ہوئے اب اس کے قریب کھڑی تھی۔

"میں کیا کروں، پتا نہیں مجھے اپنے آپ پر کنٹرول نہیں رہتا۔" وہ بڑی بے بسی کی کیفیت میں کہہ رہی تھی...... کائناز نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اب وہ اپنی کلاس روم کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆

"بھائی جان ایک بات سنیں!" احمر پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا فائزہ اس کے پیچھے پیچھے دوڑی تھی۔

"خیریت کیا ہوا پھر بلا کی طرح میرے سر پر نازل ہوگئیں۔ آخر کب جان چھوڑو گی میری......" احمر اپنی جگہ پر رک گیا اور پلٹ کر فائزہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بھائی جان آپ اپنے کام سے جارہے ہیں ناں۔ پانچ دس منٹ میرے لیے بھی نکال لیں۔" اس نے التجا کی۔

"سوری میری جیب خالی ہے، پانچ دس منٹ تو کیا ان میں تو دو منٹ بھی نظر نہیں آرہے۔" احمر اپنی ٹی شرٹ کی جیب میں بظاہر جھانکتے ہوئے بولا۔

"آپ کے پاس تو میرے لیے ٹائم ہی نہیں ہوتا۔ میں کون سا ہر وقت آپ کو اپنے کام بتاتی رہتی ہوں۔ آپ گھر میں نظر آتے ہیں جو کوئی اپنا کام کہے۔" اس کے شریر انداز پر فائزہ نے بری خفگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اچھا چلو جلدی سے بتاؤ کیا کام ہے اگر میرے پاس وقت ہوا تو کردوں گا ورنہ سوری۔"

"کوئی ایسا بھی کام نہیں ہے۔ جس کے لیے آپ کو خاص طور پر ٹائم نکالنا پڑے۔ آپ جا تو رہے ہیں ناں راستے میں مجھے ڈراپ کردیجیے گا۔"

"لگے ہاتھوں یہ بھی بتادو ڈراپ کرنا کہاں ہے اگر تم کہوگی مجھے سی ویو ڈراپ کردیں تو میں مخالف سمت میں نہیں جاسکتا کیونکہ اس طرح تمہارے لیے مجھے دو منٹ نہیں پورے ڈیڑھ دو گھنٹے نکالنے پڑیں گے۔" احمر اب اس کی بات سمجھ گیا اور گہری سانس لے کر بولا۔

"بھائی جان اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ ہمارے کالج سے وہ پوائنٹ میں بیٹھتی ہے ناں تو بتاتی ہے کہ آدھا گھنٹا لگتا ہے......" وہ پھر التجائیہ انداز میں بولی۔

"تم تو دو منٹ کی بات کررہی تھیں......"

"وہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ کالج سے چلتی ہے تو اسے آدھا گھنٹا لگتا ہے، آپ تو مجھے راستے میں ڈراپ کریں گے......" فائزہ نے اپنے سر پر زور سے ہاتھ مارا۔

"لیکن تم نے مجھے بتایا نہیں ہے کہ تمہیں جانا کہاں ہے...... میں تو نارتھ کی طرف جارہا ہوں۔"

"بھائی جان تھوڑا سا دائیں بائیں ہوجائیں گے، پانچ دس منٹ سے زیادہ فرق تو نہیں پڑے گا۔" فائزہ یہ سن کر کچھ سوچنے لگی۔ سوچتے سوچتے ایک دم سر اٹھا کر بولی۔

"افوہ...... تو یہ تو بتادو ناں کہ جانا کہاں ہے؟"

"وہ کریم آباد کی طرف۔"

احمر نے اپنی گھڑی دیکھی...... پھر فائزہ کی طرف دیکھا۔

"کریم آباد میں کیا کرنے جانا ہے تمہیں؟ وہاں تو ہمارا کوئی رشتے دار بھی نہیں رہتا۔"

"میری دوست تو رہتی ہے۔ میرا مطلب ہے مجھے شبینہ کے گھر جانا ہے۔" شبینہ کا نام سن کر احمر کے تاثرات ایک دم تبدیل ہوگئے...... وہ نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"بھائی جان کیا سوچ رہے ہیں، جلدی سے بتائیں ناں اگر آپ مجھے چھوڑ دیں گے تو بہت بڑا احسان ہوگا۔"

"کوئی تقریب ہے وہاں......؟" احمر نے پوچھا۔
"نہیں، نہیں وہ آج کالج نہیں آئی تھی۔ مجھے بہت ٹینشن ہو رہی ہے۔"
"اب کالج نہیں آئی تھی تو کیا ہوا...... آج نہیں تو کل آ جائے گی۔ کبھی کبھی طبیعت خراب بھی ہو جاتی ہے بندے کی۔" احمر اپنے تاثرات چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے بظاہر بڑی بیزاری سے گویا ہوا تھا۔ حالانکہ اسے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ شبینہ کا نام سن کر اسے کیوں محسوس ہو رہا ہے کہ دل دھڑکنے کا انداز بدل گیا ہے۔
"اچھا وہ شبینہ...... وہ بے وقوف سی لڑکی جو تمہارے ساتھ اس دن کھڑی ہوئی تھی یہاں پر......" اس نے چڑانے والے انداز میں فائزہ سے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔
"بھائی جان سنیں تو! آپ تو چلتے چلے جا رہے ہیں، بتائیں ناں آپ مجھے چھوڑ دیں گے یا نہیں؟" وہ مُصر تھی اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔
"تمہیں اس کے گھر کا ایڈریس تو کنفرم ہے ناں......؟"
"نہیں، مجھے اس کے گھر کا ایڈریس تو معلوم نہیں۔ اس کا فون نمبر ہے میرے پاس...... جب ہم کریم آباد پہنچیں گے تو میں اسے فون کر کے گھر کا پتا معلوم کر لوں گی۔ آپ چلیں تو سہی......"
"اس طرح سے میں نہیں جا سکتا۔ پہلے تم ایڈریس کنفرم کرو۔ یہ کیا بے وقوفی ہے، گھر کا پتا معلوم نہیں اور ملنے چل پڑیں۔"
"اچھا، اچھا ایک منٹ میں اپنا بیگ بھی لے کر آتی ہوں اور اس سے ایڈریس بھی کنفرم کر لیتی ہوں آپ جب تک گاڑی باہر نکالیں۔ میں آتی ہوں۔" فائزہ نے اتنا کہا اور عجلت بھرے انداز میں اندر دوڑ پڑی، احمر کے ہونٹوں پر لاشعوری طور پر ایسی مسکراہٹ ابھر آئی جس مسکراہٹ کی وجہ اسے خود بھی معلوم نہیں تھی۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، سہراب خان کی طرف سے آئی ہوئی بری کو بہت پُرشوق نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر ایک خوشی اور فخر تھا جبکہ گل جان کھڑی ہوئی جیسے ان کے کسی حکم کی منتظر تھی۔ اصیل خان لاؤنج سے باہر گم صم سی کیفیت میں کھڑا دونوں بہنوں کی بات چیت سن رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہرے رنج کی کیفیت نمایاں تھی۔ یوں جیسے وہ زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر کسی اور جہاں میں پہنچا ہو۔
"گل جان تم نے دیکھا کتنے شاندار تحائف لے کر آیا ہے سہراب خان اور ہمارے اسٹیٹس کے مطابق...... گل جان ہم بہت عزت دار لوگ ہیں، سات پشتوں سے ہمارا شمار اس ملک کی ہائی کلاس میں ہوتا ہے اور اس کلاس میں مال و دولت کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے...... مال و دولت تو طوائفوں کے پاس بھی ہوتی ہے، میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا......؟" مہر جان، گل جان سے کہہ رہی تھیں۔
"جی، جی بی بی جان...... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں بلکہ آپ ٹھیک ہی کہہ رہی ہوتی ہیں اور واقعی سہراب خان آپ کے اسٹیٹس کے حساب سے ہی سب کچھ کر رہا ہے۔" گل جان ایک دم سے گڑبڑا گئی اور جلدی سے بولی۔
"تم خوش ہو ناں گل جان......؟" مہر جان نے کپڑے سمیٹ کر سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے ایک نظر گل جان کی طرف دیکھا۔
"جی، جی بی بی جان...... آپ کی خوشی میری خوشی ہے، جب آپ خوش ہیں تو میں کیوں خوش نہیں ہوں گی؟"
"ہوں......" مہر جان نے ہنکارا بھرا...... "اور ہاں گل جان تم یہ زیورات دیکھ رہی ہو، یہ لاکھوں کی

مالیت کے ہیں اور شاید تم جانتی ہو کہ یہ تمام زیورات رابی کے مہر میں لکھے جائیں گے۔ رابی کی ملکیت ہوں گے۔ خدانخواستہ کوئی بات ہو جاتی ہے تو سہراب خان کی طرف سے رابی کو اتنا کچھ ملے گا کہ اسے کسی دوسرے شوہر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"
"دوسرا شوہر!" گل جان کے وجود میں ایک زبردست دھماکا ہوا...... اس کے منہ سے بلا سوچے سمجھے بے اختیار نکل گیا تھا۔
"دوسرا شوہر کیا مطلب؟ عورتیں تو پتا نہیں کیا، کیا کرتی رہتی ہیں اگر کوئی عورت ایک شوہر کو چھوڑ کر دوسرا شوہر کر لے تو کوئی گالی کی بات تو نہیں ہے۔ نکاح ایک مقدس بندھن ہے، جتنی مرتبہ بھی بندھے مقدس ہی کہلائے گا......" مہر جان نے بڑی سخت نظروں سے اس کی طرف گھورا۔ گل جان کے پاؤں تلے گویا زمین ہلی۔
"آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں بی بی جان......؟ جہاں بھی رابی کی شادی ہو رہی ہے، دعا کریں کہ اللہ اسے اس گھر میں آباد رکھے اور کسی امتحان میں نہ ڈالے۔" گل جان آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔
"تم تو ہو ہی روتی صورت، زندگی جینے کے لیے بڑا دل، بہت بڑے حوصلے چاہئیں۔ تم لفظوں سے ڈر جاتی ہو اور ہم آج تک آگ کے دریا میں تیر رہے ہیں۔ ارے کیا ہم انسان نہیں ہیں، تم مجھے بچوں کی طرح بہلا رہی ہو، کیا میں سمجھ نہیں سکتی۔ سہراب خان کی طرف سے آئے ہوئے یہ تحفے بہت تکلیف پہنچا رہے ہیں اور تم ایک منافق کی طرح میری ہاں میں ہاں ملا رہی ہو۔ جی اچھا کہے جا رہی ہو، تمہاری اس منحوس صورت پر مجھے صاف لکھا ہوا نظر آ رہا ہے کہ تم اندر سے مر رہی ہو، رو رہی ہو۔" مہر جان نے جیسے ایک دم پینترا بدلا تھا۔
گل جان تو بدحواس ہو کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور سہمی سہمی نظروں سے مہر جان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"بی بی جان ایسا نہیں ہے، میں واقعی آپ کی خوشی میں خوش ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ اب تو عزت کسی بھی کونے میں پڑی ہوئی ملے، کسی کنویں میں دفن ہو، کسی اونچے پہاڑ کو سر کرنے کے بعد ہاتھ لگے چھوڑنا نہیں ہے، کچھ تو ہے ہمارے پاس سوائے عزت کے اور یہ لاپتا عزت آخر کار بھٹکتی ہوئی ہمارے دروازے تک آ ہی گئی ہے۔ میں کیوں اداس ہوں گی بی بی جان...... میں آپ کی خوشی میں خوش ہوں، آپ مجھ سے جو مرضی قسم لے لیں، آپ جو کہتی ہیں وہ میرے لیے پتھر پر کھینچی ہوئی لکیر ہے۔" گل جان کی بولتے بولتے آواز بھرا گئی...... اور جیسے آنسوؤں کے پھندے نے اسے مزید بولنے سے روک دیا تھا۔
فاصلے پر کھڑا ہوا اصیل خان یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اس کے پاؤں زمین پر نہ ہوں، کسی ایسے لکڑی کے تختے پر ہوں جو تیز دھارے پر بہہ رہا ہو اور اسے جان بچانے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارنا پڑ رہے ہوں۔

☆☆☆

"بھئی تم تو کہتی ہو روما کی اماں جان کو روما اور تمہاری دوستی پر اعتراض ہے مگر یہ دیکھو انہوں نے کتنا خوب صورت انویٹیشن بھیجا ہے......" شاہ عالم کائناز کو رابی کی شادی کا کارڈ دکھا رہے تھے جو کچھ دیر پہلے اصیل خان دے کر گیا تھا۔
"اچھا رابی آپا کی شادی کا کارڈ آ گیا۔ روما نے ہی ضد کی ہوگی۔ حالانکہ میں نے اسے سمجھایا بھی تھا۔ دیکھو تم اپنی اماں سے ضد نہ کرو۔ دادا جان کہتے ہیں جتنی زیادہ ضد کرو گی اتنا زیادہ وہ غصہ کریں گی۔" کائناز نوٹس بنانے میں مصروف تھی۔ ایک دم چونک پڑی اور کارڈ کی طرف دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔
"ایسی بات نہیں ہے بیٹا آخر ہم پڑوسی ہیں، جب کسی گھر میں شادی ہوتی ہے تو اڑوس پڑوس میں بھی

انوٹیشن جاتے ہیں بلکہ پڑوسیوں کے تو حق ثابت ہیں۔ ہر خوشی غم کے موقع پر سب سے پہلے پڑوسی ہی تو موجود ہوتے ہیں۔'' شاہ عالم نے کارڈ کھول کر پڑھتے ہوئے بڑے مصروف انداز میں کائناز کی بات کا جواب دیا تھا۔

''دادا جان دکھائیں۔'' کائناز اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔

''دو دن بعد شادی ہے، چلو اچھی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ ایک بیٹی کے فرض سے فارغ ہو جائیں گی۔ یہ بہت بھاری ذمے داری ہوتی ہے اور بیٹیاں تو اپنے گھر میں ہی اچھی لگتی ہیں۔'' انہوں نے کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''تو یہ گھر میرا نہیں ہے، میں یہاں پر مہمان ہوں؟'' کائناز نے برامان کر دادا جان کی طرف دیکھا۔

''بالکل! بیٹیاں تو ماں باپ کے پاس اللہ کی امانت کے طور پر آتی ہیں، جن کا بہت اچھی طرح خیال رکھنا چاہیے اور بہت خوش اسلوبی سے ان کی شادی کا فرض ادا کرنا چاہیے۔''

''یہ لیجیے، آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے شادی زندگی کا مقصد ہوتی ہے۔'' کائناز نے اپنے دادا سے شکوے کے انداز میں کہا تھا جیسے اسے دادا کے خیالات سے اختلاف ہو۔

''شادی زندگی کا اس لیے مقصد ہے کہ شادی کے بعد ہی زندگی کے تمام مقاصد کا تعین ہے۔'' شاہ عالم نے مسکرا کر بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ وہ بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے سوچ رہے ہوں کہ ان کی پوتی بھی تو ان کے پاس مہمان ہے۔

''یہ تو خیر کوئی بات نہ ہوئی یعنی شادی سے پہلے کچھ بھی کریں ایسا ہی ہے جیسے جھک مارنا ہو، کام ہوں گے تو شادی کے بعد ہوں گے۔'' کائناز بے ساختہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

وہ اس کی بات سن کر بے اختیار ہنس دیے تھے۔ انہوں نے بہت پیار سے اپنی پوتی کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں سوچنے لگے۔ ''یہ تو ابھی تک بچی بنی ہوئی ہے، کتنی معصومیت ہے اس میں، شاید اس وجہ سے کہ یہ صرف اور صرف اپنے دادا تک محدود ہے۔ اس کی زندگی میں رشتوں کا ہجوم نہیں۔''

''کارڈ تو بہت پیارا ہے لیکن آپ کو ایک بات بتاؤں... دادا جان۔'' کائناز نے کارڈ پڑھ کر لفافے میں رکھتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''ایک نہیں بیٹا دو باتیں بتاؤ، آخر مجھ سے باتیں کرنے والا تمہارے علاوہ اور ہے ہی کون......؟''

''رابی آپا کی شادی ہو تو رہی ہے مگر روما بتا رہی تھی کہ کسی بڈھے سے ہو رہی ہے۔''

شاہ عالم کو یہ سن کر جیسے ایک زوردار دھچکا لگا تھا اور ان کے چہرے سے مسکراہٹ کا تاثر ختم ہو گیا...... بڑی سنجیدگی سے وہ کائناز کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا جو ان کی تجربے کاری اور ذہنی پختگی کا مظاہرہ تھا۔ وہ خاموشی سے کائناز کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''دادا جان آپ بتائیے کون کہے گا کہ روما کی ماں سگی ماں ہیں، دادا جان ان کی تو ایک، ایک حرکت سے لگتا ہے کہ وہ سوتیلی ماں ہیں۔''

''بری بات ہے بیٹا۔'' دادا جان نے فوراً پوتی کی بات کاٹ دی۔ ''اس طرح سے نہیں سوچتے۔ اصل میں ان دونوں بچیوں پر باپ کا سایہ نہیں ہے اور ڈاکٹر صاحبہ ایک تجربہ کار عورت ہونے کی وجہ سے جانتی ہیں کہ انہیں ماں کے ساتھ ساتھ باپ کا کردار بھی ادا کرنا ہے اور بچیاں بدگمان ہو جائیں تو وہ ان کی لاعلمی اور نا تجربہ کاری ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ اتنے اہتمام سے بیٹی کی شادی کر رہی ہیں، فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر دے رہی ہیں تو اسی

سے اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹی کو کتنی محبت اور عزت سے رخصت کر رہی ہیں اور اپنے تمام فرائض ادا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی ہیں۔ بیٹا رو ما کی یہ باتیں سن کر اسے سمجھایا کرو۔ اس طرح تو وہ بچی ذہنی مریضہ بن سکتی ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں نہ ملایا کرو، اچھا خیر تم شادی کی تیاری کرو، اگر تمہیں اس سلسلے میں کچھ چاہیے تو مجھے بتا دینا اور ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آنا۔'' شاہ عالم کے لہجے کی کچھ دیر پہلے والی شگفتگی رخصت ہو چکی تھی۔

کائناز کا یہ جملہ بار بار ان کے ذہن میں گردش کر رہا تھا کہ رابی کی شادی کسی بڈھے سے ہو رہی ہے، وہ سوچ رہے تھے آخر رو ما نے یہ بات کہی ہے اس بات میں کچھ نہ کچھ تو حقیقت ہو گی۔ اس سے آگے ان کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

''بیوٹیشن پانچ بجے تک پہنچ جائے گی، تم شاور وغیرہ لے کر فارغ ہو جانا کیونکہ کافی ٹائم لگ جائے گا۔ نکاح تو گھر پر ہی ہو گا۔ نکاح کے بعد ہم سب ہوٹل چلے جائیں گے۔ ٹھیک ہے؟'' ڈاکٹر مہر جان، رابی کے کمرے میں آ کر رابی کو شادی والے دن کا پورا پروگرام سمجھا رہی تھیں۔

''اماں جان آپ بالکل فکر نہ کریں، جیسا آپ چاہ رہی ہیں ویسا ہی ہو گا۔ آپ کو ویٹ نہیں کرنا پڑے گا......'' رابی نے نظریں اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر ہلکے سے گویا ہوئی۔ ڈاکٹر مہر جان کی آنکھوں میں حیرت آمیز خوشی بہت واضح تھی، وہ آگے بڑھیں شاید زندگی میں پہلی بار یا پھر رابی کی یادداشت میں پہلی بار انہوں نے بہت نرمی اور محبت سے رابی کے سر پر ہاتھ رکھا اور گہری سانس لے کر گویا ہوئیں۔

''رابی تم نے ماں کی بات مان کر ایک بہت بڑے عذاب کو ٹال دیا ہے اور میری بے سکونی کو جیسے سکون کے سمندر میں کنارہ مل گیا ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں، تمہارا خیال رکھوں گی، تم کہیں بھی رہو کسی بھی جگہ ہو، میں تم سے بے خبر نہیں رہوں گی۔ تم اپنی ہر بات ہر پرابلم ماں سے شیئر کر سکتی ہو......''

رابی کا سر اتنا زیادہ جھکا ہوا تھا کہ مہر جان اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتی تھیں لیکن رابی کی خاموشی بھی ان کے لیے بہت تھی۔ انہوں نے اس کے سر پر سے اس نرمی اور آہستگی سے اپنا ہاتھ ہٹایا۔

''تمہاری ساری چیزیں تمہارے کمرے میں پہنچ جائیں گی۔ بیوٹیشن تمہیں تمہارے کمرے میں ہی تیار کرے گی، یہ پارلر وغیرہ جانا مجھے ویسے بھی پسند نہیں اور میری نظر میں دلہن کی تیاری گھر پر ہی اچھی لگتی ہے.... بہرحال اپنی اپنی سوچ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اب رابی نے گردن موڑ کر جاتی ہوئی ماں کو دیکھا تھا لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا...... خوشی نہ غم...... خفگی نہ غصہ...... یوں لگتا تھا جیسے اس نے اپنے سارے جذبات کسی کونے میں دبا دیے تھے اور اتنی اچھی طرح کہ وہ بار بار سر نہ ابھار سکیں۔

☆☆☆

جابر علی آتے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ جیسے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ صابرہ سلائی مشین پر کچھ پرانے کپڑے مرمت کر رہی تھی۔

''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اس پر غور کرو، ہمیں جلدی شادی کرنا ہو گی۔''

''لیکن ہم نے کون سا اپنی بیٹی کے رشتے کے یے ہاں کہا ہے، جب ہاں ہو جائے گی پھر دیکھی جائے گی یہ تو پھر تاریخ رکھتے وقت ہی سوچا جائے گا، کتنی جلدی کرنی ہے اور کتنی دیر......'' صابرہ نے چلتی ہوئی مشین کو

روک کر شوہر کی طرف دیکھا اور بڑے وقار سے گویا ہوئی۔ صابرہ کو لڑکے کی عمر کا اندازہ ہو جانے کے بعد بہت احتیاط سے بات کرنا تھی۔

جابر علی کے اندر جیسے طیش غصے کا طوفان برپا ہو گیا۔ وہ برہان کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جلد سے جلد یہ معاملہ نپٹا دینا چاہتا تھا۔

''بھئی آخر ایک دن لڑکی کی شادی کرنی ہے، خود ہی تو ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی تھیں کہ لڑکیاں بڑی ہو گئی ہیں، کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آ رہا۔ میں نے فلانی سے کہا ہے، ڈھمکانی سے کہا ہے اب جبکہ رشتہ آ گیا ہے تو پتا نہیں تمہارے دماغ میں کیا بھر گیا ہے۔''

''میرے دماغ میں کوئی فتور نہیں بھرا...... لیکن اتنی جلد بازی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ انسان دو روپے کی مٹی کی ہانڈی لیتا ہے تو اسے بھی ٹھوک بجا کر دیکھتا ہے کہیں چٹخی ہوئی تو نہیں ہے، لڑکا دیکھا، نہ لڑکے کا خاندان اور شادی کی جلدی ہو رہی ہے، آپ یقین کریں میری تو سمجھ ہی نہیں آ رہا کہ یہ کیا ہونے جا رہا ہے۔''

''بھئی تم ٹھنڈے دماغ سے غور کرو گی تو بات ہو گی۔ تم نے تو جیسے اپنا ذہن بنا لیا ہے، ادھر میں نے کچھ کہا ادھر تم نے انکار کیا۔'' جابر علی نے اب ذرا تحمل کا مظاہرہ کیا کیونکہ اتنی تو سمجھ وہ بھی رکھتا تھا کہ صابرہ سے ضد بحث یا سختی اس کے لیے اور مشکلات کھڑی کر دے گی اور وہ اپنے ایس پی کو جو اس پر فدا تھا ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ٹھیک ہے، میں کون سا انکار کر رہی ہوں، آپ خواہ مخواہ مجھ سے بدگمان ہو جاتے ہیں، آپ لڑکے کو گھر بلا لیجیے، دیکھ لیتے ہیں۔ اتوار کا دن مناسب رہے گا کیونکہ برہان بھی گھر میں ہوتا ہے۔'' صابرہ نے بھی بہت تحمل، پُروقار انداز میں ایک منطقی بات کی۔

''بھئی تم ماں ہو، مجھے تم سے رائے لینی ہے، رہی برہان کی بات تو وہ ہوتا کون ہے......'' جابر علی نے بیوی کی طرف دیکھا۔ برہان کے نام پر اس کے ماتھے پر گہری شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''کمال کرتے ہیں آپ! برہان آپ کا اپنا بیٹا ہے، ہماری بچیوں کا بڑا بھائی ہے، جوان ہے، گھر کے معاملے میں اپنی رائے دینے کے قابل ہے۔'' صابرہ نے فوراً ہی شوہر کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ اس کے دل پر ایک بوجھ سا آ پڑا تھا کہ آخر جابر علی، برہان کے پیچھے ہاتھ دھو کے کیوں پڑا ہے کہ اس سے ہر وقت خفا خفا رہنے لگا ہے۔

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، بڑا بھائی ہے مانتا ہوں لیکن ابھی رائے دینے کا اختیار نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ میں زندہ ہوں۔ میرے مرنے کے بعد میری سیٹ پر بیٹھے گا' فیصلے بھی کرے گا...... اور مشورے بھی دے گا۔ ابھی فی الحال میری طرف سے اجازت نہیں ہے۔'' جابر علی نے بڑے دوٹوک انداز میں گویا اپنا فیصلہ سنا دیا کہ وہ بیٹے کے مشورے کو اہمیت نہیں دیتا...... صابرہ کپڑے مشین کے اوپر رکھ کر کھڑی ہو گئی اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے پاس آئی جو ابھی تک بیٹھا نہیں تھا...... اتنی دیر سے کھڑا ہی تھا بلکہ ٹہل ٹہل کر صابرہ سے بات کر رہا تھا۔

''آپ غصہ تھوک دیں، برہان صرف میرا بیٹا نہیں، آپ کا اپنا خون ہے، آپ کی اپنی اولاد ہے اور جوان بیٹا باپ کا بازو ہوتا ہے۔'' صابرہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''ابھی ان بازوؤں میں بڑا دم ہے، مجھے کسی کے بازو کی ضرورت نہیں، ہاں البتہ تم بیٹے کی جوانی پر اترائی رہو وہ الگ بات ہے مگر اولاد پر زیادہ بھروسا کرنا بہت بڑا دھوکا ہے، جو انسان خود اپنے آپ کو دیتا ہے۔

ارے باہر نکل کر دیکھو، دنیا میں کتنے پیار سے بچوں کو پالا لاکھوں روپے لگا دیے ان کی تعلیم پر...... باہر نکل گئے مڑ کر ماں باپ کی طرف دیکھا نہیں، میموں سے شادیاں کر کے لائف انجوائے کر رہے ہیں، یہ ہے آج کل کی اولاد......"

جابر علی نے کڑے تیور کے ساتھ بیوی کی طرف دیکھا......اور اپنی طرف سے بڑی طاقت ور دلیل دی تھی۔

"میرا بیٹا ایسا نہیں ہے، وہ مجھے یا آپ کو کبھی مشکل میں تنہا نہیں چھوڑے گا......" صابرہ نے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

"تم کسی اور ہوا میں ہو، اس لیے کہ کچن سے لے کر سبزی والے اور گوشت والے تک تمہاری آمد و رفت ہے۔ یہ دو چار منٹ میں تم کیا دنیا دیکھوگی، صابرہ بیگم ہوش کے ناخن لو، بیٹے کو اتنا زیادہ سر پہ نہ چڑھاؤ......" جابر علی مسلسل برہان کے خلاف بول رہا تھا یے جا غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ صابرہ سے کیسے برداشت ہوتا یوں تو وہ ہر صورت شوہر کو قائل کرنا چاہتی تھی کہ ہر معاملے میں اسے بیٹے سے مشورہ لینا چاہیے۔

"چلیں چھوڑیں، آپ لڑکے کو بلوائیں، پہلے اسے تو دیکھ لیں، اس سے تو مل لیں، یہ تو بعد کی بات ہے اور رہی یہ بات کہ آپ سمجھتے ہیں کہ برہان بلاوجہ آپ کی مخالفت کرے گا۔ ایسا نہیں ہے اگر لڑکا پسند آ گیا اور وہ واقعی اس قابل ہو کہ پسند کیا جائے تو وہ میرے اور آپ کے خلاف نہیں جائے گا اور آپ کے فیصلے پر سر جھکائے گا۔ اس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی مخالفت نہیں ہوگی۔" صابرہ نے جیسے اسے تسلی دی تھی۔ جس پر اس کی بات کا الٹا ہی اثر ہوا تھا۔

"وہ میرے خلاف جائے گا بھی کیسے......؟ جسے اس گھر میں رہنا ہے اسے میری بات ماننا ہوگی۔" وہ صابرہ کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے مخاطب تھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں، آپ کا بیٹا ہے، آپ کا خون ہے...... آپ کیوں اتنے بدگمان ہو رہے ہیں جی۔"

"اچھا، اچھا...... بس...... مجھ سے یہ چکنی چپڑی باتیں نہ کرو، یہ جو اتنا بگاڑ پھیل رہا ہے ناں یہ سب نکمی ماؤں کا کیا دھرا ہے، جاؤ اپنا کام کرو، میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا......" جابر علی نے روایتی بے مروتی کا مظاہرہ کیا۔ صابرہ چپ چاپ باہر چلی گئی۔

☆☆☆

شبینہ، صابرہ کے کہنے پر جلدی جلدی باپ کے لیے چائے بنانے میں مصروف تھی۔ باپ کی بے وقت اور دن کی روشنی میں آمد نے اس کے اپنے ہاتھ پاؤں پھلا رکھے تھے۔

جابر علی دن کی روشنی میں کم ہی دکھائی دیتا تھا۔ آج وہ گھر آیا تھا تو یقیناً بڑی غیر معمولی بات تھی...... شبینہ چائے نکالنے میں مصروف تھی کہ ستارہ بڑی خاموشی سے کچن میں داخل ہوئی اور شبینہ کے برابر میں جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے گردن موڑ کر بہن کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کے چہرے کے تاثرات سے کچھ اخذ کرنا چاہ رہی ہو۔

"مبارک ہو۔" ستارہ نے اس کے کان میں سرگوشی کے انداز میں کہا۔

شبینہ نے چائے کی چھلنی اور برتن ایک طرف رکھتے ہوئے ستارہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن اور سوال تھے۔

"کس بات کی مبارک باد دے رہی ہو؟ کیا کوئی لاٹری نکل گئی ہے، ویسے اس گھر میں ایک لاٹری ضرور نکلنی چاہیے۔ بہت سارے دلدّر دور ہو جائیں گے۔" وہ اپنی الجھن کو مسکراہٹ کی آڑ میں چھپا کر ستارہ سے

مخاطب ہوئی۔

"بھئی تمہاری شادی ہو رہی ہے، امی کہہ رہی تھیں کہ لڑکے کو بلاؤ، لڑکا دیکھنا ہے تم بتاؤ دیکھنا ہے......؟" شبینہ نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو، مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے لڑکا وڑکا دیکھنے کی۔"

"کیا بغیر دیکھے ہی چلی جاؤ گی اس کے گھر؟ ابا جان نے تو جیسے ٹھان لی ہے، مجھے لگ رہا ہے کہ دو چار دن میں ہی تمہاری شادی ہو جائے گی۔" ستارہ اب شوخ انداز میں اسے چھیڑ رہی تھی...... شبینہ کی نظریں جھک گئیں۔

"بھئی میں نے تمہیں کہا ہے ناں مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کرو، مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"شادی کی باتیں بھی اچھی نہیں لگتیں۔ ارے میں تو اس بات کی مبارک باد دے رہی ہوں کہ جان چھوٹ رہی ہے تمہاری...... بس اب اپنے گھر میں جا کے اپنی مرضی کی زندگی گزارنا...... صبح فجر سے لے کر عشا تک تمہارے کانوں میں ابا جان کی آواز نہیں آئے گی۔"

"میں اس طرح سے نہیں سوچتی ستارہ اور ابا جان کی باتوں کا برا بھی نہیں مانتی۔ وہ ہمارے باپ ہیں، ہمارے لیے دن رات محنت کرتے ہیں، ان کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی پسند اور اپنی مرضی کے مطابق چلائیں۔" اس نے چائے میں دودھ ملاتے ہوئے بڑی سنجیدگی اور اعتماد سے ستارہ سے بات کی تھی۔

"ہاں تم نے اور امی نے اس گھر کے ماحول کو زہر آلود کیا ہوا ہے۔ ہر جائز ناجائز بات میں، جی ہاں...... جی ہاں کرتے کرتے دوسرے لوگوں کا بھی بیڑا غرق کر دیا ہے۔ یہ کون سی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بندہ ٹھیک بات کرے گا اور دوسرے لوگ جب کریں گے غلط ہی کریں گے۔"

شبینہ نے ستارہ کی اس ناگوار بات کے جواب میں کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور چائے کا کپ لے کر کچن سے باہر جانے لگی۔

"تم واقعی میرے مقابلے میں بہت شکر گزار ہو، میرا دل کہتا ہے ابا جان تمہارے لیے کوئی ہیرا ہی چن کر لائے ہیں۔" ستارہ نے اسے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بولی۔ شبینہ نے ستارہ کی اس بات کے جواب میں اب بھی کچھ نہیں کہا اور خاموشی سے کچن سے باہر چلی گئی۔

"چلو یہ بھی بہت ہے، گھر کا کوئی ایک بندہ تو کھلی فضاؤں میں سانس لے گا۔" اس نے ایک گہری سانس

لی اور جیسے اپنے آپ سے کہا۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان، گل جان اور روما کے ساتھ ڈائننگ میں موجود تھیں۔ رابی ابھی تک نہیں آئی تھی۔
"رابی کو نہیں بتایا کہ کھانے پر اس کا انتظار ہو رہا ہے۔" ڈاکٹر مہر جان، گل جان کی طرف دیکھ کر بولیں۔
"وہ شاید سو رہی ہیں آپا۔" روما نے جلدی سے بولی۔
اب گل جان کے سمجھانے بجھانے سے اتنا اثر تو ہوا تھا کہ اس کا کئی دن کا خراب موڈ کچھ کچھ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔
"یہ بے وقت کیسے سوگئی...... یہ کوئی سونے کا ٹائم ہے، اسے معلوم نہیں کہ اس وقت سب ڈائننگ میں ہوتے ہیں اور میرے گھر میں ہر کام وقت پر ہوتا ہے، کتنی بار بتانا پڑے گا۔"
"چھوڑیں اماں جان، اب آپا کو تھوڑی سی من مانی کرنے دیں۔ کل تو...... ویسے بھی وہ چلی جائیں گی۔" روما نے صلح جو انداز میں ماں سے بات کی اور ساتھ ہی یہ تاثر بھی منتقل کرنا چاہا کہ وہ اب ان سے ناراض نہیں ہے کیونکہ اسے احساس تھا کہ اب گھر میں شادی ہو رہی ہے، اس کی بہن ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے جا رہی ہے، خود بخود اس کے اندر صبر و سکون کی اور سمجھوتے کی کیفیت اتر آئی تھی۔
"میں دیکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر گل جان اپنی جگہ سے کھڑی ہونے لگی۔
"میں نے آتے ہوئے دیکھا تھا خالہ جانی، آپا کے کمرے کا دروازہ اندر سے بند ہے، اس لیے میں کہہ رہی ہوں کہ آپا سو رہی ہیں۔"
"نہیں، نہیں اسے اٹھاؤ اور کہو کہ کھانے پر اس کا انتظار ہو رہا ہے، کل اس کی شادی ہے اور اسے اپنے کھانے پینے کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔" ڈاکٹر مہر جان نے گل جان کو جیسے جانے کی اجازت دی۔ وہ خاموشی سے ڈائننگ سے باہر چلی گئی۔
"چلو تم تو شروع کرو، رابی بھی آ ہی جائے گی۔" مہر جان نے اس سے کہا اور اپنی پلیٹ میں بڑے نپے تلے انداز میں تھوڑا سا سالن نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ اس نے ماں کی بات سنی اور آہستگی سے سالن کا ڈونگا اپنی طرف سرکایا اور چمچ ڈال کر ہلانے لگی۔
"سالن ٹھنڈا ہو جائے گا یہ کیا کر رہی ہو...... کھاتی کیوں نہیں؟" انہوں نے اسے ٹوکا۔
"وہ میں آپا کا انتظار کر رہی ہوں، ساتھ میں شروع کرتے ہیں، وہ آ ہی رہی ہوں گی۔"
"گل جان گئی تو ہے اسے اٹھانے، تم شروع کرو......" روما نے ماں کی بات سنی اور تابعداری کے انداز میں سالن اپنی پلیٹ میں نکالنے لگی۔ گل جان الٹے پاؤں واپس آ گئی۔ اس کے چہرے پر فکر و تشویش تھی۔
مہر جان نے نظریں اٹھا کر گل جان کی طرف دیکھا اور پھر اس طرف دیکھا جہاں سے گل جان گزر کر آئی تھی۔ جیسے وہ اندازہ لگا رہی ہوں کہ رابی اس کے پیچھے پیچھے آئی ہے کہ نہیں۔
"وہ بی بی جان...... میں نے دروازے پر دستک بھی دی، آوازیں بھی دیں۔ رابی دروازہ ہی نہیں کھول رہی۔"
"تم ذرا زور سے دروازہ بجاتیں، کیا پتا گہری نیند میں ہو۔" انہوں نے عجیب انداز میں کہا۔ "ہو سکتا ہے کچھ زیادہ ہی تھکی ہوئی ہو، رات کو ٹھیک سے نہ سوئی ہو، ورنہ وہ بے وقت سوتی تو نہیں ہے۔"
"بی بی جان...... میں نے کافی زور سے دستک دی تھی اور کئی آوازیں بھی دیں اندر سے کوئی آواز نہیں

آ رہی۔" گل جان ہچکچاتے ہوئے گویا ہوئی۔ مہر جان نے یہ سن کر جیسے چند لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"میں دیکھتی ہوں، یہ بڑا مسئلہ ہے، آج کل کے بچوں کو وقت کی قدر و قیمت کا کوئی احساس ہی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی ڈائننگ روم سے نکل گئیں تو گل جان بھی واپس سیٹ پر بیٹھنے کے بجائے ان کے پیچھے ہی چل پڑی۔ روما نے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور گہری سانس لی۔

☆☆☆

"رابی دروازہ کیوں نہیں کھول رہی ہو؟" گل جان دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹتے ہوئے رابی سے مخاطب تھی۔
ڈاکٹر مہر جان دروازے کے سامنے بنی ہوئی راہداری میں بڑی بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔ انہوں نے خود دستک نہیں دی تھی۔ جیسے یہ ان کی انا کے خلاف تھا کہ وہ گل جان یا کسی ملازم کے ہوتے ہوئے خود کچھ کریں۔ گل جان کی اس آواز اور دستک کے بعد بھی اندر سے کوئی آواز کوئی ردعمل ظاہر نہیں ہوا۔ جب وہ دو چار بار زور زور سے دروازہ پیٹ چکی تو مہر جان نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔
"ایک منٹ رکو گل جان...... اصیل خان سے کہو چابیاں لے کر آئے...... سارے گھر کی چابیاں اس کے پاس ہوتی ہیں۔"
گل جان بہن کا حکمیہ انداز دیکھ کر سوچتے ہوئے راہداری سے باہر چلی گئی۔
ڈاکٹر مہر جان اسی طرح بڑی بے چینی اور بے قراری سے ٹہل رہی تھیں۔ چند منٹ ہی گزرے تھے کہ گل جان اور اصیل خان دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے راہداری میں داخل ہوئے۔
اصیل خان نے لاشعوری طور پر نظر اٹھا کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ مہر جان اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔
اصیل خان نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور دروازے کی طرف بڑھا۔
"دروازہ کھولو اصیل خان، دیکھو اس میں اس دروازے کی چابی ضرور ہوگی کیونکہ سارے گھر کی چابیاں اس میں ہیں۔"
اصیل خان چابیوں کا گچھا لے کر دروازے کے قریب گیا اور ایک، ایک چابی لگا کر وہ دروازہ کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ سات آٹھ چابیاں وہ گھما چکا تب کہیں جا کر ایک چابی لگی۔ دروازہ کھٹاک کی آواز سے کھل گیا۔

ڈاکٹر مہر جان تیر کی طرح دروازے کی طرف بڑھیں۔اصیل خان ان کو تیزی سے آتا ہوا دیکھ کر ایک سائڈ پر ہوگیا۔مہر جان نے دروازے کا ہینڈل خود کھولا تھا۔دروازہ کھلا، کمرے میں تاریکی تھی۔

مہر جان نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی اور دروازہ پورا کھول دیا۔

اصیل خان اپنی جگہ کھڑا رہا جب کہ گل جان ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی۔جیسے اسے خود بہت بے چینی اور بے قراری تھی۔ یہ جاننے کے لیے آخر کیا ہوا ہے، رابی دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھی اور دروازہ کھلنے کے بعد بھی اندر کسی کی موجودگی کا احساس کیوں نہیں ہورہا۔وہ پورے جاگتے ہوئے حواس کے ساتھ سب کچھ محسوس کررہی تھی۔ اس وقت اس کے حواس پرندوں کے حواس کی طرح بہت تیزی سے کام کررہے تھے۔

کمرے میں روشنی پھیل چکی تھی۔ کمرا خالی تھا...... دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف یوں دیکھا جیسے ان کے سر پر کوئی آسمان ٹوٹ پڑا ہو پھر بھی گل جان نے مہر جان سے پہلے خود کو سنبھال لیا تھا۔

''شاید واش روم میں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولتے ہوئے آگے بڑھی اور واش روم کے دروازے پر اپنی انگلی سے دستک دی۔

مہر جان کی نظریں باہر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر تھیں، سارے سوئچ آف تھے۔اس نے مہر جان سے کچھ نہیں کہا۔البتہ خود بڑی بدحواسی میں واش روم کے دروازے کا ہینڈل دبا کر دروازہ کھولا تھا واش روم میں تاریکی تھی۔گل جان نے واش روم کی لائٹ آن کی۔واش روم بھی خالی تھا۔اس نے جیسے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور دہل کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔جو سکتے کی کیفیت میں اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں اور جیسے پلکیں جھپکانا بھول چکی تھیں۔

گل جان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ بہن سے کیا بات کرے۔وہ اپنی جگہ پتھر کی بت بن کر کھڑی ہوگئی۔ڈاکٹر مہر جان جیسے اپنے تمام حواس مجتمع کر کے اس سے مخاطب ہوئیں۔جیسے وہ کسی کنویں میں اتری ہوئی ہوں اور ان کی آواز بہ مشکل کنوئیں کے باہر آرہی ہو۔

''دروازہ صرف بند ہی نہیں تھا locked بھی تھا۔اس کا مطلب ہے کہ رابی دروازہ لاک کر کے باہر گئی ہے مگر کہاں گئی ہے؟'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

گل جان کو تو اپنی ٹانگیں بالکل بے جان محسوس ہورہی تھیں۔ اس کے اندر حرکت کرنے کی سکت نہیں تھی۔ڈاکٹر مہر جان نے گل جان کی طرف گھورا۔

''اصیل خان اندر آؤ......'' مہر جان نے بڑی بلند آواز میں اصیل خان کو للکارا۔

اصیل خان جو راہداری میں ہی ٹہل رہا تھا اور شاید کسی اندیشے کے سبب ابھی تک آس پاس ہی تھا۔اسے بھی کھوج تھی کہ اندر کیا ہوا ہے، رابی کا کمرا locked ہے تو رابی اندر کیا کررہی ہے۔جب مہر جان کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے آواز کے زیر و بم سے ہی اندازہ لگالیا کہ کوئی قیامت برپا ہوئی ہے۔وہ فوراً ہی اندر آگیا تھا۔

''تم اس گھر کی چوکیداری پر مامور ہو، ٹھیک ہے گارڈ کی اپنی ڈیوٹی ہوتی ہے لیکن گارڈ پر نظر رکھنا بھی تمہارے فرائض میں سے ہے۔'' مہر جان نے اس کی طرف دیکھا اور بالکل سپاٹ لہجے میں گویا ہوئیں۔

اصیل خان کی تو قوتِ گویائی ساتھ چھوڑ چکی تھی۔وہ گونگے بہرے انسان کی طرح مہر جان کی طرف دیکھ

رہا تھا۔

"میں تم سے مخاطب ہوں اصیل خان...... رابی کا کمرا locked تھا، تم کہاں مرے ہوئے تھے، تمہیں اس گھر میں رہنے والوں کے آنے جانے کا پتا نہیں ہوتا۔ رابی کا بیڈ روم لاکڈ تھا تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ رابی گھر میں نہیں ہے۔ وہ کس کو بتا کر باہر گئی ہے؟" ڈاکٹر مہر جان نے اپنی نظروں کا رخ موڑ کر گل جان کی طرف گھورا۔

گل جان کے پورے وجود میں جیسے کپکپی طاری ہوگئی۔

"بی بی جان...... شام کو رابی سے میری بات ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش، مطمئن اور پُرسکون نظر آرہی تھی بلکہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ خالہ جانی میں اماں کی بات مان کر مطمئن ہوگئی ہوں۔ میں جو غلطی کر رہی تھی اس پر مجھے بہت شرمندگی ہے کہ میں نے اپنی ماں کو اتنا مینٹلی ٹارچر کیا اب زندگی بھر اماں کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" گل جان کانپتے ہوئے جیسے رابی کا بیان پڑھ کر سنا رہی تھی۔

"یہ سب کچھ کہا تھا تم سے رابی نے...... بے وقوف عورت! وہ ہم سب کو بے وقوف بنا رہی تھی۔ وہ بہت تیز ہے اس نے کوئی بہت بڑا اقدام اٹھالیا ہے۔"

"اصیل خان...... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں نے تم پر بہت رحم کھایا، تم نے جو درخواست پیش کی میں نے وہ منظور کی، تم نے جو کہا میں نے کرلیا۔ اب...... اب تیار ہو جاؤ اب تمہیں میری طرف سے کوئی رعایت نہیں ملے گی۔ اس خاندان کی عزت کے جنازے پر جنازے اٹھ رہے ہیں...... ارے، میں انسان ہوں، میری برداشت کی کوئی حد ہوگی؟ ہر چیز کی حد ہوتی ہے کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا میرے اندر روح نہیں ہے؟ کیا میں فولاد سے ڈھلی ہوں، کیا میرے کندھے پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہیں؟ اب میں یہ سارے بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔ میں آج ہی سارے بوجھ اٹھا کر پھینک دوں گی۔ میں تمہیں...... میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی، یہ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوا ہوگا۔ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی تم اس گھر میں ہر طرف نظر رکھتے ہو، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس گھر میں کچھ ہو اور تمہیں خبر نہ ہو۔"

اصیل خان مہر جان کا یہ سفاکانہ انداز دیکھ کر بھی اسی طرح پُرسکون اور خاموش کھڑا ہوا تھا جب اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر مہر جان کی بات پوری ہوگئی ہے تو بڑی آہستگی سے گویا ہوا۔

"میں مغرب کی نماز پڑھ کر صبح کے ناشتے کے لیے سودا سلف لینے کے لیے باہر نکلا تھا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ بیس منٹ لگے ہوں گے، اتنی دیر میں گھر سے دور ضرور رہا ہوں اس کے بعد میں نے گھر کے کسی فرد کو نہیں دیکھا۔" اس نے جیسے اپنی صفائی پیش کی۔

"مکار انسان، تو نے آخر کار مجھ سے بدلہ لے لیا۔ اگر رابی اس گھر میں نظر نہیں آئی تو یاد رکھو اب کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ ہر طرف آگ لگے گی اور میں خود لگاؤں گی۔ جاؤ اسے ڈھونڈ کر لاؤ...... وہ کہاں گئی ہے، بغیر بتائے کہاں چلی گئی، میرا دماغ بالکل کام نہیں کر رہا...... گل جان مجھے کچھ ہو رہا ہے۔ گل جان میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا ہے مگر میں...... مگر میں تم دونوں کو...... تم دونوں کو نہیں چھوڑوں گی میں...... میں تمہارا حشر کیے بغیر نہیں مروں گی۔" ڈاکٹر مہر جان تیر کی طرح آگے بڑھیں اور انہوں نے اصیل خان کا گریبان دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر زور زور سے کئی جھٹکے دیے۔

مہر جان جیسے لڑکھڑانے لگیں...... گل جان نے آگے بڑھ کر بہن کو تھاما اور اپنے سینے سے لگالیا۔

"بی بی جان...... پلیز ہوش کریں۔ شاید رابی یہیں کہیں گئی ہو، اتنی ہمت نہیں ہے اس گھر کی لڑکیوں میں

کہ وہ رات کی تاریکی میں گھر کی دہلیز پھلانگ جائیں۔ بی بی جان...... خود کو سنبھالیں یہیں کہیں گئی ہوگی، ہوسکتا ہے چھت پر ہو، بی بی جان...... خود کو سنبھالیں کچھ بھی نہیں ہوا...... کچھ بھی نہیں ہوا۔" وہ بول رہی تھی لیکن ڈاکٹر مہر جان دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے لڑکھڑاتی ہوئی گل جان کے اوپر سارا وزن ڈال رہی تھیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ بے ہوش ہوچکی ہیں، ان کے ذہن نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔

گل جان نے بڑی بے بسی کی کیفیت میں اصیل خان کی طرف دیکھا تھا جیسے اس سے مدد طلب کی تھی۔ مہر جان کا پورا بوجھ گل جان پر تھا۔

اصیل خان آگے بڑھا۔ اس نے ڈاکٹر مہر جان کو اپنے بوڑھے مگر مضبوط بازوؤں میں تھام لیا اور وہیں رابی کے بستر پر لٹا دیا۔

"آپ ڈاکٹر صاحبہ کا خیال رکھیں میں...... میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں، ڈاکٹر صمد، ڈاکٹر مہر جان کے ساتھ کام کرتے ہیں اور قریب بھی ہیں، میں انہی کو بلاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اصیل خان تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

گل جان، مہر جان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ اور ان کی ہتھیلیوں کو اپنی ہتھیلیوں سے رگڑ رہی تھی۔ اس کا اپنا ذہن بالکل ماؤف ہوچکا تھا۔ جیسے آخری سانسیں گن رہی ہو۔

☆☆☆

برہان اپنی رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا نوٹس بنا رہا تھا وہ بڑی تیزی سے قلم چلا رہا تھا۔ قلم چلاتے چلاتے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کمرے کا دروازہ بڑی آہستگی سے کھلا ہے۔ اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو ستارہ دبے پاؤں چوروں کی طرح اندر آرہی تھی۔ ستارہ کو دیکھ کر اس نے پین رکھ دیا۔ ستارہ نے اندر داخل ہوکر بہت محتاط انداز میں دروازے کو بند کیا اور بھائی کے قریب چلی آئی۔

"خیریت......؟ ابھی تک جاگ رہی ہو پھر کوئی الٹی سیدھی حرکت تو نہیں کی، لگتا ہے ابا جان کی جھاڑیں کھا کر آرہی ہو۔" وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ابا جان اتنی آہستہ آواز میں نہیں جھاڑتے اگر مجھے جھاڑیں پڑتیں تو آپ کے کمرے تک آوازیں آتیں۔" ستارہ بہت آہستہ آواز میں بات کررہی تھی۔

"تمہارا انداز بڑا پُراسرار ہے، خیریت تو ہے؟"

"ایک خبر آپ کو سنانے آئی ہوں بھائی جان۔"

"خبر......؟" اس نے بہن کی طرف کھوجتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"وہ بھائی جان آج ابا جان بڑی جلدی آگئے تھے اور امی سے شبینہ کی شادی کی باتیں کررہے تھے۔ شبینہ تو کچھ نہیں بولتی۔ وہ تو بہت اچھی بیٹی ہے، بس میں ہی خراب ہوں۔"

"اصل بات کرو...... کہاں سے کہاں چلی جاتی ہو، کیا کہنے آئی تھیں، کیا خبر ہے تمہارے پاس؟" برہان الجھن میں پڑ گیا تھا اور شبینہ کی شادی کی بات پر تو ظاہر ہے اس نے چونکنا ہی تھا۔

"میں یہ کہنے آئی ہوں بھائی جان کہ ابا جان...... امی سے شبینہ کی شادی کی بات کررہے تھے، پتا نہیں کہیں اپنے ہی جیسا کوئی نہ ڈھونڈ لیا ہو۔"

"کیا مطلب اپنے ہی جیسا؟ ستارہ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ میں کچھ نہیں سمجھا۔"

"بھائی جان میں یہ کہہ رہی ہوں، وہ جو کوئی بھی بندہ ہے، آپ ضرور دیکھ لیں، پتا نہیں کس سے شبینہ کی

شادی کررہے ہیں ابا۔"

"پاگل ہو تم...... ایسے ہی شادی ہو جائے گی، ظاہر ہے وہ جو بھی ہے امی بھی دیکھیں گی، میں بھی دیکھوں گا، تم کیوں اتنی ٹینشن میں ہو۔"

"میں تو صرف آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ خدا کے لیے آنکھیں بند کرکے شبینہ کی شادی نہ کردیجیے گا۔ ابا جان کو تو جو بھی پسند آئے گا اپنے ہی حساب سے پسند آئے گا۔"

"ضروری نہیں ہے ستارہ، ہوسکتا ہے ابا جان کوئی بہت ہی اچھا رشتہ لے کر آئے ہوں۔ ان کے کسی ملنے جلنے والے نے بتایا ہوگا۔ تم فضول میں ٹینس ہو رہی ہو، جاکر آرام سے سو جاؤ، جب دیکھنے دکھانے کی نوبت آئے گی تو دیکھ لیں گے۔"

"بھائی جان بس آپ سے اتنی ریکوئسٹ ہے کہ اگر کوئی یونہی سا بندہ ہے تو آپ کو اسٹینڈ لینا پڑے گا۔ دیکھیں شبینہ تو کچھ نہیں بولے گی، ظاہر ہے میں بھی ابا جان کے سامنے نہیں بول سکتی صرف آپ ہیں جو غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔"

"میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں ستارہ لیکن میری بھی ایک حد ہے، میں باپ کے سامنے ایک حد تک ہی بات کرسکتا ہوں، ان کے ساتھ جنگ نہیں کرسکتا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بھائی جان لیکن آپ دیکھ لیں، مجھے تو پتا نہیں کیوں فکر سی ہوگئی ہے، پتا نہیں کون ہے وہ۔"

"تم اپنی فکر کرو، شبینہ کی فکر چھوڑو اور اپنی پڑھائی لکھائی پر توجہ دو، میرے اور امی کے ہوتے ہوئے تمہیں اس طرح سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابا جان بھی باپ ہیں، وہ اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط سلط بندے کا انتخاب نہیں کریں گے۔ اتنی زیادہ بدگمانی بھی اچھی نہیں ہوتی۔"

"بات بدگمانی کی نہیں ہے، بھائی میں تو یہ کہہ رہی ہوں۔"

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے ستارہ، کوئی بات ہوگی تو امی ڈائریکٹ بات کریں گی مجھ سے اور کوئی بھی انسان اپنی سگی اولاد کو کنویں میں دھکا نہیں دیتا۔ ابا جان جو کچھ کریں گے ظاہر ہے سوچ سمجھ کر ہی کریں گے۔ ان کو شبینہ سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے ناں کہ وہ اسے کسی اندھے کنویں میں پھینک دیں گے...... جاؤ جاکر سو جاؤ، جب امی مجھ سے بات کریں گی تو پھر میں دیکھ لوں گا۔" برہان نے قطعی اور دوٹوک انداز میں ستارہ سے کہا تو اس نے خود کو مزید کوئی بات کرنے سے روک لیا اور سر جھکا کر کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

وہ ہوش میں آچکی تھیں، انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بیڈ کے کنارے پر یوں ٹکایا ہوا تھا جیسے اپنا سارا بوجھ ہاتھوں پر ڈالا ہوا تھا۔

اصیل خان اور گل جان مجرموں کی طرح سر جھکائے ان کے سامنے کھڑے تھے۔ مہر جان نے آہستگی سے نظریں اٹھا کر اصیل خان کی طرف دیکھا۔

"اصیل خان مجھے رابی چاہیے، صبح ہونے سے پہلے' پہلے مجھے رابی چاہیے اور تم رابی کو لے کر آؤ گے۔ جہاں کہیں بھی گئی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحبہ میں حلف اٹھانے کو تیار ہوں' میں اس قسم کی حرکت نہیں کرسکتا۔" اصیل خان نے سر جھکا کر بڑے مؤدبانہ انداز میں کہا تھا۔ اس کے لب ولہجے اور چہرے پر خوف یا کسی قسم کی سراسیمگی نہیں تھی۔

"تم ایک شیطانی دماغ کے مالک ہو، اصیل خان...... سازشی انسان، تم نے پھر میری پیٹھ میں چھرا گھونپا ہے، میں نے...... میں نے تمہاری درخواست قبول کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اس کا مطلب یہ کہ میں آج تک ایک سانپ کو دودھ پلا رہی تھی۔" یہ کہہ کر مہر جان نے گہری گہری سانسیں لیں۔

گل جان کانپ رہی تھی...... مگر بالکل خاموش تھی، اسے پتا تھا کہ کسی بھی لمحے مہر جان کی طرف سے اس پر بھی وار ہوگا۔

"تم نے میرے پاؤں پڑ کر ایک کمٹمنٹ کی تھی اصیل خان...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی تم اتنا بھرپور نیا وار کرو گے......" وہ پھر اصیل خان سے مخاطب تھیں۔

"میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں ڈاکٹر صاحبہ، آپ جو مرضی قسم لے لیں، جب بھی حلف اٹھوائیں اس سے آگے میں اپنی صفائی میں کچھ بھی نہیں کہہ سکوں گا۔ اگر آپ سمجھتی ہیں کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں تو گولی مار دیں مجھے، میں اپنی جان بچانے کے لیے اِدھر اُدھر نہیں بھاگوں گا۔ آپ جو سلوک میرے ساتھ کرنا چاہیں...... میں حاضر ہوں۔"

"کب تک مقابلہ کروں میں، کب تک...... تم لوگ نہیں تھک رہے، میں تھکتی جا رہی ہوں۔" مہر جان جیسے بستر سے اٹھ نہیں پا رہی تھیں ان کے سارے قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ لہجے میں عجیب سی شکستگی تھی جو بہت واضح محسوس ہو رہی تھی۔ روما کافی دیر انتظار کے بعد بڑی بے قراری ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئی تھی کیونکہ اس کے اپنے اندر بڑی قیامت خیز دھکڑ پکڑ ہو رہی تھی لیکن وہ وہیں کمرے کے دروازے کے باہر ہی رک گئی تھی اور اندر ہونے والی باتیں باہر کھڑی ہو کر سننے لگی تھی۔

"گل جان تم یہاں کھڑی ہوئی تماشا دیکھ رہی ہو، تم نے بھی مجھ سے آج زبردست انتقام لے لیا۔ میری نظروں کے سامنے سے ہٹ جاؤ کیونکہ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں کچھ کر بیٹھوں گی۔"

وہ یہ سن کر بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ یونہی کھڑی رہی جیسے مہر جان کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں اور وہ چن رہی ہو۔ ڈاکٹر مہر جان نے شعلہ بار نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا تم سے زبانی کلامی رشتہ نہیں ہے گل جان اور کاغذی رشتہ بھی نہیں ہے، تم تو میرا خون ہو، سگی بہن ہو میری، روزِ محشر اپنے بڑوں سے شاید میں بہت سے سوال کروں لیکن کیا کروں روزِ محشر آ کر نہیں دے رہا اور میرے اندر روز حشر اٹھتے ہیں وہ حشر برپا ہونے سے پہلے، پہلے نہ جانے میرے اندر کتنے حشر برپا ہو چکے ہوں گے۔" مہر جان بہت آہستہ آواز میں گل جان سے مخاطب تھیں...... وہ یہ سن کر جیسے تڑپ گئی...... آگے بڑھی اور اس نے ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

"بی بی جان...... اب تو اعتبار کر لیں، ایک عمر کٹ گئی آپ کے ساتھ، میرا آپ سے خون کا رشتہ ہے، اب اتنی اندھیر نگری بھی نہیں۔"

"اندھیر نگریوں سے تو میں گزر آئی گل جان پھر یہ میرا نئے سرے سے کیسا امتحان ہے، کہاں ہے رابی...... رابی کو لاؤ...... مجھے کچھ نہیں سننا...... تم لوگوں سے قسمیں نہیں لینی۔ حلف نہیں اٹھوانے، مجھے صرف اور صرف رابی لاؤ، صبح ہونے سے پہلے، پہلے مجھے رابی کی شکل دکھاؤ، ورنہ اپنی شکلیں گم کرو۔" مہر جان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی ایک جھٹکے سے اپنے پاؤں اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیے۔

اصیل خان الٹے پاؤں چلتا ہوا کمرے سے باہر جانے لگا۔

گل جان بدحواس ہو کر اصیل خان کی طرف دیکھنے لگی۔ جیسے خاموشی کی زبان میں کہہ رہی ہو کہ اصیل خان ہمیں اکیلا چھوڑ کر مت چلے جانا۔

"میں نے آس پاس رابی کی سب سہیلیوں کے گھر پتا کر لیا ہے، ڈاکٹر صاحبہ...... میں جانتا ہوں، ہو سکتا ہے کسی سہیلی کے گھر گئی ہو، راستے میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہو، آپ حوصلہ رکھیں، رابی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ گھر سے بہت دور جا سکے۔" اصیل خان جیسے انہیں تسلی دے رہا تھا۔

"تم اس صدی کے سب سے بڑے شیطان ہو، مت بہلاؤ مجھے، رابی کو لے کر آؤ۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں سننا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے تسلی دینے کی۔ مجھے صرف رابی چاہیے۔ دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔"

اب ڈاکٹر مہر جان پوری قوت سے حلق پھاڑ کر چیخی تھیں۔ وہ کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

گل جان یوں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے پھانسی کا پھندا اس کے گلے میں آ چکا ہو اور جلاد لیور گھمانے ہی والا ہو، موت اور زندگی کے درمیان لمحوں کا فاصلہ رہ گیا ہو۔

☆☆☆

"شام کو تین چار بندے چائے پر ہوں گے کچھ گھر میں بنا لینا کچھ منگوا لینا۔" جابر علی اپنا یونیفارم پہننے کے بعد بیلٹ کستا ہوا صابرہ کے پاس چلا آیا تھا۔

صابرہ کچن کی طرف اس کا ناشتا لینے جا رہی تھی۔ یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ نماز کے بعد وہ جابر علی کی تیاری میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ اس کا یونیفارم نکال کر دینا اور دیگر ضروری چیزیں جوتے وغیرہ نکال کر سامنے رکھنا، یہ سارے کام کرنے کے بعد پھر وہ کچن میں آتی تھی اور اس کا ناشتا تیار کرتی تھی۔ ستارہ اور شبینہ کے کمرے سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ وہ فی الحال ان دونوں کو مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ یہ چاہتی تھی کہ وہ کالج جائیں کیونکہ اس کا ذہن مسلسل ایک ہی جگہ اٹکا ہوا تھا کہ جابر علی شبینہ کا رشتہ لے آیا ہے، اس رشتے سے خوش بھی ہے اور شادی بھی جلدی کرنا چاہتا ہے، لڑکیوں کی پڑھائی لکھائی سے اس کا ذہن بالکل ہٹ گیا تھا۔ ایک عجیب سی بیزاری اور سرد مہری اس کے اندر اتر رہی تھی لیکن منظر دھندلائے ہوئے تھے، کچھ بھی تو واضح نہیں تھا۔ درحقیقت اسے صبح سویرے آج گھر میں یہ خاموشی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کافی عرصے بعد جابر علی کی تیز گرجتی برستی آواز سے سماعتیں محروم تھیں اور آج تو جابر علی خود بھی بہت محتاط تھا، کوئی متنازع بات نہیں چھیڑی تھی۔ بڑی پُرسکون سی صبح تھی۔ صابرہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ اس گھر میں اسی طرح سکون ہو، خوشی ہو، محبت ہو، سب کام بخیر و خوبی ہو جائیں اور اب جبکہ جابر علی نے کہہ دیا تھا کہ شام کو لڑکا آ رہا ہے تو بات بہت قریب آ چکی تھی۔ اب لڑکا دیکھنے سے پہلے اس موضوع پر بات چیت کرنا مناسب لگ ہی نہیں رہا تھا۔

"وہ میں یہ پوچھ رہی تھی کہ لڑکے کی ماں یا اس کی بہن وغیرہ بھی اس کے ساتھ آئیں گی؟" صابرہ نے کچن سے ذرا اونچی آواز میں جابر علی کو متوجہ کر کے پوچھا تھا۔

"نہیں نہیں بھئی بتایا تو تھا کہ ماں باپ نہیں ہیں اس کے اب وہ جعلی رشتے تو بنا کر لانے سے رہا۔ بہت نیک انسان ہے، نمازی پرہیزگار، آج کل کے دور میں پیسے والے کے پاس دین داری کہاں...... جس کے پاس زیادہ پیسہ آ جاتا ہے، وہ تو جیسے اپنے پیسے کو نعوذ باللہ معبود بنا لیتا ہے، یہ ہماری خوش قسمتی ہے یا پھر تمہاری دعائیں قبول ہو گئیں جو تم اپنی اولاد کے لیے کرتی ہو، بہت اچھا رہن سہن ہے اس کا۔ اتنا بڑا کاروبار ہے۔ پانچ وقت نماز پڑھتا ہے، روزے رکھتا ہے اور ہمیں کیا چاہیے۔"

جابر علی اپنے شولڈر پر اسٹار وغیرہ جماتے جماتے پھر کمرے سے آ کر کچن کے دروازے سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو کر بیوی سے بڑے دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا...... اور صابرہ کا جی چاہ رہا تھا کہ یہ وقت رک جائے۔

"تو پھر ساتھ کون لوگ ہوں گے؟" صابرہ نے۔ یونہی پوچھ لیا۔ بیٹی کے رشتے کی بات چل رہی تھی۔ اتنا کچھ پوچھنا تو ایک قدرتی سا عمل تھا۔

"لڑکے کے ساتھ اس کا رشتے دار جو مجھے معلوم نہیں کہ ماموں ہے یا بڑا بھائی ہے وہ ہوگا اور ایک دو اس کے دوست ہوں گے جو یہیں کے رہنے والے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ کاروبار کرتا ہے۔ روز کا ملنا جلنا ہے۔" جابر علی بہت پُرسکون نظر آ رہا تھا۔ جیسے اسے کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو۔

صابرہ نے دل ہی دل میں سوچا یہ تو خود پولیس والے ہیں سیدھی سادی باتوں میں بھی شک کرتے ہیں اور پورا ایکسرے نکالتے ہیں اب بیٹی کے معاملے میں تو ظاہر ہے انہوں نے اچھی طرح اپنی تسلی کی ہوگی۔" اس کے اپنے اندر ایک خوشگوار سا جذبہ کروٹیں لینے لگا۔ آخر کار جوان بیٹی کی شادی کی بات شروع ہو چکی تھی اور وہ بھی جابر علی کی طرف سے جب وہ اس کی توجہ لڑکیوں کی طرف دلاتی تھی تو وہ غصے میں کہا کرتا تھا۔

"کون سا عمر نکلی جا رہی ہے۔"

اب صابرہ اسے یہ نہیں کہہ پاتی تھی کہ لڑکیوں کی عمر کے نکلنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جوان ہونے کے بعد ان کی ذمے داری کو محسوس کرنا چاہیے اور اس ذمے داری کو نبھانے کے لیے کوشش بھی کرنی چاہیے۔ باقی تو سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تقدیر اس نے لکھ دی وہ طے ہے۔

"آپ فکر نہ کریں آپ کو سب کچھ تیار ملے گا۔ میں تو دعا کر رہی ہوں کہ اللہ میری دونوں بیٹیوں کے بھاگ جگا دے، ان کو اچھے بر مل جائیں اور ایسے گھروں میں جائیں جہاں اللہ ان کو ہر طرح کا سکون دے...... آمین۔" صابرہ نے کہا اور جلدی جلدی پراٹھے بیلنے لگی۔

جابر علی دوبارہ کمرے میں جا چکا تھا۔

☆☆☆

رات آنکھوں میں کٹ گئی تھی۔ اب ڈاکٹر مہر جان جیسے عملی اقدام کی طرف آ گئی تھیں۔ ان کا موبائل کان سے لگا تھا۔ گل جان کارپٹ پر بیٹھی تھی...... اصیل خان، مہر جان سے کافی فاصلے پر ہاتھ باندھے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"واسطی صاحب یوں سمجھ لیں کہ میرے لیے وہ لڑکی بہت اہم ہے، وہ میری خاندانی نوکرانی کی بیٹی ہے۔" ڈاکٹر مہر جان فون پر بات کر رہی تھیں۔

گل جان نے چونک کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر فوراً ہی نظریں جھکا لی تھیں۔ مہر جان دوسری طرف کی بات سن رہی تھی۔ پھر بات سننے کے بعد سر ہلاتے ہوئے بولیں۔

"واسطی صاحب پلیز کچھ کریں۔ میں نے ساری زندگی کبھی آپ کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے نہیں کہا۔ یہ بہت اہم ہے اور یہ کام آپ ہی کو کرنا ہے، مجھے کچھ نہیں پتا۔" اتنا کہہ کر وہ رک گئیں... اور دوسری طرف کی بات سننے لگیں۔

"آپ اس کی تفصیلات لکھ لیں، پولیس سے رابطہ کرنا، پولیس سے کام لینا، یہ سب آپ کا کام ہے، میں پولیس اسٹیشن نہیں جاؤں گی، مجھے تو صرف وہ لڑکی چاہیے ہر قیمت پر، ہر صورت اور آپ سے ریکویسٹ

کروں گی یہ کام اگر آج ہی کی تاریخ میں ہو تو بہت اچھا ہے۔ میں اسے اپنی زندگی میں آپ کا سب سے بڑا احسان مانوں گی۔" یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور باری باری گل جان اور اصیل خان کی طرف دیکھا پھر ایک مدہم سی پُراسراری مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔ وہ بڑی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ گل جان سے مخاطب ہوئی تھیں۔ اصیل خان کو انہوں نے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔

"مجبوری ہے گل جان...... دنیا کو کیسے کہہ دوں کہ میری بیٹی بھاگ گئی ہے، اس گھر کی نوکرانی کی بیٹی بنانے سے لے کر کسی کیمپ سے خریدی ہوئی لڑکی کہنے تک کو تیار ہوں مگر اخباروں میں یہ خبر نہیں چھپنے دوں گی کہ ڈاکٹر مہر جان کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے۔"

گل جان نے اپنا جھکا ہوا سر یوں اٹھایا۔ اس کا سارا وجود جیسے کان بنا ہوا تھا۔ وہ ایک ایک حرف اپنے اندر اتار رہی تھی جو مہر جان کے منہ سے نکل رہا تھا۔ گل جان کی خاموشی دیکھ کر مہر جان پھر بولیں۔

"گل جان جو ایک مرتبہ ذلیل ہو جائے، ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو جاتا ہے کیونکہ ذلت کی انتہا سے گزر کر بندہ بے خوف ہو جاتا ہے۔ سارے خوف ختم ہو جاتے ہیں، ذلت کا ذائقہ چکھنے کے بعد لوگ عزت کے مستحق نہیں رہتے اور پھر عزت کی تمنا کرنا بھی چھوڑ دیتے ہیں لیکن کیا کریں جس نے آج تک عزت کو سنبھال کر رکھا ہو اس کے لیے تو ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے۔"

یہ جملہ سن کر گل جان نے گھبرا کر مہر جان کی طرف دیکھا تھا۔ جو اَب براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ ان کا لہجہ بالکل بے تاثر اور سپاٹ تھا۔

"مگر میں اپنی جان نہیں لوں گی اور نہ ہی یہ کہوں گی کہ میری بیٹی بھاگ گئی ہے، دنیا کوئی چھان بین کرنے تو نہیں آ رہی۔ تمہیں پتا ہے ناں کہ تمہاری بہن اس شہر میں کتنی عزت دار ہے، لوگ اس کا کتنا احترام کرتے ہیں اور اس بہن کی اس عزت کے صدقے میں تمہیں بھی عزت مل جاتی ہے۔"

گل جان اور اصیل خان اپنی جگہ پر ساکت اور جامد مہر جان کا ایک، ایک لفظ سن رہے تھے مگر ان کے چہروں پر مہر جان کی کہی باتوں کا ردِعمل ظاہر نہیں تھا۔ یوں جیسے کنویں میں سکے گر رہے ہوں۔

☆☆☆

ڈاکٹر مہر جان نے روما کو کالج جانے سے منع کر دیا تھا اور وجہ نہیں بتائی تھی۔ وجہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ گھر میں موت سے بھی بڑا حادثہ ہوا تھا۔ وہ تو اتنی محتاط ہو گئی تھیں جیسے روما کے اٹھتے قدموں کو بھی تول رہی ہوں۔ انہوں نے براہِ راست روما کو نہیں کہا تھا کہ وہ کالج نہ جائے، یہ پیغام گل جان کے توسط سے اس تک پہنچا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت اس پر طاری تھی۔ پریشانی، دکھ، صدمہ حیرت کیا کچھ نہیں تھا۔ ذہن بار بار ایک ہی نقطہ پر آ کر ٹھہر جاتا تھا کہ آخر اس کی آپا کہاں چلی گئی اور ان کی اتنی ہمت کیسے ہوئی۔ جب تک رات باقی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ اچھا ہو جائے گا۔ رانی اچانک کہیں سے آ جائے گی اور پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہو گیا تھا کہ وہ گھر دیر سے لوٹی ہے لیکن رات گزر گئی تھی صبح کا نور تیز دھوپ کے اجالے میں گم ہو چکا تھا۔ اور رانی کا کہیں نام و نشان نہیں تھا، وہ بھی انسان تھی کچھ کہنا سننا چاہتی تھی لیکن مہر جان، گل جان اس کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کرتی تھیں۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مہر جان اسے اس کے کمرے میں جانے کا کہہ رہی تھیں۔ آخر کار اس نے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا راستہ ڈھونڈ ہی لیا۔

کارڈلیس لے کر چھت پر آ گئی، وہ کائناز سے بات کرنا چاہتی تھی۔ اسے پتا تھا کہ کائناز اکیلی کالج پہنچی

ہوگی اور اسے نہ پا کر اسے کس قدر ٹینشن ہو رہی ہوگی۔ اس نے جیسے ہی کائناز کا نمبر ڈائل کیا پہلی رنگ پر ہی کال ریسیو ہوگئی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کائناز کتنی بے تابی سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی یا اس کی کال کا انتظار کر رہی تھی۔

''ہیلو کائناز میں گھر پر ہی ہوں، آج کالج نہیں آؤں گی۔'' روما کے لہجے میں جو شکستگی اور ٹوٹ پھوٹ تھی وہ کائناز نے پوری قوت سے اپنے حواس میں اترتی ہوئی محسوس کی اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔

''خیریت تو ہے روما کیا ہوا ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''کائناز میں تم سے لمبی چوڑی بات نہیں کر سکتی ہوں، میں بہت ٹینشن میں ہوں، پتا نہیں کب اماں جان میرے کمرے میں آجائیں اور مجھے نہ پا کر ڈھونڈنے لگیں، اب تو بہت ڈر لگ رہا ہے پہلے سے بھی زیادہ......''

روما بے ربط انداز میں جلدی جلدی بولنے لگی۔

''لیکن آخر ہوا کیا ہے، یہ تو بتاؤ ناں تم تو بہت پریشان لگ رہی ہو، ویسے تو پریشان رہتی ہی ہو لیکن اس وقت تمہارے انداز میں مجھے کچھ خاص محسوس ہو رہا ہے۔'' کائناز بڑی دل سوزی سے تڑپ کر پوچھ رہی تھی۔

''میں نے تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے کائناز کہ رابی آپا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں، رات تک تو ہم یہ سمجھتے رہے کہ شاید وہ کہیں گئی ہوں، کچھ مسئلہ ہو گیا ہو، پھنس گئی ہوں، دیر سے واپس آئیں لیکن اب دیکھو کیا ٹائم ہو رہا ہے، ان کا دور دور تک پتا نہیں ہے، نہ کوئی فون آیا ہے، نہ ان کی دوستوں کے گھر سے کچھ پتا چلا ہے۔''

روما بول رہی تھی اور کائناز کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں۔ یہ تو جیسے ایک پورے وجود کو ریزہ ریزہ کر دینے والا دھماکا تھا۔ وہ تو یہ سب کچھ سن کر بولنے کے قابل ہی نہیں رہی۔ بڑی مشکل سے اس کے حلق سے آواز نکل رہی تھی۔

''اوہ میرے خدایا...... یہ تو بہت سیریس معاملہ ہے، خدانخواستہ کہیں ایسا تو نہیں رابی آپا کو کسی نے کڈنیپ کر لیا ہو؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتے کائناز...... اماں جان رات سے کوششیں کر رہی ہیں، دعا کرو، رابی آپا گھر آجائیں، ورنہ تو سمجھو بس ہم تو گئے۔ میں تم سے پھر بعد میں بات کروں گی۔''

اتنا کہہ کر روما نے جلدی سے فون بند کر دیا تھا اور کائناز اپنی جگہ پر یوں کھڑی رہ گئی تھی جیسے اس کا وجود روح سے خالی ہو گیا ہو۔

☆☆☆

ائرپورٹ کے ڈپارچر لاؤنج میں کافی رش تھا۔ وہ بڑی سی چادر میں خود کو چھپائے ایک صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا بریف کیس اور ایک ہینڈ بیگ تھا۔ اس نے اوڑھی ہوئی چادر سے اپنے چہرے کو بہت اچھی طرح چھپایا ہوا تھا اور آنکھوں پر سن گلاسز لگے ہوئے تھے۔ ڈپارچر لاؤنج میں فلائٹ کے لیے اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔

''جانے والی پرواز پی کے 309...... روانگی کے لیے تیار ہے۔'' اتنا سننے کے ساتھ ہی وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا اور بریف کیس کا ہینڈل مضبوطی سے تھام لیا اب رابی اس طرف بڑھ رہی تھی جس طرف اسلام آباد جانے والے مسافر جہاز میں سوار ہونے کے لیے رواں دواں تھے۔

(جاری ہے)



تقاضے دلوں کے

نبیلہ ابر راجا

نور نے اسد کو دوا کھلا کر تکیہ سیدھا کر کے بیڈ پر دوبارہ لٹا دیا تھا۔ اس دوران موجود شہریار بڑی گہری نگاہوں سے اس کا مسلسل جائزہ لے رہا تھا۔ نور سب کچھ محسوس کر رہی تھی... پر جان کر انجان بن رہی تھی، اسد کو لٹا کے وہ خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔ شہریار، اسد سے باتیں کر رہا تھا اور نور، اسد کو بغور دیکھے گئی۔ ہر دم مسکراتی آنکھیں کب کی بجھ چکی تھیں۔ اس کے وجیہہ چہرے کی رونق بیماری نے ماند کر دی تھی۔ دس سال سے وہ اسی کیفیت میں تھا اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

اسد کو نیند آنے لگی تو شہریار جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے چھوڑنے کے لیے باہر تک آئی کہ گیٹ بھی اسے ہی بند کرنا تھا۔ یہ اس کی ذمے داری اور

فرائض میں شامل تھا۔ کمرے سے باہر نکلتے ہی شہریار کے قدم سست پڑ گئے۔ باہر آسمان پر بادل ڈول رہے تھے...... کسی بھی لمحے بارش ہو سکتی تھی...... شہریار رک گیا۔ اس سے دو قدم پیچھے نور تھی، وہ مڑا۔ نور اس کے سامنے تھی۔ باہر برآمدے میں ٹیوب لائٹ روشن تھی۔ نور کا سراپا واضح ہو رہا تھا۔ وہ آسمان سے اتری کوئی اپسرا نہیں تھی، حسینۂ عالم بھی نہیں تھی لیکن اس کے باوجود... شہریار کا دل اسے پانے کے لیے مچلتا تھا، ہمکتا تھا۔ وہ صرف اسے دیکھنے کے لیے روز یہاں آتا تھا......

حالانکہ اسے معلوم تھا کہ سماجی اور مذہبی حوالے سے یہ سب ٹھیک نہیں تھا۔ پر اس کا دل سب دلیلیں رد کر چکا تھا۔ اس کے دل سے ایک ہی آواز آتی نور، نور، نور۔

ٹیوب لائٹ کی روشنی میں وہ قدرے پُراسرار نظر آ رہی تھی۔ براؤن اور بلیک کلر کا دوپٹا سلیقے سے اس کے کندھوں پر پڑا تھا...... دائیں رخسار پر پڑے بال، وقفے وقفے سے اُڑ رہے تھے اور نچلے ہونٹ کا تل بے اختیاری پہ مجبور کر رہا تھا...... اچانک وہ واپس مڑی اب اس کی پشت شہریار کی جانب تھی اس کی کمر کا خم ہمیشہ سے ہی اسے قابلِ توجہ لگتا تھا۔

"چابی اندر رہ گئی ہے، میں لے کر آتی ہوں، تم چلو بارش ہونے والی ہے۔" وہ یہ کہہ کر وہیں سے اندر چابی لینے چلی گئی۔ شہریار مسمرائز تھا...... روز کی طرح۔ اسے یوں لگتا تھا ایک دن وہ اسے دھکے دے کر نکال دے گی مگر وہ لاعلم تھا کہ وہ دن آن پہنچا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ آتی دکھائی دی۔ چابی اس کی لانبی نازک انگلیوں میں دبی تھی۔

"سنو، میں آج رات اِدھر ہی رک جاؤں؟" شہریار کے دل کی خواہش التجا بن کے لبوں پر آ گئی۔

"تم یہاں رک کر کیا کرو گے؟ جاؤ خالہ انتظار کر رہی ہوں گی۔" نور نے ہنس کے اس کے ارمانوں پر بے حسی کی تیز دھار چھری چلائی۔

"موسم بہت خوب صورت ہے۔"

"تو......؟" نور نے تیکھی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"تمہیں بادلوں کے گرجنے سے ڈر جو لگتا ہے۔ آسمان کا رنگ دیکھو، لگتا ہے بہت تیز بارش ہو گی آج اور طوفان بھی آئے گا۔ تم تو ڈر ڈر کے ہی مر جاؤ گی۔ مجھے آج کی رات اِدھر ہی رکنے دو۔" وہ ان لمحوں میں مجسم التجا بنا کھڑا تھا۔

"میرے پاس اسد ہیں ناں پھر کاہے کا ڈر......؟" نور نے اس کی التجا اس کے منہ پر دے ماری۔

"اسد...... ہاہاہا...... وہ فالج کا مریض جو دس سال سے بستر پر پڑا خود تمہارے سہارے کا محتاج ہے...... وہ کیسے تمہارا ڈر دور کرے گا؟ ارے تم نہ ہوتیں تو کیڑے پڑ چکے ہوتے اس کے جسم میں......" شہریار کے لفظ لفظ میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

"جب تک میں زندہ ہوں اسد کے جسم میں کیڑے نہیں پڑنے دوں گی۔" نور بولی تو اس کے لہجے کی سختی اسے کپکپا گئی لیکن وہ ڈٹا رہا۔

"اسد کے ساتھ رہتے رہتے تمہارے جذبات بھی مفلوج ہو گئے ہیں۔ خود کو دیکھو نور کیا تھیں تم...... ان اکیلی راتوں میں تمہیں کسی مضبوط سہارے کی طلب نہیں ہوتی۔ میری نظر میں تم آج بھی پہلے کی طرح خوب صورت ہو، میری بات مان جاؤ۔" شہریار کو محسوس ہو رہا تھا کہ آج وہ اسے موم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

"تم یہاں سے دفع ہو جاؤ، لعنت ہے تمہاری گھٹیا سوچ پر......" وہ دبی دبی آواز میں چیخی۔

"تم بہت پچھتاؤ گی، یہ لمحہ گزر گیا تو...... میں محبت کرتا ہوں تم سے...... عشق ہے تمہاری ذات سے مجھے، اس لیے تو اب تک شادی نہیں کی۔ اماں کہہ کہہ کے تھک گئیں مگر مجھے تمہارے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ میں اس امید پہ وقت گزارتا ہوں کہ ایک دن تم میری ہو جاؤ گی... کیوں خود کو رول رہی ہو، دس سال گزر چکے ہیں، کیا تم عورت نہیں ہو؟ تمہارے کوئی جذبات نہیں؟ کیا ملا ہے تمہیں اس زندگی سے...... بولو جواب دو۔"

وہ آج اس کے وجود میں دراڑیں ڈالنے پر تُلا ہوا تھا۔

"تم کوئی بوڑھی نہیں ہو، صرف پینتیس سال کی ہو، بہار اپنے جوبن پہ ہے نور...... وقت کی آواز سنو، تم اسد سے الگ نہیں ہونا چاہتی نہ ہو مگر اپنے ساتھ ظلم تو مت کرو، کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ......"

"خاموش ہو جاؤ شہریار...... بہت بکواس کر لی ہے تم نے اب جاؤ......" وہ ابھی مزید کچھ کہتا کہ نور اچانک ہوش میں آ گئی۔ نور کے تیوروں سے صاف لگ رہا تھا کہ اب وہ مزید رکا تو وہ اسے دھکے دے کر نکال دے گی۔

"میری آفر برقرار ہے، تم اسد سے الگ نہیں ہونا چاہتیں تو مت ہو، میں روز رات کو یہاں آ جایا کروں گا، کسی کو علم بھی نہیں ہو گا۔"

"دفع ہو جاؤ یہاں سے...... آئندہ قدم مت رکھنا یہاں......" نور نے سچ مچ اسے دھکا دیا۔

شہریار گیٹ سے نکل کر باہر گلی میں جا کھڑا ہوا مگر وہ اب بھی کسی امید میں تھا۔ اسے سو فی صد یقین تھا کہ نور اندر سے کمزور پڑ گئی ہے، اس کے صبر پہ ضرب پڑ گئی ہے۔ وہ کسی بھی لمحے ہار مان لے گی اور اس کے من کی مراد پوری ہو جائے گی۔ وہ روز اسی آس پر اس کو کمپنی دینے کے لیے یہاں آتا تھا۔

☆☆☆

اسد اس کا کزن تھا۔ پندرہ سال پہلے اس کی شادی نور سے ہوئی تھی۔ شہریار کا شروع سے ان کے گھر آنا جانا تھا۔ شادی کے پہلے سال ہی نور جڑواں بچوں کی ماں بن گئی۔ اچھی خاصی زندگی گزر رہی تھی۔ جب اسد کو اچانک اسٹروک ہوا اور وہ آدھے دھڑ سے مفلوج ہو کر رہ گیا۔ پھر تو مشکلوں نے گویا راستہ دیکھ لیا۔ نور عملی معنوں میں صرف گھر اور اسد کی ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ شہریار کو پہلے نور سے ہمدردی ہوئی اور پھر محبت...... وہ ہر صورت اسے پانا چاہتا تھا لیکن وہ اس کی رسائی سے دور تھی۔

نور گیٹ بند کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو مگر چہرے پر شدید غصہ تھا۔ کھٹاک کی آواز کے ساتھ لاک میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔ تب شہریار آگے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس عورت کو نہیں جیت سکتا تھا۔ اسے ابھی ابھی ادراک ہوا تھا۔

"یہ مشرقی عورت بھی ناں...... کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی مرد کے گرد گھومتی ہے۔" چلتے چلتے.. شہریار کے قدموں تلے ایک پتھر آ گیا۔ اس نے زیرِ لب نور کو ایک گالی دی اور آگے اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا کہ اب اس راستے پر پلٹنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

☆☆☆

شام ڈھلے گھر میں داخل ہوتے ہی احتشام کا پارا ہائی ہو گیا۔ حنان اور منان دونوں بھائی لڑ رہے تھے جبکہ ثریا پاس بیٹھی ہر چیز سے بے نیاز ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ حالانکہ احتشام نے گھر میں تین، تین ملازم رکھ چھوڑے تھے۔ ایک لڑکا جو اوپر کے کاموں کے لیے مخصوص تھا بوقتِ ضرورت وہ ڈرائیور کے فرائض بھی انجام دیتا۔ اس کے علاوہ ایک پختہ عمر کی عورت ساجدہ تھی جو اس کی شریکِ حیات کی دیکھ بھال پر مامور تھی پھر ایک میڈ نسرین جو سارے گھر کے کام کاج کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی دیکھتی تھی۔ نسرین، ساجدہ کی بیٹی تھی دونوں ساڑھے چار سال سے اِدھر ہی تھیں۔ اب تو ان کی حیثیت گھر کے فرد جیسی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

احتشام کی شریکِ حیات سمیرا پانچ سال قبل تک بالکل صحت مند اور نارمل زندگی گزار رہی تھی۔ دو بیٹے، ایک بیٹی، خوب صورت پُرآسائش گھر، چاہنے والا شوہر...... اس کی زندگی ہر لحاظ سے خوشگوار اور مکمل تھی۔ ایک اتفاقی حادثے نے اس کی زندگی کی سب خوشیاں اس سے چھین لیں۔

سمیرا ڈرائیور کے ساتھ میکے سے گھر واپس آ رہی تھی جب ان کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوا۔ ڈرائیور کو بھی

چوٹیں آئی تھیں لیکن کافی علاج معالجے کے بعد وہ بالکل پہلے کی طرح صحت مند اور ہشاش بشاش ہوگیا تھا۔ اس نے سیٹ بیلٹ بھی باندھ رکھی تھی مگر بدقسمت سمیرا کو اس حادثے نے بالکل بستر کا کردیا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ کلی طور پر دوسروں کے سہارے اور مدد کی محتاج تھی۔ اچھی خاصی زندگی کو جانے کس کی نظر لگی تھی جو وہ معذوری جیسی زندگی گزارنے پر آگئی تھی۔

احتشام نے اپنی طرف سے ہر ممکن طور پر اس کا علاج کروانے اور صحت مند زندگی کی طرف واپس لانے کی پوری پوری کوشش کی لیکن اوپر والے نے جو تقدیر میں لکھنا تھا وہ تو لکھ ڈالا تھا۔ احتشام نے اپنے تعلقات استعمال میں لاتے ہوئے بیرونِ ملک کے ڈاکٹرز سے بھی سمیرا کا کیس ڈسکس کیا، اس کی سب رپورٹس بھیجیں لیکن کسی نے امید افزا جواب نہیں دیا۔ سمیرا کو اب باقی زندگی بستر پر لیٹ کر ہی گزارنی تھی اور وہ پچھلے پانچ سال سے ویسی زندگی گزار رہی تھی۔

☆☆☆

شروع کا کچھ عرصہ سمیرا کے میکے اور سسرال والوں نے اس کی دیکھ بھال کی لیکن یہ مستقل ذمے داری تھی اور ہر ایک کی اپنی اپنی ذمے داریاں تھیں، اپنی اپنی مصروفیات تھیں۔ آہستہ آہستہ سب پیچھے ہٹ گئے۔ احتشام کو سمیرا سے بے پناہ محبت تھی اس نے ہر ممکن طور پر اس کا خیال رکھنے اور دلجوئی کی کوشش کی...... پھر یہ دلجوئی آہستہ آہستہ بیزاری اور جھنجلاہٹ میں ڈھلتی گئی۔ وقت گزر رہا تھا اگرچہ احتشام نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک عورت کو مامور کردیا تھا اور گھر کے کاموں کے لیے بھی ایک عورت الگ تھی مگر احتشام کی بھی تو اپنی کچھ ضروریات اور جذباتی تقاضے تھے جن کا پورا کرنا سمیرا کے بس میں اب نہیں رہا تھا۔

احتشام پہلے اپنے بیڈروم میں ہی سوتا تھا جو اُن دونوں کا مشترکہ تھا۔ کچھ عرصے بعد جب رات میں بھی اٹینڈنٹ کی ضرورت پڑی تو اس نے اپنے سونے کا کمرا الگ کرلیا۔ سمیرا اب بیڈ پر اکیلے سوتی تھی اور نیچے میٹرس بچھا کر ساجدہ سوتی تھی۔

احتشام کھڑے کھڑے آکر اس کی خیریت پوچھنے اور اپنی شکل دکھانے کا فرض ادا کرتا۔ آہستہ آہستہ اس کے استعمال کی چیزیں بھی یہاں سے منتقل ہوگئی تھیں اب اس کی باتوں اور تاثرات سے بیزاری وبیگانگی اور جھنجلاہٹ ٹپکتی، وہ پہلے والی محبت جانے کہاں جا سوئی تھی جس کے راگ الاپتے وہ تھکتا نہیں تھا۔

سمیرا سب خوب سمجھ رہی تھی اور اب اس نے اپنی مستقل بیماری سے سمجھوتا کرلیا تھا لیکن اس کے باوجود احتشام کو دوسری شادی کا مشورہ دیتے اور اپنے اندر کی عورت کو مرتے دیکھ کر وہ بہت روئی۔

احتشام نے اس کے مشورے پر کسی خاص تاثر کا اظہار نہیں کیا۔ سمیرا کی اس حالت کے بعد اسے باہر کے رنگ، رنگ کے کھانے کی عادت پڑگئی تھی، ایسے میں سمیرا کی طرف سے دوسری شادی کا مشورہ ایسے ہی تھا جیسے کہ نت نئے کھانے کا ذائقہ چکھنے سے محروم رہ جانا اور ایک ہی کھانے پر اکتفا کرنا...... سو اس نے بڑی سہولت سے انکار کرتے ہوئے اپنے...... باوفا شوہر ہونے کے امیج کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچنے دیا۔ سمیرا کے سر سے بھی تلوار ہٹ گئی تھی جس کی دھار اور چمک احتشام کو دوسری شادی کا مشورہ دیتے ہوئے اس نے محسوس کی تھی۔

☆☆☆

''پپا آپ آگئے......؟'' حنان نے بھائی سے لڑنا موقوف کرکے احتشام کی طرف رخ کیا جو اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں آگیا ہوں پھر سے اس دوزخ میں سڑنے کے لیے جہاں میرے لیے ذرا بھی سکون نہیں۔'' وہ بچوں پر غصہ کرکے سیڑھیاں چڑھ کر سیدھا

اپنے کمرے میں آگیا۔

حنان اور منان اب شرافت سے بیٹھے تھے......

اندر کمرے میں لیٹی سمیرا نے احتشام کی زبان سے نکلا ایک، ایک لفظ سنا تھا۔ ساجدہ سے چہرہ چھپا کے اس نے اپنے بہتے آنسو صاف کیے۔ باہر زور شور سے بادل گرج رہے تھے جو بارش کی آمد کا اعلان تھا۔ بادل گرجتے ساتھ ہی لائٹ چلی گئی، کمرا اچانک گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا تو سمیرا کو کھل کے رونے کا موقع مل گیا۔ اسے اب ساجدہ سے چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆

''نسرین میرے یہ کپڑے فوراً استری کردو اور ساتھ فانٹ شوز بھی پالش کردو۔ مجھے ایک دوست کی طرف جانا ہے۔'' لائٹ آگئی تھی اور احتشام، نسرین کے سر پر ایک بہت عمدہ شرٹ اور پینٹ لیے کھڑا تھا۔ وہ کچن کے کام نمٹا رہی تھی اس کے حکم کی تعمیل میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کپڑے استری کرنے چل پڑی۔

کپڑے استری کرنے شوز پالش کرنے کے بعد جب تک احتشام کی اچھی طرح تسلی نہیں ہوگئی، اس نے تین بار جوتوں پر کپڑا پھیرا تب کہیں جا کر وہ مطمئن ہوا۔

نسرین پھر سے کچن میں آکر اپنے کاموں میں لگ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ رقصاں تھی۔

☆☆☆

نک سک سے تیار ہونے کے بعد خود کو خوشبوؤں میں بسا کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو موسم کی رنگینی اپنے عروج پر تھی۔ رات قطرہ قطرہ بھیگ رہی تھی، آسمان سے شبنمی موتی بارش کی صورت ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔

وہ عادتاً بچوں کے کمرے کی طرف آیا۔ حنان، منان اور گڑیا تینوں سو رہے تھے۔ اس نے مطمئن ہوکر بیڈروم کا دروازہ بند کیا اور سمیرا کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ ہمیشہ کی طرح بے حس وحرکت لیٹی ہوئی تھی۔ ساجدہ کمرے میں نہیں تھی۔

''اچھا، میں ایک دوست کی طرف جارہا ہوں۔'' احتشام نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے رکھی سے انداز میں اسے مطلع کیا تو سمیرا کی ساری جان آنکھوں میں سمٹ آئی۔ ہفتے میں تین دن اسی طرح بن سنور کر وہ اپنے دوست کی طرف لازمی جاتا تھا۔ سمیرا نے بے جان سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا یہ اس کی طرف سے خاموش سمجھوتا تھا۔

احتشام نے مزید کوئی بات نہیں کی اور واپس پلٹ گیا۔ باہر برآمدے میں آکر اس نے ایک نظر آسمان کی طرف دیکھا۔ جہاں رم جھم، رم جھم برسات جاری تھی اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ سخت سردی تھی لیکن اس کے اندر کا موسم حرارت سے پُر تھا۔ اس نے ہاتھ میں دبی گاڑی کی چابی کو دیکھا۔

''ہائے معذور عورت میری زندگی کے کتنے قیمتی سال ضائع ہورہے ہیں صرف اس کی وجہ سے...... میں اپنی ذاتی خوشی کے لیے ترس گیا ہوں...... بلائے جان کی طرح میرے سر پر مسلط ہے، گھر میں ذرا سکون نہیں ہے۔ داخل ہوتے ہی اس کی منحوس صورت دیکھنے کو ملتی ہے...... میں ایسے میں کسی دوست کی طرف نہ جاؤں تو کیا کروں...... آخر خوشیوں پر میرا بھی تو حق ہے......'' احتشام گاڑی کی چابی کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سمیرا سے مخاطب تھا۔ شاید وہ اپنے آپ کو ان خوشیوں کا شدید حقدار سمجھ رہا تھا۔

''منحوس صورت عورت...... اس سے میری جان کبھی نہیں چھوٹے گی۔'' گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں ایک بار پھر سمیرا کو موٹی سی گالی دی۔

گاڑی گیٹ سے نکل کر اب سڑک پر فراٹے بھر رہی تھی۔ وہ اپنی دوست کی طرف جارہا تھا۔ نفسانی اور جذباتی تقاضے بھی تو پورے کرنے تھے آخر کو وہ ایک مرد تھا۔ مشرقی مرد!

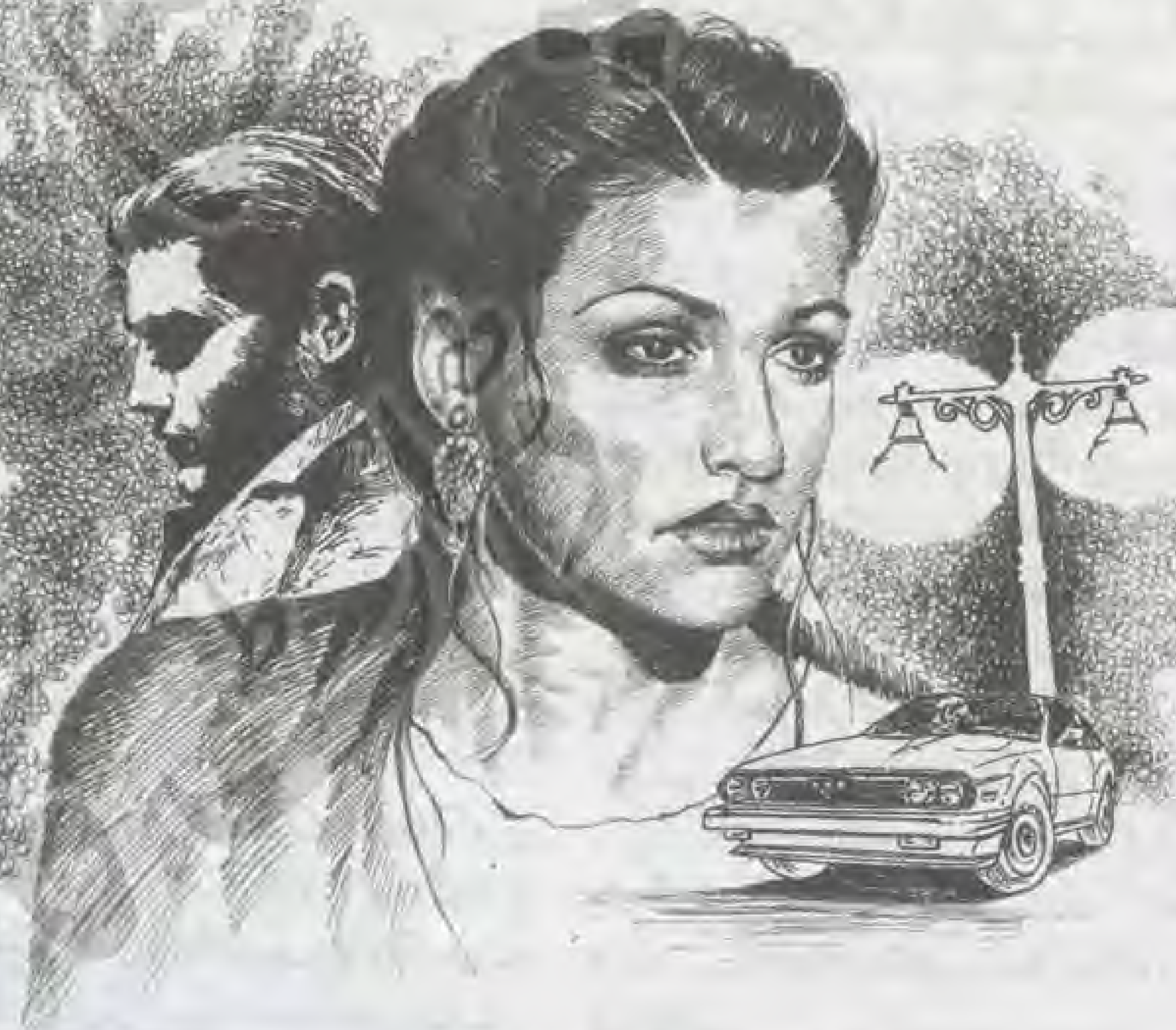


ناولٹ

کہیں دیپ جلے کہیں دل

قیصرہ حیات

ساتواں حصہ



"ک...... کیوں شادی نہیں کرنی؟" فہام نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"فہام بھائی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے سسکی بھر کر کہا۔

"کیسا ڈر......؟" فہام چونک کر پوچھنے لگا۔

"فہام بھائی...... میں آپ لوگوں کے بغیر کیسے رہ سکوں گی، پلیز ابھی مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کریں۔" روا نے معصومیت سے کہا اور ماں کے

ساتھ لگ کر رونے لگی۔

"بیٹا اب یہ بچپنا چھوڑو...... اور آئندہ ایسی بات نہیں کرنا۔" خدیجہ بیگم نے نم آنکھوں سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

"آج کل لوگ سیدھی بات کا بھی الٹا مطلب لے لیتے ہیں۔" وہ سرد آہ بھر کر بولیں تو شمیلہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میری گڑیا...... اپنے تمام ڈر، خوف یہاں چھوڑ کر جاؤ، تمہارے یہ آنسو، تمہارے اس بھائی کے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہیں۔" فہام نے ردا کی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے یک دم خفگی سے شوہر کی طرف دیکھا۔

"smile please... میری گڑیا...... صرف ہنستی مسکراتی ہوئی اچھی لگتی ہے، اب میں ان خوب صورت آنکھوں میں کبھی آنسو نہ دیکھوں۔" فہام نے بہن کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر کہا تو وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"شاباش...... اب اِدھر بیٹھو، دیکھو میں نے اور شمیلہ نے تمہارے لیے کتنی شاپنگ کی ہے جو پسند نہ آئے بتا دینا۔" فہام نے ہنستے ہوئے کہا۔ شمیلہ نے ہونٹ سکوڑ کر زبردستی مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور اسے شاپنگ دکھانے لگی۔

☆☆☆

فرحان انتہائی بری حالت میں حیدر کے سامنے کھڑا تھا۔ مار پیٹ کی وجہ سے فرحان سے ٹھیک طرح سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

"کیا تم اب بھی اعترافِ جرم نہیں کرتے؟" حیدر نے فرحان کے سر کے بالوں کو کھینچتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میں نے کچھ نہیں کیا۔" فرحان چلاتے ہوئے بولا۔

"اس موبائل میں وہ تمام میسجز موجود ہیں جو تم نے ان لڑکیوں کی مدد سے اس نمبر پر بھیجے اور اس پیپر میں پوری تفصیل موجود ہے۔ تم نے کب اور کس، کس وقت اس نمبر پر میسجز بھیجے اور اس فائل اور اس ٹیپ ریکارڈر میں ان لڑکیوں کے بیانات تک موجود ہیں۔ اب تمہیں جیل جانے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" حیدر نے سب کچھ اسے دکھاتے ہوئے کہا۔

"تم مجھ سے دشمنی مول لے رہے ہو۔" فرحان نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

"دشمنی میں لے رہا ہوں کہ تم نے لی ہے گھٹیا انسان، تمہارے ان میسجز کی وجہ سے ان لوگوں پر کیا گزری جن سے تم نے بلاوجہ کی دشمنی کی، اب تمہارا ایسا کیس بنایا جائے گا کہ جیل جا کر ہی تمہاری عقل ٹھکانے آئے گی۔" وہ شدید غصے میں تھا۔

"جیل......؟" فرحان گھبرا کر بولا۔

"ہاں، جیل...... بہت جلد کورٹ تمہیں سزا دے کر جیل بھیج دے گی، اب تم اس پیپر پر سائن کرو۔" حیدر نے غصے سے کہا اور اس کے سامنے ایک پیپر کیا۔

"آفیسر! تم میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے...... میں سائن نہیں کروں گا۔" فرحان نے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"سائن کرتے ہو کہ نہیں ورنہ لے جاؤ اسے اور لاک اپ میں بند کر دو۔" اس نے غصے سے اس کی گردن دبوچتے ہوئے کہا تو فرحان نے ڈر کر سائن کر دیے۔

☆☆☆

یمنیٰ اور آزر میں انڈر اسٹینڈنگ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ رات، رات بھر ایک دوسرے کے ساتھ موبائل پر باتیں کرتے رہتے اور صبح سویرے ہی کالج پہنچ جاتے۔ کالج میں بھی دونوں اکثر اکٹھے پھرتے رہتے۔ کومل، حمنہ، جواد اور دوسرے دوست ان کا مذاق اڑاتے...... مگر وہ کسی کی بات مائنڈ نہ کرتے۔ یمنیٰ جو پہلے کومل کی باتوں کو جھٹلاتی رہتی تھی اب ہر بات پر زیرِ لب مسکرا دیتی۔ سب فرینڈز یمنیٰ میں ایک خاص تبدیلی محسوس کر رہے تھے اور وہ یہ تھی کہ یمنیٰ اپنا بہت خیال رکھنے لگی تھی۔ جو پہلے کبھی کبھی صرف بالوں کی کٹنگ کروانے پارلر جایا کرتی تھی اب ہر ہفتے پارلر جانے لگی تھی۔ فیشل اور بلیچ کروانے کے علاوہ اپنے چہرے کی رنگت کے نکھار کے لیے کریمیں بھی استعمال کرنے لگی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی کشش پیدا ہونے لگی تھی۔ یہ آزر کی محبت کا اثر تھا یا پھر اپنا بہت خیال کرنے کا نتیجہ...... لیکن جو بھی تھا اس مثبت تبدیلی سے اس کی ماں بہت خوش تھی جو پہلے اسے پارلر جانے کے لیے اصرار کرتی نہ تھکتی تھی اور یمنیٰ ان کی بات کو کوئی توجہ نہیں دیتی تھی۔ اب خود بخود پارلر جانے لگی تو انہوں نے سکون کی سانس لی تھی۔ پارلر کے علاوہ وہ ہر دوسرے دن مختلف بوتیکس میں جاتی اور اپنے لیے اچھے اچھے ڈریسز خریدتی اور جب وہ کوئی نیا ڈریس پہن کر آزر کے سامنے آتی تو وہ مسکرا کر سرگوشی کے انداز میں کہتا۔

"آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔" اور اس ایک جملے کو سن کر اس کے اندر ایسی خوشی بھر جاتی جو اسے مزید اچھا بننے کی ترغیب دیتی۔ یمنیٰ اور آزر کی محبت کے چرچے ہر طرف پھیلنے لگے تھے۔

"میں تو سوچتی تھی...... دنیا کے سب سے اسٹرونگ love birds میں اور عمر ہیں مگر تمہیں اور آزر کو دیکھ کر لگتا ہے کہ نہیں تم دونوں زیادہ strong birds ہو۔" حمنہ نے مسکرا کر یمنیٰ سے کہا۔

"نہیں یار...... ایسی کوئی بات نہیں۔" یمنیٰ نے جھٹلانے کی کوشش کی۔

"یہ، یہ تم میری طرف دیکھ کر بات کرو...... صبح جب تم دونوں کالج آتے ہو تو تم دونوں کے چہروں پر صاف لکھا ہوتا ہے کہ......!" کومل نے معنی خیز انداز میں جملے کو ادھورا چھوڑا۔

"کہ...... کا کیا مطلب؟" یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

"کہ......" کا مطلب ہے نہ رات کو چین اور نہ دن کو قرار...... دیکھو تو راکٹ کی کیسے ہوا نکلی ہوئی ہے، اس کا رنگ روپ آج کل اِدھر دکھائی دے رہا ہے۔" کومل نے یمنیٰ کی طرف دیکھ کر آنکھیں گھما کر کہا تو حمنہ نے زور سے قہقہہ لگایا۔ حمنہ کبھی کبھار ہنستی تھی اور اس کی ہنسی کی آواز اتنی خوب صورت اور کھنک دار ہوتی تھی کہ اردگرد کے لوگ بھی چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگتے مگر نقاب میں چھپی حسینہ اور اس کی ہنسی کسی کو دکھائی نہیں دیتی۔ تینوں باتیں کرتی ہوئی کلاس روم کی طرف جا رہی تھیں کہ جواد تیزی سے ان کی طرف بھاگتا ہوا آیا اور قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں انہیں بتانے لگا۔

"آزر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

"ک......ک...... کیسے؟" سب سے پہلے یمنیٰ نے ایک دم گھبرا کر پوچھا۔

"رومانس کی کراس ٹرین کے ساتھ۔" جواد نے ہنس کر کہا تو سب ہنسنے لگے۔ یمنیٰ انتہائی شرمندہ ہو گئی اور منہ بنا کر کلاس روم کی طرف چلی گئی۔ آزر کلاس میں پہلے ہی موجود تھا۔ یمنیٰ کو دیکھ کر وہ مسکرایا۔ وہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کیوں...... کیا ہوا؟ موڈ کچھ آف لگ رہا ہے۔" آزر نے اس کے قریب آ کر پوچھا اور اسی لمحے جواد، حمنہ اور کومل کلاس روم میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

"اب دیکھو مریض کی اٹینڈنٹ پہلے ہی پہنچ چکی ہے۔" جواد نے آنکھیں معنی خیز انداز میں گھما کر ہنستے ہوئے کہا۔

"کون مریض......؟" آزر نے حیرت سے پوچھا۔

''تم اور کون......!'' جواد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''کیوں...... میں...... مجھے کیا ہوا؟'' اس نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے چونک کر پوچھا۔
''ہمیں کیا معلوم...... یمنیٰ کچھ بتا رہی تھی کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' جواد نے مسکرا کر یمنیٰ کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔
''کیا...... کیا میں نے کب کچھ کہا ہے؟'' یمنیٰ نے مصنوعی خفگی سے پوچھا۔
''حمنہ اور کومل ذرا بتانا...... سب کچھ...... آزر بے چارے کو تو نہ آج کل اپنی کچھ خبر ہے اور نہ ہی ارد گرد کی۔ صرف یمنیٰ ہی ہے جو بے چاری اس کا خیال رکھتی ہے۔'' جواد جان بوجھ کر اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگا۔
''کم آن یار...... فضول باتیں مت کرو...... کوئی ڈھنگ کی بات ہے تو بتاؤ...... ورنہ جاؤ۔'' آزر نے چٹکی بجاتے ہوئے جواد سے کہا۔
''یار کیا کلاس روم سے باہر چلا جاؤں؟'' جواد نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔
''ہیلو ایوری باڈی، کیسے ہو سب؟'' فرخ اور اسامہ نے ان سب کو کھڑے دیکھتے ہوئے ان کے پاس آ کر کہا۔
''فائن!'' آزر نے روکھے انداز میں جواب دیا۔
تینوں لڑکیاں منہ بنا کر اپنی اپنی چیئرز پر بیٹھ گئیں کیونکہ کوئی بھی فرخ اور اسامہ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں ایک دم فضول باتیں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ فرخ بہت دنوں بعد کالج آیا تھا اور اس کی absence میں اسامہ کی دوستی ایک اور لڑکے یاسر سے ہو گئی تھی اس لیے اس کا ملنا آزر سے بہت کم ہو گیا تھا۔ جواد بھی ان کے پاس چلا گیا۔
''یار سنا ہے آج کل لیلیٰ کے چکروں میں مجنوں بنے پھرتے ہو۔'' فرخ نے آنکھ دبا کر معنی خیز انداز میں یمنیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''شٹ اپ، ہم کلاس روم میں کھڑے ہیں۔'' آزر خفگی سے بولا۔
''دِس از یو، یار تمہاری ethics تو واقعی بدل گئی ہیں۔ ویسے یہ بہت حیرانی کی بات ہے کہ لیلیٰ سے نفرت، محبت میں بدل چکی ہے۔'' فرخ نے شوخ لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ آزر کو غصہ آ گیا اور وہ اپنی سیٹ پر چلا گیا۔ ویسے بھی کلاس میں لیکچر کا ٹائم ہو رہا تھا۔ فرخ اور اسامہ بھی کندھے اچکا کر اپنی اپنی نشستوں پر چلے گئے۔

☆☆☆

یمنیٰ گھر پہنچی تو دیکھا اماں جی گاؤں سے آئی ہوئی ہیں اور اسی کا انتظار کر رہی ہیں۔ یمنیٰ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اماں جی بار بار محبت سے اسے چومتی رہیں۔
''اماں جی آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئی ہیں؟'' یمنیٰ نے شکایتی لہجے میں پوچھا۔
''بیٹا بس گاؤں میں اتنے کام ہوتے ہیں کہ کیا بتاؤں۔ زمینوں کے ساتھ مزارعوں اور ان کے تمام مسئلوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ بینک میں آج بہت ضروری کام تھا تو آنا پڑا۔ دل بہت اداس ہو رہا تھا۔ سوچا تم سے بھی ملتی جاؤں۔'' اماں جی نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔
''اماں جی، سب لوگ وہاں ٹھیک ہیں ناں؟ اماں بشیراں مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ بہت پیار کرنے والی تھیں۔'' یمنیٰ نے بشیراں کو یاد کرتے ہوئے کہا۔
''ہاں، بس وقت، وقت کی بات ہوتی ہے۔ جب قضا کا وقت آ جائے تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ بشیراں واقعی بہت اچھی، جنتی عورت تھی۔'' اماں جی نے جواب دیا۔
''جنتی عورت کیسے؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''جو کبھی کسی کا برا نہ سوچے اور جس کا دل اللہ کے بندوں کے لیے محبت سے بھرا ہو...... اور وہ محبت کسی غرض کے لیے نہ کرے تو وہ انسان جنتی ہی ہوتا ہے بیٹی۔'' اماں جی نے مسکرا کر جواب دیا۔
''اماں جی محبت میں بھلا کیسی غرض ہو سکتی ہے۔ محبت تو صرف محبت ہوتی ہے۔'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔
''تم بھی بہت سیدھی ہو۔ جتنی غرضیں اور لالچ محبت میں شامل ہوتی ہیں کسی اور شے میں نہیں۔'' اماں جی نے سنجیدگی سے کہا۔
''نہیں اماں جی، انسان دل میں غرض یا لالچ رکھ کر کیسے محبت کر سکتا ہے۔ محبت کرنے سے تو ویسے ہی دل کی ساری رنجشیں اور نفرتیں ختم ہو جاتی ہیں۔'' وہ زیرِ لب مسکرا کر بولی۔
''خدا کرے تم جیسا سوچتی ہو، ویسا ہی ہو مگر بیٹا ہم نے دنیا دیکھی ہے۔ یہاں لوگوں نے چہروں پر کیسے کیسے نقاب چڑھا رکھے ہیں تمہیں کیا خبر؟'' اماں جی نے سمجھاتے ہوئے کہا۔
''بھئی آپ لوگ کب تک باتیں کرتے رہیں گی۔ کھانا تیار ہے۔ چلیں کھانا کھا لیجیے۔'' ایمن نے آ کر کہا۔
''مما، مجھے تو بھوک نہیں۔'' یمنیٰ نے برا سا منہ بنایا۔
''یہ کیا بات ہوئی۔ اماں جی نے تمہارے لیے کھانا نہیں کھایا اور تم ہو کہ......'' ایمن نے خفگی سے کہا۔
''کیا واقعی؟ اماں جی کیا آپ کھانے پر میرا انتظار کر رہی تھیں؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔
''ہاں اور نہیں تو کیا۔ ایمن کئی بار بلانے آئی مگر میں نے کہا میں اتنے دنوں بعد آئی ہوں۔ جمال اور یمنیٰ کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گی۔'' اماں جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''مگر ڈیڈی تو ابھی تک نہیں آئے۔'' یمنیٰ نے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''وہ ابھی پہنچنے ہی والے ہیں۔ ان کا فون آیا تھا۔'' ایمن نے جواب دیا۔
''ٹھیک ہے، اماں جی میں آپ کو ناراض نہیں کر سکتی، چلیں۔'' یمنیٰ نے کہا اور اماں جی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں ایمن کے ہمراہ وسیع و عریض خوب صورت ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو ٹیبل انواع و اقسام کے کھانوں سے پوری طرح سجی ہوئی تھی۔
''واہ مما، لگتا ہے آج تو ساس کی بڑی خدمت ہونے جا رہی ہے۔ آپ نے خوب کوکنگ کی ہے۔'' یمنیٰ نے مسکرا کر کہا۔
''ہاں، اماں جی کبھی کبھار تو ہمارے پاس آتی ہیں اور ویسے بھی یہ سب کچھ تمہیں بھی سکھا رہی ہوں۔ تم بھی اپنی ساس کی یونہی خدمت خاطر کرنا۔'' ایمن نے مسکرا کر کہا۔
''کیا...... کیا میری ساس؟'' یمنیٰ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔
''ہاں کیوں نہیں، کیا ہم نے تمہاری شادی نہیں کرنی۔'' اماں جی بھی مسکرا کر بولیں۔
''یہ کس کی شادی کی باتیں ہو رہی ہیں؟'' جمال صاحب نے پیچھے سے آ کر کہا تو یمنیٰ ایک دم بوکھلا گئی۔
''آؤ جمال بیٹے، کیا حال ہے؟ ہم سب تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔'' اماں جی نے محبت سے بیٹے کی پیشانی چوم کر انہیں اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔
''کیسی ہیں اماں جی؟ میں بھی آپ کو بہت مس کر رہا تھا اور گاؤں آنے کا سوچ رہا تھا۔ اچھا ہوا آپ خود ہی آ گئیں۔'' انہوں نے مسکرا کر کہا۔
''اب باتیں بس کریں اور کھانا شروع کریں۔'' ایمن نے مصنوعی خفگی سے کہا۔
''ہاں، ہاں چلیں۔'' جمال صاحب نے کہا اور

سب بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے دوران یمنیٰ کے موبائل پر آزر کا فون آنے لگا اور وہ ایکسکیوزمی کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

"جمال اور ایمن میں نے تم دونوں سے ایک ضروری بات بھی کرنی ہے۔ جمال بیٹا تمہارے ابا کے دوست ڈپٹی کلیکٹر خیر اللہ کا بیٹا میرے پاس آیا تھا۔ اس کا بیٹا امریکا میں ڈاکٹر ہے۔ یمنیٰ بیٹی کے لیے وہ رشتے کی بات کرنے آیا تھا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" اماں جی نے جمال صاحب سے پوچھا۔

"کیا...... یمنیٰ کا رشتہ؟" انہوں نے نوالہ منہ میں لے جاتے ہوئے رک کر حیرت سے کہا۔

"ہاں بیٹا، خاندان بہت اچھا ہے اور وہ پرانی دوستی کی خاطر یہ رشتہ کرنا چاہتا ہے، ویسے بھی جو لوگ خود چل کر عزت وقدر کے ساتھ رشتہ مانگنے آئیں تو ان کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے۔" اماں جی نے کہا۔

"لیکن...... اماں جی یمنیٰ ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ابھی تو اس نے کالج میں ایڈمیشن لیا ہے۔ میں کم از کم اتنی جلدی اس کی شادی کے لیے رضامند نہیں ہوسکتا۔" انہوں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"بیٹا شادی کی بات کون کر رہا ہے۔ ابھی تو رشتہ دیکھنے کا مرحلہ ہے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو دیکھیں، پرکھیں شادی تو تب ہی ہوگی جب لڑکا، لڑکی کے ساتھ گھر والے بھی راضی ہوں گے۔" اماں جی نے انہیں سمجھانا چاہا۔

"میرا خیال ہے اماں جی ٹھیک کہتی ہیں۔ دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں اور ویسے بھی لڑکی کی شادی جلد ہی ہوجائے تو اچھا ہوتا ہے۔" ایمن نے بھی اپنی رائے دی تو جمال صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے۔

"ٹھیک ہے، میں پہلے یمنیٰ سے بات کروں گا پھر اس کے بعد آپ کو کچھ بتاؤں گا۔" جمال صاحب نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی یمنیٰ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ پہلے خود دیکھ لو اور تسلی کرلو۔ اگر رشتہ پسند آتا ہے تو پھر یمنیٰ سے بات کرنا۔" اماں جی نے کہا۔

"اور اگر اس نے بعد میں ری جیکٹ کردیا تو زیادہ بے عزتی کی بات ہوگی۔ اس لیے اس سے پہلے پوچھنا زیادہ ضروری ہے۔" جمال صاحب نے رائے دی تو دونوں خاموش ہوگئیں۔

"ٹھیک ہے تم اس کی مرضی معلوم کرکے مجھے بتادینا پھر میں ان لوگوں سے بات کرلوں گی۔" اماں جی نے ٹشو پیپر سے منہ صاف کرتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہوگئے۔

☆☆☆

یمنیٰ رات کو آزر سے موبائل پر باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ جب جمال صاحب اس کے کمرے میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو یمنیٰ کسی سے ہنس ہنس کر فون پر باتیں کر رہی تھی۔

"بہکے ہوئے تو تم خود ہی ہو۔ میری محبت کو الزام مت دو۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی تو جمال صاحب کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ انہوں نے چونک کر یمنیٰ کی طرف دیکھا۔

"کیا...... کیا ...... کیا کہا؟ میں تمہیں ایکسپلائٹ کر رہی ہوں۔ جناب محبت میں exploitation نہیں چلتی اور میں نے تم سے بہت pure محبت کی ہے، اتنی pure شاید romantic legends نے بھی نہیں کی ہوگی۔ ہاں ثبوت دے سکتی ہوں۔ تمہاری خاطر میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں اگر تمہیں چاہیے تو!" یمنیٰ نے پھر بھرپور قہقہہ لگا کر کہا تو جمال صاحب کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے انتہائی بے یقینی سے یمنیٰ کی طرف دیکھا جو بیڈ پر اوندھے منہ لیٹی موبائل کان سے لگائے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ وہ باتیں کرنے میں اتنی محو تھی کہ اسے ذرا سی آہٹ کا بھی احساس نہ ہوا۔ انہوں نے کچھ سوچا اور آہستہ سے دروازہ بند کردیا اور بوجھل قدم اٹھاتے ہوئے لاؤنج میں آگئے۔ ایمن صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں ایمن نے چونک کر شوہر کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے، کیا یمنیٰ نے انکار کردیا ہے؟" ایمن نے بے صبری سے پوچھا۔

"نہیں۔" انہوں نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب...... پھر آپ کے چہرے پر اتنی اداسی کیوں چھائی ہوئی ہے؟" ایمن نے ان کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" انہوں نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"پھر کیا بات ہے۔ اس کے پاس جانے سے پہلے یوں اداس نہیں تھے۔ اب کیا ہوگیا ہے؟" ایمن نے کریدنے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں۔" جمال صاحب نے کہا۔

"کیا آپ نے اس سے بات کی؟" ایمن نے پھر پوچھا۔

"میرا خیال ہے، اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" جمال صاحب نے کہا۔

"آپ کیوں مجھے الجھا رہے ہیں۔ کھل کر بتائیے ناں آخر بات کیا ہے؟" ایمن نے قدرے فکرمندی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے اسے ابھی ڈسٹرب نہ کیا جائے تو بہتر ہے، میں کل اماں جی کو فون کرکے منع کردوں گا۔" جمال صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا تو ایمن انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

رات کے تین بج رہے تھے اور یمنیٰ ابھی تک آزر سے باتیں کرنے میں مصروف تھی۔ باتیں کرتے ہوئے وہ جمائیاں لینے لگی۔

"یہ کیا تمہیں ابھی سے نیند آنے لگی۔ ابھی تو آدھی رات باقی ہے۔"

"ہاں، معلوم نہیں کیوں اتنی نیند آنے لگی ہے۔" یمنیٰ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے تمہارا دل آہستہ آہستہ میری محبت سے بھرنے لگا ہے۔" آزر نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ نیند بھی تو ایک major factor ہے ناں اور آج میں کالج سے گھر آکر بالکل بھی نہیں سوئی۔ میری گرینڈ مدر گاؤں سے آئی تھیں۔ ان سے باتیں کرتی رہی۔" یمنیٰ نے پھر جمائی لی۔

"اچھا اب تم سوجاؤ۔ تمہیں واقعی بہت نیند آرہی ہے۔ کل کالج میں ملیں گے، اوکے لو یو ڈارلنگ اینڈ ٹیک کیئر۔" آزر نے محبت سے کہا اور یمنیٰ نے مسکراتے ہوئے موبائل آف کردیا اور جلد ہی گہری نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اس نے خواب میں آزر کو دیکھا جو اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ یمنیٰ آگے بھاگتی چلی جارہی ہے اور بار بار اسے مڑ کر دیکھتے ہوئے ڈرتی ہے اور پھر تیزی سے بھاگنے لگتی ہے۔ آزر اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے کہ کہیں سے حمنہ اچانک نمودار ہوتی ہے اور آزر، حمنہ کا گلا دبا دیتا ہے۔ یمنیٰ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہے تو حمنہ کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی دیکھ کر وہ زور زور سے چلّانے لگتی ہے۔ آزر، حمنہ کو چھوڑ کر اس کی طرف لپکتا ہے تو حمنہ نیچے گر جاتی ہے اور تڑپ تڑپ کر مرجاتی ہے۔ یمنیٰ بلند آواز سے رونے لگتی ہے۔ خواب دیکھ کر اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ نہیں، نہیں کہہ کر چلّاتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور بیڈ پر بیٹھی بری طرح ہانپنے لگی۔ اس کا چہرہ اور جسم پسینے سے شرابور

ہو رہے تھے۔ اس نے پریشانی سے اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے اور پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔

''آزر کے بارے میں یہ مجھے کیسا خواب آیا ہے اور حمنہ کہاں سے آ گئی؟'' اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ کر سوچا۔ ''یہ میرا کوئی وہم ہے۔ یہ خواب حقیقت نہیں ہو سکتا۔'' اس نے اپنے دل کو تسلی دی اور سائڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر پیا کچھ دیر بعد وہ دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ جونہی اسے گہری نیند آنے لگی وہ پھر وہی خواب دیکھنے لگی۔ بالکل پہلے جیسا۔ اس میں ذرا سا بھی فرق نہیں تھا۔ وہ پھر یک دم گھبرا کر اٹھ گئی اور پریشانی سے سوچنے لگی۔

''ایک خواب کبھی پہلے یوں ری پیٹ نہیں ہوا۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ آزر، حمنہ اور میں ایک ہی خواب بار بار کیوں آ رہا ہے۔ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ یہ خواب کوئی حقیقت تو نہیں...... نہیں، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آزر تو مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور اس کا حمنہ سے کیا تعلق۔ دونوں نے تو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ ڈھنگ سے بات تک نہیں کی۔ وہ حمنہ کو کیسے مار سکتا ہے۔ یہ خواب بالکل جھوٹ ہے۔'' اس نے پھر جھٹلایا اور سونے کی کوشش کی مگر پھر اسے نیند نہیں آئی۔ وہ مضطرب سی کروٹیں بدلنے لگی اور سونے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔ صبح کو وہ قدرے دیر سے بیدار ہوئی۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ ملازمہ اسے اٹھانے آئی تب اسے پتا چلا کہ دن کتنا گزر چکا ہے۔

''یمنیٰ بی بی، آج آپ کالج بھی نہیں گئیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟ بیگم صاحبہ پریشان ہو رہی ہیں۔'' ملازمہ نے کہا۔

''اوہ، ہاں آج میرے سر میں بہت درد ہے۔ وقت کا پتا ہی نہیں چلا۔ میں ابھی آ رہی ہوں۔'' اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔

ملازمہ کمرے سے باہر چلی گئی اور اسی لمحے اس کا موبائل بجنے لگا۔ دوسری جانب آزر تھا اور وہ قدرے پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

''یمنیٰ یار، کہاں ہو تم۔ آج کالج کیوں نہیں آئیں۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟'' آزر نے پریشانی سے پوچھا۔

''سر میں بہت درد ہے۔'' اس نے منہ بنا کر سر کو دباتے ہوئے کہا۔

''کیوں...... درد کیوں ہونے لگا؟'' آزر نے فکرمندی سے پوچھا۔

''معلوم نہیں شاید رات کو دیر سے سوئی تھی اس لیے۔ حمنہ کہاں ہے؟'' نادانستہ اس کے منہ سے نکلا۔

''مجھے کیا معلوم۔ اپنی فرینڈز کے ساتھ کہیں ہو گی۔'' آزر نے جواب دیا۔

''کیا وہ آج کالج آئی ہے؟'' یمنیٰ نے پوچھا۔

''ہاں، شاید...... میں نے غور نہیں کیا مگر تم مجھ سے اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟'' آزر نے چونک کر پوچھا۔

''نہیں، میں تو یونہی پوچھ رہی ہوں۔'' یمنیٰ نے بوکھلا کر جواب دیا۔

''اچھا یہ بتاؤ تم کالج ٹائم کے بعد مجھ سے ملنے آ رہی ہو کہ نہیں؟'' آزر نے پوچھا۔

''نہیں، آج میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ریسٹ کرنا چاہتی ہوں۔'' یمنیٰ نے جواب دیا۔

''لیکن میں تمہیں دیکھے بغیر ریسٹ نہیں کر سکتا۔'' آزر نے جواب دیا۔

''کیوں؟'' یمنیٰ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

''میرا خیال ہے محبت کرنے والوں کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔'' آزر نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، میں شام میں آؤں گی مگر تم کہاں ملو گے؟'' یمنیٰ نے پوچھا۔

''اپنے فلیٹ میں۔'' آزر نے جواب دیا۔

''اوکے سی یو۔'' یمنیٰ نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

☆☆☆

وہ یمنیٰ کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے ڈیڈ... عظیم احمد کی کال آ گئی۔ وہ اسے امریکا آنے پر اصرار کر رہے تھے جبکہ آزر ان سے بڑی بے دلی سے بات کر رہا تھا وہ انہیں مسلسل انکار کر رہا تھا جبھی اس کی ماما نے فون لے لیا۔

''آزر بیٹا، میری جان ہم تمہارے بغیر بہت اداس ہیں۔ تم جلدی سے یہاں آ جاؤ۔ میں تمہارے ابو کے دوست کی بیٹی سے تمہاری شادی کا سوچ رہی ہوں۔ بڑی ہی خوب صورت اور پیاری لڑکی ہے۔ امریکا میں ہی پلی بڑھی ہے۔ وہ تمہیں ضرور پسند آئے گی۔'' اس کی ماما نے اسے لڑکی کا لالچ دیا تو اس نے انہیں کوئی جواب دیے بغیر ہی فون بند کر دیا اور غصے سے پیر پٹخنے لگا۔

''مجھے وہاں بلانے کے لیے لڑکی کا ڈراما کر رہی ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد یمنیٰ اس کے فلیٹ کے دروازے پر تھی۔ آزر نے بیل بجتے ہی دروازہ کھولا اور ایک دم اپنا موڈ صحیح کرنے لگا۔

''تھینکس فار کمنگ۔ میں سوچ رہا تھا شاید تم نہ آؤ۔'' آزر مسکرا کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آئی ایم ویری کمیٹڈ پرسن۔'' یمنیٰ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور اندر آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' آزر نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، تم نے بہت insist کیا تھا اس لیے میں تم سے ملنے آ گئی ورنہ۔'' یمنیٰ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

''تھینکس یار مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتی ہو۔'' آزر نے مسکرا کر کہا۔

''what do you mean? کیا تمہیں میری محبت پر یقین نہیں؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''ہے اور بہت زیادہ۔ شاید اپنے آپ سے بھی زیادہ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ فریج کی طرف بڑھا اور اس کے لیے جوس نکالنے لگا، دو گلاس میں جوس ڈال کر ایک گلاس یمنیٰ کی جانب بڑھایا اور محبت پاش نظروں سے دیکھنے لگا۔

''آئی تھنک اب ہمیں ایک دوسرے کو یقین دہانی کی اسٹیج سے باہر نکلنا چاہیے۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہونی چاہیے کہ ایک دوسرے کو بار بار یقین دلائیں۔'' یمنیٰ نے جوس کا گلاس ہاتھ میں لیتے ہوئے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

''سوری، اب دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔ آئی ٹرسٹ یو ٹو مچ۔'' آزر نے مسکرا کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو یمنیٰ بھی مسکرا دی۔

''آج تمہارے سب فرینڈز کہاں ہیں؟ یہاں کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔'' یمنیٰ نے اردگرد دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے آنے سے پہلے سب کو بھیج دیا ہے۔'' آزر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''آج میں تم سے اپنے دل کی بہت سی باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' آزر نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''کیسی باتیں؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا اور جوس پی کر گلاس ٹیبل پر رکھ دیا۔

''وہ ساری باتیں جو کبھی میرا کمپلیکس تھیں اور مجھے بہت پریشان کرتی تھیں ان میں سے اب بھی کچھ ایسی ہیں جو مجھے ڈسٹرب رکھتی ہیں۔ میں وہ سب تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے

میں نارمل انسان نہیں ہوں اور فرینڈز مجھے ایموشنلی بلیک میل کرتے رہے۔ کوئی ویسے ایکسپلائٹ کرنا چاہتا ہے اور کوئی محبت کے نام پر مجھ سے ٹرک کھیلنے کی کوشش کرتا ہے۔'' آزر نے قدرے جذباتی ہو کر اپنی آنکھوں کو نم کرتے ہوئے کہا تو یمنیٰ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آذر اس سے کیا کہنا چاہ رہا تھا اور وہ کیوں پریشان ہو رہا تھا۔

''آئی ایم ویری مچ ڈسٹرب۔ صرف تم ہی مجھے اس اسٹریس سے نکال سکتی ہو۔'' آزر نے قدرے جذباتی ہو کر کہا۔

''کیسے...... آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا؟'' یمنیٰ نے جھنجلا کر کہا۔

''کومل مجھے ایکسپلائٹ کرنا چاہ رہی ہے اور تمہارے خلاف میں...... میں تمہیں کیا کچھ بتاؤں۔ جو کچھ کرنے کی وہ کوشش کر رہی ہے۔ یہ دیکھو وہ مجھے کتنی کالز کرتی ہے۔'' اس نے اپنا موبائل فون اسے دکھایا۔ جس میں کومل کی بے شمار کالز تھیں۔

''کیا کومل میرے خلاف...... تمہیں بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ کومل ایسا کیوں کر رہی ہے۔ وہ تو ہم سب کی بہت اچھی دوست ہے۔'' یمنیٰ نے جھنجلا کر بے یقینی سے پوچھا۔

''کومل مجھ سے محبت کرتی ہے اور وہ تمہیں اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے۔'' آذر نے پریشانی سے کہا۔

''کومل...... آئی ڈونٹ بلیو۔'' یمنیٰ نے پریشانی سے کہا۔

''کیا تمہیں مجھ پر ٹرسٹ نہیں ہے؟'' آذر نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آئی ٹرسٹ یو...... لیکن...... کومل......؟'' یمنیٰ پریشانی سے بڑبڑائی۔

''مجھ پر ایسا یقین رکھو جس میں لیکن کی گنجائش نہ ہو۔ تم بتاؤ میں کیا کروں۔ میں نے کومل کو کئی بار snub کیا ہے۔'' آزر نے قدرے بے بسی سے کہا۔

''مجھے خود سمجھ میں نہیں آرہا۔ کومل ایسا کیوں کر رہی ہے جبکہ وہ سب کچھ جانتی بھی ہے اور میری اس کے ساتھ فرینڈشپ بھی بہت اچھی ہے۔'' یمنیٰ کے چہرے پر انتہائی جھنجلاہٹ کے تاثرات تھے۔

''یہی تو پریشانی کی بات ہے۔ کومل جو دکھائی دیتی ہے اصل میں ہے نہیں۔ اس سے پہلے کہ وہ ہم دونوں کو مزید ایکسپلائٹ کرے ہمیں کچھ فیصلہ کرنا چاہیے۔'' آزر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''کیسا فیصلہ؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا۔

''ہم دونوں کو کومل کا بائیکاٹ کرنا چاہیے تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ ہمیں اس کی سب باتوں کی خبر ہے۔'' آزر نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

''بائیکاٹ؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

''تم اس سے بات چیت اور ہر طرح کی فرینڈشپ ختم کر دو۔ اگر تم مجھ سے واقعی بہت محبت کرتی ہو تو تمہیں یہ کرنا ہوگا۔'' آزر نے اپنا فیصلہ سنایا تو یمنیٰ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہے وہ بالکل خاموش ہو گئی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' آزر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت غیر یقینی سی صورتِ حال ہے اور تمہارے کیا کمپلیکس ہیں جن کی وجہ سے لوگ تمہیں ایکسپلائٹ کرتے ہیں۔ کیا کومل بھی کچھ ایسا ہی کر رہی ہے؟'' یمنیٰ نے چونک کر پوچھا تو آذر ایک دم بوکھلا گیا۔

''میری محبت ہی میرا سب سے بڑا کمپلیکس ہے۔ جس کی وجہ سے میں ہمیشہ ایکسپلائٹ ہوتا آیا ہوں اور شاید اسی وجہ سے کومل بھی اس سے فائدہ

اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے۔'' آزر نے کہا۔

''میں کچھ سمجھی نہیں؟'' یمنیٰ نے حیرت سے پوچھا۔ آزر کچھ کہنے لگا تو اسی لمحے یمنیٰ کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے کان سے لگایا تو دوسری جانب جمال احمد تھے۔

''یمنیٰ بیٹے، تم کہاں ہو؟ تمہاری ماں بتا رہی تھیں کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں مگر تم گھر سے باہر ہو۔ تمہیں ریسٹ کرنا چاہیے، ویسے بھی میں نے ڈاکٹر سے ٹائم لیا ہے تاکہ تمہارا اچھی طرح چیک اپ کرواؤں۔'' جمال صاحب نے نرمی سے کہا۔

''نہیں ڈیڈی، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ آئی ایم فائن۔'' اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

''میں کچھ نہیں سننا چاہتا تم گھر پہنچو۔ میں ابھی آفس سے آرہا ہوں۔'' انہوں نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور موبائل آف کر دیا۔

''مجھے ڈیڈی کے ساتھ جانا ہے میں پھر تم سے بات کروں گی۔'' یمنیٰ نے باہر کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

''اور میں نے تم سے جو کچھ کہا ہے اس پر اچھی طرح سوچنا اور پھر فیصلہ کرنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔'' آذر نے کہا تو یمنیٰ نے ایک ٹک بغور اس کی جانب دیکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے روز وہ کالج پہنچی تو حمنہ اور کومل شدت سے اس کی منتظر تھیں۔ اس کے چہرے پر قدرے سنجیدگی کے تاثرات تھے۔

''یار یمنیٰ، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم بیمار کیا ہوئیں کہ یہ گلستان ہی ویران ہو گیا۔ سچ تمہارے بغیر تو ہر شے بہت ادھوری اور ویران لگی۔ یہاں تک کہ راکٹ بھی ٹھس ہو گیا۔'' کومل نے ہنستے ہوئے کہا تو یمنیٰ نے بغور اس کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی مگر کوئی جواب نہیں دیا۔

''کیا بات ہے یمنیٰ، تم اتنی خاموش کیوں ہو۔ کیا تمہاری طبیعت ابھی تک خراب ہے؟'' حمنہ نے نرم لہجے میں سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں، میں سوچ رہی ہوں انسان کس طرح دوسروں کو دھوکا دیتا ہے۔ اپنے چہرے پر نہ جانے اور کتنے چہرے سجا کر پھرتا ہے۔'' یمنیٰ نے کومل کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں کہا۔

''یار یہ تم کس کے بارے میں کہہ رہی ہو اور اتنی سنجیدہ گفتگو کا کیا مطلب ہے؟'' کومل نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا تمہیں واقعی اس بات کی سمجھ نہیں آرہی یا پھر بننے کی کوشش کر رہی ہو؟'' یمنیٰ نے قدرے خفگی سے کہا اور دونوں کو وہیں چھوڑ کر تیز تیز چلتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ دونوں حیران پریشان اسے دیکھتی رہ گئیں۔

''یہ یمنیٰ کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے پہلے تو کبھی ایسی بات نہیں کی اور اس کا موڈ بھی آف لگ رہا ہے۔'' حمنہ نے پریشانی سے کہا۔

''اور یار وہ کچھ عجیب سے ٹیزنگ وے میں بات کر رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے کچھ کہہ رہی ہو...... معلوم نہیں اسے کیا ہو گیا ہے؟'' کومل نے حیرانی سے کہا۔

دونوں باتیں کرتی ہوئی کلاس روم کی طرف چلی گئیں۔ یمنیٰ اپنی سیٹ پر بیٹھی تھی مگر اس نے حمنہ اور کومل کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ سارا وقت یونہی ہوتا رہا۔ یمنیٰ انہیں جہاں بھی بیٹھے دیکھتی وہاں سے اٹھ کر چلی جاتی اور ان کو سامنے سے آتا دیکھ کر راستہ بدل لیتی۔ انہیں یمنیٰ کی کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی اور یمنیٰ انہیں کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ سارا وقت آزر اور جواد کے ساتھ رہی۔ آذر ساری سچویشن کو آبزرو کر رہا تھا اور اندر ہی اندر اسے خوشی ہو رہی تھی کہ یمنیٰ نے فوراً اس کی بات مانی ہے۔ جواد موبائل

پر باتیں کرتا ہوا ایک طرف چلا گیا تو آذر نے یمنیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''مجھے اب یقین آگیا ہے کہ تم میری محبت میں سب کچھ کرسکتی ہو۔'' آذر نے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر کہا تو یمنیٰ بھی مسکرانے لگی۔

سارا دن اسی طرح گزر گیا۔ حمنہ کو اس بات کی بہت زیادہ پریشانی تھی کہ یمنیٰ نے اچانک اپنا رویہ کیوں بدلا ہے۔ گھر آکر یمنیٰ کھانا کھانے کے بعد گہری نیند سوگئی۔ حمنہ اسے مسلسل فون کرتی رہی تھی مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔ شام کو جب اس نے موبائل آن کیا تو فوراً ہی حمنہ کی کال آنے لگی۔

''یار یمنیٰ، تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ تم کیوں ایسے بی ہیو کررہی ہو؟'' حمنہ نے جذباتی انداز میں قدرے خفگی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں، میں تمہیں پوچھے بغیر نہیں چھوڑوں گی۔ کومل از ویری نائس پرسن مگر تمہاری باتوں میں اس کے لیے آج بہت طنز تھا۔ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ غلط کہا ہے۔'' حمنہ نے خفگی سے کہا۔

''ہاں یوں ہی سمجھ لو۔'' یمنیٰ نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

''اور تم نے کسی دوسرے کی بات پر یقین کرلیا۔ اپنی فرینڈز پر تمہیں کوئی یقین نہیں رہا۔ تمہیں جس نے بھی جو کچھ کہا ہے غلط کہا ہے۔ سب بکواس ہے۔'' حمنہ غصے سے بولی۔

''آذر جھوٹ نہیں بول سکتا۔'' یمنیٰ اسے سب کچھ بتانے لگی۔ اس کی باتیں سن کر حمنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

☆☆☆

گھر کے لان میں ہی فہام نے ردا اور روحیل کی مشترکہ مہندی کا فنکشن ارینج کیا تھا اور پھولوں سے ایسا زبردست اسٹیج تیار کروایا تھا کہ ہر کوئی دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ سجاوٹ کی خوب تعریفیں کررہا تھا۔ ردا ییلو لہنگا پہنے پیلے پھولوں سے لدی اسٹیج پر بیٹھی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ رشنا بھی سجی سنوری پیش پیش تھی۔ خاندان کی سب لڑکیاں اور رشتے دار خواتین سب خوش ہوکر ردا کو مہندی لگا رہی تھیں۔ شمیلہ کامدار لہنگا اور زیورات پہنے ایک کونے میں کھڑی تھی وہ عجیب نظروں سے ردا کو دیکھ رہی تھی۔

روحیل بھی اب اس کے ساتھ اسٹیج پر آبیٹھا تھا۔ وہ بہت خوب صورت لگ رہے تھے اور شمیلہ بار بار انہیں دیکھے جارہی تھی۔

''بیٹا، آؤ تم بھی مہندی لگاؤ ناں۔'' خدیجہ نے شمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ زبردستی مسکراتے ہوئے ردا کے پاس بیٹھ گئی اور سامنے پڑے بڑے تھال میں ... جس میں مہندی، مٹھائی، تیل اور موم بتیاں سجی تھیں سے مہندی لے کر وہ ردا کے پاس بیٹھ کر اسے لگانے لگی مگر جان بوجھ کر تھال کو نیچے سے ہاتھ مار کر گرادیا۔ تھال الٹا تو اس میں سجی موم بتیاں بھی نیچے گرگئیں اور ایک دم ردا کے دوپٹے میں آگ لگ گئی۔

یہ اتنا اچانک ہوا کہ پاس کھڑے سب لوگ گھبرا گئے۔ فہام نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے جلتے ہوئے دوپٹے کو اپنے ہاتھوں سے مسلا اور آگ بجھادی۔ سب ہکا بکا دیکھتے رہ گئے۔ فہام کے دونوں ہاتھ آگ کی وجہ سے سرخ ہوگئے تھے۔ ردا ایک دم گھبرا کر اس کے دونوں ہاتھوں کو چوم کر رونے لگی۔

''ارے میری جان میرے ہوتے ہوئے تم کیوں گھبرا رہی ہو۔'' فہام نے مسکراتے ہوئے ردا کو اپنے ساتھ لگا کر کہا۔ ''مجھے کچھ نہیں ہوا۔ تم کہو تو ابھی تم پر جان بھی وار دوں۔'' فہام نے مسکراتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگا۔

''خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔'' ردا نے گھبرا کر فہام کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو روحیل نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''اللہ خیر کرے، کیسی بدشگونی ہوگئی ہے۔'' خدیجہ پریشانی سے بڑبڑائیں۔

''ارے کچھ نہیں ہوتا بیٹا۔ رسم پوری کرو۔ ہم کافی لیٹ ہورہے ہیں۔'' ماں جی نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ خدیجہ کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ ماں جی، خدیجہ کو سمجھاتی رہیں کہ فکر نہ کریں اور اسے بدشگونی نہ سمجھیں۔ انہوں نے زبردستی مسکرا کر انہیں دیکھا مگر ان کا دل اندر ہی اندر پریشان ہورہا تھا۔

☆☆☆

توقیر رشنا کی مووی دیکھ رہا تھا۔ ایک سین میں ردا، رشنا کے پاس بیٹھی مسکرا رہی تھی اور مسکراتے ہوئے ردا نے قہقہہ لگایا۔ توقیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلی اور پھر ایک دم آنکھوں میں نمی سی تیرنے لگی۔ وہ ردا کا چہرہ still کرکے دیکھنے لگا۔ نجمہ ٹرے میں توقیر کے لیے پھل رکھ کر لائیں تو توقیر نے جلدی سے ریموٹ اٹھا کر سین چینج کیا۔

''مووی دیکھ کر پرانی یادیں پھر سے تازہ ہوجاتی ہیں۔'' نجمہ نے اس کے پاس بیٹھ کر مووی دیکھتے ہوئے کہا تو رشنا اور ردا پھر اسکرین پر آگئیں۔

''ردا کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ بڑی خواہش تھی کہ میں اسے اپنی بہو بنالیتی مگر توقیر تم نے اس کے لیے بھی ہاں نہیں کی۔'' نجمہ نے آہ بھر کر کہا تو توقیر نے ایک دم چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

''خدا جانے کون تھی وہ جس کے لیے تم نے ردا جیسی لڑکی کو بھی انکار کردیا۔'' نجمہ نے افسردگی سے کہا تو توقیر نے آہ بھر کر ماں کو دیکھا مگر خاموش رہا۔

''وہ بڑا ہی خوش نصیب شخص ہوگا جسے ردا ملے گی۔ اتنی اچھی، سلجھی ہوئی، معصوم اور پیاری لڑکی۔'' نجمہ نے سیب کاٹتے ہوئے مسکرا کر کہا تو توقیر نے گھبرا کر پہلو بدلا اور مووی آف کردی۔

''مووی کیوں بند کردی؟'' نجمہ نے چونک کر پوچھا۔

''میں سونے کے لیے جارہا ہوں۔'' توقیر نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ میں ذرا کچن دیکھ لوں اور سنو اپنی میڈیسنز یاد سے کھالینا۔'' نجمہ نے کہا۔

''جی اچھا۔'' توقیر آہستہ آواز میں بولا۔

''تم نے میرے دل میں پھر آگ لگادی ہے۔ بہت کوشش کرتا ہوں تمہیں بھلانے کی مگر تم اتنا ہی زیادہ یاد آتی ہو۔ کیا کروں؟'' توقیر نے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کہا اور اپنے موبائل پر رشنا کا نمبر ملانے لگا۔

''رشنا سے ہی تمہاری خیریت پوچھتا ہوں۔'' توقیر نے نمبر ملاتے ہوئے سوچا مگر اس کا نمبر آف جارہا تھا۔ اس نے مایوس ہوکر موبائل رکھ دیا۔

☆☆☆

رشنا، ردا کے ہاتھ پر کون مہندی لگا رہی تھی۔

''یار آج تمہارے فہام بھائی بڑے ہیرو بنے ہوئے تھے۔ کیا کمال کی ایکٹنگ کی۔'' رشنا نے مسکراتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

''وہ ایکٹنگ نہیں تھی وہ سچ میں مجھ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں۔'' ردا منہ بنا کر مصنوعی خفگی سے بولی۔

''اوہ، مجھے یاد ہی نہیں رہا گھر سے آنے سے پہلے مما کی کال آرہی تھی۔'' رشنا نے ایک دم مہندی چھوڑ کر بیگ میں سے موبائل نکال کر کہا۔ ''میں نے موبائل فون آف کردیا کہیں وہ فون ہی نہ کررہی ہوں۔'' رشنا نے موبائل آن کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں؟'' ردا نے چونک کر پوچھا۔

''مما آج کل توقیر بھائی کے پاس آسٹریلیا گئی ہوئی ہیں اور ہر روز آن لائن ہوکر میں ان دونوں سے بات کرتی ہوں۔'' رشنا نے کہا۔

"اب توقیر بھائی کیسے ہیں؟" ردا نے یک دم پوچھا۔
"ٹھیک ہیں بے چارے...... جس کے غم میں دل کو روگ لگائے بیٹھے ہیں ان محترمہ کو خبر ہی نہیں۔" رشنا نے عجیب انداز میں کہا تو ردا نے یک دم گھبرا کر اسے دیکھا۔
"یار، یہ محبت بھی عجیب جذبہ ہے جو اندر ہی اندر انسان کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ پہلے تو میں یقین نہیں کرتی تھی مگر اب توقیر بھائی کی حالت دیکھ کر یقین آ گیا ہے۔" رشنا نے افسردگی سے کہا۔
"کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا ہے؟" ردا نے حیرت سے پوچھا۔
"یہی تو پرابلم ہے، نہ وہ کچھ بتاتے ہیں اور نہ ہی اپنا دل کھولتے ہیں۔" رشنا آہ بھر کر بولی تو رشنا کے موبائل پر کال آنے لگی۔
"ردا! دیکھنا تو کس کی کال آ رہی ہے؟" رشنا نے ردا کی طرف دیکھ کر کہا۔
"کوئی نمبر ہے، شاید نیٹ کا۔" ردا نے نمبر دیکھتے ہوئے کہا۔
"مما ہوں گی...... تم بات کر لو، انہیں اپنی شادی کا بتاؤ، وہ بہت خوش ہوں گی۔" رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میں......؟" ردا نے بوکھلا کر کہا۔
"ہاں...... میں اب یہ ڈیزائن نہیں چھوڑنا چاہتی ورنہ خراب ہو جائے گا۔" رشنا جلدی سے بولی تو ردا نے گہری سانس لے کر موبائل کان سے لگایا۔
"ہیلو...... ک...... کون......؟" ردا نے رک رک کر بولی۔
"میں توقیر ہوں...... ارے، کیا آپ ردا ہیں تو پلیز فون بند مت کیجیے گا۔ آج میں آپ کو بہت شدت سے یاد کر رہا تھا اور خدا نے میرے دل کی سن لی اور آپ سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔" توقیر جلدی سے بولا تو ردا گھبرا گئی۔
"جی......" ردا نے گھبرا کر رشنا کی طرف دیکھ کر بہ مشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا۔
"آپ کو انگیجمنٹ بہت مبارک ہو۔" توقیر نے گہری سانس لے کر کہا۔ "کیا آپ خوش ہیں؟" توقیر نے افسردگی سے پوچھا۔
"جی......" ردا گھبرا کر بولی۔
"اللہ آپ کو ہمیشہ بہت خوش رکھے۔ آپ میرے نصیب میں نہیں تھیں، اس لیے نہیں ملیں مگر دعا کیجیے کہ جو آپ کے نصیب میں ہے وہ آپ کو اتنی خوشیاں دے کہ آپ کا نصیب بھی چمکنے لگے اور زندگی بھی۔" توقیر نے آہ بھر کر نم آنکھوں کے ساتھ کہا تو ردا کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔
"لیکن میں نے اپنے آپ سے عہد کر لیا ہے کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا۔" توقیر سسکی بھر کر بولا۔
"ک...... ک...... کیوں......؟" ردا نے بری طرح گھبرا کر پوچھا۔
"محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے...... یہ آپ سے وفا تو نہیں ہوئی ناں......؟" توقیر زخمی مسکراہٹ سے بولا تو ردا کے منہ سے ایک دم ہلکی سی چیخ نکلی...... اور وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر واش روم کی طرف بھاگی اور دروازہ بند کر کے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو رشنا پریشان سی اس کے پیچھے بھاگی۔
"ردا...... ردا کیا بات ہے......؟ دروازہ کھولو؟" رشنا نے دروازہ بجاتے ہوئے کہا۔
ردا بیسن کے سامنے کھڑی ہو کر رونے لگی اور اپنے ہاتھوں سے مہندی مل مل کر دھونے لگی۔
"میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گا، محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے...... یہ آپ سے وفا تو نہیں ہوئی ناں......؟" ردا کے کانوں میں توقیر کے الفاظ گونجنے لگے اور وہ سسکیاں بھرنے لگی۔
"مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے، میں نے کیا

گناہ کیا ہے؟" ردا سسکتے ہوئے خود کلامی کر رہی تھی۔
"وہ شادی نہ کر کے مجھے سزا دینا چاہ رہا ہے... یاخدا تو نے مجھے کس اذیت میں ڈال دیا ہے۔" ردا چھت کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی۔
"اذیت میں تو وہ بھی ہے جو ساری زندگی کے لیے سنیاس لے رہا ہے۔" ردا کے اندر سے آواز آئی تو وہ ہونٹ بھینچ کر سسکی بھرنے لگی۔ دروازہ بجنے کی آواز پر ردا نے گھبرا کر زور زور سے اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کیے۔
رشنا پریشان واش روم کا دروازہ بجا رہی تھی کہ فہام ایک فائل پکڑے کمرے میں آیا۔
"ردا کہاں ہے اور آپ دروازہ کیوں بجا رہی ہیں؟" فہام نے رشنا کو دروازہ بجاتے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔
"ردا روتی ہوئی واش روم میں گئی تھی، کافی دیر ہو گئی ہے دروازہ نہیں کھول رہی۔" رشنا پریشانی سے بولی۔
"کیوں......؟" فہام نے پریشانی سے پوچھا۔
"معلوم نہیں......؟" رشنا نے کہا تو فہام گھبرا کر زور زور سے دروازہ بجانے لگا۔
"ردا...... ردا...... دروازہ کھولو، نہیں تو میں دروازہ توڑ دوں گا۔" فہام نے کہا تو ردا بھائی کی آواز سن کر گھبرا گئی اور اس نے جلدی سے چہرے پر پانی کے چھینٹے مار کر دروازہ کھولا۔ اس کی آنکھیں رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔
"کیا ہوا...... میری جان...... تم کیوں رو رہی تھیں؟" فہام نے قدرے پریشان ہو کر پوچھا۔
"ک...... کچھ نہیں۔" ردا نے سسکی بھر کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"سمجھ گیا...... ہم سے جدائی کا دکھ ہے، دل تو ہمارے بھی تڑپ رہے ہیں مگر......" فہام نے آبدیدہ ہو کر کہا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر سسکی بھرنے لگا تو رشنا نے بہت حیرت سے دونوں کو دیکھا۔
"ڈیڈی نے جو پراپرٹی چھوڑی ہے، اس میں سے تین ایکٹرز مین میں نے تمہارے نام کر دی ہے، یہ اس کی فائل ہے، سنبھال کر رکھ لو۔ یہ تمہاری امانت ہے۔" فہام نے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے فائل اسے دیتے ہوئے کہا۔
"نہیں فہام بھائی، مجھے کچھ نہیں چاہیے۔" ردا نے جذباتی ہو کر اس کے ساتھ گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے کہا۔
"میری جان یہ تمہارا حق ہے، میں اپنے پاس سے کچھ نہیں دے رہا۔" فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اسے اپنے پاس رکھیے۔" ردا نے کہا۔
"ٹھیک ہے، فی الحال رکھتا ہوں مگر بعد میں ضرور لے جانا...... اور میری چندا خوش خوش پیا گھر جاؤ، یوں رو کر نہیں......" فہام نے اس کے سر کو چومتے ہوئے محبت سے کہا تو ردا پھر رونے لگی۔
"بس...... اب اور نہیں...... پلیز اسے رونے مت دیجیے گا۔" فہام نے آنسو صاف کرتے ہوئے رشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔
"جی......" رشنا نے نم آنکھوں سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"خوش رہو...... آباد رہو۔" فہام نے مسکراتے ہوئے ردا سے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔
"ردا...... مجھے سچ سچ بتاؤ، کس کا فون تھا، کیا مما کا ہی فون تھا لیکن انہوں نے تم سے ایسا کیا کہا کہ تم روتے ہوئے واش روم میں چلی گئیں۔" رشنا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پریشانی سے پوچھا۔
"مجھ سے کچھ مت پوچھو؟" ردا نے نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر کہا۔
"کیوں...... آخر بات کیا ہے؟ ٹھیک ہے میں مما سے پوچھتی ہوں۔" رشنا نے موبائل پکڑ کر نمبر ملاتے ہوئے کہا مگر ردا نے موبائل اس کے ہاتھ

سے چھین لیا۔

''تمہیں ...... میری قسم...... آنٹی سے کچھ مت پوچھنا...... ورنہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی، بس میں ہی جذباتی ہوگئی...... اس میں کسی کا کیا قصور......'' ردا نے رشنا کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' رشنا نے ہاتھ کھینچ کر کہا تو ردا اپنی آنکھوں کو صاف کرنے لگی۔

''یہ کیا...... تم نے مہندی کیوں دھو ڈالی...... لاؤ اب میں دوبارہ لگاتی ہوں۔ اب تو ڈیزائن نہیں بلکہ پوری لگانی پڑے گی۔'' رشنا نے چونک کر اس کے ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں...... مجھے نہیں لگانی......'' ردا نے آہ بھر کر کہا۔

''یہ تو بدشگون ہوتا ہے۔'' رشنا خفگی سے بولی۔

''مجھے کچھ نہیں کرنا......'' ردا نے سسکی بھر کر کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

ردا سے فون پر بات ختم کر کے وہ بہت اداس ہوگیا تھا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں، نجمہ قدرے جھنجلائی ہوئی اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

''نہ جانے آج رشنا کہاں چلی گئی ہے، فون کرتی ہوں تو وہ آف ملتا ہے۔'' آن لائن بھی نہیں، مجھے اس سے ضروری بات کرنی ہے۔'' نجمہ خفگی سے بولیں۔

''کیا بات ہے بیٹا...... تم اتنے خاموش کیوں ہو؟'' نجمہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کچھ نہیں......'' توقیر نے آہستہ سے کہا۔

''خدا کے لیے مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کھاؤ، جانتے ہو تمہیں اس حالت میں دیکھ کر میرا دل کتنا کٹتا ہے۔'' نجمہ اس کی طرف بغور دیکھ کر بولیں۔ ''کیوں...... ضد کر رہے ہو؟'' نجمہ نے افسردگی سے کہا۔

''کیسی ضد......؟'' توقیر نے چونک کر پوچھا۔

''میری بات نہ ماننے کی ضد...... !''

''کون سی بات......؟'' توقیر بالکل غائب دماغی سے بات کر رہا تھا۔

''میں یہاں چند دنوں کے لیے صرف تمہاری خاطر آئی ہوں اور تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتی۔ تمہارے ڈیڈی کے دوست کی بیٹی مجھے بہت پسند آئی ہے، میں چاہتی ہوں کہ......'' نجمہ نے بات کرتے ہوئے کہا۔

''مما......! پلیز اس ٹاپک پر بات مت کریں۔'' توقیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''کیوں...... نہ کروں...... کیوں ہم سب کو اذیت دے رہے ہو؟'' نجمہ نے خفگی سے کہا۔

''میں کس کو اذیت دوں گا، میں تو خود ایسی اذیت میں ہوں جس کا اندازہ آپ کو کبھی نہیں ہوسکتا۔'' توقیر نے درشتی سے کہا۔

''جو بات سب کو اذیت دے رہی ہو تو اس کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' نجمہ نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ ممکن نہیں۔'' وہ فوراً بولا۔

''خدا کے لیے رحم کرو مجھ پر۔'' نجمہ نے غصے سے چلاتے ہوئے اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔ توقیر نے گھبرا کر ماں کے ہاتھ پکڑ کر اپنی نم آنکھوں سے لگا لیے۔

''پلیز...... میری اذیت کو اور مت بڑھائیں، اس وقت میں بہت ٹوٹ رہا ہوں، کیا آپ مجھ سے ایک وعدہ کریں گی؟'' توقیر نے اداس لہجے میں کہا۔

''کیا......؟'' انہوں نے چونک کر پوچھا۔

''آج کے بعد آپ میری شادی کا ذکر نہیں کریں گی، جب میں ذہنی طور پر سیٹ ہو جاؤں گا خود آپ کو بتادوں گا...... ابھی میں بہت اپ سیٹ ہوں...... پلیز، مما...... بس میرے لیے دعا کریں۔'' توقیر نے التجائیہ انداز میں کہا تو بیٹے کی اس کیفیت پر وہ کڑھ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

روحیل مہندی کے فنکشن سے خوش خوش گھر پہنچا تھا وہ اپنے کمرے میں لیٹا روا کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا پھر اس نے وقت کا اندازہ کیے بغیر روا کو فون ملا لیا۔ جواباً اس کی نیند بھری آواز کانوں میں پڑتے ہی اسے وقت کا اندازہ ہوا۔

''کیا آپ سو رہی تھیں؟'' روحیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں...... بس سر میں درد تھا؟'' روا نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟'' روحیل نے چونک کر پوچھا۔

''یونہی......'' روا نے آہ بھر کر بولا۔

''کیا آپ خوش نہیں...... آواز سے بہت اداس لگ رہی ہیں۔'' روحیل نے حیرت سے پوچھا۔

''بس شاید تھکن ہوگئی ہے۔'' روا نے بیزاری سے کہا۔

''کیا آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہی ہیں؟'' روحیل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ن...... نن...... نہیں تو؟'' روا گھبرا کر بولی۔

''پھر بتائیں کیا بات ہے؟'' روحیل نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

''ک...... کچھ بھی تو نہیں۔'' روا نے یک دم بوکھلا کر کہا۔

''اس کا مطلب ہے، آپ مجھ پر ٹرسٹ نہیں کرتیں۔'' روحیل نے کہا۔

''میں نے کہا ناں...... ایسی کوئی بات نہیں۔'' روا پریشان ہو کر بولی۔

''پھر آپ کی آواز اور لہجہ اداس کیوں ہے؟'' روحیل بضد تھا۔

''کیا اس موقع پر لڑکیوں کو اداس نہیں ہونا چاہیے۔'' روا نے اسی سے سوال کر ڈالا۔

''پلیز...... اپنے آپ کو سنبھالیں...... آپ نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا ہے، میں نے بہت اچھے موڈ میں آپ کو فون کیا تھا، ٹھیک ہے اگر آپ کا موڈ نہیں تو گڈ نائٹ......'' روحیل نے خفگی سے کہا اور فون بند کر دیا...... روا بہت پریشان ہوگئی اور ہیلو، ہیلو کرتی رہ گئی۔

''کیا ہوا......؟'' تم تو سونے لیٹ گئی تھیں؟'' رشنا نے واش روم سے آ کر روا کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

''روحیل کا فون تھا، ناراض ہوگیا ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں بولی۔

''کیوں......؟'' رشنا نے چونک کر کہا۔

''اداسی کی وجہ پوچھ رہا تھا...... اب میں اسے کیا بتاتی؟'' روا نے ہونٹ سکوڑ کر پریشانی سے کہا۔

''کبھی تم نے puppet دیکھا ہے۔'' رشنا نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......'' روا حیرت سے بولی۔

''شادی کے بعد عورت مرد کے ہاتھوں puppet بن کر رہ جاتی ہے، اس کا کھانا، پینا، ہنسنا، بولنا، ہر بات کا فیصلہ مرد کرتا ہے۔ عورت کی اپنی ساری فیلنگز اور ذاتی لائف ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کا ہسبینڈ خوش تو وہ بھی خوش...... ہسبینڈ ناراض تو وہ بھی پریشان...... جانتی ہو تاں میں کتنے قہقہے لگایا کرتی تھی مگر فراز کو میری یہ عادت سخت ناپسند تھی۔ جب تک وہ یہاں رہا میں قہقہے لگانا ہی بھول گئی۔ جب میں کوئی اچھا ڈریس پہن کر آتی اور اسے اچھا نہیں لگتا تو مجھے وہ فوراً چینج کرنا پڑتا...... ہر، ہر بات میں فراز کو فالو کرنا پڑتا۔'' رشنا اس سے اپنی ازدواجی زندگی کے تجربات شیئر کر رہی تھی۔

''کیا شادی کے بعد لائف اتنی ٹف ہو جاتی ہے......؟'' روا نے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر پوچھا۔

''ضروری نہیں کہ ہر ایک کے ساتھ میرے جیسا ہو لیکن تم ذہنی طور پر تیار رہنا...... کیونکہ روحیل مجھے کافی پوزیسو اور غصے والا لگتا ہے۔ اس کے

attit ude سے گھبرا نہ جانا۔ جو وہ کہے، بس وہی کرنا۔" رشنا زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجا کے بولی۔

"لیکن شمیلہ بھابی پر تو فہام بھائی نے کبھی کچھ impose نہیں کیا لیکن وہ پھر بھی خوش نہیں رہتیں۔" ردا نے بتایا۔

"پھر تو وہ بہت ہی لکی ہیں مگر ایسی عورتیں بڑی ناشکری ہوتی ہیں جو اتنی اچھی سسرال اور ایسے شوہر کی قدر نہیں کرتیں۔" رشنا ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"ہاں، ان کو تو نہ جانے کس کس سے شکایتیں ہیں۔" ردا نے کہا۔

"اپنا اپنا نصیب ہوتا ہے، تم پریشان مت ہو...... اور روحیل کو سوری کا میسج کر دو۔ اس کا موڈ ٹھیک ہو جائے گا اور اب تم سو جاؤ، پہلے ہی بہت رو چکی ہو۔" رشنا نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو...... رشنا۔" ردا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رشنا شادی تک کے لیے اس کے پاس رکنے آئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

فہام لاؤنج میں کھڑا موبائل پر بات کر رہا تھا۔ عاصم اس کے پاس سے گزر کر باہر جانے لگا۔

"او کے حیدر...... تھینک یو ویری مچ فار یور کنسرن...... میں تم سے بعد میں بات کروں گا......" فہام نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

"عاصم! بات سنو۔" فہام نے موبائل آف کر کے جلدی سے عاصم کو بلایا تو شمیلہ ایک بڑی ٹرے میں پھول لیے لاؤنج میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کے نزدیک آئی۔

"جی...... فہام بھائی!" عاصم نے قریب آ کر کہا۔

"ردا کو پارلر لے کر جانا ہے۔ ڈرائیور کے ساتھ تم چلے جاؤ اور جب تک ردا پارلر میں رہے گی تم ڈرائیور کے ساتھ وہیں گاڑی میں رہو گے۔" فہام نے عاصم کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں فہام بھائی! پارلر میں تو بہت ٹائم لگتا ہے، میں اتنی دیر کیوں......؟" عاصم نے چونک کر پوچھا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں، وہی کرو۔" فہام نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تو شمیلہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"او کے......" عاصم نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"اس کا مطلب ہے کچھ گڑبڑ ہے۔" شمیلہ نے آنکھیں گھماتے ہوئے سوچا۔ عاصم وہاں سے چلا گیا اتنے میں خدیجہ کمرے سے نکل کر آئیں۔

"فہام بیٹا! عاصم کہاں ہے؟ میں نے اسے ایک کام کہا تھا۔" خدیجہ نے فہام کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مما...... وہ ردا کے ساتھ پارلر جا رہا ہے۔"

"ردا کو ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیتے۔ رشنا تو ویسے بھی اس کے ساتھ ہو گی۔"

"نہیں...... یہ حیدر کی انسٹرکشنز تھیں کہ اپنی طرف سے پوری کیئر کی جائے، کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" فہام نے کہا۔

"کیا کوئی خطرہ ہے؟" خدیجہ بیگم گھبرا کر بولیں۔

"نہیں...... نہیں پریشان مت ہوں۔" فہام نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"حیدر سول کپڑوں میں پولیس بھی بھیج دے گا۔" فہام نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، واقعی کوئی مسئلہ ہے۔" خدیجہ نے گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور انتہائی پریشان ہونے لگیں۔

"ارے نہیں...... مما! ایسی کوئی بات نہیں، پلیز آپ فکر نہ کریں۔" اس نے ماں کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

"اللہ خیر کرے۔" وہ پریشان ہو کر دعائیہ لہجے میں بولیں تو شمیلہ نے آنکھیں گھما کر دونوں کو دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیلی۔ اور وہ

مسکراتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

ردا دلہن بنی اور زیورات سے لدی پھندی انتہائی خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ ڈریسنگ روم میں بیٹھی تھی۔ رشنا اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ خدیجہ ہلکا کامدار سوٹ پہنے اور لائٹ میک اپ کیے وہاں آ بیٹھیں اور دلہن بنی بیٹی کو مسکرا کر دیکھتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوما۔

''سدا خوش رہو اور سہاگن رہو...... خدا میرے حصے کی زندگی اور خوشیاں بھی تمہیں نصیب کرے، آمین۔'' خدیجہ نے دعا دیتے ہوئے کہا تو ردا کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''ارے آنٹی...... اتنی محنت سے میک اپ کرایا ہے، وہ تو خراب نہ کریں۔'' رشنا نے مسکراتے ہوئے کہا تو خدیجہ زبردستی مسکرا کر ردا کی طرف دیکھنے لگیں۔ رشنا کے موبائل پر فون آنے لگا اور وہ کان سے لگا کر وہاں سے چلی گئی۔

''بیٹا...... آج تم میکے سے سسرال جارہی ہو، وہ گھر نہ تو اتنا بڑا ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ آسائشیں ہیں مگر وہاں روحیل اور اس کی ماں کی محبت ضرور ہوگی۔ تم ان کی محبت کی قدر کرنا اور اونچے نیچے حالات میں ان کی عزت کا بھرم رکھنا۔ تم شمیلہ جیسی بہو نہ بننا جو اپنی چالاکیوں اور مکاریوں سے ہم جیسی سیدھی سادی ماؤں کو بے بس اور مجبور کردیتی ہیں اور ایسی مائیں، بیٹوں کا گھر بسانے کی خاطر سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی خاموش رہتی ہیں۔'' خدیجہ نے آہ بھر کر کہا۔

''مما! آپ نے اس سے پہلے تو کبھی یہ باتیں نہیں بتائیں۔'' ردا نے چونک کر ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آج بتا رہی ہوں ناں!''

''کیا شمیلہ بھابی نے آپ کو اتنا مجبور کردیا ہے؟'' ردا نے نم آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بیٹا! اس کے بارے میں کچھ نہ کہوں تو بہتر ہے لیکن یہ یاد رکھنا...... ایسی لڑکیوں کے لیے کبھی دل سے دعائیں نہیں نکلتیں اور جس انسان کی زندگی دعاؤں سے خالی رہے وہ دنیا سے کچھ لے کر نہیں جاتا اور میں چاہتی ہوں تمہارا دامن سب کی دعاؤں سے بھرا رہے۔'' خدیجہ نے سسکی بھر کر اس کے سر پر پیار دیتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے تینوں بھائی کمرے میں داخل ہوئے تینوں پینٹ کوٹ میں ملبوس بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مختلف گفٹس تھے۔

''روحیل اور تمہارے لیے میری طرف سے گاڑی......'' فہام نے ردا کو گاڑی کی چابی دیتے ہوئے کہا۔

''یہ میری طرف سے ڈائمنڈ کا سیٹ......'' حاتم نے مسکراتے ہوئے ردا کو سیٹ دیا...... اور عاصم نے اسے گولڈ کے کنگن پہنائے اور سب نے مسکرا کر اسے گلے لگایا۔

''میں کیسے آپ لوگوں کے بغیر رہ پاؤں گی؟'' ردا نے نم آنکھوں سے سب کی طرف دیکھ کر کہا اور رونے لگی۔

''تم وہاں بہت خوش رہوگی اور روحیل تمہیں روز ہم سے ملانے کے لیے بھی لائے گا تو پھر اداسی کس بات کی؟'' فہام نے جلدی سے بہن کو گلے لگاتے ہوئے کہا

''کیا واقعی ایسا ہوگا؟'' ردا نے معصومیت سے پوچھا۔

''ہاں...... روحیل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے......'' فہام نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور اب تم نے بالکل نہیں رونا...... چلو ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔ اسٹیج پر چلو...... تمہارا دولہا تمہارا انتظار کررہا ہے۔'' حاتم نے شرارتی انداز میں کہا تو سب مسکرانے لگے اور اسے اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ اسٹیج پر روحیل کے پہلو میں وہ شرمائی لجائی بیٹھی تھی۔ تمام رسوم کے بعد بھائیوں نے بہت محبت سے اسے روتے ہوئے رخصت کیا۔ ان کی محبت دیکھ کر ہر آنکھ اشکبار تھی اور سب ردا کی قسمت پر رشک بھی کررہے تھے۔

☆☆☆

ماں جی بے انتہا چاؤ سے اسے بیاہ کرلے گئی تھیں گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر تیل ڈال کر اور پیسے وار کر انہوں نے بہو کا استقبال کیا تھا اور بہت محبت سے اسے چومتے ہوئے اندر لاؤنج میں لا کر صوفے پر بٹھایا۔ لاؤنج کے در و دیوار پھولوں سے سجے تھے۔ اسے صوفے پر بٹھا کر ماں جی دونوں کو مٹھائی کھلانے لگیں اور پھر اپنے پرس میں سے انگوٹھی نکال کر اسے پہنائی۔

''خدا نے تمہاری صورت میں میری بہت بڑی خواہش پوری کی ہے۔ تم میری بہو بھی ہو اور بیٹی بھی...... خدا کرے تمہارا آنا ہم سب کے لیے مبارک ہو...... بیٹا میں اور روحیل تمہیں خوش رکھنے کی پوری کوشش کریں گے...... لیکن اگر کہیں کوتاہی ہوجائے تو اس سے اپنا دل برا نہ کرنا...... اپنا غصہ ظاہر کردینا مگر مجھ سے کچھ ہرگز نہ چھپانا، میں بھی تمہاری ماں ہوں اور تم بھی مجھے اپنی ماں ہی سمجھنا۔'' ماں جی نے محبت سے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے پیار سے سمجھایا۔

''ارے مما...... ! میرا پتا تو آپ بالکل ہی... صاف کررہی ہیں۔'' روحیل مسکراتے ہوئے بولا تو ردا منہ نیچے کرکے مسکرانے لگی۔

''بیٹا...... ابھی سے جیلس نہ ہو...... ویسے میری بہو ہے ہی اتنی پیاری کہ تمہارا جیلس ہونا جائز ہے۔'' ماں جی مسکراتے ہوئے روحیل کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''آپا...... ماشاء اللہ چاند سورج کی جوڑی لگ رہی ہے، اللہ ان کو نظرِ بد سے بچائے۔'' فضیلت بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

''فضیلت! یہ ان دونوں کا صدقہ ہے، صبح کسی کو دے دینا۔'' ماں جی نے دونوں کے سر سے پیسے وار کر فضیلت کو دیتے ہوئے کہا اور سب مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

☆☆☆

روحیل کا کمرا بہت خوب صورت انداز میں پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ ردا دلہن بنی بیڈ پر بیٹھی تھی اور روحیل اس کے سامنے بیٹھا محبت پاش نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''کبھی سوچا نہ تھا کہ آپ یوں اچانک میری زندگی میں شامل ہو کر میری ہم سفر بنیں گی...... لیکن آپ کو دیکھ کر اب احساس ہورہا ہے کہ زندگی کا یہ سفر آپ کے ہمراہ بڑی خوب صورتی سے کٹے گا۔'' روحیل نے معنی خیز مسکراہٹ سے کہا تو ردا نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا محبت سے ہاتھ پکڑ کر سائڈ ٹیبل کی دراز سے گولڈ کے کنگن نکال کر ردا کو پہنائے۔

''محبت کا یہ تحفہ کیسا رہا؟'' روحیل نے بڑے پیار سے اس سے پوچھا۔

''بہت اچھا ہے۔'' ردا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا آپ یہی expect کررہی تھیں۔'' روحیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں تحفے سے زیادہ آپ کی محبت expect کرتی ہوں۔'' ردا نے مسکراتے ہوئے بولی۔

''اور محبت بھی وہ جو دل سے ہو۔'' روحیل نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی الماری میں سے ایک

گفٹ پیک نکال کر اس کے پاس آیا۔

''اسے کھولیے......'' روحیل نے محبت سے اسے دیتے ہوئے کہا۔ روا نے اسے آہستہ آہستہ کھولا تو اس میں سے ایک ڈیکوریشن پیس نکلا۔ جس میں کرسٹل کا ہارٹ تھا۔ روا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''یہ ہارٹ میں آپ کو اپنے دل کے تمام نازک جذبات اور شدید محبت کے ساتھ سونپ رہا ہوں۔ میرے پاس میرے دل سے بڑھ کر قیمتی شے اور کوئی نہیں اور میں وہی آپ کو دے رہا ہوں۔'' روحیل نے مسکراتے ہوئے اسے وہ ہارٹ دیتے ہوئے کہا۔

''اور میں آپ کے اس دل کو اپنے دل میں سنبھال کر رکھوں گی۔'' روا نے مسکرا کر محبت سے ڈیکوریشن پیس پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ روحیل مسکرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور روا بھی مسکرانے لگی۔

☆☆☆

سب لوگ بہت اداس لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ خدیجہ کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔

''مما! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ روا باعزت اور بخیریت اس گھر سے رخصت ہوئی ہے۔'' فہام نے ماں کے کندھے پر اپنا ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرے گھر کو تو وہ بہت اداس کر گئی ہے۔'' خدیجہ نے سسکی بھر کر کہا۔

''لیکن مما! آپ کی ایک بیٹی گئی ہے، دوسری بیٹی تو آپ کے پاس ہی ہے ناں۔''

''شمیلہ...... مما کو روا کی کمی کبھی محسوس نہیں ہونے دینا۔'' فہام نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے شمیلہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خالہ جان کو تو میں نے ہمیشہ اپنی مما ہی سمجھا ہے۔'' شمیلہ نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''شاید خالہ جان مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں جو یوں اداس ہو رہی ہیں۔'' اس نے شکایتی لہجے میں کہا تو خدیجہ نے ایک دم ہڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا۔

''نن...... نہیں...... ایسی بات نہیں۔'' خدیجہ گھبرا کر بولیں۔

''مما! اس طرح تو نہیں چلے گا ناں...... آپ شمیلہ کو روا کی طرح سمجھیں۔'' فہام جلدی سے بولا۔

''میں نے تو کبھی دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔'' خدیجہ گہری سانس لے کر بولیں۔

''تو پھر یہ اداسی اور مایوسی کی باتیں کیوں......؟'' حاتم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب ہم حاتم بھائی کی دلہن لانے کی بھی تیاری کرتے ہیں تاکہ گھر میں اور زیادہ رونق ہو جائے۔'' شمیلہ جلدی سے بولی تو سب نے یک دم چونک کر شمیلہ کو دیکھا۔

''ارے بھئی مجھے تو معاف رکھیں...... میرا فی الحال ایسا کوئی ارادہ نہیں۔'' حاتم نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

''تو پھر عاصم بھائی کے بارے میں سوچ لیتے ہیں۔'' شمیلہ نے مسکرا کر عاصم کی طرف دیکھ کر کہا۔

''بھابی...... یہ آج آپ کو کیا سوجھ رہی ہے۔'' عاصم نے حیرت سے پوچھا۔

''بھئی میں تم لوگوں کی بڑی بھابی ہوں، اب میں نے ہی تم لوگوں کے بارے میں سوچنا ہے، کیوں فہام؟'' شمیلہ نے مسکراتے ہوئے فہام سے پوچھا۔

''ہاں، ہاں کیوں نہیں، بھئی تمہیں پورا اختیار ہے کہ ان کے بارے میں کچھ سوچو......'' فہام نے جلدی سے کہا تو خدیجہ اس کی طرف دیکھنے لگیں اور شمیلہ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

(باقی آئندہ)



سرپرائز

سکینہ فرخ

میں ہوں تو ایک خاتون مگر عام خواتین سے مختلف...... ذرا نہیں اچھی خاصی مختلف۔ میری اس بات کا اندازہ آپ کو میرے اگلے جملے سے بہ خوبی ہو جائے گا۔ کچھ ہی دیر قبل میری نئی نویلی بہو میرے سامنے سے پاؤں پٹختی ہوئی گزر کر زینہ چڑھ کے اوپر گئی ہے اور میرا بیٹا اسے خونخوار اور مجھے زخمی نگاہوں سے دیکھتا ہوا اس کے پیچھے، پیچھے اوپر جا رہا ہے اور میں ان دونوں کی پشت کو دیکھ کر چپکے، چپکے

مسکرا رہی ہوں۔ نہ مجھے غصہ آ رہا ہے نہ ہی میں پریشان ہوں البتہ کچھ سوچ ضرور رہی ہوں...... ہے ناں حیرانی کی بات؟

"مہر۔" ارسلان کی آواز کہیں قریب سے ابھری، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا وہ میری طرف ہی آ رہے تھے۔

"جی۔" میں مسکرائی۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو؟" انہوں نے حیرانی سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں' ایان اور ازمینہ کو دیکھ رہی تھی۔" میں نے مسکرا کے جواب دیا۔

"ایان اور ازمینہ...... کیا وہ دونوں واپس آ گئے ہیں؟" ارسلان نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے وال کلاک پر نظر دوڑائی جہاں ساڑھے دس بج رہے تھے۔

"جی۔" میں نے جواب دیا۔

"اتنی جلدی؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی اتنی جلدی...... کیوں؟ یہ صبح پتا چلے گا۔ چلیں، ہم بھی اپنے روم میں چلتے ہیں۔" میں نے ان کا بازو تھامتے ہوئے جواب دیا۔

"چلو۔" وہ کچھ پریشان سے نظر آنے لگے لیکن انہوں نے کوئی سوال مزید نہیں پوچھا۔ کچھ مسئلے بڑے ہوتے ہیں تو کچھ چھوٹے۔ کسی بھی قسم کا مسئلہ ہو انسان ابتدا میں پریشان تو ہو ہی جاتا ہے لیکن چھوٹے چھوٹے مسائل کا حل تھوڑی سی عقل اور سمجھ بوجھ استعمال کر کے نکل ہی آتا ہے۔ مکھی کو مارنے کے لیے رائفل کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کام تو کسی بھی کیڑے مار دوا کا ایک ہلکا سا اسپرے بھی بہ خوبی کر سکتا ہے سو ٹینشن لے کر ساری رات جاگنے کے بجائے ایک پُرسکون نیند لے کر صبح تازہ دم ہو کے اٹھنا زیادہ فائدہ مند ہے۔ میری پینتالیس سالہ زندگی میں، میں نے یہی تجربہ حاصل کیا تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح ارسلان کو جلدی آفس جانا تھا۔ ایان ان کے نکلنے کے بعد نیچے اترا۔ اس کا رخ سیدھا باہر کی طرف تھا۔

"ناشتا تو کر لو۔" میں نے اسے آواز دی۔

"نہیں ماما، بھوک نہیں ہے۔" وہ مڑا۔ اس کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہوا مگر میں نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ پریشان تھا، آج مجھے سلام کرنا بھی بھول گیا تھا۔

"خدا حافظ۔" اسے کچھ یاد آیا اس نے میری طرف دیکھ کر کہا اور تیزی سے باہر کی طرف نکل گیا۔ اس کے بھوکے چلے جانے پر مجھے ہلکا سا افسوس ہوا۔ اس کے اسکول، کالج، یونیورسٹی اور یہاں تک کہ آفس جانے کے زمانے میں بھی میں نے اسے کبھی بھوکا گھر سے باہر جانے نہیں دیا۔ اسکول کے زمانے میں، وہ ناشتا کرنے میں مجھے بہت پریشان کرتا لیکن میں بھی اس کی ماں تھی۔ ایک گلاس دودھ کا تو پلا کر ہی چھوڑتی۔ شادی کے بعد یہ ذمے داری از خود ازمینہ کے حصے میں آ گئی تھی اور چار ماہ کی اس شادی شدہ زندگی میں وہ کم از کم پچاس مرتبہ تو بھوکا آفس گیا ہوگا۔ مجھے ازمینہ پر ہلکا سا غصہ آیا مگر میں نے اسے فوراً پی لیا۔

بارہ بجے تک ازمینہ بیگم کا کوئی پتا نہ تھا۔ بارہ بج کے پانچ منٹ پر اُن کی سواری بادِ بہاری نیچے جلوہ افروز ہوئی تو اُن کا منہ پھولا ہوا اور ماتھا سلوٹوں سے پُر تھا۔

یہ درست ہے کہ بچوں کو تمیز سکھانا اور ان کی تربیت کرنا ان کے ماں باپ کا کام ہے مگر کچھ بچے ماں باپ کے کنٹرول سے باہر ہوتے ہیں اور کچھ ماں باپ بھی بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہو جاتے ہیں۔ انجام ازمینہ جیسے بچوں اور بچیوں کی شکل میں سامنے آتا ہے قصور کسی کا بھی ہو...... بغیر سلام دعا کے وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔۔ میں کچن میں مصروف تھی۔

"آنٹی میں جا رہی ہوں۔" وہ خفگی سے بولی۔ اس کا ہینڈ کیری اس کے ساتھ تھا۔

"کہاں؟" میں نے اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے گھر اور کہاں۔" وہ قدرے چڑ کے بولی۔

"خیریت...... اتنی صبح، میرا مطلب ہے اٹھتے ہی؟" میں نے وقت کا احساس کرتے ہوئے جملے کی تصحیح کی۔

"جی۔" وہ کہہ کر مڑی۔

"ٹھہرو۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"جی۔" وہ رکی اور بولی۔

"ناشتا تو کر لو۔" میں نے لہجے میں نرمی سمو کے کہا۔

"نہیں آنٹی، دل نہیں چاہ رہا۔" میرے لہجے کی نرمی نے اس کے ماتھے کے بل غائب کر دیے تھے۔ لوہا گرم دیکھ کر میں نے چوٹ لگائی۔

"تمہیں پتا ہے میں نے ابھی تک ناشتا نہیں کیا اور آج ارسلان صاحب کو جلدی جانا تھا سو وہ ناشتے کے موڈ میں نہیں تھے صرف ایک کپ چائے کا پی کے گئے ہیں۔ ایان بھی شاید جلدی ہی میں نکل گیا، اس نے بھی ناشتا نہیں کیا اور اب تم بھی ایسے ہی جا رہی ہو۔ میرا ناشتا کسی کے ساتھ کے انتظار میں لگتا ہے کہ اب رہ ہی جائے گا۔" میں نے لہجے میں اداسی پیدا کی۔

"اچھا ٹھیک ہے، آپ ناشتا کریں، میں آپ کے ساتھ چائے پی لوں گی۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"چلو پھر تم ٹیبل کی طرف...... میں گرما گرم چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ خاموشی سے میز کی طرف بڑھ گئی۔ پانچ منٹ کے بعد میں بھی اس کے پاس گرما گرم چائے اور سینڈوچز کے ہمراہ موجود تھی۔ اس نے چائے کے کپ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو میں جلدی سے بولی۔

"ایک سینڈوچ تو ضرور ٹرائی کرو اور بتاؤ کیسا ہے، اس کی ریسپی نئی ہے۔" میں نے پلیٹ اس کے سامنے کر دی۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے ایک سینڈوچ اٹھا کے کھانا شروع کیا۔ کل رات بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ دس بجے تو دونوں میاں، بیوی ڈنر کے لیے نکلے تھے اور ساڑھے دس بجے نہ جانے کس بات پر لڑ جھگڑ کے گھر بھی واپس آ گئے تھے۔ کھانا بھلا کیسے کھایا ہوگا...... بھوک تو لگی ہوگی بے چاری کو...... میں نے اسے دوسرا سینڈوچ ختم کرتے دیکھ کر سوچا۔ اس کا ہاتھ تیسرے سینڈوچ کی طرف بڑھا مگر پھر اسے کچھ خیال آیا اور جلدی سے اس نے اس ہاتھ کو چائے کے کپ کی طرف موڑ دیا۔

"لگتا ہے تمہیں زیادہ پسند نہیں آئے؟" میں نے اس بار مایوسی کے رنگ بکھیرے۔

"نہیں، نہیں کافی اچھے ہیں۔" وہ گڑبڑائی۔

"تو پھر ایک اور تو لو۔" میں نے پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے جلدی سے ایک سینڈوچ اور اٹھا لیا۔ مجھے اس لمحے اس پر ایسا ہی پیار آیا جیسے ایک ماں کو اپنی بیٹی پر آتا ہے۔

ناشتا کرنے کے بعد اس کے حواس بحال ہوئے اور چہرے کا تناؤ دور ہو گیا اب بات کی جا سکتی تھی۔

"کیا تم رکنے کے لیے جا رہی ہو؟" میں نے اس کے ہینڈ کیری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"ایان کو معلوم ہے؟" میں نے آہستہ سے سوال کیا۔

"نہیں، میں اسے کیوں بتاؤں؟" اس نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"ہاں کچھ اتنا ضروری بھی نہیں لیکن وہ آ کے پوچھے گا کہ تم کہاں ہو تو کیا بتاؤں کہ کیوں گئی ہو، تمہارے گھر کوئی خاص تقریب وغیرہ ہے کیا؟" میں نے لہجہ نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں آنٹی کچھ بھی نہیں ہے...... میں تو ویسے

ہی جارہی ہوں۔" وہ جز بز ہو کے بولی۔

"واپس کب آؤ گی؟" میں نے سرسری انداز میں پوچھا۔

"سوری آنٹی...... مجھے نہیں معلوم میں واپس کب آؤں گی...... پتا نہیں آؤں گی بھی یا نہیں......" وہ اب کھلنے کو تیار تھی۔

"کیوں...... ایسا کیوں کہہ رہی ہو......؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آنٹی صاف بات ہے میں ایان کے ساتھ بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ ہمارے درمیان بالکل انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔" اس نے واضح طور پر کہا۔

"اچھا۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھے اور میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں۔ بہتر ہے کہ ہم ابھی الگ ہو جائیں بعد میں فیملی کے جھنجٹ ہو گئے تو اور مشکل ہو گی۔" اس بائیس سالہ خاتون نے انتہائی مدبرانہ انداز میں کہا۔

"اوہ...... بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔" میں نے ہامی بھری۔ اسے شاید مجھ سے اس درجہ تعاون کی امید نہیں تھی۔ اس بار حیران ہونے کی اس کی باری تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی بس حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"ویسے اگر تم مجھے پوری بات بتا دو تو مجھے سمجھنے میں زیادہ آسانی ہو گی کہ آخر ایان تمہارے ساتھ کرتا کیا ہے جس پر تم ناراض ہو جاتی ہو؟" میں نے اسے کریدا۔

"آنٹی اس کی کوئی ایک بات بھی ٹھیک نہیں۔" وہ غصے میں پھٹ پڑی۔

"مثلاً......؟" میں نے اسے اکسایا۔

"صبح اٹھنے میں وہ کاہل ہے، جو کام میں اسے بتاتی ہوں ہمیشہ بھول جاتا ہے۔ میری کوئی بات نہیں سنتا، اپنی منوانے کی کوشش کرتا ہے۔ رات میں سوتے ہوئے لاتیں مارتا اور خراٹے لیتا ہے اور...... اور......" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"اور لڑکیوں سے فلرٹ کرتا ہو گا؟" میں نے سرگوشی والے انداز میں پوچھا۔

"نہیں...... لڑکیوں سے فلرٹ کہاں کر سکتے ہیں موصوف، اتنے تو شرمیلے ہیں، بات بھی کر لیں تو ان کی ٹانگیں کانپتی ہیں۔" وہ جل بھن کر بولی۔

"اور تم چاہتی ہو گی کہ وہ بھی عام لڑکوں کی طرح لڑکیوں سے فلرٹ وغیرہ کرے۔" میں نے یوں کہا جیسے مسئلے کی اصل جڑ میں نے پکڑ لی ہو۔

"ارے نہیں آنٹی، وہ کوئی پاگل بیوی ہو گی جو ایسا چاہے گی۔" اس نے میری طرف یوں دیکھا جیسے میں نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔

"ڈرنک وغیرہ کرتا ہو گا؟" میں نے افسردگی سے پوچھا۔

"ہونہہ...... کولڈ ڈرنک تو پیتے نہیں محترم کہ اس کے پینے سے جسم میں وٹامن ڈی کا لیول ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ آنٹی اتنا ہیلتھ کانشس ہے آپ کا بیٹا کہ سانس بھی پھونک پھونک کے لیتا ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"تو تم چاہتی ہو وہ ڈرنک کرے؟" میں نے فلم اسٹار شبنم کی طرح اپنی بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹا کر بہو کی طرف دیکھا۔

"فار گاڈ سیک آنٹی، آپ کیسی بات کر رہی ہیں۔" وہ برا مان گئی۔

"پھر تم چاہتی کیا ہو، ذرا کھل کر بتاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"آپ کو بتایا تو ہے کہ آپ کے بیٹے میں اتنی بری عادتیں ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"اگر صرف وہی باتیں ہیں جو تم نے بتائی ہیں تو وہ تو کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں۔ ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔" میں نے کندھے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"وہ نہیں سدھرے گا...... ایک چھبیس سال کا بیچور مرد ہے وہ، کوئی سولہ سال کا لڑکا تھوڑی ہے جس کی عادتیں پکی ہو چکی ہیں۔" بائیس سالہ خاتون نے پھر اپنے تجربے کی روشنی میں جواب دیا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو، میں کوشش کر کے دیکھتی ہوں۔" میں نے اسے تسلی دی۔

"برا مت مانیے گا آنٹی۔ مائیں اپنے بیٹوں کو پچیس چھبیس سال تک خوب بگاڑ لیتی ہیں پھر یہ چاہتی ہیں کہ ان کا بگڑا ہوا بیٹا بہو پچیس چھبیس دنوں میں ٹھیک بھی کر لے۔ اب آپ کیا کر سکتی ہیں اگر ٹھیک ہی کرنا تھا تو بگاڑا ہی کیوں تھا؟" اس نے آن کی آن میں ایان کا سارا بگاڑ میرے کھاتے میں ڈال دیا۔

اصولاً اس کی بات پر مجھے سخت غصہ آنا چاہیے تھا اور میرا جملہ کچھ یوں ہونا چاہیے تھا۔

"اے بی بی ذرا اپنے کرتوت دیکھو۔ اماں، باوا نے تمہیں کیا سکھا کے بھیجا ہے۔ بڑوں کا ادب و لحاظ تک تو سکھایا نہیں۔ میرے اتنے نیک، شریف اور سیدھے بچے کو برا بھلا کہے جا رہی ہو جو لڑکیوں کی طرف نہیں دیکھتا۔ جسے عیاشی جیسی کسی خرافات سے کوئی سروکار نہیں۔ جو اپنے اکیڈمک پروفائل میں ہمیشہ ٹاپ پوزیشن پر رہا ہے جو فقط چھبیس سال کی عمر میں ایگزیکٹو پوسٹ پر ہے۔ جس کی تنخواہ ابھی سے چھ ہندسوں میں ہے اور جو پانچوں وقت کی نمازیں مسجد میں جا کر پڑھتا ہے...... ارے ایسے ہیرے سے بچے کو برا کہنے والے کی زبان نہ کٹ جائے...... ہائے ہائے۔" لیکن میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور صرف ایک جملہ ادا ہوا۔

"پہلے تم نہیں تھیں ناں، اب دونوں مل کر کوشش کر لیتے ہیں۔ اگر تم رک جاؤ تو۔" میں نے امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور ہاتھ بڑھایا۔ اس نے مجھے احسان کرنے والے انداز میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔

"ٹھیک ہے، آپ کی خاطر بس ایک کوشش اور۔"

"اوہ سو سوئٹ آف یو۔" میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا کے کہا جواباً وہ میرے گلے سے یوں لگی جیسے اسے کسی نے دھکا دیا ہو مجھے پھر ہنسی آ گئی۔ فی الوقت میں ہنسنے کے علاوہ کچھ اور کر بھی نہیں سکتی تھی کہ شاید میری اپنی صحت کے لیے بھی یہی بہتر تھا۔

☆☆☆

جیسا کہ میں نے آپ کو شروع ہی میں بتا دیا تھا کہ میں عام لوگوں سے قدرے مختلف ہوں۔ مجھے اپنے بچپن میں شیر کا بچہ پالنے کا خبط ہو گیا تھا۔ نوجوانی میں گھڑ سواری کا جنون تھا اور اب ادھیڑ عمری میں مجھے بہو کو رام کرنے کا چیلنج مل گیا تھا۔ ہاں ایک مشکل کام میں نے اور بھی کیا تھا اور وہ اپنی ساس کو راضی کرنے کا تھا۔ آج سے ستائیس برس قبل جب فقط اٹھارہ برس کی عمر میں بہو بن کر ساس کے حضور پہنچی تھی اس وقت مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ ساس کو خوش کرنا، شیر کے بچے کو پالنے سے زیادہ مشکل کام ہے اور ساس بھی ظاہرہ خاتون جیسی...... ارسلان اپنی ماں کے سب سے چھوٹے، لاڈ پیار میں بگڑے ہوئے اور اماں کے لاڈلے بچے تھے سو نوجوانی میں بھی ان کا بچپنا قائم تھا۔ ان کے ساتھ کوئی بھی ذرا اونچی آواز میں بولتا تو وہ اپنی ماں کو بلا لاتے تھے...... شادی کے بعد بھی ان کے یہی اطوار تھے۔ اماں انہیں کسی مرغی کی طرح اپنے پروں میں ایک ننھا منا چوزہ سمجھ کر دبائے ہوئے تھیں اور میں ان کی نظروں میں ایک ظالم بلی سے کم نہ تھی۔

ان ماں، بیٹے کو کیسے رام کیا یہ ایک الگ کہانی ہے لیکن اس کہانی کے نتیجے کے طور پر میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں جب بھی ساس بنوں گی اپنی بہو کو وہ محبت، رعایت اور وقت ضرور دوں گی جو مجھے نہیں مل سکا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ساسیں اپنی عمر سے آدھی سے بھی کم اور ناتجربہ کار بچیوں سے اپنے برابر کی عقل، سمجھ اور بردباری کی توقع کیوں کرتی ہیں۔

ایک بائیس، تئیس برس کی لڑکی جو اپنے ماں باپ کے گھر فکروں اور ذمّے داریوں کے بوجھ سے ناآشنا، بچپنے اور جوانی کے سنگم پر کھڑی ہوئی ہوتی ہے سے یہ امید کیوں رکھتی ہیں کہ وہ ان کے لیول پر آکر ہر بات فوراً سمجھ لے گی۔ اسے تھوڑا وقت تو چاہیے ہوتا ہے، وہ اسے ضرور ملنا چاہیے۔

میں جانتی تھی ازمینہ کی باتوں میں بچپنا اور نادانی ہے۔ اسے اپنی عمر کے حساب سے ایان میں خرابیاں نظر آرہی ہیں جو دراصل خرابیاں ہیں ہی نہیں۔ ایان بھی تو ابھی ایک نوجوان لڑکا ہی ہے۔ بندھن کوئی سا بھی ہو ایک قید تو ہوتا ہی ہے ناں اور اس میں بندھنے یا قید ہونے سے پہلے ہاتھ پاؤں تو سبھی مارتے ہیں۔ جب اس بندھن کا خوب صورت نتیجہ سامنے آجاتا ہے تو سب سرینڈر کردیتے ہیں۔ میں کچھ سوچ کر مسکرائی۔

☆☆☆

ازمینہ رک تو گئی تھی مگر رات میں دونوں میاں، بیوی کے درمیان کچھ کھٹ پٹ ہوئی۔ شادی کے بعد تھوڑی بہت منہ ماری تو دونوں ہی میں چل رہی تھی مگر سنجیدہ لڑائی پہلی بار ہوئی تھی۔ ابھی تک میں سنی ان سنی کردیتی تھی مگر اب دونوں کو سمجھانے کا وقت آگیا تھا۔ ویسے بھی دو دنوں کے بعد مناہل کی ساس کینیڈا سے آرہی تھیں اور چونکہ وہ ایان اور ازمینہ کی شادی میں شریک نہیں ہوسکی تھیں اس لیے میرے گھر مبارک باد دینے تو ضرور آتیں۔ ان کے ساتھ ان کی فارنر بہو بھی آرہی تھی۔ معاملہ بیٹی کی سسرال کا تھا اور میرے گھر کا ماحول فی الحال بہت ٹینس تھا۔ ان کی آمد سے قبل مجھے سب کچھ ٹھیک کرنا تھا۔ بہو بیگم اپنا بیگ اٹھائے نکل جاتیں یا منہ پُھلا کر مہمانوں کے سامنے آتیں دونوں صورتوں میں میری اور میرے خاندان کی سبکی تھی۔ خاندان کو سمیٹ کر رکھنا اور دوسروں کے سامنے اپنا وقار قائم رکھنا بنیادی طور پر خواتین کا کام ہے اور مجھے یہ کام کرنا تھا۔ اپنے شوہر اور اپنے بیٹے کو پریشان کیے بغیر...... مرد اگر اپنے غصے اور عورتیں اپنی زبان پر قابو پالیں تو آدھی مصیبت تو اسی وقت ختم ہوجائے۔

بہر حال میں اب ایان کو سمجھانا چاہ رہی تھی اور یہ موقع مجھے جلد ہی مل گیا۔ وہ آفس سے لیٹ آنے لگا تھا۔ مجھ سے کترایا کترایا رہتا شاید مجھ سے بھی خفا تھا۔ اس رات بھی وہ لیٹ تھا لیکن میں اس کے انتظار میں لاؤنج میں آکے بیٹھ گئی۔ آج ہر صورت اس سے بات کرنی تھی۔ ارسلان صاحب سونے چلے گئے تھے۔ انہیں میں نے اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا۔ وہ خود دونوں بچوں کے درمیان چلنے والی کھٹ پٹ سے کافی پریشان تھے۔ ازمینہ ان کے بہت پرانے اور عزیز دوست کی بیٹی بھی تو تھی۔ انہیں اس بات کا لحاظ بھی تھا۔ ازمینہ بھی اپنے بیڈ روم میں تھی نہ جانے سو رہی تھی یا جاگ رہی تھی، یہ میں نہیں جانتی تھی۔ وہ ویسے بھی اپنے بیڈ روم میں زیادہ وقت گزارنے کی عادی تھی اور ابھی تو معاملہ بھی گڑبڑ تھا سو باہر صرف کھانے اور ناشتے کے لیے آتی پھر کمرے میں بند ہوجاتی۔

میرا دل ٹی وی دیکھنے کو نہیں چاہ رہا تھا سو میں نے وقت گزاری کے لیے میگزین اٹھالیا۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ایان کا چہرہ نظر آیا۔ وہ تھکا ہوا اور بیزار لگ رہا تھا۔ مجھے بیٹھا دیکھ کر سیدھا میرے پاس چلا آیا۔

”السلام علیکم امی!“

”وعلیکم السلام۔“ میں مسکرائی۔

”آپ اب تک کیوں جاگ رہی ہیں؟“ اس نے حیرت سے پوچھا وہ میرے جلد سو جانے اور سویرے اٹھنے کی عادت سے واقف تھا۔

”تمہارے انتظار میں...... دراصل میں نے تمہارے پسندیدہ کوفتے بنائے تھے، اس لیے میں

نے سوچا کہ آج ہم دونوں ماں بیٹے ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔“ میں مسکرائی۔ وہ ازمینہ سے جھگڑے کے بعد سے نہ گھر میں ناشتا کررہا تھا اور نہ ہی کھانا کھا رہا تھا۔

”آپ نے میرے انتظار میں کھانا کیوں نہیں کھایا؟“ وہ تھوڑا سا پریشان نظر آیا۔

”شاید اس طرح تم آج کھانا نہ کھانے کی قسم توڑ دو۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”کھانا تو میں روز کھا رہا ہوں۔“ اس کا لہجہ جھوٹ کی چغلی کھانے لگا۔ وہ گھر میں کھانا نہیں کھا رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ باہر بھی چائے سینڈوچ سے کام چلا رہا ہوگا۔

”گھر میں تو نہیں کھا رہے ناں!“ میں نے اسے بغور دیکھا۔

”چلیں آئیں، کھانا کھاتے ہیں۔“ وہ کچن میں لگے سنک پر ہاتھ دھو کے ٹیبل پر آبیٹھا۔ میں نے جلدی سے مائیکرو ویو میں سالن گرم کیا۔ باقی چیزیں تو ہاٹ پاٹ میں تھیں۔ اسے بے صبری سے کھاتا دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ موصوف صبح کے بھوکے ہی ہیں۔ چائے سینڈوچ وغیرہ سے تھوڑی دیر کو بھوک تو مٹ جاتی ہے لیکن پیٹ کہاں بھرتا ہے۔ دونوں لڑ لڑ کے اپنا ہی نقصان کررہے تھے۔

”آپ بھی تو کھائیں۔“ اسے خیال آیا۔

”کھا رہی ہوں۔“ میں نے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن نکالا۔

”بہت مزیدار بنے ہیں۔“ اس کا پیٹ بھرا تو چہرے پر سکون نظر آیا۔

”تمہیں ہمیشہ ہی اچھے لگتے ہیں۔“ میں مسکرائی۔

”نہیں...... آج تو بہت ہی مزیدار سالن ہے۔“ اس نے تعریف کی۔

”تم بھوکے زیادہ تھے ناں اس لیے... ابھی جو چیز بھی کھاتے بہت اچھی لگتی۔“ میں نے گفتگو کا آغاز کیا۔ جواباً وہ خاموش رہا۔ میں نے اس کے سامنے بلو بیری چیز کیک کا بڑا سا پیس لاکر رکھا اور وہ حیران ہوگیا۔

”امی کیا آج سارا مینیو میری پسند کا بنایا تھا۔ کوفتے، مٹر پلاؤ، فش فرائی اور اب چیز کیک؟“ چیز کیک اسے بچپن ہی سے بے حد پسند تھا اکثر اس کی فرمائش پر میں بنایا کرتی تھی۔ اس نے اطمینان سے کھانا اور سوئٹ ختم کی۔

”تھینک یو امی۔“ وہ مسکرایا۔

”اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔“ میں نے کہا۔ وہ ٹیبل پر رکھا اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھانے لگا تو میں جلدی سے بولی۔

”کل رات کی فلائٹ سے سائرہ آپا اور مشیل پہنچ رہی ہیں۔“ میں نے اسے اطلاع دی۔

”اوہ، سائرہ آنٹی آرہی ہیں اور مناہل؟“ اس نے پوچھا۔

”مناہل تو ابھی تمہاری شادی کے موقع پر پورا مہینہ رہ کے گئی ہے۔ اتنی جلدی کیسے آسکتی ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”ہاں یہ تو ہے۔ مشیل، آصف کی بیوی ہے ناں؟“ اس نے پوچھا۔

”ہوں، تمہاری شادی سے ایک ماہ قبل ہی تو آصف نے مشیل سے شادی کی تھی اور اب سائرہ آپا اپنی نئی نویلی بہو کو پاکستان میں سب سے ملوانے کے لیے لے کر آرہی ہیں۔“

”عظیم بھائی کی طرف ہی ٹھہریں گی؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”ظاہر ہے اپنے بیٹے کے گھر ہی رکیں گی۔ عامر اور آصف ان کے ساتھ امریکا میں ہیں صرف عظیم ہی یہاں ہے۔ بھائی سے زیادہ بیٹے پر حق ہوتا ہے اپنے دونوں بھائیوں کے یہاں شاید ایک آدھ دن کو رک جائیں۔ میں نے بھی سوچا کہ ایک آدھ

دن اپنے یہاں روک لوں گی۔ دعوت تو ویسے بھی کرنی ہوگی ان کے اور ان کی بہو کے اعزاز میں۔" میں نے تفصیل بتائی۔

"کہیں باہر کھلائیں گی کھانا؟" اس نے دریافت کیا۔

"نہیں، باہر کھلانا اچھا نہیں لگے گا۔ وہ ہوں گی۔ مشیل ہوگی، آصف بھی دو تین دنوں کے بعد پہنچے گا تو وہ ہوگا اور عظیم اور اس کے بیوی بچے ہوں گے۔ میں اور میری نئی نویلی بہو دونوں مل کر سارا انتظام کرلیں گے۔" میں نے بے فکری کا مظاہرہ کیا۔

"ہا...... آپ کی نئی نویلی بہو۔" توقع کے عین مطابق اس کا ری ایکشن سامنے آیا۔

"کیوں؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں امی...... رات بہت ہو چکی ہے، جائیں اب سو جائیں۔" وہ اپنی چیزیں ٹیبل پر سے اٹھاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اگر تمہارے پاس وقت ہے اور تم تھکے ہوئے نہیں ہو تو ہم ایک کپ گرما گرم کافی کے ساتھ اس موضوع پر ابھی بات کر سکتے ہیں۔" میں نے اسے آفر دی۔

"اس موضوع پر بات کرنے کا دراصل کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں بدلے گا...... نہ ٹھیک ہوگا یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔" وہ تپ کر بولا۔

"کیوں، آخر ایسا کیا ہو گیا ہے؟" میں نے جرح کی۔

"جیسے آپ نہیں جانتیں کہ آپ کی بہو کس قدر عجیب و غریب قسم کی چیز ہے۔ کوئی کل سیدھی ہی نہیں ہے موصوفہ کی۔ اُن کی شخصیت کے سارے جوہر تو سب ہی پر نمایاں ہو چکے ہیں۔ بات کرنے کی تمیز اُن کو نہیں ہے، سلیقہ نام کی شے اُن کے قریب سے بھی نہیں گزری ہے...... شوہر کا مقام اور احترام کیا ہوتا ہے، یہ اُن کے ماں باپ نے انہیں نہیں سکھایا۔" وہ بیزاری سے بولا۔ اس کی شکایات سنتے ہوئے میں خاموشی سے کافی پھینٹتی رہی۔

"میں تو پھنس گیا ارینج میرج کر کے...... مجھے کیا معلوم تھا آپ نے میرے لیے یہ شاہکار ڈھونڈا ہے۔" افسردگی کے عالم میں اس کی زبان سے یہ گلہ پھسل ہی گیا جسے سننے کے لیے میں پوری طرح تیار تھی۔ واقعی اس کے لیے یہ شاہکار میں نے اور ارسلان نے مل کر ہی دریافت کیا تھا۔ ازمینہ کی معصوم صورت، تعلیم اور خاندان دیکھ کر ہمیں سب کچھ ایان کے لیے مناسب ہی لگا تھا اور اب سب کچھ ٹھیک کرنے کی ذمے داری بھی ہماری ہی تھی۔

"بیویوں والے گُن ہی نہیں ہے اس میں۔" مجھے خاموش دیکھ کر وہ پھر بولا۔

"بیویوں والے گُن بھلا اس میں کیسے ہو سکتے ہیں ایان۔ وہ اس گھر میں جب داخل ہوئی تھی تو کسی کی بیٹی تھی، بیوی تو وہ یہاں آ کے بنی ہے اور ظاہر ہے اس اسٹیٹس کے حساب سے اپنی کارکردگی دکھانے کے لیے کچھ وقت تو چاہیے ہوگا کیونکہ وہ کسی بھی ادارے سے کامیاب بیوی بننے کا کوئی سرٹیفکیٹ لے کر تو آئی نہیں ہے۔" میں نے دودھ گرم کرتے ہوئے جواب دیا۔

"لوگوں کی بیویاں تو آتے ہی اپنے شوہروں کے ہر کام کا ذمہ اٹھا لیتی ہیں۔ ساس، سسر کی خدمت کرتی ہیں، سارا گھر سنبھال لیتی ہیں۔" اس نے اعتراض کیا۔

"یقیناً کچھ لڑکیاں ایسی بھی ہوتی ہیں۔ دیکھو سب کے گھر کا ماحول اور حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ازمینہ ماں باپ کی اکلوتی بچی ہے۔ اس نے گھر میں کسی بہن یا بھائی کو شادی شدہ زندگی کی ذمے داریاں نبھاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ اپنے ماں باپ کی لاڈلی بھی ہے، اس لیے ہر ایک سے محبت ہی چاہتی ہے۔ اپنی بات منوانا چاہتی ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"واہ، یہ نادر و نایاب پیس آپ کو میری ہی زندگی جہنم بنانے کو ملا تھا۔" صاحبزادے مزید تپ گئے۔ میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور جھاگ اڑاتی ہوئی کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی کام کا نتیجہ فوراً سامنے نہیں آتا۔ اس کے لیے انویسٹمنٹ کر کے تھوڑا سا انتظار کرنا ہوتا ہے۔ آج تمہیں ازمینہ کی باتوں پر غصہ آ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ کل اس کی کوئی خوبی تمہارے دل کو بھا جائے۔ تھوڑا انتظار تو کرو ابھی وقت ہی کتنا گزرا ہے۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"میں جانتا ہوں، وہ نہیں سدھرے گی۔" وہ بڑبڑایا۔

"تم نے اسے سدھارنے کی کیا کوشش کی ہے؟ بات بات پر تو تم دونوں کا جھگڑا ہو جاتا ہے۔" میں نے شکوہ کیا۔

"وہ مجھ سے بدتمیزی کرے گی تو اس بار اسے ایک ہاتھ......" وہ جملہ مکمل کرنے سے پہلے مٹھیاں بھینچ کر خاموش ہو گیا۔

"وہ بدتمیزی کرتی ہی کیوں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ انتہائی بدتمیز ہے۔ پرسوں کا واقعہ سن لیں۔ ہم اچھے بھلے موڈ میں ڈنر کے لیے گئے، میرا موڈ چائنیز کا ہو رہا تھا محترمہ اڑ گئیں کہ میرا دل تو برگر کھانے کا چاہ رہا ہے۔ میں نے کہا برگر تو بندہ کسی بھی وقت کھا سکتا ہے ڈنر پر چائنیز ہی ٹھیک رہے گا۔ اس نے آگے سے جواب دیا تو پھر خود ہی جا کے کھا لو چائنیز میرا تو موڈ نہیں ہے۔ میں تو صرف اور صرف برگر کھاؤں گی۔ امی اس نے یہ بھی احساس نہیں کیا کہ میں دفتر سے بھوکا پیاسا اس کے ساتھ ڈنر کا موڈ بنا کر آیا ہوں...... پھر بھی اگر وہ پیار سے کہتی تو شاید میں برگر پر ہی راضی ہو جاتا مگر اس کی اکڑ اور بدتمیزی میرے لیے اب ناقابلِ برداشت ہے۔ میں بھی غصے میں واپس آ گیا اور پھر سین کیا ہوا محترمہ فرمانے لگیں کہ وہ اگلے دن ہی میرے گھر سے ہمیشہ کے لیے تشریف لے جائیں گی پھر میں نے کہا شوق سے لیکن نہ جانے کیوں گئی نہیں...... مگر منہ پھلایا ہوا ہے، بات نہیں کر رہی ہے صرف جھگڑ رہی ہے۔ میں نے کہا آئی ڈونٹ کیئر رہنا ہے تو رہو جانا ہے تو جاؤ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ غصے سے بولا۔

"دیکھو ایان، اس کے اندر بچپنا ہے۔ تم اسے پیار سے سمجھا کے ہینڈل کرنے کی کوشش کرو، دھیرے دھیرے سمجھ جائے گی۔ غصہ کرو گے تو ضد پر آ جائے گی۔" میں نے اسے سمجھایا۔

"امی میں بھی ضد پر آ چکا ہوں۔" اس نے اعلان کیا۔

"اوہ...... پھر تو کچھ سوچنا پڑے گا۔" میں نے سر ہلایا۔

"جاتی ہے تو جانے دیں۔ میں دوسری شادی کرلوں گا تب محترمہ کے ہوش ٹھکانے آئیں گے۔" صاحبزادے کو اچانک اپنے مردانہ حقوق کا خیال آیا۔

"ہاں یہ تو ہے...... مگر کیا گارنٹی ہے کہ نئی آنے والی بیوی ازمینہ سے مختلف ہوگی؟ اس ایج گروپ کی لڑکیاں تھوڑے بہت انیس بیس کے ساتھ تقریباً ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔ ایسا کرتے ہیں اس بار تمہارے لیے ذرا بڑی عمر کی خاتون دیکھتے ہیں جو سمجھدار ہو، بردبار ہو، کام کاج بھی جانتی ہو، جس کے اندر صبر و ضبط بھی کافی ہو۔ بے چاری کی عمر بھی تم سے کچھ زیادہ ہوگی اس لیے دب کر رہے گی۔ شکل صورت بھی بس اوسط درجے کی ہوگی، خوب صورت لڑکیوں کے دماغ تو خواہ مخواہ آسمان پر ہی ہوتے ہیں۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" موصوف

سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

”بھئی اب تمہارے مزاج کے حساب سے ہی سب کچھ دیکھنا ہو گا ناں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ شادی کے لیے تمہاری یہ ریکوائرمنٹس ہیں۔“ میں نے مایوسی سے کہا۔

”ٹھیک ہے اس پر بعد میں بات کریں گے۔“ وہ گھبرا کر رنگ رکھتے ہوئے بولا۔ اس کے جاتے ہی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ آج کے لیے اتنی ہی ڈوز کافی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح صورتِ حال قدرے بہتر تھی۔ ایان ناشتے کی میز پر موجود تھا۔

”تم آج سائرہ آپا کو لینے ائرپورٹ جاؤ گے یا میں چلا جاؤں؟“ ارسلان نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔ ”بیٹی کی سسرال کے معاملات میں چھوٹی چھوٹی باتیں اہم ہوتی ہیں۔“ ارسلان متفکر تھے۔

”میں چلا جاؤں گا بابا، فلائٹ کتنے بجے کی ہے؟“ وہ جلدی سے بولا۔

”میں عظیم سے پوچھ کر تمہیں میسج کر دوں گی۔ ویسے تو عظیم اور سائرہ آپا کے بھائی بھی ائرپورٹ پہنچیں گے۔ جائیں گی تو عظیم کے ہی ساتھ۔ بس رسم نبھانی ہے کہ قریبی لوگ اُن کی آمد پر موجود ہوں۔“ میں نے گفتگو میں حصہ لیا۔

”میں سمجھتا ہوں، ٹھیک ہے آپ مجھے بتا دیجیے گا میں چلا جاؤں گا۔“ وہ ناشتا ختم کر کے خدا حافظ کہتا ہوا چلا گیا۔

”کچھ موڈ بہتر ہے صاحبزادے کا۔ آج از خود ہی ناشتے کی میز پر تشریف لے آئے ہیں۔“ ارسلان نے اخبار پر سے نظر ہٹا کے میری جانب دیکھا۔

”جی۔“ میں نے اپنے لیے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے جواب دیا۔

”اور آپ کی بہو بیگم..... اُن کے ماتھے کے بل کم ہوئے؟“ ارسلان نے دریافت کیا۔

”وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گی آہستہ آہستہ۔“ میں نے چائے کا پہلا گھونٹ لیا۔

”آہستہ آہستہ ٹھیک ہوں گی تو ٹھیک ہوتے ہوتے دوبارہ خراب ہونے کا وقت نہ شروع ہو جائے۔“ ارسلان نے مزاحیہ مگر متفکرانہ انداز میں کہا۔

”بچی ہے، تھوڑی ناسمجھ ہے۔ میکے اور سسرال کے فرق کو ابھی پوری طرح جان نہیں پائی ہے۔“ میں نے انہیں گہری نگاہوں سے دیکھا۔

”ہاں لیکن چار مہینے کسی بھی لڑکی کے لیے سسرال کے ماحول میں ایڈجسٹ کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ آپ اپنا وقت یاد کریں..... کتنی جلدی آپ ہم لوگوں میں گھل مل گئی تھیں۔ میری ساری ذمے داریاں اٹھالی تھیں۔“ انہوں نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”ہر دور الگ ہوتا ہے اور ہر انسان مختلف ہوتا ہے..... لیکن ہر رشتے کے تقاضے ایک جیسے ہوتے ہیں جلد یا بدیر روٹین لائف شروع ہو ہی جاتی ہے۔ بس سب کو اپنے حساب سے وقت درکار ہوتا ہے اور میرا خیال ہے اسے وہ وقت ملنا چاہیے۔“ میں نے ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا آج بیگماں نہیں آئے گی؟“ انہوں نے مجھے ٹیبل سمیٹتے دیکھ کر چونکتے ہوئے پوچھا۔

”آئے گی اپنے ٹائم پر ساڑھے دس بجے تک۔“ میں نے جواب دیا۔

”پھر یہ سب آپ کیوں کر رہی ہیں؟“ وہ حیران ہوئے۔

”میں ماسی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤں کہ جب وہ آئے گی تو ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کام کو چٹکی بجاتے نبٹالے گی۔ ارسلان صاحب اللہ کا شکر ہے ابھی میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں۔ جتنا کر سکتی ہوں اور جب تک کر سکتی ہوں کرتی رہوں گی۔ بیگماں بے چاری بھی تو صبح ساڑھے دس بجے آتی ہے اور رات کے دس بجے تک سارے کام نبٹا کے جاتی ہے۔“ میں مسکرائی۔

”یہ گن اپنی بہو کو بھی سکھا دیں جو مجھے تو آج کل نظر ہی نہیں آ رہی ہیں، نہ جانے کب جاگتی اور کب سو جاتی ہیں۔“ وہ قدرے طنز سے بولے۔

”سیکھ لے گی وہ بھی اور آپ آج کرسی پر کیوں براجمان ہیں، آفس نہیں جانا ہے کیا؟“ میں نے انہیں ڈھیلے ڈھالے انداز میں کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”اور بیویاں شوہروں کو آفس نہ جاتے دیکھ کر خوشی مناتی ہیں اور آپ ہیں کہ دس منٹ دیر بھی نہیں کرنے دیتیں۔“ انہوں نے شکوہ کیا۔

”کیونکہ اب آپ بڑے ہو گئے ہیں، اتنی بڑی پوسٹ پر ہیں کہ اپنے جونیئرز اور سب آرڈینیٹس کے لیے ایک مثال ہیں۔ آپ کا لیٹ ہونا آپ کے امیج کے لیے بہت برا ہے۔“ میں مسکرائی۔

”جا رہا ہوں بابا..... تو لیکچر۔“ وہ گھبرا کر اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے بولے۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر کے بعد بیگماں آ گئی۔ میں اسے آج کے کام سمجھاتی ہوئی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔ مجھے بہت کچھ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ سوچنا تھا اگلا پورا ہفتہ ہر لحاظ سے اہم تھا۔

☆☆☆

دو دنوں کے بعد سائرہ آپا اپنی فیملی کے ساتھ ہمارے گھر میں موجود تھیں۔ ان کی بہو واقعی بہت پیاری تھی۔ شکل سے زیادہ اس کی عادتیں خوب صورت تھیں۔ وہ تو مسلم تھی مگر مکمل اور خوب صورت لباس میں تھی۔ اتنی محبت سے ہم سب سے ملی جیسے ہمارا کوئی برسوں پرانا ساتھ ہو یا قریبی ترین رشتہ ہو۔ وہ بار بار مناہل کا ذکر محبت سے کر رہی تھی۔

اس کے دونوں بچوں حبا اور حماد کو بہت پیار سے یاد کر رہی تھی۔ پہلی ملاقات کے پہلے ہی گھنٹے میں اس نے اپنی جگہ ہمارے دلوں میں بنالی تھی۔ دوسری طرف ہماری بہو بیگم منہ لٹکائے کونے میں براجمان تھیں۔ شاید وہ اس طرح کا gesture دکھا کے سب کو یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ وہ یہاں خوش نہیں ہے۔ مہمانوں کی آؤ بھگت تو دور کی بات وہ تو ان سے سیدھے منہ بات تک نہیں کر رہی تھی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا مگر وہ ناسمجھوں کے انداز میں ٹھس بنی بیٹھی رہی..... میں شرمندہ ہو کے رہ گئی۔

مناہل نے اس کے لیے ڈھیروں تحائف بھجوائے تھے..... اکلوتی بھابی کے لیے اس کے ارمان کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے مگر مناہل کے لیے آزمینہ کی طرف سے ابھی تک میں نے کسی گرم جوشی کا اظہار نہیں دیکھا تھا۔

سائرہ آپا نے آزمینہ کو ہیرے کی خوب صورت انگوٹھی بطور منہ دکھائی کے پہنائی جسے اس نے یوں قبول کیا جیسے سب پہ احسان کر رہی ہو.... دوسری طرف میں نے مشیل کو منہ دکھائی میں سونے کا بریسلیٹ پہنایا تو وہ فرطِ محبت سے مجھ سے لپٹ گئی اور بار بار تحفے کی تعریف کرنے لگی..... اسے ان چیزوں کی کمی نہیں تھی مگر دوسرے کے خلوص کا مان رکھنا بھی کسی کسی کو ہی آتا ہے..... مجھے اس پر واقعی پیار آ گیا۔

سائرہ آپا ابھی تو فی الحال کچھ دیر کے لیے آئی تھیں، انہیں سارے خاندان بھر سے ملاقات کرنا باقی تھی سو کچھ دیر بیٹھ کے وہ روانہ ہو گئیں۔

اس مختصر سی ملاقات میں شاید انہوں نے آزمینہ کے گریز کو نئی نویلی دلہن کی جھجک سمجھا ہو گا مگر جب اگلی دفعہ وہ تسلی سے آئیں گی اور ہمارے پاس ڈنر یا لنچ کریں گی تب تو آزمینہ کا نامناسب رویہ ان کی

جہاندیدہ نگاہوں سے چھپ نہیں سکے گا...... بہوؤں پر اگر انگلیاں اٹھنے لگیں تو یہ سارے خاندان کے لیے بدنامی کا سبب بنتا ہے...... میں اتنے برسوں کی جمی جمائی ساکھ کو کیسے مٹی میں رُل جانے دوں...... اور بچاؤں تو بھلا کیسے......؟ میں سر پکڑ کے سوچ میں غرق ہوگئی۔

☆☆☆

''آپ نے کہا تھا کہ آپ ایان کو سمجھائیں گی؟'' وہ اگلی صبح میرے سامنے جارحانہ انداز میں کھڑی تھی۔

''کیوں، تم لوگوں کے درمیان حالات بہتر نہیں ہوئے کیا؟'' میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو میں ہی ہوں جو اس کی حرکتوں کو برداشت کررہی ہوں، وہ تو بالکل بھی نہیں بدلا...... اسی طرح پریشان کررہا ہے۔'' اس نے انگلیاں مسلتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہیں بھی اس کی بات سننی چاہیے...... کم از کم اتنا تو پتا کرنا چاہیے کہ وہ تم سے کیا چاہتا ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''سوری آنٹی! مگر میں اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی زندگی کا مقصد شوہروں کے ہر حکم کی تعمیل سمجھتی ہیں...... آخر میری بھی زندگی ہے جسے میں اپنے انداز میں گزارنا چاہتی ہوں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''تم نے اپنی امی سے بات کی ہے؟'' میں نے اسے ٹٹولا۔

''امی سے کیوں بات کروں؟ ویسے بھی میرے امی، ابو میری ہر بات مانتے ہیں۔'' اس نے فخر سے بتایا۔

''اچھا آؤ اِدھر میرے پاس بیٹھو......'' میں اسے لے کر لاؤنج میں آبیٹھی۔

''یہ بتاؤ تم نے اپنی پسند ناپسند کے بارے میں کبھی ایان کو بتایا؟'' میں نے بڑے نرم لہجے میں اس سے پوچھا۔

''میں کیوں بتاؤں...... اسے خود سمجھنا چاہیے۔'' وہ تنک کے بولی۔

''چلو اسے مت بتاؤ، مجھے تو بتا سکتی ہو ناں......'' میں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ وہ منہ بنا کے بیٹھی رہی۔

''دیکھو تم لوگوں کی شادی کو چار ماہ گزر چکے ہیں، شادی کے اوائل کا گھومنا، پھرنا، دعوتیں وغیرہ دو ماہ تک چلتی رہیں...... اس کے بعد جب روٹین لائف کا آغاز ہوا تو میں سمجھی کہ شاید اب ہم ساس اور بہو ایک دوسرے سے اپنی کہیں گے دوسرے کی سنیں گے...... مگر تم کافی ریزرو رہنے کی عادی ہو...... اس لیے مجھے تمہاری عادتوں کا زیادہ علم نہیں ہوسکا۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ تم اور ایان کافی جھگڑنے لگے ہو...... تو بیٹا ان جھگڑوں کو نمٹانا چاہیے نہ کہ تم گھر چھوڑ کے جانے کی باتیں کرو۔'' اب کی دفعہ میں نے اسے کھل کے سمجھایا۔

''یہ جھگڑے ختم نہیں ہوسکتے اس لیے کہ ہمارے مزاج بالکل مختلف ہیں۔'' اس نے فیصلہ سنادیا۔ میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔

''میری سہیلی کا ہسبینڈ اس کی ہر بات مانتا ہے۔ اسے ہر روز ایک نیا سرپرائز دیتا ہے۔ دل کھول کر شاپنگ کرواتا ہے اور اس سے کوئی کام بھی نہیں کرواتا۔'' وہ میرے دیکھنے پر کچھ پزل ہوکر بولی۔

''اوہ...... تو یہ بات ہے۔'' میں نے دل میں سوچا۔

''اور یہ ایان...... چاہتا ہے کہ میں اس کے کپڑے استری کروں، اس کا کھانے پر انتظار کروں، اس کی ہر بات بے چون و چرا مان لوں، شاپنگ کے لیے جاتا ہے تو بار بار ٹوکتا ہے اور ابھی تک اس نے مجھے خود سے کوئی گفٹ لاکر نہیں دیا۔

کوئی سرپرائز گفٹ بھی نہیں دیا۔ عجیب اَن رومینٹک آدمی ہے، اسے میرے جذبات کا کوئی خیال ہی نہیں ہے۔'' ازمینہ کی آنکھوں میں فرطِ غم سے آنسو آگئے۔

میری بہو واقعی بڑے مسائل کا شکار تھی۔ اللہ اسے ہر بڑے دکھ سے بچائے۔ میں نے دل میں اس کے لیے دعا کی۔ میں آگے بڑھی اور اسے سینے سے لگالیا۔

''بہت ہی نالائق نکلا یہ ایان تو...... تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ وہ اتنا سخت دل ہے۔'' میرے چمکارنے کی دیر تھی وہ پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔ اس کے لیے رونا اچھا تھا۔ دل کی بھڑاس اسی طرح نکلتی ہے۔ میں آہستہ آہستہ اس کی پیٹھ تھپکتی رہی۔

☆☆☆

میں نے صبح کے ضروری کام نبٹائے، بیگماں آگئی تو باقی کام اس کے سپرد کرکے خود فون اٹھا کر لاؤنج میں آبیٹھی۔ ایان اور ارسلان تو اپنے، اپنے آفس جاچکے تھے ازمینہ اپنے روم میں تھی۔ میں نے مسز اقبال کا نمبر ملایا۔ دوسری بیل پر انہوں نے فون اٹھایا۔

''السلام علیکم بھابی۔''

''وعلیکم السلام، عذرا کیسی ہیں آپ؟''

''بالکل ٹھیک، آج آپ کو کال کرنے کا سوچ ہی رہی تھی۔ کافی دن ہوگئے نہ بات ہوئی نہ ملاقات۔'' ان کا لہجہ خوشگوار تھا۔

''بالکل یہی بات میرے ذہن میں بھی آئی۔ میں نے سوچا پتا تو کروں کہاں غائب ہیں آپ لوگ؟'' میں مسکرائی۔

''آج کل عازم کے رشتے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔ بتایا ہوگا ازمینہ نے آپ کو۔'' وہ چہک کر بولیں۔

''پھر کہیں کامیابی ہوئی؟'' میں نے اُن کے جملے کے دوسرے حصے کا جواب گول کرتے ہوئے پوچھا۔

''ایک تو میری نند کی بیٹی ہے، دوسرے میرے کزن کی بیٹی ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد ان دونوں پر گوٹ پھنس گئی ہے۔'' انہوں نے بے تکلفانہ انداز میں کہا۔

''مطلب یہ کہ دونوں کے لیے برابر کا ووٹ ہے۔'' میں نے مسکرا کے پوچھا۔

''جی ہاں، یہاں تک کہ عازم نے بھی کسی ایک کا نام نہیں لیا۔ اس نے سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیا ہے اور یہ محترمہ ازمینہ بیگم انہوں نے دس دنوں سے شکل نہیں دکھائی۔ آجاتی تو مجھے کوئی سپورٹ ملتی۔'' انہوں نے باتوں باتوں میں گلہ کردیا۔ بیاہی بیٹیاں میکے نہ جاسکیں تو سب سے پہلا شک ساس اور سسر اور پھر شوہر پر کیا جاتا ہے کہ انہوں نے منع کیا ہوگا، نہ جانے وہ کیا سوچ رہی تھیں۔

''ارے کمال ہے، وہ کیوں نہیں آپ کے پاس آرہی۔ اس موقع پر تو اسے مستقل آپ ہی کے ساتھ رہنا چاہیے۔ اس کے اکلوتے بھائی کی شادی کا معاملہ ہے آخر۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''شاید بزی ہوگی۔'' انہوں نے اندازہ لگایا۔

''ہوسکتا ہے۔'' میرے پاس یہ کہنے کے علاوہ اور کوئی جملہ نہیں تھا۔

''چلیں دو دن کے بعد اس کی برتھ ڈے ہے۔ ہم خود ہی آجائیں گے تو ملاقات ہوجائے گی۔'' انہیں کچھ یاد آیا۔

''جی۔'' میں چونکی۔

''جی ہاں، تیرہ اپریل کو ازمینہ کی تیئیسویں سالگرہ ہے۔ یہ پہلی سالگرہ ہے جو وہ شادی کے بعد اپنے میکے سے دور سسرال میں منائے گی۔ اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو ہم بھی شریک ہوجائیں؟'' ان کا لہجہ ہلکا سا نم تھا انہوں نے بڑے قاعدے سے پوچھا۔

''ارے، آپ کیسی باتیں کررہی ہیں۔ آپ کا

اپنا گھر ہے مجھے تو ازمینہ نے نہیں بتایا اگر وہ بتاتی تو میں باقاعدہ آپ کو انوائٹ کرتی۔" میں نے جلدی سے کہا دو چار اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے میں نے فون بند کردیا۔ شام میں ایان گھر آیا تو میں نے چپکے سے ازمینہ کی سالگرہ کا بتایا، وہ بھی میری طرح لاعلم تھا۔

"شاید اس نے مجھے اپنی ڈیٹ آف برتھ بتائی تو تھی مگر مجھے یاد نہیں...... میرا مطلب ہے میں بھول گیا۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

میرا بھولا بھالا بیٹا یہ نہیں جانتا کہ عورت کے لیے اس کی سالگرہ، اس کی شادی کی سالگرہ اور اس کے بچوں کی سالگراہوں کے دن کتنے اہم ہوتے ہیں۔ یہ صاحبزادے بھول کے کیا غضب کرنے جارہے تھے۔ کتنا اچھا ہوا جو باتوں، باتوں میں عذرا سے مجھے یہ اتنی اہم بات پتا چل گئی تھی۔ میرے ذہن میں فوراً ہی ایک پلان آگیا روٹھے ہوئے کو منانے کے لیے تھوڑی بہت چالاکی تو جائز ہے ناں......؟

☆☆☆

سائرہ آپا اتوار کے دن ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جارہی تھیں اس کے بعد کراچی واپس آتیں اور دو دن رہ کر پھر امریکا واپس چلی جاتیں۔ سو اُن کی دعوت ہر قیمت پر ہفتے والے دن ہی کرنی تھی۔ ہفتے والا دن یعنی تیرہ اپریل میں نے ایان کو سارا پلان سمجھا کے چپ رہنے کو کہا۔ وہ حسبِ عادت کندھے اچکا کے خاموش ہوگیا اس کے بعد میں نے مسز اقبال کو فون کیا۔

"میں نے ازمینہ کی سالگرہ کا پروگرام بنایا ہے۔" سلام سے فارغ ہوکر میں نے فوراً کہا۔

"جی۔" وہ ہمہ تن گوش ہوگئیں۔

"دراصل، یہ پروگرام تو ایان کی طرف سے ہے۔ وہ ازمینہ کو سرپرائز دینا چاہتا ہے۔" میں مسکرائی۔

"اچھا۔" مسز اقبال ایک دم خوش ہوگئیں۔

"ازمینہ نے اپنی ڈیٹ آف برتھ ایان کو شاید شادی کے شروع میں ہی بتادی تھی وہ اسے یاد تھی اور اب اسے اچھی طرح سیلی بریٹ کرنا چاہتا ہے مگر ازمینہ کو بتائے بغیر...... میرا مطلب ہے سرپرائز۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں سمجھ گئی بالکل...... ازمینہ کو تو سرپرائز بہت پسند ہیں۔ میں اور اس کے پاپا بھی یہی کرتے تھے۔ اس کا برتھ ڈے گفٹ ہمیشہ اس کے لیے سرپرائز ہوتا تھا، اس کی پسند کی کوئی چیز جسے ہم اس کے کمرے میں چھپا دیتے اسے اچانک ملتی اور وہ بہت خوش ہوجاتی۔" وہ ماضی کے ورق پلٹنے لگیں۔

"ہائے، آپ نے یہ کیسی عادت ڈال دی اپنی بچی کو...... اب وہ سیدھی سادی زندگی کو پسند ہی نہیں کرتی۔" میرے دل کی آواز دل میں گم ہوگئی۔

"جی...... جی بڑا مزہ آتا ہوگا آپ سب لوگوں کو۔" بظاہر میں فرطِ مسرت سے بولی۔

"چلیں اچھی بات ہے۔ ایان بھی اس کا اتنا خیال رکھتا ہے، ہم ضرور آئیں گے۔" وہ خوش دلی سے بولیں۔

"ہاں بس ازمینہ کو مت بتایئے گا۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"میں سمجھتی ہوں، آپ فکر مت کریں۔" دوسرا مرحلہ طے ہوگیا۔ اب مجھے دعوت کا مینیو بھی سیٹ کرنا تھا اور بہو کے لیے سرپرائز گفٹ بھی خریدنا تھا۔

☆☆☆

پارٹی میں کافی لوگوں کی آمد متوقع تھی۔ کیٹرنگ سروس والوں کو بتادیا گیا تھا۔ گھر کے لان میں ساری ارینج منٹس کی گئی تھیں البتہ مہمانوں کو مختلف اوقات میں مدعو کیا گیا تھا۔ ازمینہ کے والدین کو ساڑھے سات اور منائل کے سسرالیوں کو ساڑھے آٹھ کا ٹائم دیا تھا۔

ازمینہ بیگم حسبِ معمول موڈ آف کیے گھوم رہی تھیں۔ ویسے آج موڈ آف کرنے کا اُن کا حق بنتا تھا۔ بے چاری کو شوہر یا سسرال میں سے کسی نے برتھ ڈے وش نہیں کیا تھا۔ میکے والوں نے اپنی آمد سے بے خبر رکھا تھا، اس کے نازک دل پر تو اس وقت قیامت ہی گزری ہوگی۔ میں نے بوتیک کا انتہائی خوب صورت اور نفیس سوٹ اسے دیتے ہوئے کہا۔

"آج شام میں اچھی طرح تیار ہوجانا۔" سوٹ دیکھ کر اس کی آنکھیں لمحے بھر کو چمکیں پھر معدوم ہوگئیں۔

"جی۔" وہ بیزاری سے بولی۔

سات بجے تک ساری تیاریاں مکمل تھیں، میں نے ہر چیز کا ایک تنقیدی جائزہ لیا اور خود تیار ہونے چلی گئی۔ ارسلان بھی میرے پلان سے باخبر تھے۔

"تمہیں یقین ہے کہ تم جو کچھ کررہی ہو اس کا کوئی مثبت نتیجہ سامنے آئے گا؟" انہوں نے ایک مرتبہ پھر پوچھا۔

"جی ہاں، مجھے سو فی صد یقین ہے۔" میں نے اپنی تیاری کا اختتام کرتے ہوئے جواب دیا۔

"چلیں نیچے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"جی بالکل، میں تیار ہوں۔" وال کلاک ساڑھے سات بجا رہی تھی۔

میں اور ارسلان نیچے اترے تو ہمارے چند لمحوں کے بعد ایان اور ازمینہ بھی آتے ہوئے دکھائی دیے۔ دونوں کے چہرے الگ الگ ڈائرکشنز میں گھومے ہوئے تھے گو ایان سے میں نے نارمل رہنے کی استدعا کی تھی مگر اس کے ماتھے کی تیوریاں بتارہی تھیں کہ ضرور ازمینہ نے کچھ تلخ و شیریں کہا ہوگا۔ خیر، اب تو کچھ ہی دیر کی بات تھی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" پیاری تو وہ واقعی بہت لگ رہی تھی۔ اگر ماتھے پر پڑی سلوٹیں غائب ہوجاتیں تو اس کا حسن دو آتشہ

ہوجاتا۔
"تھینکس۔" وہ بددلی سے بولی۔ شادی کے بعد ہر عورت اپنے شوہر کے لیے سنگار کرتی ہے اور اس کی طرف سے تعریف وتوصیف کی منتظر بھی ہوتی ہے۔ یہ اس کا حق ہے اگر اس کی یہ ضرورت پوری نہ ہو تو اس کا دل یقیناً ٹوٹتا ہے۔ اس کے چہرے کا تناؤ اس بات کی غمازی کررہا تھا کہ ایان نے اس سے کوئی خوب صورت جملہ نہیں کہا ہے۔ اپنے حساب سے وہ بھی ناراضی کا اظہار کررہا تھا اور مجھے دونوں کے درمیان سے یہ ناراضی ہی تو دور کرنی تھی۔ مسٹر اور مسز اقبال اور عازم وقت پر داخل ہوئے۔ ازمینہ انہیں دیکھ کر چونک گئی۔ آگے بڑھ کر ماں باپ سے ملی پھر حیرانی سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ لوگ؟" وہ ابھی سائرہ آپا اور ان کے خاندان کی آمد کی توقع کررہی تھی اپنے ماں، باپ کی آمد اس کے لیے حیران کن تھی۔

"بھئی ہم تو اپنے داماد کے بلاوے پر آئے ہیں۔" عذرا بھابی مسکرائیں۔ اس نے چونک کر ایان کی طرف دیکھا۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اُف گھامڑ کہیں کا۔" مجھے اس پر غصہ آیا۔ میری اس سے نگاہیں ملیں اور میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا۔ وہ تھوڑی دیر میں ٹرالی کے ساتھ موجود تھا۔ ٹرالی میں بڑا سا چاکلیٹ فج کیک اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ میں نے ازمینہ کے پسندیدہ کیک کے بارے میں مسز اقبال سے پہلے ہی معلوم کرلیا تھا۔ ازمینہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی۔ سب سے پہلے میں نے آگے بڑھ کر اس کا ماتھا چوم کر کہا۔

"ہیپی برتھ ڈے۔" اس کے چہرے پر مجھے پہلی بار سچ مچ کی مسکراہٹ نظر آئی۔

"تھینک یو۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"سسرال میں آمد کے بعد زندگی کے شروع ہونے والے نئے سال کے لیے نیک تمنائیں۔" میں نے اس کا گفٹ اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔ گفٹ خوب صورت ریپنگ پیپر میں چھپا تھا۔ یہ اس کے لیے دوسرا سرپرائز تھا۔ میرے بعد اس کے والدین نے اسے وش کیا اور اپنے ساتھ لائے ہوئے گفٹ تھمادیے۔ اس کے چہرے کی رونق اور بڑھ گئی۔ اب ایان کی باری تھی۔ میں نے نگاہوں، نگاہوں میں اسے گھورا۔ وہ اپنے چہرے کے تاثرات درست کرتا ہوا آگے بڑھا اور جیب سے نکال کر ایک گولڈ کی چین جس میں ڈبل A کا پینڈنٹ لٹک رہا تھا آگے بڑھ کر ازمینہ کو پہنادی۔ سب نے تالیاں بجا کے خوشی کا اظہار کیا۔

"تھینک یو۔" ازمینہ نے آہستہ سے کہا۔ اس کا لہجہ ایک دم بدلا ہوا تھا۔ اس میں نرمی اور لطافت موجود تھی۔

"چلیں بھئی، اب جلدی سے کیک بھی کاٹ لیں۔" میں نے وال کلاک پر نظر دوڑائی جہاں سوا آٹھ بج رہے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ دیگر مہمانوں کی آمد سے قبل یہ فیملی فنکشن نبٹ جائے۔ خوشگوار ماحول میں ازمینہ نے کیک کاٹا۔

سائرہ آپا اور ان کے خاندان کی آمد پر ہمارا گھر ایک پوری فیملی کا تاثر پیش کررہا تھا۔ سب کے چہروں پر بشاشت اور آسودگی موجود تھی۔ میں نے سائرہ آپا اور عذرا بھابی کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔

"میں نے سوچا کہ آپ بہو سے تو مل ہی لی ہیں، اب اس کے والدین سے بھی مل لیں جنہوں نے اپنی اتنی پیاری بیٹی ہمیں سونپ دی۔" عذرا بھابی اور سائرہ آپا ایک دوسرے کے گلے لگیں تو میں نے ازمینہ کے چہرے کے تاثرات نوٹ کیے۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور پھر پورے ڈنر کے دوران وہ واقعی اس گھر کی بہو کا رول ادا کررہی تھی۔ مہمانوں کے سواگت میں مجھ

سے بھی دو قدم آگے تھی۔

سائرہ آپا جاتے ہوئے اس کے حُسنِ سلوک اور محبت کی تعریف کر کے گئیں۔ میرے سینے سے جیسے کوئی بوجھ ہٹ گیا۔ عذرا بھابی بھی اپنے خاندان کے ساتھ روانہ ہو گئیں اب گھر والے رہ گئے تھے۔

''بہت زبردست ڈنر تھا، مزہ آ گیا۔'' ارسلان مسرور انداز میں بولے۔

''شکریہ جناب، اب آپ جا کر آرام کر سکتے ہیں۔'' میں مسکرائی۔

''بہت بہت شکریہ۔'' وہ مسکراتے ہوئے زینے کی طرف بڑھ گئے۔

''آنٹی میں بھی جاؤں۔'' ازمینہ کا خوب صورت لہجہ اس کے اردگرد کا ماحول بدل رہا تھا۔

''بالکل بیٹے، اب تم بھی آرام کرو۔'' وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ ایان بھی اٹھنے لگا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' میں نے کہا۔

''چیزوں کو بگاڑنا بہت آسان ہوتا ہے مگر بنانے کے لیے بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''جی۔'' وہ نگاہیں جھکا کر بولا۔

''تمہیں یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہ فنکشن تمہاری طرف سے تھا اور ازمینہ کے لیے وہ لاکٹ بھی تم اپنی پسند سے خرید کر لائے تھے، میں نہیں...... سمجھ گئے؟'' میں نے اسے سمجھایا۔

''جی سمجھ گیا۔'' وہ جلدی سے بولا۔ ''لیکن اس سے ہو گا کیا؟''

''آرام سے دیکھتے جاؤ کیا ہوگا...... اور جو بھی ہو تمہیں اس کو آگے بڑھ کر سراہنا ہے۔ اب جاؤ اپنے کمرے میں۔'' میں نے کہا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ نہ کچھ اچھا ضرور ہوگا۔

☆☆☆

اگلی صبح واقعی روشن اور تر و تازہ تھی۔ ایان، ازمینہ کے ساتھ ہی ناشتے کے وقت نیچے اترا۔ دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ اور اطمینان تھا۔ میرا دل کھل اٹھا۔

ارسلان کا ناشتا ختم کے قریب تھا انہوں نے اخبار پر سے نظر ہٹا کر اُن دونوں پر ڈالی۔

''آج کچھ لیٹ ہو گئے صاحبزادے؟''

''جی بابا۔'' وہ جھینپتا ہوا اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔

''لائیں آنٹی میں آپ کی ہیلپ کروا دوں۔'' ازمینہ میرے قریب آ گئی۔ اس کی شادی کے چار ماہ میں یہ جملہ میں نے پہلی بار سنا تھا۔

''ضرور۔'' میں نے مسکرا کے جواب دیا۔ وہ میرے ساتھ ناشتا سرو کرنے لگی۔ چھٹی کا دن تھا۔ دونوں باپ بیٹا ناشتے سے فارغ ہو کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئے ہم دونوں ساس بہو اپنا، اپنا چائے کا کپ لے کر میز پر آ گئے۔

''آنٹی، ایان کی پسندیدہ ڈش کون سی ہے؟'' اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے سوال کیا۔

''ایان کو کوفتے، یخنی پلاؤ اور چائنیز فوڈ بہت پسند ہے اور سویٹ میں بلو بیری چیز کیک، گاجر کا حلوا، پڈنگ وغیرہ اچھی لگتی ہے، کیوں؟'' میں نے مصنوعی حیرت سے پوچھا۔

''آنٹی اگر آپ اجازت دیں تو آج میں کوکنگ کر لوں، میرا مطلب ہے کوئی چیز ایان کی پسند کی پکا لوں؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں نہیں بیٹا، تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا، پوچھنے کی کیا بات ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''ویسے تو میری کوکنگ زیادہ اچھی نہیں ہے مگر آپ سے پوچھ پوچھ کر بنا لوں گی۔ آپ میری ہیلپ کریں گی ناں؟'' اس نے امید بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

''بالکل کروں گی...... تمہیں ہر وہ چیز سکھاؤں گی جو ایان کو پسند ہے......'' میں نے کہا۔

''تمہیں رفتہ، رفتہ ایان کی پسند کے سانچے میں ڈھال دوں گی...... اپنا سارا ہنر تمہارے اندر منتقل کر دوں گی کہ میرے بعد تم ہی اس خاندان کو سمیٹنے والی ہو گی......'' یہ میں نے صرف سوچا۔ میاں، بیوی کا رشتہ ہی خاندان کی بنیاد ہے...... یہ درست ہو تو سب کچھ از خود درست ہو جاتا ہے۔

''تھینک یو آنٹی......!'' اس نے آگے بڑھ کر میرا گال چوما۔

''آل ویز ویلکم بیٹا......'' میں نے بھی اسے جواباً پیار کیا۔

''کھانے کے معاملے میں ایان کے نخرے بہت ہیں، رفتہ رفتہ تم اس کا مزاج سمجھ لو گی تو کوئی مشکل نہیں ہو گی۔'' میں نے اسے تسلی دی۔

''تھوڑا بہت نخرہ تو سبھی میں ہوتا ہے آنٹی...... ایان تو پھر بھی بہت اچھے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ایان کے بارے میں اس کی رائے فقط ایک ہی رات میں بدل گئی تھی۔ میرے لیے اتنی کامیابی بہت تھی وہ ایان کی سائڈ لے رہی تھی۔

سچ ہے، کوئی اچھا ہوتا ہے نہ برا...... اچھائی اور برائی دونوں ہر انسان میں موجود ہوتی ہیں...... جو وقت اور ماحول دیکھ کر اپنا رنگ دکھاتی ہیں۔ چھوٹی، چھوٹی معصوم خواہشیں اگر وقت پر پوری نہ ہوں یا چھوٹی موٹی بے ضرر شکایتیں اگر وقت پر دور نہ ہوں تو یہ نہ بھرنے والا زخم دے جاتی ہیں۔

شکر تھا کہ دونوں بچوں کے درمیان دراڑ آتے آتے رہ گئی تھی اور امید تھی کہ آگے اور بہتری نظر آئے گی۔

''تم ابھی آرام کر لو، جب کوکنگ شروع کروں گی تو تمہیں بلوا لوں گی۔'' میں نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

وہ خوشی، خوشی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میں ازمینہ کی ساس تھی اور ایان کی ماں...... ایک طرف میرا خونِ جگر سے پروان چڑھایا ہوا لاڈلا بیٹا تھا تو دوسری طرف اس کے توسط سے میرے گھر میں آئی ہوئی ایک اجنبی اور پرائی لڑکی...... دونوں رشتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

یہ ایک حقیقت تھی...... لوگ کہتے ہیں ساس کبھی ماں نہیں بن سکتی اور بہو کبھی بیٹی نہیں بن سکتی۔ یہ سچ ہے تو اس میں برائی کیا ہے؟ ہر رشتے کا اپنا تقدس ہوتا ہے...... اپنا حسن ہوتا ہے، موتیے کے پھول سے گلاب کی خوشبو کی امید مضحکہ خیز ہے، موتیے کی اپنی خوشبو بھی تو بہت دلفریب ہوتی ہے۔

بیٹے کے حوالے سے آئی ہوئی بہو بھی تو پیاری ہو سکتی ہے...... ساس، بہو دونوں ایک دوسرے کو عزت دے کر، محبت دے کر اور گنجائش دے کر ہنسی خوشی کیوں نہیں رہ سکتے اور اس میں سب سے زیادہ فائدہ کس کا ہوتا ہے...... اس بیٹے کا جو ماں کا پیارا ہوتا ہے اور شوہر بننے کے بعد بیوی کا سہارا ہوتا ہے۔

ایان میرا اکلوتا بیٹا تھا...... اس کے لیے میری محبت کسی ثبوت کی محتاج نہیں تھی...... اور میری خواہش تھی کہ میں رہوں نہ رہوں میری محبت اس کے ساتھ ہمیشہ ایک دعا کی طرح سایہ فگن رہے...... اور اس کا سب سے بہتر طریقہ یہی تھا کہ میں وہ محبت چپکے سے ازمینہ کے دل میں ٹرانسفر کر دوں...... میرے بعد جب ایان، ازمینہ کے ہاتھوں کے بنے ہوئے کوفتے کھائے تو بے ساختہ کہے گا۔ ''تم نے آج مجھے میری ماں کی یاد دلا دی۔'' مجھے بہو کو اپنا بنانے کی کوشش کرنی تھی...... اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے۔ میں نے اپنی آنکھوں کے گیلے ہوتے ہوئے گوشے خشک کیے...... چہرے پر مسکراہٹ سجائی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

شامِ شہرِ یاراں

قسط نمبر: 1

ڈائجسٹ کے باقاعدہ قارئین کے لیے میرا نام شاید نیا نہ ہو۔ میرا اور میرے قارئین کا رشتہ خاصا پرانا ہے۔ رشتے اور اس تعلق کے سہارے گزشتہ کئی ماہ وسال کے دوران میں نے ان گنت کہانیاں لکھیں اور آپ نے پڑھیں۔ آپ کی تعریف وتنقید کی روشنی ہی میں میرا قلمی سفر آگے بڑھا ہے، اس لیے آپ یعنی میرے قارئین میرا قیمتی ترین اثاثہ ہیں۔

ماہنامہ پاکیزہ کا اور میرا تعلق بھی اتنا ہی پرانا ہے جتنا میرے قلم کا تحریر سے۔ پاکیزہ کے منتظمین اور شعبہ ادارت سے منسلک سب ہی لوگوں نے ہمیشہ مجھے محبت، احترام اور اعزاز سے نوازا ہے اور میں اس کے لیے ان کی تہ دل سے مشکور ہوں۔

اپریل کا شمارہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے تو ناول شام شہرِ یاراں کی پہلی قسط بھی آپ کے زیرِ نظر ضرور آئے گی۔

اس ناول کے تقریباً تمام کردار اپنی نارمل زندگی گزارنے کے دوران جن تجربات سے گزرتے ہیں ان کا ان کی عمومی زندگیوں پر کیا اثر ہوتا ہے اور کس طرح بظاہر مشرق ومغرب جیسے فاصلوں اور سمتوں کے تفاوت کے باوجود یہ سب کردار بھی کسی ایک مرکزی نقطہ پر اکٹھے ہوتے ہیں یہ آپ کو ناول کی اقساط پڑھ کر اندازہ ہوتا جائے گا۔ آپ ناول پڑھیں اور اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ ناول آپ کی توقعات پر پورا اترے۔

عنیزہ سید



وہ اس شہر میں کتنے عرصے کے بعد آیا تھا، یہ اسے یاد نہیں مگر یہاں آ کر اسے احساس ہو رہا تھا کہ جتنا بھی درمیانی عرصہ گزرا تھا اس دوران اس شہر نے اپنی ہیئت ہی بدل لی تھی۔ سب منظر بدل گئے تھے۔ غالباً راستے بھی بدل چکے تھے۔ وہ ایک مختصر سا غیر ترقی یافتہ پرانی تہذیب کا حامل شہر چھوڑ کر گیا تھا۔ درمیان کے عرصے نے شاید جادو کی چھڑی چلا کر شہر کا رقبہ بھی وسیع کر ڈالا تھا اور ساتھ ساتھ اسے نئی شکل صورت بھی عطا کر دی تھی۔ اسے یہاں آ کر اجنبیت محسوس ہونے لگی۔ یہاں لوگ بھی پہلے کی نسبت بہت زیادہ تعداد میں موجود تھے اور ٹریفک کا انداز بھی کسی بڑے شہر سے مختلف نہیں تھا۔ وہ یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا، اسے اس نامانوس ماحول سے وحشت ہونے لگی تھی مگر اس کی مجبوری یہ تھی کہ اسے یہاں ایک اہم سیمینار میں شرکت کرنا تھی اور اس کے اختتام تک اسے یہاں ہی رکنا تھا۔ ایک طرح سے وہ اس سیمینار کے منتظمین میں سے تھا کیونکہ یہ سیمینار اس ادارے نے منعقد کیا تھا جس کا وہ ایک اہم رکن تھا۔

"پی سی میں آپ کے لیے کمرا ایک کرالیا گیا ہے سر، گاڑی اور ڈرائیور کی سہولت بھی موجود ہوگی۔" اسے یہاں آنے سے ایک دن پہلے بتایا گیا تھا مگر اس شہر میں چند دن رہنے کے تصور کے ساتھ ہی اسے پرانے شہر کے اندرونی علاقے میں واقع پیلی قلعی والا وہ مکان یاد آنے لگا تھا جو اتنے برس گزرنے کے بعد بھی اب تک اس کے حافظے میں جوں کا توں موجود تھا۔ وہ اس علاقے کا نام البتہ بھول گیا تھا، اس طرف جانے کے تمام راستے بدل گئے تھے اور اسے یہ بھی یقین نہیں تھا کہ اس مکان کے مکین اب تک اسی شہر کے باسی تھے یا کہیں اور کوچ کر چکے تھے۔

"یہ ایبٹ آباد تو جھرنوں اور آبشاروں کا شہر تھا یار، پھل دار درختوں اور خاموش، صاف ستھرے راستوں کا شہر، یہاں لوگ سکون اور آرام کے لیے آیا کرتے تھے۔ یہ گوشۂ امن کہلاتا تھا، اسے کیا ہوگیا۔ یہ اتنا بدل کیوں گیا؟" پرل کانٹی نینٹل پہنچنے کے بعد اپنے کمرے میں سامان رکھتے ہوئے اس نے اپنے ہی ادارے کے ایک مقامی کارکن سے پوچھا جو اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ موجود تھا۔

"ترقی کرلی ہے ناں سر اس شہر نے۔ ٹیکنالوجی کی آمد حُسنِ فطرت کے خاتمے کا اعلان کر دیتی ہے۔" وہ لڑکا مقامی لب و لہجے کے ساتھ مسکرا کر بولا۔

"بہت افسوس ہوا۔" اس نے یوں سر ہلایا جیسے کسی عزیز کے بچھڑ جانے کے غم کا اظہار کر رہا ہو۔ "میرا تو سارا تصور ہی غارت ہوگیا۔ راستے بھر میں یہاں آنے کے خیال سے بہت خوش ہوتا رہا۔"

"ایسا لگتا ہے آپ بہت عرصے بعد ایبٹ آباد آئے ہیں۔" سترہ سالہ لڑکے نے دانت نکوستے ہوئے کہا۔ "مجھے لاہور دیکھے عرصہ ہوگیا۔ شاید چھ سات سال سے بھی زیادہ، اب اگر میں وہاں جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا سر؟"

"ارے یار لاہور تو ہمیشہ سے ہی ایسا ہے مصروف، تیز رفتار اور رش کا مارا ہوا، اتنے سالوں میں زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فرق پڑا ہوگا ناں کہ لوگوں اور گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا ہوگا۔ باقی سب ویسا ہی ہے بابا مگر یہاں تو لگتا ہے انقلاب آ گیا...... اُفوہ۔" اس نے ایک بار پھر سر ہلایا۔ وہ لڑکا مسلسل ہنس رہا تھا شاید اس کے جھلانے پر یا پھر شاید اپنے شہر کی تیز رفتار ترقی پر۔

مگر اس شام جب وہ اس لڑکے جس کا نام عدنان تھا کے ساتھ شہر میں گھومنے کے لیے نکلا تو اسے خیال آیا کہ یہ مقامی لڑکا خوش ہونے اور فخر کرنے میں حق بجانب تھا۔ شہر ملٹی نیشنل چین اسٹورز، فاسٹ فوڈ، ریسٹورنز

اور بڑے بڑے شاپنگ مالز سے سجا پڑا تھا یہاں بیوٹی سیلونز اور جمز کی بھی کمی نہیں تھی اور بڑے نام والی کمپنیوں کے سیٹ اپس بھی بے شمار تھے۔ ایبٹ آباد ہمیشہ سے اچھے اسکولوں کا شہر جانا جاتا تھا مگر وہ چند ہی گنے چنے اسکول تھے مگر اب تو اس شہر کے چپے چپے پر چند گز کے فاصلے پر اسکول ہی اسکول نظر آ رہے تھے۔

"یہاں کچھ وقت پہلے کی کوئی چیز باقی رہ بھی گئی ہے یا نہیں؟" اس نے اکتا کر عدنان سے پوچھا۔

"سب چیزیں موجود ہیں سر۔ الیاسی مسجد، شملہ پہاڑی، سر بن، ہٹر زمیس، ہرنو۔" وہ گنوانے لگا۔

"ہرنو!" حمزہ کے کانوں کو یہ لفظ بہت مانوس لگا اور ایک پرانا منظر اس کی آنکھوں کے آگے سے گزرا۔

"کل چلیں گے یار ہرنو، ابھی واپس چلتے ہیں۔" اس نے نیچی آواز میں کہا۔ عدنان نے شانے اچکائے اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

واپسی پر اسے کئی کام نمٹانے تھے۔ سیمینار کے لیے پہلے سے تیار شدہ خاکے کو فائنل شکل دینا تھی۔ چند متعلقہ لوگوں سے ملاقات اور کئی میلز کرنا تھیں۔ وہ اپنے کام کی دنیا میں کھو گیا اور شہر کی جدیدیت کا دکھ کچھ وقت کے لیے بھول گیا۔

☆☆☆

"میرے بچوں نے اپنی شادیوں کے سلسلے میں میری پسند پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ آپ دیکھ لیں سب کے سب کتنی خوش باش زندگیاں گزار رہے ہیں۔" مہرین کے لہجے میں تفاخر واضح تھا جو سعدیہ نے محسوس کیا۔ مہرین کے بچے خوش باش زندگیاں گزار رہے تھے، یہ سب ہی جانتے تھے مگر اُن کی شادیوں میں مہرین کی پسند کا کتنا دخل تھا چند لوگوں کو ہی معلوم تھا اور ان واقفانِ حال میں سعدیہ بھی شامل تھیں مگر مہرین ایسی باتیں کیا بھی انہی کے سامنے کرتی تھیں۔ سعدیہ ان کی اس قسم کی باتوں کو بڑے تحمل سے سنا کرتی تھیں مگر اس روز ان کے مزاج پر تلخی حاوی تھی۔

"حمزہ کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس کے لیے تمہیں کوئی مناسب لڑکی پسند نہیں آئی، اس کا کب تک تنہا رہنے کا ارادہ ہے۔ اب تو وہ ماشاء اللہ اتنی اچھی جاب کر رہا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ الفاظ ان کے منہ سے پھسل گئے جو یقیناً مہرین کو پسند نہیں آ سکتے تھے۔

"حمزہ کے لیے لڑکیوں کی مجھے کوئی کمی نہیں۔" مہرین نے اپنے اندر اٹھنے والی غصے کی لہر کو بہ مشکل دباتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ ابھی اپنی فیلڈ میں مہارت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اسے یکسوئی کی ضرورت ہے۔ ابھی وہ شادی میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔"

"حمزہ کی اور تمہاری چوائس میں تو زمین آسمان کا فرق ہوگا ناں نا مہرین!" سعدیہ اس روز مہرین کے تفاخر پر کچھ زیادہ چڑ گئی تھیں، اس لیے انہیں ایسی باتیں کرنے میں مزہ آ رہا تھا جن سے مہرین کو تکلیف ہو سکتی تھی۔ "بھئی بی اماں کی تربیت نے حمزہ کی شخصیت کو قدرے کیا بلکہ بہت مختلف بنچ دے دیا ہے۔ تمہارے اور اس کے مزاج کسی طرح بھی میل نہیں کھاتے بلکہ کبھی کبھار تو ایسا لگتا ہے کہ وہ تمہارا بیٹا ہے ہی نہیں، اس گھر کا فرد ہے ہی نہیں۔"

"کیا مطلب، کیسا لگتا ہے وہ؟" مہرین کو یہ بات سب سے زیادہ چبھی تھی۔

"اصل میں اس کا brought up (پرورش) مختلف ماحول میں ہوئی ہے ناں، اس میں اس گھر کے ماحول کا سانچ نہیں ہے، وہ بہت مختلف لگتا ہے۔" اب کے سعدیہ کو اپنی بات کو سنبھالا دینا پڑا تھا۔

''وہ دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں سے پڑھا ہے، دولت کی اس کے پاس کمی نہیں ہے، کیسے رہنا ہے...... کیسے اٹھنا بیٹھنا ہے...... کیسے بات کرنی ہے...... کیسے کھانا پینا ہے اس سے زیادہ کون بہتر جانتا ہوگا۔ اس کی شخصیت پرفیکٹ ہے۔ وہ تمہیں کیوں مختلف لگتا ہے بھلا......؟''

''اس کا مطلب ہے کہ تم سب فیملی ممبرز پرفیکٹ ہو۔'' سعدیہ نے دل میں سوچا اور مسکرائیں۔

''میں نے مختلف ہونے کی بات کی ہے۔ اس کی شخصیت میں کسی کمی کا ذکر تو نہیں کیا۔ تمہارا کیا خیال ہے بی اماں کی تربیت اور ان کے ہاں کے ماحول اور تمہارے گھر کے ماحول میں کوئی فرق نہیں۔ تمہاری اور بی اماں کی شخصیتوں میں تو زمین آسمان کا فرق تھا ناعہرین۔'' انہیں یہ ہلکے ہلکے وار کرنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''حمزہ کو واپس آئے کئی برس گزر گئے، ماحول اور تربیت کا فرق اگر تھا بھی تو مٹ چکا ہے، حمزہ میرے باقی بچوں کی طرح ہی ہے، یہ لوگوں کی غلط فہمی ہے کہ وہ مختلف ہے۔'' مہرین نے ناگواری سے جواب دیا۔ سعدیہ کو اندازہ ہوگیا کہ جتنا وہ مہرین کو چڑانا چاہتی تھیں، اتنا ہی وہ چڑ چکی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اس موضوع پر مزید بات نہ کرنا ہی بہتر جانا اور کوئی اور بات کرنے لگیں۔

☆☆☆

کہنے کو تو یہ نیا ٹھکانا پُرآسائش اور خوب صورت تھا۔ اس کی آرائش اور دلکشی پہلے والے ٹھکانے سے چار گنا زیادہ تھی۔ پچھلے ایک عرصے سے کام پر پڑے مندے کے سارے دلدّر بھی دور ہونے لگے تھے مگر امراؤ بیگم کا دل یہاں اب تک نہیں لگ پایا تھا۔ اس نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی اور جس منظر میں زندگی گزاری تھی وہ اس سے یکسر مختلف تھی۔

''ہر دھندے، ہر کام اور ہر پیشے کا اپنا ایک مخصوص رنگ ڈھنگ ہوتا ہے۔ ایک خاص پس منظر کو اس کے پس منظر سے جدا کر دو تو اس کا انداز بھی بدل جاتا ہے اور لطف بھی۔''

یہ سنہری قول امراؤ بیگم کی مرحومہ ماں زبیدہ جان کا تھا جو اپنے وقت کی نامی گرامی رقاصہ اور پیشہ ور طوائف تھی۔ اس بازار میں جس کا طوطی بولتا تھا اور جسے اپنے پیشے سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا، امراؤ بیگم نے ایک عرصے تک اپنی ماں کے نام کی کمائی کھائی تھی۔ اس ڈیرے پر لوگ زبیدہ جان کے مرنے کے بعد بہت عرصے بعد تک اُس محفل کا ایک عکس پانے ہی کی امید پر آتے رہے جس کے سُرور میں زبیدہ جان نے اپنی زندگی میں انہیں ڈبوئے رکھا تھا۔ اسی چاہ نے امراؤ بیگم کے ڈیرے اور اس کی رونقوں کو آباد کیے رکھا تھا مگر پھر رفتہ رفتہ وہ پرانے لوگ ختم ہونے لگے اور نئی نسل جسے زبیدہ جان کے نام سے واقفیت تھی نہ اس کے فن سے کوئی لگاؤ تھا، ان کے شوق بھی مختلف تھے اور فرمائشیں بھی مختلف۔

امراؤ بیگم کے ڈیرے کی محفلیں ویران ہونے لگیں اور اس کے چوبارے پر دھول اُڑنے لگی۔ اس کی اور اس کی بہن کی بیٹیاں گھنگرو باندھے دن رات رقص کی مشق اور اپنی نانی کے چھوڑے ورثے کی حفاظت کی خاطر انہی ادب آداب اور رکھ رکھاؤ کی تربیت حاصل کرتے جوان ہوئیں جو اس ڈیرے کا خاصہ اور روایت تھی مگر زمانہ بدل گیا تھا۔ پیشے کے آداب بھی بدل گئے تھے۔ ان تنگ گلیوں اور اونچے چوباروں کا رخ کرنے والوں کے انداز اور شوق بھی بدل گئے تھے۔ جب نوبت فاقوں تک آنے لگی تو امراؤ بیگم نے گویا جھرجھری لے کر آنکھ کھولی تھی۔ ملک کے مختلف بڑے شہروں میں اس کی ماں کی رشتے دار خواتین کے ڈیرے آباد تھے۔ ملتان سے اس کی ماں کی خالہ زاد بہن اس سے ملنے آئی اور اس کے چوبارے کی ویرانی دیکھ کر خون کے گھونٹ

بھر کر رہ گئی۔

''اے بی امراؤ تم کس دنیا کی باسی ہو، کن خوابوں میں زندگی گزارتی پھر رہی ہو۔ بی بی ہوش کے ناخن لو۔ کو مجھے جیسی جوان لڑکیوں کا حُسن اور فن یوں آنکھ بند کیے بیٹھی ضائع کر دو گی کیا؟'' وہ امراؤ بیگم کے سر پر چلائی تھی۔

''نہ آنکھ بند کیے پڑی ہوں نہ خوابوں میں رہتی ہوں۔'' امراؤ بیگم نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔ ''لڑکیاں شکل صورت میں کم ہیں نہ تربیت میں، سرِشام بن سنور کر اسی طرح دریچوں میں کھڑی ہوتی ہیں، تمام لوازمات کے ساتھ مگر نہ کوئی انسان کا بچہ اوپر آتا ہے اور نہ ہی پان کی گلوری بھجوائی جاتی ہے۔''

''جب ہی تو کہہ رہی ہوں کہ خوابوں کی دنیا میں رہتی ہو تم، اب کہاں زمانے رہے پان کی گلوریوں پر سائی بھجوانے کے اور بن سنور کے دریچوں میں بیٹھ کر انتظار کرنے کے، تم ماسی زبیدہ کے زمانے میں رہتے، رہتے زمانے کی دھول بن جاؤ گی امراؤ بیگم...... ہوش کے ناخن لو اور نئے ادب آداب، نئے اطوار سیکھو۔''

امراؤ بیگم اپنی خالہ کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ گئی اور اس کے مشوروں سے مستفید ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

روزگار اور دھندے کو بچانے کے جو طریقے خالہ نے امراؤ بیگم کو بتائے تھے وہ دل کو نہ لگنے کے باوجود امراؤ بیگم ان پر عمل کرنے پر مجبور تھی اگر وہ ایسا نہ کرتی تو فاقوں کی نوبت آجاتی۔ گزرتے وقت اور دھندے کی کمی نے بہت سے لوگوں کو امراؤ بیگم کا ڈیرا خیرباد کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور انہی جانے والوں میں حضوری بخش بھی شامل تھا جو امراؤ بیگم کی اوائلِ جوانی کے دور کی یادگار تھا۔ حضوری بخش نے خاصے کڑے وقتوں میں امراؤ بیگم کا ساتھ دیا تھا مگر ڈیرے کی رونق اس کی کمزوری تھی۔ چراغ جلنے کے ساتھ ہی جو گہما گہمی اس ماحول کا خاصہ تھی وہ امراؤ بیگم کے یہاں کم ہوتے ہوتے معدوم ہونے لگی تھی اور اس کے ساتھ ہی حضوری بخش کا دل بھی ان ویرانیوں سے الجھنے لگا۔ ایک روز وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں ہاتھ جوڑے امراؤ بیگم کے سامنے پیش ہوا اور ہمیشہ کے لیے رخصت طلب کرلی۔ امراؤ بیگم جانتی تھی کہ اس طلبیِ رخصت کے بعد حضوری بخش روکے نہ رکے گا۔ اس نے بلا تامل اسے اجازت دے دی مگر اسی رات امراؤ بیگم کا دل مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ حضوری بخش کی ڈیرے پر موجودگی امید کی آخری کرن تھی جو اس کے رخصت ہونے کے بعد ماند پڑ گئی تھی۔ وہ مسہری پر آنکھیں موندے پڑی رہتی، کبھی کبھار آنکھ کھولنے پر جوانی کو خدا حافظ کہتی بیٹیاں پاؤں میں گھنگرو باندھے ناتجربہ کار سازندوں کے بے سُرے سازوں کی لے پر محوِ مشق نظر آتیں۔ چراغ جلائے جانے کے بعد بھی نشست گاہ کا پردہ شاذ ہی اٹھتا۔ اِکا دُکا شوقین جو اِدھر کا رخ کرتا وہ بھی ایک شام کے بعد دوبارہ شکل نہ دکھاتا تھا۔ امراؤ بیگم کا دل ان حالات نے خاصا کمزور کر دیا تھا مگر خالہ امی کے مشوروں کو سننے اور سمجھنے کے بعد اس نے ایک بار پھر کمزور دل پر قابو پایا اور نئی تگ و دو کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دو ہفتے کے اندر خالہ نے ملتان سے تین ایسے تحفے اسے بھجوائے جنہیں وصول پاتے ہی امراؤ بیگم کے اُجڑے دیار کی رونقیں گویا دوبارہ لوٹ آنے لگیں۔

☆☆☆

نگین کو صبح کا وقت شادی سے پہلے بہت اچھا لگتا تھا لیکن شادی کے بعد صبح کے وقت کے بارے میں اس کی رائے بدل چکی تھی۔ علی الصباح اٹھ کر ساس، سسر کو بیڈ ٹی دینے سے اس کے مصروف دن کا آغاز ہوتا تھا اور اس کے بعد چل سو چل، میاں جو دفتر جاتے تھے، دو دیور یونیورسٹی کے لیے نکلتے تھے، ایک نند کو کالج جانا ہوتا

تھااور دو اس کے اپنے بچے جن میں سے ایک اسکول جاتا تھا اور دوسری گود کی بچی تھی۔ نگین کو گھن چکر بننے میں ذرا بھی دیر نہیں لگتی تھی۔ شروع شروع کے ایک دو سال کے بعد اگرچہ اس نے اپنی بدحواسیوں پر خاصا قابو پالیا تھا اور ایک منظم طریقے پر گھرداری چلانے کی کوشش میں کسی حد تک کامیاب بھی ہو چکی تھی مگر صبح کی مصروفیت اور اپنے گھن چکر بننے پر قابو پانا ابھی تک اس کے بس میں نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی ایسی ہی ایک صبح تھی اور نگین کا ایک پاؤں باورچی خانے میں اور دوسرا کھانے کے کمرے میں تھا۔ اس کا دماغ کئی باتوں پر جھنجلایا ہوا تھا۔

''خدا جانے ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ڈبل روٹی کے پیکٹ سے ربڑ بینڈ اتار کر رکھو تو وہ غائب ہو جاتا ہے' سیکنڈز میں۔ اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے اور مل کر ہی نہیں دیتا۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ ''دودھ کو جتنی مرتبہ گرم کرو، اتنی مرتبہ اس پر نئے سرے سے بالائی آجاتی ہے۔'' گھر میں کوئی بھی بالائی والا دودھ استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس لیے ہر مرتبہ اسے بالائی علیحدہ کرنا پڑتی تھی۔ اسے بیک وقت کئی کام کرنے پڑتے تھے۔ توے پر روٹی ہوتی، سینڈوچ میکر میں سینڈوچ رکھے ہوتے اور ٹوسٹر میں ٹوسٹ، ایک چولھے پر چائے کا پانی کھول رہا ہوتا۔ ہر طرف دھیان کرتے کرتے کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہو جاتی۔ وہ ہر صبح کا آغاز اس امید اور دعا کے ساتھ کرتی کہ اس روز کوئی گڑبڑ نہ ہو مگر گڑبڑ ہو کر رہتی۔ اس کی ساس اگرچہ روایتی ساسوں کی طرح نکتہ چینی کرنے کی عادی نہ تھیں مگر اسے سمجھانے کے سے انداز میں کئی تلخ باتیں کر جاتیں۔

''اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بچیوں کو شروع سے ہر طرح کے حالات کے مطابق گزارہ کرنے کی عادت ہونی چاہیے۔'' وہ بھی کبھار کہہ دیتیں۔

''اگر ہر کام سے متعلق تھوڑی بہت تیاری پہلے سے کی گئی ہو تو گڑبڑ نہیں ہوتی۔'' کبھی اسے یہ بھی سننے کو ملتا۔

''قصور تمہارا بھی نہیں، تم گھر میں چھوٹی تھیں اس لیے تم پر کوئی ذمے داری ڈالی ہی نہیں گئی۔'' وہ کہتیں۔

''خیر چھوٹے تو ہم بھی تھے مگر شادی کے بعد بھرا پُرا گھرانا اور اس کے بیسوں کام نمٹانا پڑے تو اسی لیے آزمائش پر پورے اترے کہ اماں نے ہر کام سکھا کر بھیجا تھا اور بھئی کام کرنے سے زیادہ کام کرنے کے طریقے سیکھنے میں وقت لگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اماں تمہاری پڑھائی کرنے کا لحاظ ہی کرتی رہ گئیں۔ اب اس صائمہ (نگین کی چھوٹی نند) کو دیکھو، پڑھ تو رہی ہے، کام شاذ و نادر ہی کرتی ہے مگر جب کرنا پڑے تو کس سلیقے سے کرتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہم نے کھلاؤ سونے کا نوالہ مگر دیکھو شیر کی نگاہ سے والے محاورے پر عمل کیا عمر بھر۔''

نگین کو ان کی سب باتیں ہی سچی لگتیں۔ اپنی شادی سے پہلے کی زندگی یاد آنے لگتی' بے فکری کی زندگی، آزاد، خوش باش زندگی، کوئی ذمے داری نہ دردسری۔ کیا اس وقت اس نے کبھی سوچا تھا کہ شادی کے بعد اسے ایسی زندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جس میں ذمے داریوں کا بوجھ رات رات بھر اس کی نیندیں اُڑائے رکھا کرے گا۔ ایک خوبی اس میں یہ بھی تھی کہ وہ فراریت پسند نہیں تھی اور حالات سے سمجھوتا کر لینے کی قائل تھی۔ خود کو بہتر کرنے کا حوصلہ بھی اس میں تھا مگر یہاں مسئلہ یہ تھا کہ اصلاح کرنے کے لیے ہدایات دینے والے تو بہت تھے مگر سامنے آکر رہنمائی کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

"leading from the front:" وہ کبھی کبھار اپنے میاں اشعر سے سنجیدگی سے بات کرتی۔ ''یہ الفاظ سنے ہیں کبھی آپ نے؟''

''ہوں......'' وہ اپنی آفس فائل میں سر دیے جواب دیتا۔

''پھر لوگ صرف بتاتے کیوں ہیں کہ کوئی کام کیسے کیا جانا چاہیے۔ کر کے کیوں نہیں دکھاتے۔'' اس نے اشعر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''جو لوگ تجربہ کار ہوتے ہیں، وہ اپنے تجربے سناتے ہیں، ہو سکتا ہے کر کے دکھانے کو دل نہ چاہتا ہو۔'' اشعر نے یقیناً بے دھیانی میں جواب دیا تھا۔

''پھر lead کرنے کا شوق کیوں رہتا ہے انہیں، بس تجربے سنا دیا کریں، بھلے کوئی عمل کرے نہ کرے۔'' نگین نے جل کر کہا۔

''تو نہ کیا کرے عمل کوئی، اس میں اتنا ناراض ہونے والی کون سی بات ہے۔'' اشعر نے فائل پر نظریں جمائے جمائے مسکرا کر کہا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بات کو سمجھ رہا تھا۔

''آپ کو پتا ہے میں کیا کہہ رہی ہوں۔'' نگین کو اس کے مذاق اڑانے والے انداز پر غصہ آنے لگا۔

''میری پیاری بیوی!'' اشعر نے بالآخر فائل سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا۔ ''یہ گھر، اس گھر کی عملداری، اس کے معاملات، میں، میرا دل، میرے بچے سب تمہارے اختیار میں ہیں۔ اتنا سب کچھ اختیار میں ہوتے ہوئے کبھی کبھار تجربات کی روشنی کی طرف دیکھنا پڑ جائے تو آنکھیں چندھیانے کی کیا ضرورت ہے۔ نظریں جھکا لینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر روشنی کی ایک آدھ کرن پر نظر پڑ جائے تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔ ممکن ہے یہ کرن کچھ اچھے مناظر کو واضح کر دے۔''

اسے اشعر کی یہی بات تو اچھی لگتی تھی کہ بظاہر اس کے مسائل کو نہ سنتے ہوئے بھی اسے ان کا حل انتہائی رسان سے سمجھاتا تھا۔ یہی ذہنی ہم آہنگی اب تک ان کے رشتے کو بہتر انداز میں آگے بڑھا رہی تھی۔

کبھی کبھار وہ یہ بھی سوچتی کہ اگر اشعر کی طبیعت میں اتنا حوصلہ، اتنی نرمی اور اتنی سمجھ بوجھ نہ ہوتی تو اس کا کیا بنتا۔ اسے اپنی شادی سے پہلے کی زندگی یاد آتی جس میں اس کے دن صرف پڑھائی کی مصروفیات اور دیگر مسائل و ذمے داریوں سے آزاد گزر رہے تھے۔ وہ ایک ذہین اور لائق طالب علم تھی، ادبی مزاج رکھتی تھی، کالج میگزین کی ایڈیٹر، ہم نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتی تھیں۔ وہ دن جب زندگی ایک جستجو اور کچھ پا لینے کا نام ہوا کرتی تھی۔ وہ خوابوں اور خیالوں میں ان دیکھی دنیاؤں کی سیر کرنے اور انہیں مسخر کر لینے کے احساس میں گھری رہتی تھی۔ اس کی ان سرگرمیوں کو گھر میں سراہا جاتا تھا اور اس کی کامیابیوں پر سب خوش بھی ہوتے تھے ماسوائے اس کی مرحومہ نانی کے...... کوئی اور اس بات کا وہم نہیں کرتا تھا کہ ان سب چیزوں میں جو وہ سیکھ رہی تھی ایک بہت بڑی کمی تھی اور وہ کمی جس کی طرف سب سے کم توجہ دی گئی، شادی کے بعد اس کی زندگی کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

اسے اپنے لبرل والدین کی اس ادا کی بھی کبھی سمجھ نہیں آئی تھی جو انہوں نے اشعر کا رشتہ آنے پر اسے ایم اے کی پڑھائی چھڑوا کر جھٹ پٹ اس کا بیاہ کر کے دکھائی تھی۔ کچھ یوں عجلت میں زندگی کا پانسا پلٹ دیا گیا کہ وہ خود ہڑبڑا کر رہ گئی۔ شادی کا تصور ابھی اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ اس کے بہت سے خواب اور اَن دیکھی دنیاؤں کو مسخر کرنے کا عزم تو بکھرا ہی تھا مگر جس نئی مہم کو سر کرنے پر اسے لگا دیا گیا تھا وہ جوئے شیر لانے سے بھی زیادہ محنت طلب تھی۔

''اگر ہم زندگی کی مثبت باتوں کی گنتی کرنا شروع کر دیں تو منفی باتوں کی گنتی کا وقت بہت دیر سے آتا ہے بلکہ اکثر تو آتا ہی نہیں کیونکہ زندگی میں مثبت باتیں اس قدر ہوتی ہیں کہ جن کو گننے کے لیے زندگی چھوٹی پڑ جاتی

ہے۔" اسے کالج کے زمانے کی ایک استاد کی بات اکثر یاد آتی جو اس کے ذہن سے چپک کر رہ گئی تھی۔ یہ بات انہوں نے اس کی آٹوگراف بک پر لکھ کر اسے دی تھی۔ سو اس نے اس نصیحت پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ شاید اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں تھا۔ اس بات کا بہر حال اسے بڑی اچھی طرح اندازہ تھا کہ اگر وہ منفی باتوں کو پہلے گننا شروع کر دے گی تو جو ہاتھ پاؤں وہ نئی زندگی میں رچنے بسنے کے لیے مار رہی تھی وہ بھی نہ مار سکے گی۔ سو اس نے مثبت پر نظر کرنا شروع کر دی اور اس کے خیال میں سب سے اہم اور سرفہرست مثبت بات اشعر کا مزاج تھا۔ باقی انسان ہونے کی حیثیت سے جو کبھی کبھار ہی منفی پر اس کی نظر پڑ بھی جاتی تو اس میں اس کی فطری جبلت کا ہاتھ تھا، اس کی شعوری کوشش کا اس میں کچھ دخل نہ تھا۔ ہاں جب بھی کوئی لمحہ، کوئی دن اسے بہت مشکل لگتا تو اسے دو لوگ بہت یاد آتے، وہ دو لوگ جو اب ماضی کا حصہ بن چکے تھے۔ نانی مرحومہ جو اس کی شادی کے بعد محض چند ماہ ہی زندہ رہیں اور حمزہ محمود جو اس کے سگے ماموں کا بیٹا تھا اور جس سے ملاقات ہوئے اب کئی برس گزر چکے تھے۔



وہ ٹی وی کا ریموٹ ہاتھ میں پکڑے مختلف چینل بدل رہی تھی۔ یہ غالباً ہر گھر کے ہر فرد کا بیکاری کے وقت کا مشغلہ تھا اور اب تو وہ اس مشغلے سے بھی تنگ آ چکی تھی۔ ہر جگہ یکسانیت تھی، ایک جیسے چہرے، ایک جیسی باتیں، میک اپ سے لیپے پتے چہرے، نیم عریاں لباس، دیسی اور بدیسی زبان کے مرکب، وہ بددلی سے چینل بدلتی ٹی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جب ہی اچانک ایک چینل پر اسے ایک چہرہ ایسا نظر آ گیا جسے وہ ہزاروں میں بھی پہچان سکتی تھی۔ وہ بے اختیار سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اسے اپنی نظروں پر یقین کرنے میں بھی کچھ وقت لگا۔ پہلے اسے اس نے محض مشابہت گردانا چاہا مگر پھر اس کے کان نے وہ نام بھی سنا جو اس چہرے کو دیا جا رہا تھا۔ وہ بلاشبہ فہد تھا جسے وہ ایک لمبے عرصے کے بعد دیکھ رہی تھی۔ اس کوکنگ پروگرام میں وہ کیا کر رہا تھا، اس کی حیرت زدہ نظریں مہارت سے مختلف سبزیاں کاٹتے، کوکنگ پین میں چمچ چلاتے دیکھ رہی تھیں، اس نے chef,s dress بھی پہن رکھا تھا اور وہ میزبان سے گفتگو کرتے ہوئے خوشگوار انداز میں چٹکلے بھی ... چھوڑ رہا تھا اور کئی قسم کی کوکنگ ٹپس بھی بتا رہا تھا۔

"وہ وہاں مختلف فیلڈز میں اسپیشلائزیشن کر رہا ہے۔" اسے کچھ عرصے پہلے ہی کوکب کی اس کے بارے میں دی گئی معلومات یاد آنے لگیں۔

"اسپیشلائزیشن!" اس نے ٹی وی اسکرین پر موجود چہرے کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دی۔ "خوب میدان چنا اسپیشلائزیشن کے لیے تم نے۔"

"کوکنگ اب ایک ضرورت کے محدود کینوس سے نکل کر ایک وسیع میدان میں داخل ہو گئی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "یہ ایک طرح کا آرٹ بن چکی ہے، ایک سبجیکٹ، ایک فیلڈ آف تھاٹ، اس میں جدت بھی آ چکی ہے اور ورائٹی بھی۔ ہر اس چیز میں کشش محسوس ہوتی ہے جو دیکھنے پر آنکھوں کو بھلی لگے، کھانے کے ذائقے کا تو نوالہ منہ میں جانے کے بعد ہی پتا چلتا ہے، کھانے کی ہیئت اور اسے پیش کرنے کا انداز، انسان کے مزاج پر جس طرح اثر انداز ہو سکتا ہے، اس کی اپنی اہمیت ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ یہ آواز اور یہ لہجہ علینہ کو کیسے بھول سکتا تھا۔ اب وہ قدیم مصریوں، چینیوں، جاپانیوں اور یونانیوں کے ہاں پائے جانے والے اندازِ طعام کے بارے میں بتا رہا تھا۔

''اف!'' علینہ نے بے اختیار کہا۔ ''فہد رضا اور اتنا گھبرایا، کیا فیلڈ ہے یار۔'' اسے محسوس ہوا کہ اس کے لہجے میں طنز تھا۔ ''واہ لگتی خوب معلومات ہیں تمہاری۔ وہ مختلف فیلڈز میں اسپیشلائزیشن کر رہا ہے۔ ایک فیلڈ تو یہ ہوگئی، دوسری ہوگی باغبانی جسے ہارٹیکلچر کا نام دے کر دوسروں کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ تیسری ہوگی خاکروبی۔'' وہ سوچتے سوچتے رکی۔ ''ایں خاکروبی کو کون سی ماڈرن فیلڈ کا نام دیا جاسکتا ہے۔'' بصد سوچنے کے باوجود اسے کوئی ایسا نام یاد نہیں آیا۔ ''اور کون سی فیلڈ ہوسکتی ہے۔'' وہ مزید سوچنے لگی اور اسے محسوس ہوا کہ اس طرح کی باتیں سوچتے سوچتے اس کا ذہن تلخ ہو رہا تھا۔ سچ بات تو یہ تھی کہ اسے فہد کو یوں اس طرح یہ کام کرتے دیکھ کر ذرا سا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا۔ کوکنگ کا پروگرام ختم ہوچکا تھا اور اب اشتہار چل رہے تھے۔ اس نے ریموٹ میز پر رکھ دیا اور خود اٹھ کر کمرے کی بائیں دیوار کی کھڑکی کے قریب آگئی۔ کھڑکی پر برابر کیے پردوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اس کی نظر ساتھ والے گھر پر پڑی جو باہر پڑتی بارش میں بھیگ رہا تھا۔ کھڑکی کے بند شیشے پر پھسلتی بوندوں اور ساتھ والے مکان کی چھت سے ٹپکتے بارش کے قطروں کو دیکھ کر اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔

یہ سرما کی بارش تھی، آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور باہر شدت کی سردی تھی، ایسا سرما بہت عرصے کے بعد آیا تھا مگر ایسی سردیاں عرصے پہلے اتنی ہی شدت سے آیا کرتی تھیں۔ اسے وہ دن یاد آنے لگے جب وہ سرخ ہوتی ناک کے ساتھ منہ سے نکلتی بھاپ پر قابو پاتی، اسکول یونیفارم میں ملبوس اپنا اسکول بیگ سنبھالتی اپنے گھر سے فہد کے گھر داخل ہوتی تھی۔

''اوہ، ارے علینہ کی ماما نے تو موسم کے تیور دیکھ کر اس کے نیچے پہننے کے کپڑوں میں دو، تین کپڑوں کا مزید اضافہ کردیا، ہے ناں!'' فہد کی اماں اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ ان کے ڈائننگ روم میں گیس ہیٹر جل رہا ہوتا تھا۔

''ہاں یہ تو ہے، ماما نے ایک موٹی بنیان اور پہنا دی اور لیگنگز بھی پہلے والی سے زیادہ موٹی پہنا دی، مجھ سے تو ٹھیک سے چلا ہی نہیں جارہا۔'' ہیٹر کے آگے اسٹول پر بیٹھ کر اپنے چھوٹے ہاتھ سینکتی وہ بولتی اور پھر ایک نظر فہد پر ڈالتی جو ناشتے کے معاملے میں اپنی اماں سے ضد کر رہا ہوتا۔ لنچ باکس بیگ میں رکھنے سے انکار کردیتا اور دودھ کا کپ آدھا پی کر چھوڑ دیتا۔ اس کی اماں زبردستی اس کے بال برش کرکے اسے اونی ٹوپی پہناتیں اور زبردستی ہی لنچ باکس اس کے بیگ میں ٹھونستیں۔

''پانی ٹھنڈا ہوجاتا ہے، پیا نہیں جاتا۔'' وہ پانی کی بوتل لینے سے صاف انکار کردیتا۔

''میں نے گرم پانی بھرا ہے، سارا دن نارمل رہے گا۔ وہ بوتل اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے کہتیں۔

''اور یہ لو گلوز پہنو۔'' وہ اس کے ہاتھ میں گلوز پکڑاتیں۔ ''دیکھو علینہ نے بھی گلوز پہن لیے ہیں۔ وہ کتنی فرمانبردار بچی ہے۔ کتنی اچھی بچی ہے۔''

''فرمانبردار بچی، اچھی بچی۔'' فہد اسکول وین میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا دہراتا رہتا۔ ''اچھی بچی میری طرح فرسٹ آکر دکھاؤ کبھی، اچھی بچی تمہارے پاس ٹکٹس والے البم ہیں کیا...... اچھی بچی میرے پاس جتنی بکس ہیں، کبھی اتنی بکس پڑھ کر دکھاؤ...... اچھی بچی تمہارا تو ہوم ورک بھی مکمل نہیں ہوتا، کبھی اگر بریک میں، میں تمہیں اپنی کاپی نہ دوں تو تمہیں روز ٹیچر مائرہ سے ڈانٹ پڑا کرے اور اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو تمہیں میتھس کا ایک بھی سوال نہ آئے۔ ہونہہ اچھی بچی، اچھی بچی۔'' وہ اگلی سیٹ پر اپنے جوتے کی ٹو مارتا ہوا کہتا۔

''اچھے بچے صرف موٹے کپڑے اور گلوز ہی نہیں پہنتے، لنچ باکس اور بوتل پکڑنے سے ہی اچھے نہیں بن جاتے۔ ویسے مجھ سے مقابلہ کر کے دیکھو، میرے نمبر ہمیشہ ہر جگہ ہر بات میں تم سے زیادہ آئیں گے۔''

''یہ تو ہے۔'' علینہ چپکے چپکے آنسو بہتے ہوئے سوچتی۔ ''فہد مجھ سے ہر چیز میں آگے ہے۔ اس کے پاس ٹکٹ البمز ہیں، ڈھیروں بکس ہیں، معلوماتی ویڈیوز ہیں، اس کا ہوم ورک مکمل اور نیٹ ہوتا، کلاس میں وہ سب سے ذہین اور حاضر دماغ اسٹوڈنٹ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بلیزر پر پریفیکٹ کا بیج لگا ہوتا اور کس خوبی سے وہ آف اینڈ آن دی کلاس بچوں کو رعب دار آواز میں ہنکا لیتا۔ ٹھیک ہی تو ہے اچھے بچے صرف موٹے کپڑے اور گلوز ہی تو نہیں پہنتے، لنچ باکس میں جو ملے خاموشی سے کھا لینے کو تو ہی اچھا بچہ نہیں کہا جا سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ہر معاملے میں فہد سے پیچھے ہوں، بہت پیچھے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر ماما کی ڈانٹ کا ڈر نہ ہوتو میں بھی موٹی لیلنگو اور گلوز نہ پہنوں۔'' اس کا دل چاہتا کہ وہ بھی اپنی مرضی سے فہد کی طرح اسکول جاتے ہی ٹوپی اتار کر بیگ میں رکھ لے اور گلوز کہیں گم کر دے۔

مگر اس کی ماما میں فہد کی اماں جیسی شرافت کہاں تھی۔ ان کی مشین جیسی زندگی میں پچکارنے، بہلانے اور سمجھانے کا وقت نہیں تھا، وہ سیدھے سیدھے اس کو بتا دیتی تھیں کہ اسے کب، کہاں کیا کرنا ہے اور اس ابتدائی وقت کی ٹریننگ نے علینہ کو بھی ایک چھوٹا سا روبوٹ بنا دیا تھا۔ کیوں اور نہیں کے الفاظ اس کے ہاں ختم ہو چکے تھے، بس سر جھکا کر مان لینے اور تقلید کرنے کی عادت پختہ ہو چکی تھی۔

''بارش!'' بادل سرما کی بارش کے دوران عام طور پر نہیں گرجتے تھے مگر اس روز بادل کسی اور ہی موڈ میں تھے۔ جب ہی ان کی گرج نے علینہ کو چونکا دیا تھا۔

''بارش تب بھی برستی تھی جب وقت کے گزرنے کے ساتھ ہم بڑے ہو رہے تھے۔'' اس نے سوچا۔ گریڈ ون سے ٹو، تھری، فور اور پھر وہ دن جب کلاسز علیحدہ ہونے کا وقت آ گیا۔ فہد جونیئر کیمبرج میں چلا گیا اور وہ سیدھا سادہ میٹرک کرنے میں مصروف ہو گئی۔

''علینہ اسٹوپڈ، اپنی ماما سے بولو تمہیں بھی جے سی جوائن کرنا ہے۔'' اسے یاد آیا۔ اس روز بھی بارش خوب برس رہی تھی جب اسکول سے واپسی کے دوران فہد نے اسے اکسایا تھا۔

''وہ نہیں مانتیں فہد، وہ نہیں مانیں گی۔'' علینہ کا بچپن بہت جلد رخصت ہو گیا تھا اور ایک عجیب قسم کی سنجیدگی اس کے چہرے اور لہجے پر حاوی رہنے لگی تھی۔

''افوہ یار، عجیب بودی چیز ہو تم۔'' وہ جھنجلا کر بولا تھا۔ ''موم کی ناک کی طرح جہاں تمہاری ماما موڑیں مڑ جاتی ہو۔ میں اماں سے کہتا ہوں تمہارے گھر جا کر انہیں سمجھائیں۔''

''کوئی فائدہ نہیں اس کا وہ فیصلہ کر چکی ہیں کہ مجھے میٹرک ہی کرنا ہے۔ انہیں بھی پتا ہے اور مجھے بھی، میں پڑھائی میں بہت اچھی نہیں ہوں، جے سی میں میرے گریڈز کبھی اچھے نہیں آ سکتے، میں پیچھے رہ جاؤں گی اور پھر بھی مجھے میٹرک ہی کرنا پڑے گا۔''

''تم نے انہیں یہ یقین دلایا کہ تم پڑھائی میں کمزور ہو، صرف محنت نہ کرنے کی وجہ سے۔'' وہ جھلا گیا۔ ''تم فیصلہ کر لو کہ تم سخت محنت کرو گی تو وہ بھی انکار نہیں کریں گی۔'' اس کی اس بات کے جواب میں وہ خاموش رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اسے وہ بات نہیں بتا سکے گی نہ ہی سمجھا سکے گی جو ماما کے مؤقف کی اصل وجہ تھی مگر فہد کی اماں اس بات کو دو لفظوں میں ہی سمجھ گئی تھیں اور ایسا اس وقت ہوا تھا جب وہ فہد کے اصرار پر ماما سے

بات کرنے آئی تھیں۔

''ضروری تو نہیں کہ ہر بچہ لیولز ہی کرے، علینہ کی ماما ایسا نہیں سمجھتیں تو اس میں بحث کی کیا بات ہے۔ وہ بہتر جانتی ہیں کہ علینہ کو کیا کرنا ہے۔'' انہوں نے فہد کو اس موضوع پر مزید بات کرنے سے روکتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں شاید تمہاری ماما بہتر سمجھتی ہیں مگر اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کوشش کر لی جائے یہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' اس نے اگلے روز علینہ سے کہا تھا اور وہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی۔

کلاسز بدل جانے سے اسکول میں ان کی رفاقت تقریباً ختم ہو گئی تھی مگر اسکول جانے اور واپسی کے لیے وین ایک ہی تھی اور اس دوران وہ اپنے دوستوں کو چھوڑ کر علینہ کے پاس آ بیٹھتا اور اپنے تمام معمولات یوں بتاتا جیسے علینہ کو وہ سب نہ بتانے سے کچھ نقصان ہو جائے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ اس کی سوچ بھی پختہ اور وسیع ہو رہی تھی اور علینہ غالباً لاشعوری طور پر اس کی تقلید کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ فہد کی پسند ناپسند علینہ کی پسند ناپسند بنتی جا رہی تھی۔ نوے کی دہائی میں جوان ہونے والے فہد کو ساٹھ اور ستر کی دہائی کی چیزیں متاثر کرتی تھیں۔

''چھوڑو یہ سب خرافات، تم ڈورز کو سنا کرو، ہینڈرکس، زیپلین، فلائڈ اور اے سی ڈی سی کو سنا کبھی تم نے، یار کیا کلاس ہے ان کی۔'' وہ علینہ کو مشورہ دیتا اور علینہ اپنی کلاس فیلوز کو انہی لوگوں کو سننے کا مشورہ دینے لگتی۔

''راک سنو یار راک۔'' وہ کہتی۔ ''مڈلینا اور یانی کو سنو، یوٹو کے نمبرز لیا کرو۔'' جب وہ اپنی دوستوں

سے کہہ رہی ہوتی تو اسے محسوس ہوتا جیسے اس کے لہجے میں فہد کے لہجے کا اثر آ گیا ہو۔

''لڑکیوں کو تو ریسز میں دلچسپی لیتے نہیں دیکھا میں نے کبھی، علینہ تم پہلی لڑکی ہو جو فارمولا ون ریسز دیکھتی ہو۔'' ابھی پچھلے دنوں ہی اس کی ایک کولیگ نے اس سے کہا تھا۔

اس وقت بھی اسے فہد کا خیال آیا تھا۔ فارمولا ون ریسز بھی اس نے فہد کی تقلید میں دیکھنا شروع کی تھیں جس کا خیال تھا کہ دنیا میں سب سے تھرلنگ چیز ایف ون ریسز ہیں یا پھر باسکٹ بال کے میچز۔

''فراری جیسی کوئی دوسری ٹیم ہی نہیں۔ میکلیرن تو دو نمبر ہے ہمیشہ دو نمبر رہے گی۔ ٹیم اسپرٹ ہی نہیں ہے ان میں، شوماکر کی وجہ سے فراری نمبر ون ہے۔ اس کی جگہ ریکنن نے لے لے گا اور الانسو کو دیکھا کسی نے؟'' علینہ کو خوب معلوم تھا کہ وہ جوش وخروش سے اس قسم کی گفتگو کس کی یاد میں کیا کرتی تھی۔ اس کی یاد میں جسے یہاں سے گئے چار سال گزر چکے تھے۔ نہ صرف وہ بلکہ اس کی اماں، ابا اور اس کی دونوں بہنیں یہاں سے اچانک ہی چلے گئے تھے۔ راتوں رات بغیر کسی سے الوداعی ملاقات کیے۔ یہ علینہ کی زندگی کا دوسرا بڑا جھٹکا تھا۔ پہلا جھٹکا اسے بابا کی وفات پر لگا تھا جب اپنے اور ماما کے تنہا رہ جانے کے احساس نے اسے بری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا تھا اور وہ اس احساس سے ایک عرصے تک نکل نہ پائی تھی اور یہ بات وہ کافی دیر بعد سمجھی تھی کہ فہد کی شخصیت میں اسے ایسا کیا محسوس ہوتا تھا جو وہ اس کی موجودگی میں اچھا محسوس کرتی تھی۔

بابا کے بعد پیدا ہونے والے عدم تحفظ کا احساس، اس نے بہت عرصے بعد فیصلہ کیا تھا۔ اس عدم تحفظ نے اسے فہد کی مضبوط اور پراعتماد شخصیت میں پناہ کا سا احساس دلایا تھا۔

اسے اپنے ماں باپ کی پیچیدہ زندگیوں کی بھی دیر تک سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ اتنے عرصے میں یہ بھی جان نہ پائی تھی کہ وہ اتنے تنہا کیوں تھے۔ بابا کی وفات سے پہلے بھی ماما اسپتال میں جاب کرتی تھیں اور بابا کے بعد تو یہ اور بھی ضروری ہو گیا تھا کہ وہ کام کریں۔ سو اسپتال کے بعد انہوں نے ایک پرائیویٹ کلینک میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا اور وہ رات دیر تک تنہا رہتی تھی۔ ان کا کوئی عزیز رشتے دار کیوں نہ تھا یہ ماما نے اسے کبھی نہیں بتایا تھا بلکہ حقیقت تو یہ تھی کہ ان کی رعب دار شخصیت کے خوف سے ایک آدھ مرتبہ کے علاوہ اس نے کبھی پوچھنے کی جرأت ہی نہیں کی تھی پھر اس کے پختہ ہوتے شعور اور اردگرد کے لوگوں کی دبی دبی چہ مگوئیوں نے اسے سمجھایا تھا کہ اس کے ماں باپ نے گھر والوں سے بغاوت کر کے محبت کی شادی کی تھی۔ اسی لیے ہی وہ اس طرح تنہا تھے، ان کا اصل شہر کون سا تھا، وہ یہاں کب سے رہ رہے تھے اور ان دونوں کے والدین ہی نے انہیں معاف نہیں کیا تھا۔ اس قسم کے سوالات کے جوابات کا اندازہ وہ اپنے دل میں ہی لگایا کرتی تھی، ماما سے سوال کرنے کی جرأت اسے کبھی نہ ہوئی۔

ان کی میل ملاقات بھی محدود تھی جس علاقے میں ان کا گھر تھا وہاں بھی فہد کے گھرانے کے علاوہ اِکا دُکا لوگوں سے ہی ان کی شناسائی تھی۔ فہد کے گھرانے سے زیادہ اس لیے تھی کیونکہ اس کی اماں بہت سمجھدار خاتون تھیں۔ انہوں نے نادیہ سے کبھی ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں سوال نہیں کیے تھے اور وہ نادیہ کی عدم موجودگی میں علینہ کا خیال بھی بہت رکھتی تھیں۔ وہ محبت کرنے والی نرم خو خاتون تھیں جب ہی نادیہ بھی علینہ کے معاملے میں ان پر اعتماد بھی کرتی تھیں۔

یہ ہی محبت اور ذہنی ہم آہنگی علینہ کا کل اثاثہ تھی مگر یہ اثاثہ جب اچانک چھن گیا تو اصل الفاظ میں علینہ کے دل کی دنیا درہم برہم ہو کر رہ گئی۔ کسی دوسرے سے اس کا تعلق نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ کسی اور سے

متعلق دل میں وہ جگہ محسوس ہی نہ کر پاتی تھی جو وہاں فہد اور اس کے گھرانے کے لیے تھی مگر وہ اس وقت تک بچپن کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی، اس نے اس گھرانے کے چھن جانے کا غم تنہا منا لینے کے بعد خود کو سمجھا لیا تھا کہ اب زندگی کو یونہی اسی ڈگر پر چلنا تھا اور شاید فہد اور اس کے گھر والے ماضی کا حصہ بن چکے تھے مگر اس روز اس کوکنگ پروگرام میں فہد کے ایک مرتبہ پھر سامنے آنے پر اس کے دل کا وہ بند دروازہ پھر سے وا ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

کھٹ، کھٹ، کھٹ کیمرا فلیش اس کے چہرے پر پڑنے کے ساتھ ساتھ ان کے چلنے کی آوازیں ہر طرف سے آ رہی تھیں۔ وہ لوگوں کے ہجوم میں گھرا ہوا تھا، اس کے سامنے مختلف مائک دھرے تھے اور اس سے کئی قسم کے سوال پوچھے جا رہے تھے۔ اسے کیا جواب دینا تھے۔ وہ کیا جواب دے رہا تھا، اس کی سمجھ میں قطعی نہیں آ رہا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ذہن کا ایک حصہ ماؤف ہو چکا تھا اور وہ حصہ جو ماؤف نہیں ہوا تھا وہ اسے احساس دلا رہا تھا کہ وہ بے جگہ تھا، جہاں وہ تھا اسے وہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جو وہ کر رہا تھا وہ اس کے کرنے کا کام نہیں تھا۔ جو وہ کہہ رہا تھا وہ اس کے کہنے کی باتیں نہیں تھیں جو اس سے پوچھا جا رہا تھا وہ اس سے نہیں پوچھا جانا چاہیے تھا۔ اس کا دل سارے ہجوم کو پیچھے ہٹا کر بھاگ جانے کو چاہنے لگا مگر اس حقیقت کا بھی اسے بخوبی ادراک تھا کہ وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شاید یہ جگہ، یہ کام، یہ باتیں اور یہ سوال اب اس کا مستقل مقدر بن چکے تھے۔ ان سے فرار آسان نہیں تھا بلکہ شاید ناممکن تھا۔ اس نے اپنے ذہن کو مکمل طور پر ماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لیے سر جھٹکا، اپنے اردگرد نظر دوڑائی اور اپنے منہ کے بالکل قریب رکھے مائک میں مضبوط آواز کے ساتھ بولنے لگا۔

''میرے شہید والد کا مشن میرا مشن ہے، میرے شہید بابا نے اپنی تمام عمر اس علاقے کے عوام کے لیے جدوجہد کرتے گزاری، مخالفین نے ان کے بہت سے خوابوں کو ان کے ساتھ ہی آسودۂ خاک کرنے کی کوشش کی ہے مگر میری آواز ان لوگوں تک پہنچانے کے لیے آپ سب کو میری آواز کے ساتھ آواز ملانا ہوگی۔ میرے شانہ بشانہ کام کرنا ہوگا۔ ہم سب مل کر شہید بابا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔'' نعروں کی گونج میں اس کی آواز دبنے لگی تھی مگر اس کے عقب میں کھڑے وقت کے منصوبہ سازوں کے دل بِکھلے جا رہے تھے۔ ان کے علاقے کی زمین قومی سطح پر ایک نئے رہنما کو متعارف کروانے جا رہی تھی۔

☆☆☆

عدنان نے اسے دو دن میں ہی فرصت کے لمحات میں سارا شہر دکھا دیا تھا۔ اسے وہ علاقہ پھر بھی نظر نہیں آیا تھا جو اس کی یادداشت میں محفوظ تھا، شاید اس کا بھی نقشہ بدل گیا ہے۔ اس نے مایوسی کے عالم میں سوچا۔ ایبٹ آباد آنے سے پہلے اس کے دل میں ایک نامعلوم سی خوشی سر اٹھاتی رہی تھی۔ وہ اس گھر میں ضرور جائے گا اور ان کے مکینوں سے ایک مرتبہ پھر ضرور ملے گا۔ وہ لوگ جن سے مل کر بی اماں جی بھر کر خوش ہوتی تھیں، اتنی خوش کہ ایسا خوش اس نے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا مگر یہاں آ کر اسے لگا جیسے سارے راستے گڈمڈ ہو گئے تھے اور حقیقت تو یہ تھی کہ بی اماں کی جو کزن یہاں رہتی تھیں ان کا نام تک اسے ڈھنگ سے یاد نہیں تھا مگر ان کا سراپا اور ان کے چہرے کے نقوش اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ اس کے ذہن میں موجود تھے اور ان کے گھر کا نقشہ بھی۔

"شاید یہ ہی وہ علاقہ تھا یار!" اپنی واپسی سے ایک دن پہلے یونہی گھومتے ہوئے نسبتاً اس پرانے علاقے میں پہنچ کر اس کے ذہن میں جھما کا سا ہوا اور اس نے عدنان کو مطلع کیا۔

"یہ پرانا علاقہ ہے مگر اب اسے نئے سرے سے بسایا جا رہا ہے تاکہ اسے بھی جدید سہولتوں سے مزین کیا جاسکے۔" عدنان نے جھٹ سے معلومات فراہم کیں۔

وہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک اس علاقے میں گھومتے رہے مگر وہاں حمزہ کو کوئی مانوس گھر نظر نہیں آیا۔ علاقے میں لوگوں نے اپنے گھروں کی نئے سرے سے تزئین و آرائش کر رکھی تھی شاید اس لیے بھی اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔

"یہ گھر" ایک گھر کی لوکیشن اور انداز و اطوار اسے دیکھے دیکھے سے لگ رہے تھے۔ اس نے اس کے سامنے رک کر اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ یہ گھر پرانا لگ رہا تھا اور آباد بھی۔ وہ نہ سہی شاید اس کے مکینوں کے بارے میں ہی معلومات مل جائیں اور اگر تکا لگ گیا اور یہ وہی گھر ہوا تو پھر تو کیا بات ہے۔ اس نے آزما لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔

"جی فرمائیں......" کچھ دیر بعد ایک معصوم سے چہرے نے گیٹ کے اوپر سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھیں محترمہ میں اس شہر میں ایک اجنبی ہوں، مجھے اسی علاقے کی ایک مکین کے بارے میں معلوم کرنا ہے۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا بتائے وہ اس کے گھر کے سامنے کیوں کھڑا تھا۔

"کون مکین؟" لڑکی نے گیٹ کی گرل پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"ان کا نام غالباً رابعہ کلثوم تھا۔" رابعہ تو اسے کچھ کچھ یاد تھا، کلثوم کا لاحقہ اس نے ...... یونہی ساتھ لگا دیا کیونکہ یہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ ان خاتون کے نام کے ساتھ کوئی لاحقہ ضرور لگتا تھا جہاں، بانو، خاتون یا پھر کلثوم اس کے ذہن میں یہی نام آ رہے تھے اور جو سب سے مناسب لگا اس نے وہی جوڑ دیا۔

"رابعہ کلثوم۔" لڑکی نے آنکھیں میچ کر آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

"وہ اپنی پوتی کے ساتھ رہتی تھیں یہاں، اس کا نام غالباً نہیں یقیناً میرال تھا۔" حمزہ نے اپنے ذہن میں محفوظ رہ جانے والی سب سے اہم یادداشت کو پیش کیا حالانکہ اسے یقین تھا کہ کسی کے بارے میں کچھ معلوم کرنے کے لیے یہ معلومات ناکافی تھیں۔

"اکیلی رہتی تھیں؟" لڑکی نے گرل پر ہاتھ رکھ کر اپنا چہرہ اس پر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔

"پوتی کے ساتھ اکیلی رہتی تھیں۔" حمزہ نے تصحیح کی۔

"وہ آرٹ اینڈ کرافٹ سینٹر کی انچارج تو نہیں تھیں؟" لڑکی نے یوں پوچھا جیسے کھوج کے اس کھیل میں اسے مزہ آنے لگا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ کوئی کام تو کرتی تھیں شاید یہی کام تھا وہ۔" حمزہ کو اپنے حافظے کی کمزوری اور ادھوری معلومات پر خاصا افسوس ہوا۔ یقیناً ان خاتون تک پہنچنے کی کوئی امید نہیں تھی۔

"میرال جونیئر برن ہال میں پڑھتی تھی؟" لڑکی الٹا اس سے سوال کرنے لگی۔

"جی پڑھتی تو تھی کہیں، کہاں یہ مجھے یاد نہیں۔" حمزہ نے مایوسی کے عالم میں کہا۔

"وہ بڑی اچھی ڈیبیٹر تو نہیں تھی؟" ایک اور سوال آیا۔

"پتا نہیں!" حمزہ نے سر ہلایا اس کے سامنے تو اس نے شاید ہی کبھی بات کی ہو۔

"بیڈمنٹن چیمپئن تو نہیں تھی......؟"

"معلوم نہیں۔" حمزہ کو ان سوالات سے وحشت ہونے لگی، کسی کی کھوج لگانے کا ان سوالات سے کیا تعلق تھا۔

"اوہ......" لڑکی نے مایوسی سے سر ہلایا۔ "پھر تو مجھے معلوم نہیں کہ آپ کس کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے!" حمزہ نے واپسی کے لیے مڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریں ذرا۔" پیچھے سے آواز آئی۔ "رابعہ صرف ایک ہی خاتون کا نام تھا جو اس علاقے میں رہتی تھیں۔ وہ آرٹ اینڈ کرافٹ سینٹر چلاتی تھیں یہاں اپنے ہی گھر میں یہ اُدھر۔" اس نے اپنے دائیں طرف اشارہ کیا۔ "اُدھر گھر تھا ان کا جواب ختم ہو چکا کیونکہ رابعہ آنٹی نے اسے بہت پہلے بیچ دیا تھا۔ وہ بالاکوٹ چلی گئی تھیں وہاں بھی کرافٹ سینٹر بنا رکھا تھا انہوں نے مگر ہم نے سنا ہے کہ اب وہ اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کی موت تین سال پہلے ہوئی ہے۔"

"اوہ......" حمزہ کے قدم زمین پر جم سے گئے۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اس دنیا سے اب تک جا بھی سکتی ہیں۔ بی اماں کی ہم عمر تو ہوں گی ہی پھر جب بی اماں کو دنیا سے گئے اتنے برس گزر گئے تو رابعہ جہاں یا رابعہ کلثوم جو بھی تھیں، وہ بھی ختم ہو سکتی تھیں۔

"اور میرال!" لڑکی نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ حمزہ نے بے اختیار سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

"میرال کے بارے میں سنا ہے کہ وہ اچانک وہاں کے منظر سے کہیں غائب ہو گئی۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ رابعہ آنٹی کے بعد کرافٹ سینٹر وہ چلائے گی مگر وہ راتوں رات کہیں غائب ہو گئی۔ اس کا کچھ پتا غالباً اب تک نہیں لگا۔ کرافٹ سینٹر لوکل گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔"

"غائب ہو گئی!" حمزہ کو شاید زندگی بھر اتنی شدت سے کوئی بات محسوس نہیں ہوئی۔ اس نے عجیب سی نظروں سے اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اس قصے کو کسی گوسپ کے سے انداز میں سناتے ہوئے غالباً مزہ لے رہی تھی۔

"محترمہ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ مجھے درست اطلاعات دے رہی ہیں اور انہی لوگوں کے بارے میں دے رہی ہیں جن کے بارے میں، میں نے آپ سے پوچھا ہے؟" اس نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں قدرے درشتی تھی جس نے لڑکی کو بھی سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"مجھے افسوس ہے اگر آپ کو برا لگا۔" اس نے نیچی آواز میں کہا۔ "لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو رابعہ آنٹی اور میرال یہاں رہتی تھیں ان کا یہی قصہ ہے۔" وہ غالباً اب محسوس کر رہی تھی کہ پوچھنے والا کوئی بہت ہی متعلقہ شخص تھا اور اسے یہ بات کسی اور طریقے سے بتانا چاہیے تھی۔ "میرے پاس رابعہ آنٹی اور میرال کی ایک تصویر بھی ہے، فہد کے برتھ ڈے کی، آپ رکیں میں آپ کو لا کر دکھاتی ہوں۔ شاید یہ وہ نہ ہوں جن کے بارے میں آپ نے پوچھا۔" اس نے گھبرا کر بات بنانے کی کوشش کی اور اسٹول جس پر وہ کھڑی تھی سے اتر کر اندر کی طرف بھاگی۔ اس کے جانے اور واپس آنے کے درمیان جتنا وقت حمزہ کو باہر کھڑے رہ کر گزارنا پڑا اس کا ایک ایک لمحہ اسے اذیت ناک محسوس ہو رہا تھا۔ لڑکی کے بھاگتے قدموں کی آواز سن کر وہ لاشعوری طور پر گیٹ کے قریب ہو گیا تھا۔

"یہ، یہ دیکھ لیں۔" لڑکی نے اسٹول پر چڑھ کر ایک تصویر اس کی طرف بڑھائی۔
"یہ دائیں سے چوتھی ہیں رابعہ آنٹی اور ان کے پیچھے میرال۔" حمزہ کے تصویر پکڑ لینے کے بعد اس نے انگلی کے اشارے سے بتایا۔

حمزہ کو خود بھی پتا نہیں چلا کہ وہ تصویر دیکھ کر اتنا اداس اور پریشان کیوں ہو گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن سے عرصہ دراز سے کوئی رابطہ نہیں تھا، ایبٹ آباد آنے سے پہلے اُن کا تصور بھی کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا یہاں آ کر ہی اسے ان کا خیال آیا تھا پھر وہ تصویر میں موجود ان مانوس چہروں کو دیکھ کر اتنا دکھی کیوں ہوا تھا۔ وہ خود کو بھی بتا نہیں سکا تھا۔

"اوہ......" وہ سڑک کے کنارے رکھے ایک اونچے پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے ساتھ کھڑا عدنان بھی تیزی سے اس کے قریب آ گیا اور گیٹ پر کھڑی لڑکی کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔
"پانی...... مس پانی ملے گا۔" عدنان نے حمزہ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے لڑکی سے درخواست کی۔
"سر کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟" اب وہ حمزہ کی طرف جھک کر اس سے پوچھ رہا تھا۔ حمزہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑی تصویر پر ایک نظر اور ڈالی۔

"its tragic" اس نے سر ہلایا، اسے محسوس ہوا وہ شاک کی سی کیفیت میں تھا۔ بہت سی پرانی باتیں، نصیحتیں، خواہشات اسے ایک، ایک کر کے یاد آنے لگی تھیں۔ وہ اتنا عرصہ کہاں رہا تھا۔ اسے وہ سب کیوں بھول گیا تھا۔ وہ خود کو کوس رہا تھا۔

☆☆☆

اسے اس ماحول میں آئے خاصا عرصہ گزر چکا تھا مگر وہ اس سے مانوس نہ ہو پائی تھی، اس کے مانوس نہ ہو سکنے کی وجہ بھی غیر فطری نہیں تھی۔ یہ ماحول اجنبی تھا، اسے اس سے نفرت کرنا سکھایا گیا تھا۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اس ماحول کا باسی، حرام پہنتا، حرام کھاتا، حرام پیتا ہے۔ ایک عمر کے وعظ و نصیحت کا اثر ختم کرنے کے لیے چند سالوں کا عرصہ بہت کم تھا۔ وہ اس ماحول میں رہتی تھی، روز جیتی روز مرتی تھی۔ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ اس کا دل رونا شروع کرتا اور اس وقت تک روتا رہتا جب تک چراغوں کی لو بجھا نہ دی جاتی۔ اس کے کان نامانوس آوازوں کا ساتھ دینے پر احتجاج کرتے اور مانوس آوازوں کو ترستے، مانوس شکلوں کو کھوجتے مگر مانوس آوازیں سنائی دیتی تھیں، نہ مانوس شکلیں نظر آتی تھیں۔

"اس جگہ سے فرار ممکن نہیں میری بٹیا۔ دنیا یہاں کے سائے سے بھاگتی ہے مگر جس پر اس جگہ کا سایہ پڑ جائے یہ اسے چھوڑتا نہیں۔ بھاگ کر جہاں جانے کی کوشش کرو گی یہ سایہ تمہارا پیچھا کرے گا۔ بہتر ہے کہ اسی کو اپنی تقدیر سمجھ کر قبول کر لو۔" تاؤ شریف طبلے کے پیچ کستے ہوئے اسے نصیحت کرتا۔
"تقدیر کیا ہوتی ہے، تاؤ شریف، قسمت کسے کہتے ہیں، مقدر کس بلا کا نام ہے؟" وہ فرش پر بچھے مخملیں قالین کے ڈیزائن پر انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھتی۔
"سب ایک ہی حقیقت کے نام ہیں بٹیا۔" تاؤ شریف اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھتا۔ "یہ حقیقت اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی، جو اچھی پڑ جائے تو موجاں ہی موجاں جو نہ پڑے تو......"
"جو نہ پڑے تو پھر کیا ہوتا ہے تاؤ شریف؟" وہ چونک کر کہتی۔
"پھر بٹیا!" تاؤ شریف اس کا سوال سن کر دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو جاتا۔ "پھر کیا... پھر بھی اسے

قبول کرنا پڑتا ہے جو قبول کرے اس کی موجاں ہی موجاں جو نہ کرے وہ بے چارہ دکھی ہی رہتا ہے۔ وہ دکھی رہتا ہے پر حقیقت نہیں بدلتی۔"
"آپ نے قبول کر لیا اپنی زندگی کی حقیقت کو تاؤ شریف؟" وہ عجیب سے لہجے میں پوچھتی۔
"نہ کرنے کا فائدہ کوئی نہیں، بٹیا رانی؟" تاؤ شریف ایک مرتبہ پھر اپنا کام چھوڑ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہتا۔
"دن رات کے چکر کو میں بدل نہیں سکتا۔ زندگی کا ایک دن بھی میں کم کر نہیں سکتا پھر جو دن مقدر میں لکھے ہیں ان کو پورا کرنے کا جو سامان اس کی ذات نے مہیا کر دیا ہے اسی پر راضی ہو جاؤں تو بڑی بات ہے۔"

اس پورے ماحول میں ایک تاؤ شریف اور دوسری ماسی جنداں کی ذات تھی جس میں اسے اکثر پناہ ملتی تھی۔ تاؤ شریف طبلچی تھا، ذات کا میراثی جسے در، در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد بہ مشکل یہاں پناہ ملی تھی اور ماسی جنداں جو یہاں کی پرانی ملازمہ تھی یہاں کا باورچی خانہ اس کی ذمے داری تھی اور وہ دن بھر گوشت، سبزی مسالوں میں الجھی رہتی تھی اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ وقت کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی خاطر دو لڑکے بطور کک اور بٹلر بھی یہاں بھرتی کیے گئے تھے مگر ماسی جنداں کی اعلیٰ منتظم صلاحیتوں کی وجہ سے اس کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ سکا تھا۔ جدید کک اور بٹلر بھی اس کے گنوں کے آگے پانی بھرتے تھے۔
"حُسن جو ہوتا ہے ناں پتر جی!" ماسی جنداں جا کفل کا چھلکا اتارتے اتارتے کبھی کبھار اسے بتاتی۔ "جانی دشمن بن جاتا ہے اکثر اوقات، حسن کی حفاظت کرنی پڑ جائے ناں تو ہر طرح کے کنجی تالے بھی ناکام ہو جاتے ہیں، یہ چھپائے نہیں چھپتا اور کبھی کبھار بڑا نقصان کر جاتا ہے۔ اب تم خود سوچو پتر جی، یہ حسن نہ ہوتا تو تم خاک پٹی کیا اِدھر ہوتیں کبھی۔ تمہیں تو ابھی خبر بھی نہ ہوئی کہ یہ جو چاند مکھڑا ہے تمہارا اسے کسی تالے کنجی کی ضرورت ہے کہ اس پر ڈاکا پڑ گیا۔ ہو گیا ناں نقصان، پر یہ بھی مقدر کی بات ہے، مقدر ٹھیک ہوتا تو یہ حسن کسی محل کی رانی بن کر موج کر رہا ہوتا، کسی لکھ پتی کی آنکھ کا نور بن گیا ہوتا مگر اس حسن کا جو قدرت نے تمہیں عطا کیا ہے، مقدر ہی یہ تھا کہ یہ ایک کے نہیں لاکھوں کے دلوں کو بہلائے، نذرانے وصول کرے دن رات، اسے قدر افزائی کہتے ہیں کہ خاک میں رُلنا، اللہ جانے پر یہ حُسن نہ ہوتا تو، تو ماسی جنداں تو بن سکتی تھی یہاں، زرنگار نہ بنتی کبھی۔"

"زرنگار!" وہ ایک نئی سوچ میں گم ہو جاتی۔ ایک نامانوس نام جبکہ اب تک اسے اس کا عادی ہو جانا چاہیے تھا مگر وہ دوسری ہر بات کی طرح... اس نام سے بھی مانوس نہ ہو سکی تھی اور وہ جو اس کا نام تھا جس سے ایک عرصے تک وہ پکاری جاتی رہی تھی، وقت کی دھول میں کہیں اٹ چکا تھا۔ وہ بھتیری کوشش کرتی کہ اس نام کی بازگشت سے جان چھڑا لے مگر ایسی ہر کوشش میں ناکام رہتی وہ محدود مگر آزاد ماحول کی پنچھی تھی جسے سنہری پنجرے میں مقید کر دیا گیا تھا۔ اس کے پر کاٹ دیے گئے تھے اور پرواز کی خواہش مارے جانے کی کوشش دن رات کی جاتی تھی۔ اس نے پریوں کی اور شہزادے شہزادیوں کی بہت سی کہانیاں پڑھ رکھی تھیں۔ اسے ان کی دنیا میں رہنے میں مزہ آتا تھا اور عمر کے اس دور میں جب اس کی ہم عمر لڑکیاں پریوں کی کہانیوں سے آگے نکل کر رومانس کی کہانیاں پڑھتی تھیں، وہ اس وقت بھی پریوں کی کہانیوں کے ہی نئے ایڈیشنز خریدا کرتی تھی۔ اسے وہ کہانی تو بہت ہی پسند تھی جس میں شہزادی کو ایک اونچے مینار میں قید کر دیا جاتا تھا اور شہزادہ اسے ملنے کی خاطر مینار پر چڑھنے کے لیے اس کے دراز بالوں کا سہارا لیتا تھا۔ اس نے یہ کہانی اتنی مرتبہ پڑھی تھی کہ اس کا

ایک، ایک لفظ اسے ازبر ہو چکا تھا۔ اب بھی جب وہ اس سنہرے محل میں قید ہو چکی تھی، اسے یہ کہانی بہت یاد آتی تھی مگر اس کا شعور اور سوچ کی پختگی اسے باور کراتی رہتی تھی کہ نہ تو اسے تلاش کرنے کے لیے کوئی شہزادہ وہاں آنے والا تھا اور نہ ہی اس کے بال اتنے دراز تھے کہ شہزادے کے اس تک پہنچنے کا وسیلہ بن سکتے۔ وہ حقیقتوں کے سب منظر جانتی تھی، وہ حال میں زندہ تھی اور اس کے تقاضوں کو سمجھتی تھی مگر یہ اس کا دل تھا جو انہیں مانتا نہیں تھا جس میں ہر دم ایک کسک سی رہتی تھی اور ایک تڑپ اس سنہری پنجرے سے آزاد ہونے کے لیے اسے کچھ کر ڈالنے پر مجبور کرتی تھی مگر وہ یہاں سے کس طرح نکل سکتی تھی۔ اس کا راستہ اور آگے کے راستوں کا نقشہ اس کی فہم میں نہیں آتا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں مگن اس حال میں زندہ تھی، نامانوس نام، نامانوس شناخت، نامانوس شکلوں اور نامانوس آوازوں کے درمیان طبلے کی گونج اور گھنگروؤں کی کھنک کے درمیان، جانثار ہوتی نظروں اور داد دیتی آوازوں کے درمیان، ام الخبائث کی بوتلوں اور حرام کے وتیروں کے درمیان۔

جب مقدر سو جائے تو آنکھیں جاگنے لگتی ہیں اور آنکھیں خواب سے خالی ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆

''حمزہ نے بتایا تھا کہ وہ ایبٹ آباد سے سیدھا لاہور آئے گا اور کچھ دن ہمارے ساتھ رہے گا۔ اس کی کمپنی نئے پروجیکٹس کے لیے فیزیبلٹی رپورٹس تیار کروا رہی ہے مگر ابھی تک تو اس کی آمد کی کوئی خبر نہیں ہے۔'' نگین نے اس رات اپنے ہاتھوں پر لوشن ملتے ہوئے اشعر سے کہا۔

''تم نے اس سے پوچھا نہیں، وہ ابھی تک ایبٹ آباد میں تو نہیں بیٹھا ہوگا۔'' اشعر اس وقت بھی کسی جرنل میں کھویا ہوا تھا، محض اس کی بات کا جواب دینے کے لیے بولا۔

''مجھے تو سارا دن فون کرنے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔'' نگین نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی مصروفیت کا ذکر کر گئی۔ ''رات آتی ہے تو یاد آتا ہے کہ کیا کچھ کرنے والا رہ گیا ہے اور رات گئے کسی کو فون کرنا اچھا نہیں لگتا۔''

''چھڑا چھانٹ تمہارا بھائی ہے حمزہ، اسے رات گئے فون کر لینے میں کوئی ممانعت نہیں۔'' اشعر اس کی مصروفیت والی بات گول کرتے ہوئے بولا۔

''چھڑا چھانٹ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، اس کی نہ جانے کیسی کیسی مصروفیات ہوں گی، کہاں وہ ٹھہرا ہوا ہے، اسے فون کرتے ہوئے تو سوچنا پڑتا ہے کہ نہ جانے کہاں بیٹھا ہوگا۔'' نگین نے رسانیت سے کہا۔

''لو بھئی میں کر دیتا ہوں اسے فون...... ابھی پوچھ لیتے ہیں موصوف کہاں ہیں؟'' اشعر نے اپنے موبائل پر نمبر ملاتے ہوئے کہا۔ حمزہ نے فون اٹینڈ کر لیا تھا اور اشعر اس کا احوال دریافت کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد بات کرنے کے بعد اس نے فون نگین کو دے دیا اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''تم رہ کہاں گئے، میں یہاں انتظار کر رہی ہوں؟'' نگین نے اس پر غصہ نکالا تھا۔

''کہاں چلے گئے تم؟'' پھر اس نے حیرت کا اظہار کیا۔ ''بالا کوٹ، وہاں کیوں، وہاں کیا کام ہے تمہیں؟''

''کون سا ضروری کام۔ کیا وہاں بھی تمہاری کمپنی کوئی پروجیکٹ شروع کر رہی ہے یا وہاں بھی کوئی سیمینار ہو رہا ہے؟''

''یہاں آ کر کیوں بتاؤ گے، ابھی بتاؤ ناں، وہاں کس سلسلے میں گئے تم؟'' اشعر سن رہا تھا۔ نگین مسلسل حمزہ سے دریافت کر رہی تھی اور یہ اس کی عادت تھی، وہ جس بات پر اٹک جاتی تھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

"اشعر کو فون دوں!" پھر اس نے کہا اور اشعر کی طرف دیکھا، اشعر نے ہاتھ بڑھا دیا۔

"تمہاری اس بہن کی بات کے پیچھے پڑنے کی پرانی عادت ہے، ڈونٹ یو وری۔" اس نے حمزہ کو مخاطب کیا مگر اسے اپنی اس چہکار کے جواب میں حمزہ کی آواز بجھی بجھی سی محسوس ہوئی۔

"کیا بات ہے یار...... خیر تو ہے؟" اب اسے بھی کسی غیر معمولی بات کا احساس ہوا۔

"کہاں جاؤں، مسلم ٹاؤن، اچھا تم ایڈریس لکھواؤ۔" اس نے بیڈ سائڈ ٹیبل پر ڈائری اور قلم پکڑتے ہوئے کہا۔ "کون صاحب ہیں یہ...... اور کیا کرتے ہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ "تم فکر مت کرو یار، میں صبح ہی جا کر پتا کروں گا۔" اس نے کہا۔ "میں وہاں ہی سے تمہیں کال کردوں گا اور اگر یہ صاحب مل گئے تو ان سے تمہاری بات بھی کروا دوں گا۔" اس نے فون بند کرنے سے پہلے کہا۔

"کیا بات ہے؟" نگین جو ہونقوں کی طرح یہ گفتگو سن رہی تھی، اس کا گھٹنا ہلا کر بولی۔

"حمزہ اتنا سنجیدہ اور پریشان اس سے پہلے کبھی نہیں لگا۔" اشعر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"مسئلہ کیا ہے، مجھے بھی بتائیں۔" نگین بے صبری سے بولی۔

"کوئی لڑکی ہے، میرال نامی اس کے لیے ایک ایڈریس بتا رہا تھا کہ وہاں سے جا کر اس کے بارے میں معلوم کروں اور یہ بھی کہہ رہا تھا کہ فوری جا کر پتا کروں۔"

"میرال۔" نگین چونک گئی۔ "یہ کون لڑکی ہے؟" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی، اسے کہاں سے ملی، کچھ یاد نہ آنے پر اس نے اشعر کی طرف دیکھا۔

"ملی کہاں، یہ لڑکی تو کہیں کھو گئی ہے۔ موصوف اس کی تلاش میں ہیں، اسی کی تلاش میں تو وہ بالا کوٹ تشریف لے گئے ہیں، اُن شیڈولڈ ورنہ تو ان دنوں اسے یہاں ہونا چاہیے تھا لاہور میں۔"

"یہ تو بہت ہی عجیب سی بات ہے، حمزہ اور لڑکی اور وہ بھی کھوئی ہوئی۔" نگین کو اس بات اور حمزہ کے مزاج میں کوئی مماثلت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"کیا معلوم حمزہ نے چپکے چپکے اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کر لی ہو، اس کی والدہ کو تو شاید ابھی فرصت ہی نہیں اس بارے میں سوچنے کی۔" اشعر نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"یہ ہو نہیں سکتا، حمزہ اپنے دل کی ہر بات مجھ سے ضرور کرتا ہے اور لڑکی ڈھونڈ لی تو وہ کہاں گئی، کھو گئی، یہ کیسے ممکن ہے؟" نگین نے زیر لب کہا۔ "آپ لڑکی کے بارے میں معلوم ضرور کریں، حمزہ بھی کسی غیر سنجیدہ بات میں نہیں الجھتا۔ اس کا مجھے یقین ہے۔" اس نے اشعر کو تاکید کی۔

☆☆☆

علینہ کو اس اجنبی کی حالت بھلائے نہیں بھول رہی تھی، جسے وہ رابعہ آنٹی اور میرال کے بارے میں بتا بیٹھی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ ان کے بارے میں پتا کرتا ان کے دروازے تک آ پہنچا تھا۔ رابعہ آنٹی کی کہانی زبان زدِ خاص و عام ہو کر قصۂ پارینہ بنے بھی عرصہ گزر چکا تھا اور اس بات کا امکان کبھی نظر نہیں آیا تھا کہ کوئی ان کے بارے میں یوں پوچھتا پاچھتا یہاں پہنچ جائے گا۔

رابعہ آنٹی گزرے دور کی یادگار تھیں۔ وہ اس علاقے میں رہنے والی واحد ایسی خاتون تھیں جو سگھڑاپے اور سلیقے کے تمام اسرار و رموز سے بخوبی واقف تھیں اور اس علاقے میں رہنے والی وہ مائیں جو اپنی بچیوں کو ان تمام اسرار و رموز سے واقف کرانا چاہتی تھیں وہ ان کو رابعہ آنٹی سے مستفید ہونے کے لیے ان کے پاس بھجوایا



مجھ سے ملیے

السلام علیکم! میں ارم رانی ہوں، میں زندہ دلانِ شہر لاہور میں تین اپریل کو ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئی۔ میرا نام میرے مرحوم تایا جان جو میرے خالو جان بھی تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے رکھا۔ ہم سات بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر تیسرا ہے۔ میں نے گریجویشن کی ہے اور آج کل ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کرتی ہوں، میں ایک حساس اور نرم دل رکھنے والی لڑکی ہوں، غلط بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی، جھوٹ اور منافقت سے نفرت ہے، میں سادگی پسند ہوں، میری پسندیدہ کتاب قرآن ہے۔ مجھے رنگوں میں کالا، سفید اور گلابی بہت پسند ہے۔ جیولری میں چوڑیاں اور رنگ پسند ہے۔ ویسے تو کھانے میں سب کچھ کھا لیتی ہوں لیکن اگر کھانا خوش ذائقہ ہو تو بہت اچھا لگتا ہے۔ کتابیں پڑھنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے، اچھی کتاب ایک بہترین ساتھی ہے جو آپ کو کبھی تنہا، مایوس اور دکھی نہیں ہونے دیتی۔ مجھے شاعری سے بھی لگاؤ ہے، خود بھی لکھتی ہوں، علامہ اقبالؒ، غالب، احمد فراز، پروین شاکر، اور وصی شاہ بہت پسند ہیں۔ کرکٹ بہت شوق سے دیکھتی ہوں مگر پاکستان میں جو کچھ کرکٹ کے ساتھ اور کرکٹرز کے ساتھ ہو رہا ہے، اس سے دل بہت دکھتا ہے، مجھ میں چند ایک خوبیاں اور بہت سی خامیاں ہیں، جن کا مجھے ادراک بھی ہے، میں بہت جلد دوسروں پر اعتبار کر لیتی ہوں، جس کے نتیجے میں دھوکا ملتا ہے۔ آپ لوگوں کی محفل میں آ کر مجھے تو بہت اچھا لگا۔ آپ بتائیں کہ آپ کو کیسا لگا؟..................ارم رانی، لاہور

کرتی تھیں۔ رابعہ آنٹی محبت اور نرم گفتاری کا مرقع تھیں اور علینہ کا ہمیشہ دل چاہتا تھا کہ وہ بھی ان کے پاس جائے اور ان سے وہ سب کچھ سیکھے جو ایک خزانے کی طرح ان کے پاس موجود تھا مگر علینہ کی ماما نے اسے ایسا موقع کبھی نہیں دیا تھا۔ رابعہ آنٹی سے ملاقات بھی فہد کے گھر ہی ہوا کرتی تھی۔ وہ فہد کی اماں کی اچھی دوست تھیں اور جب بھی زیادہ مہمانداری کے نتیجے میں انہیں ضرورت پڑتی، رابعہ آنٹی ہزار دل کے ساتھ ان کے ساتھ مصروفِ عمل رہتیں۔ فہد کے یہاں ہی اس نے رابعہ آنٹی کے ہاتھ کے بنائے کھانے کھائے تھے اور ان کے سگھڑاپے کے دوسرے نمونے بھی دیکھے تھے۔ وہیں اس کی ملاقات میرال سے بھی ہوئی تھی جو اور بہت سی خوبیوں کے علاوہ اپنی بے تحاشا خوب صورتی کی وجہ سے اسے بے حد باعثِ کشش محسوس ہوئی تھی اور وہ اکثر سوچا کرتی کہ اللہ تعالیٰ نے اکیلی میرال کو جو اتنا بے تحاشا حُسن دے رکھا تھا کیا ہی اچھا ہوتا، اس علاقے کی سب لڑکیوں میں برابر تقسیم کر دیتا، اس طرح کچھ تو اس کے حصے میں بھی آتا۔ میرال جونیئر برن ہال میں پڑھتی تھی اور ایک بے حد قابل اور ایکٹو طالبہ کے طور پر مشہور تھی۔

"علینہ تم نے کبھی میرال کا تلفظ سنا ہے، بہت عمدہ اور زبردست ہے۔" یہ بات بھی اسے فہد نے بتائی تھی۔ "کبھی اسے ڈیبیٹنگ کے مقابلے میں سنو، تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ تم نے کبھی اسے بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کھیلتے دیکھا ہے۔ یار کیا کمال کی لڑکی ہے۔" وہ کہتا اور علینہ کا بے اختیار دل چاہتا کہ کاش وہ میرال ہوتی اور فہد اسی طرح اس کی تعریف کر رہا ہوتا۔ اسے میرال ہر لحاظ سے قابلِ رشک لگتی۔ رابعہ آنٹی نے اپنے تمام ہنر بھی اس میں منتقل کر رکھے تھے یوں میرال کا نام اور ذکر ایک مثال کے طور پر لیا اور کیا جاتا تھا۔ کچھ

یوں کہ اپنی ہی صنف سے تعلق رکھنے کی بنا پر کبھی کبھی علینہ کو حسد بھی محسوس ہونے لگتا اور جب رابعہ آنٹی نے یکا یک اپنا آرٹ اینڈ کرافٹ سینٹر ختم کر کے یہاں سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تو جہاں سب لوگوں کو بہت افسوس ہوا اور سب ہی ان سے یہیں رہنے پر اصرار کرتے رہے تو علینہ کو اپنے دل میں ایک عجیب سی خوشی اترتی محسوس ہوئی اور اس نے مروتاً بھی ایک بار ان سے جانے کا فیصلہ بدلنے کو نہیں کہا۔

مگر جب اس نے رابعہ آنٹی کی وفات کے بارے میں سنا تو اسے دل میں بہت افسوس ہوا اور میرال سے بہت ہمدردی محسوس ہوئی اور جب آنٹیز کا گروپ میرال سے تعزیت کے لیے بالاکوٹ روانہ ہو رہا تھا تو اس کا بھی دل بہت چاہا کہ وہ ان کے ساتھ چلی جائے مگر اپنی ماما کے ڈر سے اس نے اس خواہش کا اظہار ایک بار بھی نہیں کیا لیکن جب یہ آنٹیز یہ خبر لیے واپس لوٹیں کہ رابعہ آنٹی کی وفات کے صرف دو دن بعد میرال راتوں رات وہاں سے غائب ہو گئی اور اب تک اس کی کوئی خبر نہیں، وہ ششدر رہ گئی، کالونی میں ان دنوں یہ خبر موضوع بحث تھی اور علینہ بھی دن کے کئی حصوں میں اسی سوچ بچار میں مصروف رہتی تھی کہ میرال کے ساتھ کیا ہوا ہوگا۔ وہ کہاں چلی گئی ہوگی، اسے کون ساتھ لے گیا۔ جب تک رابعہ آنٹی یہاں رہیں، مقامی لوگوں کے علاوہ شاید ہی کبھی کوئی ان سے ملنے آتا ہو۔ وہ خود تو ایک بار بھی ان کے گھر نہیں گئی تھی مگر اس نے کبھی کسی سے بھی یہ نہیں سنا تھا کہ ان کے کسی عزیز رشتے دار کو ان کے ہاں آتے جاتے دیکھا گیا تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رابعہ آنٹی کا تعلق کہاں سے تھا، وہ مقامی تھیں یا کہیں اور سے آ کر یہاں آباد ہوئی تھیں مگر میرال اسے جب بھی یاد آتی اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں۔

"کیا پتا خود ہی کسی کے ساتھ چلی گئی ہو۔" ایک خاتون رائے زنی کرتیں۔

"رابعہ آپا کو بظاہر کوئی بیماری بھی نہیں تھی پھر یوں آناً فاناً موت، کوئی وجہ تو ہوگی ناں اس کی۔" کوئی دوسری بھی لقمہ لگاتیں۔

"میرال بہت مختلف بچی تھی، اس کی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں کوئی غلط بات سوچنا بھی غلط ہوگا۔ نہ جانے بے چاری بچی کے ساتھ کیا بیتی ہوگی۔"

کسی کی رائے بالکل مختلف ہوتی۔ ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا کہ بالاکوٹ جانے کے بعد رابعہ آنٹی کس طرح اور کن لوگوں کے درمیان رہی تھیں، ان کی تعزیت کے لیے جانے والے گروپ کو یہ پتا چلا تھا کہ میرال نے ان کے کرافٹ سینٹر کا آدھے سے زیادہ انتظام سنبھال رکھا تھا اور وہ دونوں وہاں اچھی خوش باش زندگی گزار رہی تھیں۔

میرال کا کہیں چلے جانا بھی اتنے اچنبھے کی بات نہ ہوتی، لوگ سوچتے کسی عزیز رشتے دار کے ہاں چلی گئی ہوگی مگر یوں راتوں رات غائب ہونا بہت عجیب سی بات ہے۔ لوگ بات کرتے تھے اور یوں میرال کے غائب ہونے کا قصہ اچھی طرح زیر بحث رہنے کے بعد پرانا ہو کر ماضی کا قصہ بن گیا اور اب تک تو یہ بات سب بھول بھلا بھی چکے تھے۔ جب اچانک وہ لڑکا رابعہ آنٹی کو ڈھونڈتا ادھر آ پہنچا تھا اور ان کے متعلق غیر متوقع خبر سن کر اس نے جس ردعمل کا اظہار کیا تھا وہ یقیناً تعجب خیز تھا۔ علینہ نے اسے اندر سے پانی لا کر پلایا تھا اور اس سے انکل گلریز سے ملنے کا بھی کہا تھا۔ وہ رابعہ آنٹی کے بالاکوٹ میں ٹھکانے کے بارے میں اسے بتا سکتے تھے مگر یہ علینہ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ جب وہ لڑکا واپس جانے کے لیے اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا تو اس نے اس سے اس کا نام کیوں پوچھا تھا۔ جواب میں لڑکے نے بے دھیانی میں یا پھر شاید عادتاً اسے اپنا

وزیٹنگ کارڈ نکال کر تھما دیا تھا۔

"اگر ماما کو پتا چل جائے کہ میں اتنی دیر تک کسی اجنبی سے بات کرتی رہی ہوں تو......" علینہ نے سفید سادہ کارڈ پر سنہرے مہین الفاظ میں پرعطا اس اجنبی کا نام پتا پڑھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

A true friend is not like rain which pours and goes away a true friend is like air sometimes silent but always around you.

مہرزاد نے گلابی رنگ کے کاغذ پر سیاہ روشنائی میں لکھے ان الفاظ کو نہ جانے کتنی بار پڑھا تھا اور ہر بار پڑھنے پر اسے احساس ہوتا تھا کہ ایک مہذب پرسکون، صلح جو اور محبت کرنے والی دنیا سے بھی اس کا کوئی تعلق تھا اور وہ دنیا جس میں رہ رہا تھا اور جس سے اس نے عمر بھر فرار ہی چاہا تھا، ایک محدود دنیا تھی، جس کے باہر کی فضا کھلی، تازہ اور خوشگوار تھی مگر دوسرے ہی لمحے یہ احساس اسے جکڑ لیتا کہ وہ وقت کے ایک عبوری لمحے میں ہے، اس لمحے کے بعد اس کو یا تو یہاں ہی ٹھہر جانا تھا یا پھر واپس لوٹ جانا تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ دراصل اسے کیا کرنا تھا۔ اس ماحول کی پابندیوں، توقعات اور ادب آداب نے اس کی روح تک مسل کر رکھ دی تھی اور اس کی سمجھ نہیں آتا تھا کہ اس میں ٹھہر جانے کے بعد وہ زندہ کس طرح رہ سکے گا۔ دوسری طرف وہ دنیا تھی جو اس کی اپنی تھی، مانوس اور مہربان جس میں اس نے اب تک سانس لی تھی اور کامیابیاں حاصل کی تھیں، وہ ان دونوں دنیاؤں کے درمیان لٹک کر رہ گیا تھا۔

"مہر!" وہ اسی ادھیڑ بن میں تھا جب ایک مہربان اور مانوس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ یہ مہربان آواز اس کی اماں جان کی تھی وہ اپنے مخصوص سادہ لباس اور بڑی سی سوتی چادر میں ملبوس تھیں، وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگا۔

"بیٹھا رہ۔" انہوں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے کہا اور خود اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ وہ سر جھکا کر رہ گیا۔

"پریشان ہے؟" انہوں نے کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"مجھے تسلی دینے کی خاطر جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے بچے۔" انہوں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں جانتی ہوں تو پریشان ہے اور کس لیے پریشان ہے، میں یہ بھی جانتی ہوں، میں تیری ماں ہوں اور ماں کو سب پتا ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ماں کے احساسات مصلحت کی چادر اوڑھ کر وقت کے دھارے کا ساتھ دینے لگ جائیں، پتا تو پھر بھی اسے ہوتا ہی ہے۔"

"آپ کو کیا پتا ہے بھلا؟" اتنے ڈھیر سارے دنوں میں پہلی بار مہرزاد نے کسی کے ساتھ اپنی فرینکنس کو ایک ہوتے محسوس کیا تھا۔

"وہ سب جو تو سوچتا ہے، وہ سب جو تو چاہتا ہے، وہ سب جو نہیں چاہتا، تیری خواہشات، تیری امیدیں، تیرا احتجاج، تیرے انکار سب جانتی ہوں میں۔" ان کے لہجے میں کسی قسم کا انتشار کیوں نہیں تھا۔ مہرزاد کو ان کے پرسکون لہجے پر جھنجلاہٹ محسوس ہونے لگی۔

دعائیں حقیقت میں کبھی رائگاں نہیں جاتیں

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جہاں وہ دیکھتا ہے کہ دعا کی بعینہٖ قبولیت سے کائنات کے نظام میں خلل کا اندیشہ ہے تو وہاں وہ ویٹو پاور استعمال کرتا ہے لیکن وہ دعا کا پھل دینا نہیں بھولتا۔ وہ پھل ہمیں کہیں نہ کہیں سے، کسی نہ کسی صورت مل جاتا ہے لیکن ہم اکثر سمجھ نہیں پاتے اور ہم یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔

جہاں تک دعا کی قبولیت میں تاخیر کا تعلق ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ کائنات کا ہر ذرہ مقررہ وقت پر حرکت میں آتا ہے۔ دنیا میں مختلف واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں، کائنات کو اسکیل ڈاؤن کرتے ہوئے دنیا، دنیا سے ملک، ملک سے شہر اور شہر سے گھر پر لے آئیں۔ وہ دعا جو ہم مانگ رہے ہیں ہوسکتا ہے اس کا تعلق کسی اور شخص سے ہو۔ فرض کریں میں دفتر میں اپنی پروموشن کے لیے دعا کررہی ہوں۔ وہاں اسی پروموشن کا ایک اور شخص بھی امیدوار ہے۔ لہٰذا اگر میری دعا قبول ہوجاتی ہے تو اس شخص کی قسمت میں جو رزق لکھا ہے وہ اسے کیسے ملے گا؟ اب ہوگا یہ کہ میری دعا کی قبولیت سے پیشتر تو اس شخص کی پروموشن ہوگی یا پھر کسی اور جگہ اس کی بہتر جاب کا انتظام ہوجائے گا اور اس کے بعد میری پروموشن بھی ہوجائے گی۔ دو چیزیں ہم نے دیکھیں۔

1۔ دعا کا قبول ہونا۔

2۔ دعا کا پورا ہونا۔

کوئی بھی دعا قبول تو فوری طور پر ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص نے دعا کی۔ یا باری تعالیٰ مجھے بیٹا عطا فرمادے۔ اب دعا تو اسی لمحے قبول ہوگئی لیکن اس کے پورا ہونے میں ممکن ہے کہ ایک یا دو سال لگ جائیں۔

رب نے یہی فرمایا ہے۔ ”تمہارا رب دعاؤں کو سننے والا ہے۔“ دوسری جگہ فرمایا۔ ”تمہارا رب دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ لفظ ”سمیع“ اور ”مستجیب“ استعمال ہوا۔ دعا کے پورا کرنے کے بارے میں خاموشی ہے کیونکہ یہ منسلک ہے رب کی کائنات چلانے کی مصلحتوں کے ساتھ اور رب کی مصلحتیں صرف اس کے نبی کریم ﷺ ہی کو معلوم ہیں۔

ملازمت پیشہ افراد جانتے ہیں کہ تمام ممالک میں بجٹ کا مالی سال fiscal year کہلاتا ہے یا پھر کچھ اداروں میں اسے financial year کہتے ہیں۔ اسی طرح گھر بھی ایک بجٹ کے تحت چلتے ہیں، جو لوگ اپنی آمدنی کے مطابق گزر بسر کرنا چاہتے ہیں اور مقروض نہیں ہونا چاہتے۔ وہ بھی بجٹ بنا کر چلتے ہیں۔

رب ایک بجٹ بنا کر کائنات چلاتا ہے۔ اس کا بھی ایک fiscal year ہے۔ شب قدر کیا ہے؟ دعائیں کثرت سے قبول ہوتی ہیں۔ شب برات گویا یکم جولائی ہے۔ رب کے fiscal year کی جس میں سارے سال کا بجٹ بن جاتا ہے۔ یاد رکھیے تاخیر کا مطلب ہمارے نیک و بد ہونے، اللہ سے دور نزدیک ہونے یا پھر پیر صاحب کے کمزور یا طاقتور ہونے سے نہیں...... یہ کلیتاً رب کا اختیار ہے...... وہ اس کاروبارِ کائنات کے مطابق ایکشن لیتا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دعائیں کبھی رائگاں نہیں جاتیں اگر دعائیں پوری نہیں ہوتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوازا نہیں بلکہ اصل میں وہ اس دعا کے بدلے ہمیں مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔ کچھ اور نعمتیں ہمیں عطا کردیتا ہے۔ اللہ اپنے بندوں کو بے نیل و مرام نہیں لوٹاتا۔ ہمیشہ کچھ دے کر ہی لوٹاتا ہے۔

مرسلہ: روبینہ ظفر، ڈیرہ اسماعیل خان

”میں نے خان صاحب سے کہا تھا کہ مہرزاد کو اس ماحول میں ہی رہنے دیں، اسے آزاد فضاؤں کا عادی نہ بنائیں، اسے سخت جان اور پتھر دل بننے کے لیے اسی ماحول میں رہنا چاہیے۔ وہ کسی اور منزل کا مسافر بن گیا تو زندگی اس کے لیے مشکل ہوجائے گی مگر انہوں نے مجھے جاہل عورت سمجھ کر میری بات کو پانی نہیں ڈالا۔ خانوں کے بیٹے، سرداروں کے سپوت بڑے بڑے کالجوں، بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں۔ ان کے رہنے سہنے کا انداز انگریزوں جیسا ہوجاتا ہے۔ بڑے بڑے لوگوں کے سامنے وہ پینٹ کوٹ پہن کر انگریزی میں باتیں کرتے ہیں مگر یہ سب کرنے سے ان کے اندر کا خان اُن کے اندر کا سردار مر نہیں جاتا۔ یہ تیرے باپ کی منطق تھی، اس کے سامنے اپنے خاندان کی تاریخ تھی، تیرا دادا، تیرا پردادا، تیرا باپ، تیرے چاچے، تیرے ماے سب ہی یہ کچھ کرنے کے بعد بھی سردار ہی رہے، خان ہی کہلائے۔ وہ انگریز صاحب بہادر کے بچے نہیں بن گئے۔ پر اس کا کیا، کیا جائے کہ میں تیری ماں تھی اور میں نے تجھے اپنا دودھ پلا کر زندگی تیرے اندر ڈالی تھی۔ مجھے اپنے دودھ کے گنوں کا بڑی اچھی طرح پتا تھا۔ سیانے کہتے ہیں ماں کے دودھ کے ساتھ اس کی ساری سوچ بھی بچے کے اندر جاتی ہے۔ اس کے احساسات اور اس کے جذبات سب بچے کے خون میں رچ بس جاتے ہیں۔ مجھے اسی بات سے ڈر لگتا تھا، کوئی نہیں جانتا مگر ماں جانتی ہے کہ اس نے اپنے بچے کے خون میں کیا شامل کردیا ہے۔“

مہرزاد کو محسوس ہوا وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی ماں کو دیکھ اور سن رہا تھا۔ وہ بغیر پلک جھپکے ایک بچے کی سی حیرت کے ساتھ ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی جس ماں سے متعارف تھا اس کی زندگی کا رنگ ڈھنگ تو بہت مخصوص تھا۔ خانوں اور سرداروں کی بیویوں کا سا انداز، حکمرانی اور امورِ سلطنت کی باگ ڈور چلاتی عورت کا سا انداز، اپنے اونچے شملے والے شوہر کے مزاج، مشاغل اور مصروفیات کا ساتھ دیتی عورت جو خود بھی اسی قسم کے کسی دوسرے خاندان سے بیاہ کر ادھر آئی تھی اور اس ماحول میں بڑی خوبی سے رچ بس گئی تھی۔ مہرزاد کو ہمیشہ سے ان کی گود میں ممتا کی مخصوص گرمی محسوس ہوتی اور ان کے وجود سے ایک مخصوص سی خوشبو آتی محسوس ہوتی، ان دونوں احساسات کے علاوہ وہ اپنی ماں کو شاید ذرہ بھر بھی نہیں جانتا تھا مگر آج کا دن مختلف تھا، آج کے دن اس کی ماں اپنی ذات پر پڑے پردے ہٹا کر اس کے سامنے ایکسپوز ہونے کے لیے بیٹھی تھی۔ وہ اس سے وہ باتیں کررہی تھی جو اس نے آج تک کسی سے نہیں کی تھیں اور اس کے بعد بھی شاید یہ باتیں اسے کسی سے نہیں کرنی تھیں۔ وہ عورت جو اس کی ماں تھی اور جسے وہ خود بھی ایک کم تعلیم یافتہ عام سی عورت سمجھتا تھا وہ اس کے سامنے بیٹھی فلسفہ اور منطق سنا رہی تھی۔

”اس کا یقین مجھے اس لیے تھا کہ میرے اپنے ضمیر میں بغاوت تھی، یہ بغاوت میرے دودھ میں اتر کر تیرے خون میں شامل ہوگئی تھی مگر مجھے اس کا ڈر تھا کہ تیرے باپ کی اتنی ساری بیویوں میں سے کسی کے ہاں بھی میرے علاوہ اولادِ نرینہ ہونے کے باعث یہ وقت آنا ہی تھا۔ اس لیے میں کہتی تھی کہ تجھے اِدھر ہی رکھا جائے۔ اسی دنیا میں، اتنی ہی وسعت میں جتنی یہاں ہے مگر میری ایک بھی نہ مان کر تیرے لیے مشکل کھڑی کردی گئی ہے۔ یہ دنیا اتنی ہی سخت ہے مہر، یہ تجھے ہلنے کی بھی جگہ نہ دے گی۔ تیرا باپ فطری موت مرگیا ہوتا تو بھی شاید کوئی گنجائش نکل آتی مگر وہ تو شہید ہوگیا، اب شہادت کسی کو ملی یا نہیں یہ کسی کسی کے سوچنے کی بات ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ تو ایک شہید کا بیٹا ہے۔ اس علاقے کا سپوت ہے، حاکمیت قائم رکھنی ہے، اپنے خاندان کی ناک اونچی رکھنی ہے، تیرے لیے کوئی فرار نہیں مہر، تیرے لیے کوئی راستہ نہیں۔“ وہ اپنے دونوں ہاتھ چہرے

پر رکھ کر رو دیں۔ ”تجھے اپنا آپ بھول جانا پڑے گا۔ اپنی قربانی دینی پڑے گی۔ اپنا آپ پھونک دینا پڑے گا۔ اس نظام میں...... اس کا ایندھن بننا پڑے گا کیونکہ تیرے باپ کے قاتل زندہ ہیں، تجھے بدلہ بھی لینا ہے اور کسی کو اس علاقے میں آگے بھی آنے نہیں دینا۔ بڑے امتحان دینے ہیں تجھے، بڑی آزمائشوں سے گزرنا ہے مہر، تجھے ایک موت مر کر دوسری زندگی میں جانا پڑے گا۔“ اماں رو رہی تھیں اور مہر ان کے سامنے ششدر بیٹھا تھا۔

”یہ زندگی اور اس کے تجربے کیا ایک بے علم کو اتنا باعلم اور منطقی بھی بنا سکتے ہیں جتنا انہوں نے میری کم علم، کم فہم ماں کو بنا دیا ہے۔“ اس نے کچھ دیر یونہی انہیں دیکھتے رہنے کے بعد آگے بڑھ کر ان کے ہاتھوں کو ان کے چہرے سے ہٹا دیا۔ وہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ اس نے ان کے مضبوط وجود کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا بنا لیا اور ان کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ انہیں مضبوطی سے جکڑے ان کی پشت اپنے ہاتھوں سے سہلا رہا تھا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب وہ یوں ان کے قریب ہوا تھا۔ اس کے باپ کو مرے بیس دن گزر چکے تھے اور ان بیس دنوں میں ایک بار بھی وہ ان کے اس طرح قریب نہیں آیا تھا، حالات ایسے تھے کہ اسے زیادہ تر وقت باہر مردانے میں گزارنا پڑ رہا تھا اور عدت میں ہونے کی وجہ سے وہ باہر نہیں آ سکتی تھیں مگر یہ اتفاق تھا کہ وہ شدید تھکن کی وجہ سے آج تنہا اپنے کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے آیا تھا اور اتفاق سے وہ بھی ادھر آ گئی تھیں۔ ماں کا دل کیا ہوتا ہے اس روز اسے سمجھ میں آیا تھا۔ یہ دل کیسے خود ہی سب کچھ جان لیتا ہے، اسے اپنے بچے کے دل کا حال کیسے معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ کیسے کیسے تڑپتا ہے۔ یہ بھی اس روز ہی اسے پتا چلا تھا۔

وہ سمجھتا تھا کہ اس ماحول سے دور رہنے کی وجہ سے اس میں اپنے باپ، دادا کی سی بے حسی نہیں آ پائی مگر اس روز اسے احساس ہوا تھا کہ یہ بے حسی اس میں پوری طرح موجود تھی۔ وہ اتنے دن سے یہاں موجود تھا اور اس نے اپنی اس ماں کے پاس پندرہ، بیس منٹ بھی نہیں گزارے تھے جس کی بادشاہت چھن گئی تھی اور جس کے وجود کی اہمیت کی ضمانت صرف اس کا ان کی پشت پر موجود ہونا تھا۔ اس نے ان کے شانے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا۔

”جو بات آپ سوچ رہی ہیں وہ ایسے نہیں ہے، اب وقت بہت بدل چکا ہے۔ اب ہم چاہیں تو ان دونوں دنیاؤں کو ایک ساتھ لے کر چل سکتے ہیں، دونوں میں موجود رہ سکتے ہیں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ اگر مجھے اس دنیا میں داداگیری کرنی ہے تو کیا میں اس کے لیے پرانا لائحہ عمل اپناؤں گا۔“ اس نے تھوڑا پیچھے ہٹ کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کی نظروں میں سوال تھا۔

”پھر کیا کرو گے؟“ اس سوال میں ایک خوف بھی پوشیدہ تھا۔

”آپ فکر مت کریں، میں روایات سے بغاوت کرنا پسند نہیں کرتا لیکن اگر یہ من کے خلاف اَن چاہی ہی سہی ذمے داری مجھ پر آ ہی گئی ہے تو میں اسے اپنی مرضی سے نبھاؤں گا۔ میں انسان کے شعور اور جبلت کا گلا گھونٹنے اور اس کی خواہش پر کلہاڑا چلانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جنگل میں جنگل کا قانون چلانے والی باتیں پرانی ہو چکی ہیں، انسانوں کی بستی کو جنگل قرار دینے والوں کے ذہنی دیوالیہ پن کو نظروں کے سامنے لانے کا وقت ہے اور یہ میں لاؤں گا۔ آپ مجھے کسی بھی موقع پر کسی بھی موڑ پر کم ہمت اور پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں پائیں گی۔ میں نے زندگی میں اور کچھ سیکھا ہو یا نہ ہو، ایک بات ضرور سیکھی ہے یا تو میدان جنگ میں آؤ

ہی نہیں لیکن اگر آ جاؤ تو اگلی صفوں میں موجود رہنے کی کوشش کرو۔ اپنے گھوڑے کی باگیں مضبوطی سے تھامے رہو اور اسے پیچھے کی طرف منہ کر کے بھاگنے کی عادت نہ ڈالو، جان گنوا لو یا جان لے لو مگر جان گنوانے کا اصول بھی یاد رکھو، زخم تمہارے سینے پر ہونا چاہیے پشت پر نہیں۔“

وہ آنکھیں کھولے اپنے اس بیٹے کو اس قدر ٹھہرے ہوئے اور مضبوط لہجے میں بولتے سن رہی تھیں۔ وہ اس غیر متوقع ردعمل پر اتنی حیران تھیں کہ ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو بھی رک گئے تھے۔ وہ تو اس کے جذبات کو سمجھنے اور اسے یہاں سے فرار ہو جانے کی نصیحت کرنے آئی تھیں، اسے یہ باور کروانے آئی تھیں کہ روایات اور عزتیں کتنی ہی بلند اور اہم کیوں نہ ہوں مگر وہ اسے ان کی بھینٹ چڑھنے نہیں دیں گی کیونکہ وہ ان کے جگر کا ٹکڑا تھا اور جب جگر پر زد پڑتی ہے تو انسان سب مفادات سے بالاتر ہو کر اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اسے اس جنگل اور جنگل کے قانون سے فرار ہو جانے کی ترغیب دینے آئی تھیں مگر وہ تو انہیں کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

”آپ سردار مراد علی خان کی بیوی کی حیثیت سے اس علاقے کی حکمران تھیں، اب آپ سردار مہر زاد علی خان کی والدہ کی حیثیت سے یہاں کی حکمران رہیں گی۔ کسی قسم کی کمزوری دکھانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ بس میرے لیے یونہی دعا گو رہیں تاکہ مجھے کسی اور بات کا اعتبار ہو نہ ہو، اتنا یقین ضرور ہو کہ میری پشت پر میری ماں کی دعائیں موجود ہیں جن کا حصار مجھے کہیں بھی نیچا نہیں ہونے دے گا۔“

ان کا دل مدت کے بعد جوان ہو گیا تھا، اس نیم مردہ تن میں جیسے نئی جان پڑ گئی تھی۔ اس شکستہ دل اور مردہ تن کا بوجھ اٹھائے وہ کئی سالوں سے یونہی جیسے چلی جا رہی تھیں مگر ان کے جوان بیٹے کے مضبوط لہجے نے انہیں گویا زندگی کی نوید سنا دی تھی۔ ان کا دل لمحہ بھر کو جھوم اٹھا مگر اگلے ہی لمحے انہیں کئی تلخ حقیقتیں اور خطرناک ترین عزائم یاد آ گئے۔ پیچ در پیچ الجھے مسائل، منفی رویے اور عیارانہ ذہن، کیا وہ اپنے اس جوان بیٹے کو ان سب میں جھونک دیں گی

”نہیں......“ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”تو یہاں سے بھاگ جا، سنبھالنے دے اپنی برادری کے مردوں کو اپنے شملے اور حکمرانی، تو بھاگ جا مہر بھاگ جا۔“

”میں نے آپ کو ساری بات تو بتائی ہے، میں نے زندگی میں اور کچھ سیکھا ہو نہ ہو جو سیکھا ہے اس سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔“ اس نے ان کا ہاتھ دبا کر کہا۔ ”آپ اپنی ساری فکریں اور پریشانیاں مجھے دے دیں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

انہیں لگا وہ سب چیزیں جو سردار مراد کے مرنے کے ساتھ درہم برہم ہو گئی تھیں، واپس اپنی جگہ پر آ کھڑی ہوئی ہوں۔ انہوں نے اپنے شانوں سے سب بوجھ ہٹا کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر عزم تھا اور سکون بھی۔

☆☆☆

"my heart is a territor conquered by you, now its up to you to make it a stronghold and be its monarch for ever"

”میرا دل تمہارا مفتوحہ علاقہ بن چکا ہے، اب یہ تم پر منحصر ہے کہ اسے اپنا مضبوط قلعہ بنا کر ہمیشہ کے لیے

اس کی حکمران بن جاؤ۔“

اس نے اپنے موبائل کی اسکرین پر روشن یہ الفاظ پڑھے اور زیرِلب مسکرا دی۔ زندگی کی تلخیوں کے درمیان ایسا ٹھنڈا اور پُرسکون احساس، اس کا کبھی کبھار ہونا بھی غنیمت تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جس ماحول سے اس کا تعلق بن چکا تھا اس سے کوئی باہر کا بندہ تعلق جوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کا حسن نمائش بن چکا تھا اور اس کی تعلیم و تربیت سے کسی کو کوئی غرض نہیں تھی، وہ آزاد فضاؤں میں اُڑنے کی عادی تھی مگر اس کے پر قینچ کردیے گئے تھے۔ طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی گونج، آواز کے رس اور حسن کے جلوے دیکھنے کے لیے ادھر آنے والوں کو اس دل کے حال سے کیا غرض ہوسکتی تھی جو کب کا مرچکا تھا، ہاں مگر وہ جو شاید کسی اور منزل کا بھٹکا ہوا مسافر تھا اور راستہ پوچھنے کی غرض سے ادھر آگیا تھا اس کی نظر نہ حسن کے جلوؤں پر پڑی نہ کان طبلے کی تھاپ، گھنگروؤں کی گونج اور آواز کے رس پر گئے۔ اس نے تو وقت کی راکھ میں دبے اس دل کو دریافت کرلیا جو اس کے خیال میں دنیا کا سب سے خوب صورت دل تھا اور اس دل کی مالک وہ لڑکی دنیا کی سب سے اچھی لڑکی...... جب ہی تو اس نے کہا تھا۔

”میرا دل تمہارا مفتوحہ علاقہ ہے۔“ وہ اس کی باتیں یاد کرکے بے اختیار مسکرا دیتی اور اس میں آنے والی اس تبدیلی کو کوئی بھی سمجھ نہ پایا تھا ماسوائے تاؤ شریف کے جس کی اپنی کہانی اسی لڑکی کی کہانی سے ملتی جلتی تھی۔ وہ اس مسکراہٹ کی وجہ کے بارے میں قیاس کرسکتا تھا مگر وہ ایسا قیاس کرنے سے ڈرتا تھا۔ اس کے سفید بالوں اور چہرے کی جھریوں میں عمر اور تجربے کا رس گھلا تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسی مسکراہٹ کی تاریخ کیا ہوتی ہے۔ یہ کن حالات سے شروع ہوکر کن نتائج پر ختم ہوتی ہے، معصوم اور بے پروا بے مثال حسن کی مالک اس لڑکی سے اسے عجیب سا لگاؤ تھا، وہ دل ہی دل میں اسے اپنی ذمے داری سمجھتا تھا۔ گو اس ماحول کے اصول اور ڈھنگ کو نظر میں رکھتے ہوئے اس نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا مگر وہ خاموش رہتے ہوئے بھی اس کے ہر معاملے پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اسے بہت اچھی طرح معلوم تھا کہ مسکراہٹ کی یہ کہانی کب اور کہاں شروع ہوئی تھی۔ اس سنہری محل میں آنے والوں میں وہ کون ایسا منفرد شوقین تھا جس نے ایک تماشائی کی نظر زرنگار پر نہیں ڈالی تھی بلکہ شاید اس نے اس کے چہرے اور جوانی پر ایک بھی نظر نہیں ڈالی تھی۔ وہ جتنی مرتبہ یہاں آیا غائب دماغی کی کیفیت میں بیٹھا رہا، وہ بہت سی چیزوں کا شوقین نظر نہیں آتا تھا مگر اس ماحول میں موجود نظر آنے کے لیے ہر چیز سے شوق فرماتا تھا مگر وہ عادی معلوم نہیں ہوتا تھا۔ شروع شروع میں تو وہ تاؤ شریف کو کوئی جاسوس لگتا جو اس ماحول کے متعلق معلومات جمع کرنے کی غرض سے اِدھر آتا تھا اور ہر ایک چیز پر خاموش نظر رکھتا تھا مگر دو مرتبہ کے بعد تیسری مرتبہ اِدھر کیوں آیا تھا۔ یہ تاؤ شریف کی گھاگ نظروں نے فوراً پالیا تھا پھر اس نے اس کی نظروں کا تعاقب شروع کردیا، یہ بہت آسان تھا، کسی بھی محفل کے دوران اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہ جس جگہ بیٹھتا تھا وہ اتفاق سے اس آنے والے کے عین سامنے ہوتی یوں اس کی نظروں کا تعاقب آسان ہوگیا تھا۔ وہ زرنگار کے لیے وہاں آتا تھا۔ اسے معلوم تھا مگر اسے زرنگار میں کیا بھایا تھا، اس کا حسن، اس کی مسکراہٹ، معصومیت یا کچھ اور...... وہ کس چیز کا خریدار تھا اس کے جسم کا یا اس کی روح کا۔ تاؤ شریف اندازے لگانے کی مدت میں ہی تھا کہ زرنگار کی ایک رات کے لیے اس نو وارد کی طرف سے پے منٹ پہنچ گئی۔

(جاری ہے)

مذاق

راحت وفا

”امی جی، آپ نے مجھے بلایا تھا؟“ سحر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

”آؤ بیٹھو۔“ ماں کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی دیکھ کر وہ پریشان ہوگئی۔

”امی خیر تو ہے، سب ٹھیک ہے ناں؟“

”یہ کیا ہے؟“ امی نے اس کے سامنے ایک کتاب رکھی۔ اس نے جھک کر دیکھا۔ کھلے صفحے پر نظر پڑتے ہی اس کا رنگ اُڑگیا۔ پاؤں تلے سے



زمین نکلنا کیا ہوتا ہے آج اسے سمجھ میں آیا تھا۔

''امی جی......'' وہ لڑکھڑاتی زبان سے گویا ہوئی۔ ''یہ تو مذاق......'' ماں کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''پلیز امی۔'' وہ ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ''مذاق تھا یہ...... میری سہیلیاں مذاق، مذاق میں ایسے ہی نام لکھ رہی تھیں تو میرا بھی لکھ دیا ورنہ کوئی بات نہیں ہے۔''

''انہیں یہ نام کس نے بتایا؟'' ماں کی آواز سرد تھی۔ سحر کے پورے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اب اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکل سکا تھا۔

☆☆☆

میٹرک کرنے کے بعد سحر نے جب کالج میں داخلہ لیا تو اسے ساری دنیا بدلی لگ رہی تھی۔ اس کی تین اسکول کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ تھیں۔ یوں اجنبیت کا احساس کچھ کم تھا۔ اسکول کے محدود ماحول سے نکل کر کالج کے کھلے ماحول میں آنا اسے بہت اچھا بھی لگا تھا۔ چند دنوں میں ہی وہ باقی لڑکیوں سے گھل مل گئی تھی۔

سحر کے گھر کا ماحول روایتی سا تھا۔ جہاں مرد کو ہمیشہ فوقیت دی جاتی۔ اس کے والد تو میٹرک کے بعد لڑکیوں کو آگے بڑھانے کے حق میں ہی نہیں تھے۔ سحر نے بہت اچھے نمبر لیے تھے اس لیے دادی کی سفارش سے اسے لڑکیوں کے کالج میں داخلے کی اجازت مل گئی تھی۔

☆☆☆

کالج کی لڑکیاں اسکول کی لڑکیوں سے مختلف تھیں۔ ایک فرق ضرور تھا جو بہت نمایاں نہیں تھا مگر محسوس ہوتا تھا۔ سفید یونیفارم کے ساتھ گلابی دوپٹا نہ محسوس ہونے والا قدرتی انداز کا میک اپ اور آنکھوں کا گہرا کاجل دیکھنے والے کو چونکا دیتا تھا۔ سحر اور اس کی سہیلیاں ایک ہی ماحول سے آئی تھیں۔ اس لیے ابھی ان پر نیا رنگ نہیں چڑھا تھا۔ کچھ گھر کا ماحول اور دادی کی نصیحتیں اسے ہر وقت یاد رہتی تھیں۔ اب پرانی سہیلیوں کے علاوہ دو لڑکیاں اور اس کی دوست بن گئی تھیں اور ان کا چھ لڑکیوں کا گروپ بن گیا تھا۔

☆☆☆

کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ ایک دن ٹیچر چھٹی پر تھیں ساری کلاس فارغ بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ وہ بھی ذرا الگ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ ایک لڑکی جس کا نام نمرہ تھا اور وہ کافی بولڈ سی تھی اچانک ان سے مخاطب ہوئی۔

''اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم لوگوں میں سے کسی کی منگنی ہوئی ہے یا کہیں رشتے کی بات چل رہی ہے؟'' سب نے نفی میں سر ہلایا۔

''یار روز کسی نہ کسی لڑکی کی منگنی ہو جاتی ہے، ایک ہمارا گروپ ہی ماٹھا ہے۔ اچھا چلو بتاؤ کس کس کے ینگ کزنز ہیں جن کے ساتھ رشتہ ہو سکتا ہے۔ ہم خود ہی جوڑ ملاتے ہیں۔'' نمرہ جوش سے بولی پھر آہستہ آہستہ سب کو یہ کھیل بہت دلچسپ لگا۔ نمرہ نے کتاب پر سب کے نام لکھے۔ لڑکی کے نام کے ساتھ اس کے کزنز کے نام پوچھ پوچھ کر لکھے جو نام سب سے زیادہ اچھا لگتا اسے مسز کے ساتھ لکھ لیا جاتا۔ سحر کے سارے کزن شادی شدہ تھے سوائے ایک پھپو کے بیٹے کے جن کے ساتھ ان کا کم ہی میل جول تھا۔ وجہ نند بھابی کا روایتی جھگڑا تھا سو سحر کے گھر والے کم ہی ان کی طرف جاتے تھے سوائے دادی کے۔

''بھئی میرا کوئی کزن کنوارا نہیں ہے۔'' سحر نے کہا۔ ''لہٰذا میرا نام کاٹ دو۔''

''یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کوئی دور پار کا کزن نکالو اور فوراً نام بتاؤ۔'' ان سب کے اصرار پر آخر سحر نے پھپو کے بیٹے افتخار کا نام بتا دیا۔ نمرہ نے جب اس کا نام سحر افتخار لکھا تو سب کو ایک دم پرفیکٹ لگا۔

ناموں کا سلسلہ چلتا رہا۔ سب ایک دوسرے کو مسز کے نام سے ہی پکارتیں مگر یہ احتیاط کی جاتی تھی کہ کسی کے سامنے نہ لیا اور کسی کتاب یا کاپی پر نہ لکھا جائے آہستہ آہستہ ان کی یہ عادت پکی ہوتی چلی گئی۔ اب وہ سیکنڈ ایئر میں تھیں۔

☆☆☆

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

عید کی چھٹیاں تھیں۔ پھپو کی فیملی ایک عرصے بعد ان کے گھر آئی ہوئی تھی۔ دادی کو اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ پھپو کی بڑی بیٹی رابعہ اس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ نمرہ کا فون آ گیا۔ وہ دوسرے کمرے میں لینڈ لائن فون سننے چلی گئی۔ واپس آئی تو رابعہ اس کی کورس کی کتاب دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے کتاب بند کر دی اور پھر اسی شام پھپو کے گھر والوں کے واپس جانے کے بعد امی نے اسے اپنے کمرے میں بلا لیا اور اس کی وہی کتاب اس کے سامنے رکھ دی۔ جس پر لکھا ہوا ''سحر افتخار'' صاف نظر آ رہا تھا۔ پتا نہیں کس سہیلی نے بے دھیانی میں لکھ ڈالا تھا۔ ماں کے سامنے وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

''امی جی، میرا یقین کریں یہ صرف مذاق ہے۔''

''رابعہ نے اپنی ماں کو یہ دکھا دیا ہے۔'' ماں کے انکشاف پر اس کے ہوش اڑ گئے۔

''اگر ابو کو پتا چل گیا تو؟'' مارے خوف کے اس کی ٹانگیں کانپنے لگیں۔

☆☆☆

اس کا خوف سچ ثابت ہوا۔ پھپو نے اپنے بھائی کو ساری بات مرچ مسالا لگا کر سنا دی تھی۔ اسے کالج چھوڑ دینے کا حکم مل گیا۔ پھپو اگلے ہی

ہفتے اپنے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگنے چلی آئی تھیں۔ وہ بہت روئی چیخی، کھانا پینا چھوڑ دیا، ماں نے اس کا انکار باپ تک پہنچا دیا تو باپ نے اپنے پاس بلوا لیا۔

''کیا خرابی ہے اس رشتے میں...... پڑھا لکھا ہے اپنا جنرل اسٹور چلا رہا ہے اور کیا چاہیے تمہیں؟''

''ابو جی۔'' وہ باپ کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ ''پھپو کے گھر نہیں...... اس کے علاوہ آپ جہاں چاہیں میرا رشتہ کر دیں۔''

''تو پھر......؟'' باپ کی زبان سے الفاظ نہ نکل سکے۔ حجاب آڑے آ گیا۔

''اگر آپ کو اپنی بیٹی پر اعتماد ہے تو یقین کریں۔ وہ محض مذاق تھا۔ میری دوستوں نے ایسے ہی لکھ دیا تھا۔'' باپ چند لمحے بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھتے رہے۔

''ٹھیک ہے، تم جاؤ۔ وہاں تمہارا رشتہ نہیں ہوگا۔'' وہ خوش ہو گئی۔

''اور ابو جی کالج؟'' وہ جاتے جاتے پلٹی۔

''نہیں...... جتنا پڑھ لیا ٹھیک ہے گھر پر ماں کا ہاتھ بٹایا کرو۔'' لہجہ اتنا فیصلہ کن تھا کہ وہ بول ہی نہ سکی۔

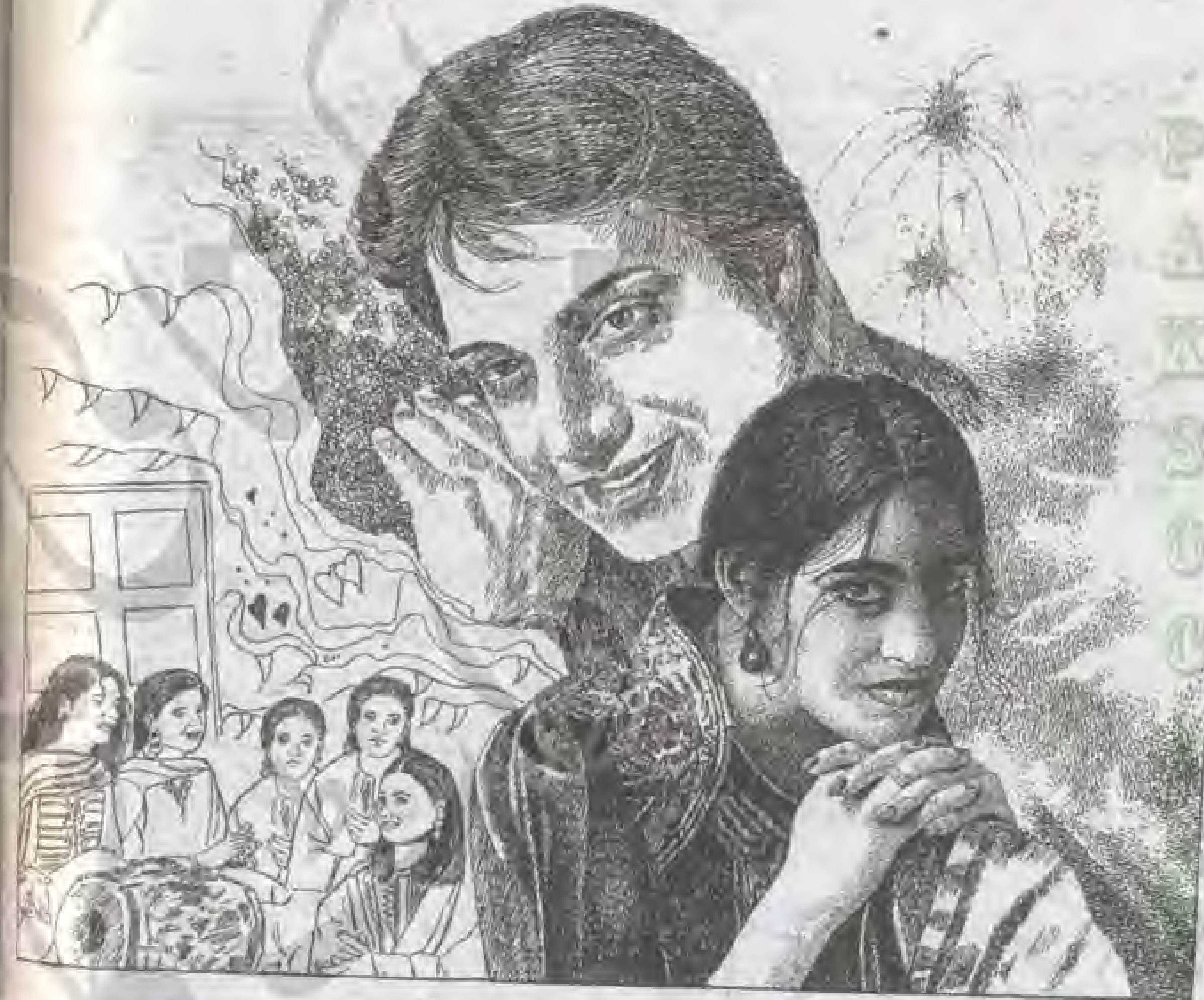
☆☆☆

''لڑکیوں کو بہت محتاط رہنا چاہیے۔ ذرا سی بھول ناقابل تلافی نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔'' امی اسے سمجھا رہی تھیں۔ ''شکر کرو اس رشتے سے جان چھوٹ گئی۔ باقی رہی بات پڑھائی کی تو اپنی غلطی کا خمیازہ تو تمہیں بھگتنا ہی پڑے گا۔ ہاں بس اتنی اجازت دے دی ہے تمہارے باپ نے کہ پرائیویٹ طور پر انٹر کر لو۔'' ان کی بات سن کر وہ سر جھکائے بیٹھی سوچتی رہ گئی کہ اک ذرا سا مذاق اس کے سارے خواب توڑ گیا تھا۔

ناولٹ

کُلا شاہ کُلا

صائمہ اکرم



میرا بابو چھیل چھبیلا...... میں تو ناچوں گی
میرا بلما رنگ رنگیلا...... میں تو ناچوں گی

جنید جیسے ہی گھر میں داخل ہوا چھوٹی چچی کو اپنی چالیس انچ کی کمر پر ہاتھ رکھ کر بھاری بھرکم وجود کے ساتھ سامنے والان میں رقص کرتے دیکھ کر ایک لمحے کو تو حواس باختہ ہی ہو گیا حالانکہ اس کے لیے یہ منظر قطعاً نیا نہیں تھا۔ مسرت چچی پورے خاندان کی سب سے زیادہ زندہ دل، شوخ اور کڑاکے دار خاتون سمجھی

جاتی تھیں۔

پورے گھر میں چونکہ ڈیک اونچی آواز میں بج رہا تھا۔ اس لیے اس شور شرابے میں ان کی آمد کی خبر کسی کو نہیں ہو سکی تھی۔ اس کے پیچھے سکھر والی ریشماں پھپو کا پورا جنجال پورہ تھا جن کو وہ ابھی ابھی ریلوے اسٹیشن سے لے کر ہانپتا کانپتا گھر پہنچا تھا۔ اس کے سر پر پھپو کے جہیز کا سفید لوہے کا ٹرنک اور بائیں ہاتھ میں پانی کا کولر تھا۔ دایاں ہاتھ ٹرنک پر رکھے وہ باقاعدہ کسی کشتی کی طرح ڈولتا ہوا گھر میں داخل ہوا تھا۔

وہ دل ہی دل میں دادی کو ہزار دفعہ خراج تحسین پیش کر چکا تھا۔ جن کی فرمائش پر چھوٹی کی شادی کے کارڈ پورے بیس دن پہلے پورے خاندان میں تقسیم کیے گئے تھے۔ جس کا خمیازہ اسے تین بہنوں کا اکلوتا بھائی ہونے کی وجہ سے بھگتنا پڑ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ پورا خاندان شادی کی پہلے سے ہی تیاری کر کے بس کارڈز کے انتظار میں رسمی طور پر اپنے گھر میں ٹکا ہوا تھا۔ اس لیے تو سب نے اتنے دن پہلے ہی دھاوا بول دیا تھا۔ نچلی منزل کے ہنگامے سے بیزار ہو کر اس کی تینوں بہنیں اوپر چھت پر بنے بڑے ہال کمرے میں ابھی ابھی کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹی تھیں کہ گھنٹی کی آواز نے چھوٹی کے کان کھڑے کر دیے۔ آج کل تو ویسے بھی ہر گھنٹی پر اس کا دل دہل کر رہ جاتا تھا۔

"اللہ معاف کرے ...... کہیں خدانخواستہ ریشماں پھپو میری شادی کے بجائے کسی الیکشن کا جلسہ کرنے تو نہیں آ رہیں ......" چھوٹی نے اپنی شادی سے پورے سات دن پہلے ریشماں پھپو کو اپنے پورے ٹبر کے ساتھ آتے دیکھ کر دہل کر کہا۔

وہ تو ویسے ہی گھنٹی کی آواز پر کھڑکی سے جھانکنے آئی تھی کہ نیچے صحن میں ریشماں پھپو کے جنجال پورے کو دیکھ کر اسے سو واٹ کا جھٹکا لگا۔ ان کے خاندان کو جنجال پورے کا خطاب بڑی آپا نے ان کے چھ بچوں کی وجہ سے دیا تھا۔

"ہاں بھئی ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی سیاستدان اپنے حواریوں کے ساتھ آ رہا ہو۔" منجھلی آپا بھی لپک کر اس کے پیچھے آئیں اور ان کے چہرے کا رنگ بھی بڑی سرعت سے اُڑا تھا۔ نیچے جنید بے چارہ لوہے کا ٹرنک سر پر رکھے باقاعدہ ڈولتا پھر رہا تھا۔ اس کے سر سے سامان اتارنے کی زحمت کسی نے نہیں کی تھی۔

"کیا ہوا ...... نیچے فوجیں پہنچ گئیں کیا ......؟"

بڑی آپا نے اپنے بیٹے کو مشکل سے سلاتے ہوئے انتہائی پریشانی سے پوچھا تھا۔

"جی ہاں، طوفان آ چکا ہے۔ فکر نہ کریں ......! "ہائے ہمارے ابا" والا ڈراما ابھی شروع نہیں ہوا ......" منجھلی آپا کو مہمان بچوں نے سخت بیزار کر رکھا تھا تبھی وہ طنزیہ لہجے میں تپ کر بولی تھیں۔ پچھلے دس سالوں سے ان کی تینوں پھپیوں کا یہ خاندانی اور جذباتی قسم کا خاموش معاہدہ تھا کہ وہ میکے میں قدم رکھتے ہی اپنے مرحوم ابا کی یاد میں دس پندرہ منٹ کا سوگ ضرور مناتی تھیں۔ جس میں ابا کی نادیدہ خوبیوں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اپنی محبت کا بھی اظہار کیا جاتا۔ اس کے بعد ان کے مشہور زمانہ خوفناک چھت پھاڑ قہقہے پورے محلے میں سنے جاتے۔

"لو اماں، یہ مسرت ممانی کو یہاں آتے ہی مشہور زمانہ "جامنی جوڑا" پہن کر ٹھمکے لگانے کا دورہ پڑا ہوا ہے ......" ریشماں پھپو کی سب سے بڑی بیٹی نجل نے اندر کا منظر دیکھتے ہی انتہائی بدتمیزی اور بیزاری سے اپنی اماں کو مخاطب کیا جو خود بھی یہ منظر دیکھ کر انتہائی بدمزہ ہو چکی تھیں۔ نجل کا رشتہ جب سے مسرت ممانی نے لینے سے صاف انکار کیا تھا تب سے نند بھابی کی ہونے والی لڑائیاں پورے خاندان کو "پانی پت" کے میدان کی یاد دلا دیتیں۔ ریشماں پھپو کو اپنی

بیٹی کو مسترد کیے جانے کا دکھ بھولتا ہی نہیں تھا۔

آج اماں نے پورے خاندان کو جہیز کی رونمائی کے لیے بلا رکھا تھا۔ اس لیے دس مرلے کا یہ گھر کسی چڑیا گھر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ فل آواز میں ڈیک چل رہا تھا۔ جس پر مسرت چچی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ جوشِ جذبات میں آنکھیں بند کیے وہ خود کو ہیما مالنی سمجھ کر انجمن کی طرح ٹھمکے لگا رہی تھیں۔ اس دفعہ انہیں پریکٹس کا بہت کم وقت ملا تھا۔ اس لیے وہ مہندی سے پہلے، پہلے اپنی ساری خامیاں دور کرنے کا پکا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔

"بندہ پوچھے کہ یہ مسرت کو عقل کب آئے گی، تین تین جوان جہان بیٹوں کی ماں ہو کر ایسے ڈرنگے لگاتی پھر رہی ہے ......" ریشماں پھپو نے طنزیہ انداز میں جنید کو دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پانی والا کولر پکڑا تھا۔

"مجھے تو سمجھ نہیں آتی کہ مسرت ممانی اپنے وسیع و عریض حدود اربعہ کے ساتھ اس سوٹ میں سماتی کیسے ہیں ......؟" کومل نے بھی اپنی ماں کی طرح کڑی تنقیدی نگاہ سے چھوٹی ممانی کا جائزہ لیا تھا۔

"حالانکہ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور خوفناک بات یہ ہے کہ اگر سما جاتی ہیں تو پھر نکلتی کیسے ہیں ......؟" نجل نے بھی طنز کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ویسے بھی جب سے منجھلی کی شادی میں مسرت ممانی نے اس کی اور اپنے بیٹے شرجیل کی محبت کی کہانی میں جس طرح ولن کا کردار ادا کیا تھا۔ تب سے نجل کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھیں۔ اس سے بھی زیادہ ظلم انہوں نے شرجیل کو دبئی بھیج کر کیا تھا۔

"اللہ کرے کہ اس سوٹ کو اب چوہے کتر ہی جائیں ......" دل کی گہرائیوں سے نجل نے بد دعا دی۔ یہ سوٹ مسرت ممانی کے جہیز کی آخری باقیات کے طور پر محفوظ تھا اور ان کا سراسر ذاتی خیال تھا کہ وہ اپنے اس جرسی ویلوٹ کے لچک دار سوٹ میں قدرے اسمارٹ لگتی ہیں۔ یہ اور بات کہ باقی پورا خاندان ان کی رائے سے متفق نہیں تھا۔ اب تو ان کی شادی کو بھی کئی سال ہونے کو تھے۔ ان کا سب سے بڑا بیٹا بیس سال کا تھا۔

اس قدر ہلا گلا اور وہ بھی ان کی غیر موجودگی میں ریشماں پھپو کو سخت ناگوار گزر رہا تھا۔ انہیں دل ہی دل میں اپنی چھوٹی بہن نور جہاں پر سخت غصہ آیا۔ جو سب سے آگے بیٹھی جوش و خروش سے تالیاں ایسے پیٹ رہی تھی جیسے تندور میں روٹیاں لگا رہی ہو۔

"یہ نوری تو بچپن سے ہی بے وقوف واقع ہوئی ہے۔ اس کی طبیعت تو میں درست کرتی ہوں۔" ریشماں پھپو نے دل ہی دل میں عہد کیا۔ ابھی لوگ ان کی آمد سے ابھی تک بے خبر تھے۔ یہ بات ان کے خون میں بری طرح اشتعال برپا کر رہی تھی۔

چچی کا ناچ ناچ کر برا حال تھا۔ وہ خاندان کی ہر شادی پر اپنا یہ "آئٹم نمبر" ضرور کرتی تھیں۔ جس میں وہ کوئی بلا مبالغہ تیس چالیس گول چکر ضرور لگاتی تھیں۔ اس دفعہ انہوں نے پھر میرا بابو چھیل چھبیلا پر اپنے فن کا مظاہرہ کرنا تھا۔ آج شاید کوئی ریہرسل پروگرام تھا۔ اس وقت باقی خواتین تالیاں بجا بجا کر چچی کو "ہلا شیری" دے رہی تھیں۔

وہ تو مقامِ شکر تھا کہ چچی کے بابو چھیل چھبیلے صاحب اس وقت باہر گلی میں دروازے کے پاس رکھی بان کی چارپائی پر بیٹھے اپنے خاندانی نائی کے ساتھ دیگوں کا حساب کتاب کرنے میں مصروف تھے۔ ورنہ اب تک چچی کی ٹھیک ٹھاک طبیعت سیٹ کر چکے ہوتے۔ وہ ایسے ہی تھے انتہائی من موجی، دل چاہتا تو خود بھی ان کے ساتھ شادی بیاہ میں ٹھمکے لگانے لگتے اور اگر موڈ نہ ہوتا تو باقی لوگوں کو خوفِ خدا اور قیامت کی نشانیاں بتانے لگتے جن میں سے ایک کھلے عام ناچ گانا بھی تھا۔ ایسا موڈ ان پر

سال میں ایک دفعہ ضرور طاری ہوتا تھا۔

''ہائے ہمارے ابا......!'' ریشماں پھپو نے سب کو متوجہ کرنے کے لیے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر اس قدر زور سے نعرہ لگایا تھا کہ جنید کے سر سے لوہے کا ٹرنک گرتے گرتے بچا۔ ریشماں پھپو کی پاٹ دار آواز نے پورے گھر کا منظر بدل دیا تھا۔ کسی نے بوکھلا کر ڈیک بند کر دیا۔ جبکہ ریشماں پھپو اپنے منہ پر اپنا گلابی دوپٹا رکھے اب منہ پھاڑ کر رو رہی تھیں یا رونے کی کوشش میں ایسی آوازیں نکال رہی تھیں کہ پورے خاندان کے بچے ڈر کر اپنی، اپنی ماؤں کے کلیجے کے ساتھ چمٹ گئے تھے۔

''ہائے آپا......اپنے ابا......'' نور جہاں پھپو اپنی بہن کو دیکھ کر انجمن کی طرح چھلانگ لگا کر ان کے قریب پہنچیں، انہوں نے بھی گلے سے اپنی زکام زدہ آواز مشکل سے نکالی تھی۔ اب وہ اپنی بہن کے گلے کے ساتھ لگ کر اگلا جذباتی سین کر رہی تھیں۔

''لو آ گئے اسٹار پلس کے اصلی ڈرامے......!''

چچی کے منہ کے زاویے بڑی تیزی سے بدلے تھے۔ وہ اپنی اس بڑی نند سے بے انتہا خار کھاتی تھیں۔ جبکہ جنید تو کھلے عام کہا کرتا تھا کہ چچی کا بڑی پھپو کے ساتھ پرسنالٹی کلیش ہے۔

''ابھی ساسو ماں بھی اپنا سفید غرارہ سنبھالتی ہوئی اندر سے میزائل کی طرح نکلیں گی۔ ویسے ان کے گھٹنوں کا درد پورے خاندان میں مشہور ہے۔ یہ درد بیٹیوں کو دیکھ کر اللہ جانے کہاں چلا جاتا ہے۔'' چھوٹی چچی کو اپنی بڑی نند کی آمد ہمیشہ کی طرح سخت ناگوار گزری تھی۔ اس وقت تو انہوں نے ویسے بھی ان کا اچھا خاصا پروگرام خراب کر دیا تھا۔

''اللہ پوچھے اس ڈولی باندرا کو، جس نے میرا سارا جوش ٹھنڈا کر دیا۔'' ابھی تک ان کی سانس بے حال تھی لیکن اس کے باوجود وہ چھوٹی کے کان میں سرگوشی کرنا نہیں بھولی تھیں۔ جو سخت ہراساں نظروں سے ریشماں پھپو کو دیکھ کر بوکھلاہٹ میں نیچے اتر کر آ گئی تھی۔ جنید اب ٹرنک صحن میں رکھے اس کے اوپر بیٹھ کر اپنی سانس بحال کر رہا تھا۔

''چچی، آہستہ بولیں، پھپو سن لیں گی......''

چھوٹی نے خوفزدہ نظروں سے ریشماں پھپو اور نور جہاں پھپو کو اپنے گلے سے عجیب و غریب آوازیں نکال کر روتے دیکھا۔

''تو میں کون سا ان سے ڈرتی ہوں......'' چچی نے میز پر پڑے پھلوں کے لفافے کو کھولتے ہوئے بڑی بے پروائی سے اسے اطلاع دی۔

''اف میں تو سمجھی تھی کہ ان کا قافلہ نہیں آئے گا......'' وہ اچھی خاصی روہانسی ہو رہی تھی کیونکہ اسے یقین تھا کہ کم از کم بڑی پھپو اس کی شادی میں نہیں آئیں گی۔ منجھلی آپا کی شادی میں تین سال پہلے ان کا مسرت چچی کے ساتھ ایک زوردار دنگل ہوا تھا۔ جس کے بعد وہ اکثر خاندانی تقریبات کا بائیکاٹ صرف اس وجہ سے کرتی تھیں کیونکہ وہاں مسرت چچی کے آنے کا امکان ہوتا تھا۔ ابھی ایک خاندانی تقریب میں انہوں نے اپنی اماں کو پیغام بھجوایا تھا کہ اگر چھوٹی کی شادی میں مسرت بھابی آئیں گی تو وہ ہرگز اپنے میکے میں قدم نہیں رکھیں گی۔

پھپو ریشماں کی فسادی طبیعت سے گھبرا کر چھوٹی خود پندرہ دن پہلے جا کر مسرت چچی کو اپنے گھر لے آئی تھی کہ شاید ریشماں پھپو اپنے آنے کا ارادہ واقعی ملتوی کر دیں لیکن ریشماں پھپو اپنے پورے ٹبر کے ساتھ قدم رنجہ فرما چکی تھیں۔ چھوٹی کو یقین ہو گیا تھا کہ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

''ہائے ہائے، یہ چھوٹی، منجھلی اور بڑی کا خون بھی کیا ''پانی'' خاندان والوں کی طرح سفید ہو گیا ہے یا پھوپی کا آنا اچھا نہیں لگا......'' ریشماں پھپو نے آتے ہی پہلا وار ویسے تو اپنی تینوں بھتیجیوں پر کیا تھا لیکن کینہ توز نظروں سے سامنے صوفے پر بیٹھی

بے پروائی سے کیلا کھاتی مسرت چچی کو دیکھا۔ جنہوں نے اپنے چہرے پر ''نو لفٹ'' کا بڑا سا بورڈ آویزاں کر رکھا تھا۔ ویسے بھی اپنے فن کا مظاہرہ کر کے وہ اب خاصی کمزوری محسوس کر رہی تھیں۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں پھپو، میں تو انتظار کر رہی تھی کہ آپ فارغ ہو جائیں تو آپ سے ملتی ہوں......'' چھوٹی نے ہڑبڑا کر صفائی دی۔ اس کی شادی کا فنکشن تھا وہ تو ویسے بھی بوکھلائی بوکھلائی سی پھر رہی تھی۔

''آئے ہائے میں کون سا نماز کی نیت کر کے کھڑی تھی جو تم میرے فارغ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں......'' پھپو نے اس کی وضاحت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ناک سے مکھی اڑائی تھی۔ ہلکا سا سر پر ہاتھ پھیر کر انہوں نے دائیں بائیں دیکھا۔ سارا مجمع اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔

''یہ منجھلی اور بڑی کہاں چھپ کر بیٹھی ہیں۔ ہم تو بھتیجیوں سے ملنے کے لیے ٹرینوں میں دھکے کھاتے سکھر سے کراچی آ گئے لیکن انہیں کمروں سے نکلنے کی توفیق نہیں ہو رہی۔'' ریشماں پھپو کو اپنا موڈ خراب کرنے کے لیے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کا اندازہ ان تینوں بہنوں کو خوب تھا۔ ان کے والد مہدی صاحب اپنے سب بہن بھائیوں میں بڑے تھے۔ اس لیے ان کی اولاد بھی اپنے ددھیال میں سب سے بڑی تھی۔ ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ شازیہ کو سب بڑی آپا، نازیہ کو منجھلی آپا اور سعدیہ کو سب چھوٹی آپا کہہ کر پکارتے تھے۔ ان تینوں کے نام کے ساتھ جڑا ''آپا'' کا لفظ اب ان کے نام کا ہی حصہ بن چکا تھا۔ جبکہ خاندان کے بزرگ انہیں بڑی، منجھلی اور چھوٹی کہہ کر پکارتے تھے۔

''بھئی لوگ جتنے بھی منہ بنائیں یا نہ ملیں...... ہمارے تو دو ہی بھائی ہیں خیر سے، ہم تو اپنے میکے میں ضرور آئیں گے......'' ریشماں پھپو نے مسرت چچی کی طرف ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے ہوئے ایک اور جذباتی حملہ کیا تھا۔ جس کا بے پروا سی چچی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے پھلوں والی ٹوکری سے تیسرا کیلا نکال کر چھیلنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے اس انداز پر ریشماں پھپو کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

وہ مہدی صاحب سے چھوٹی تھیں ان سے چھوٹی نور جہاں اور پھر غلام علی چچا اور ان کے بعد سب سے چھوٹی عابدہ پروین تھیں۔ دادی کو خیر سے پاکستانی میوزک سے عشق تھا۔ اسی کے نتیجے میں انہوں نے اپنے سارے بچوں کے نام پاکستانی...... گلوکاروں کے ناموں پر رکھے تھے۔ ان کی اپنی آواز تو اچھی خاصی تھی جبکہ بچے سارے ہی بے سُرے تھے۔ جن کی آوازیں اور بغیر سُر کے گلے سے نکلنے والے راگ سن سن کر دادی کو شروع شروع میں کافی ہول اٹھتے تھے پھر آہستہ آہستہ ان کو صبر آ ہی گیا تھا۔ اپنے دونوں بیٹوں کے لیے بھی انہوں نے بہوؤں کا انتخاب کرتے ہوئے بس ناموں کی طرف ہی دھیان دیا تھا۔ بڑی فریدہ خانم اور چھوٹی مسرت نذیر تھیں۔

''سنو جنید، شام کو خیر سے عابدہ پروین کے راگ سننے کو بھی تیار ہو جاؤ، وہ بھی اپنی یاجوج ماجوج کی قوم لے کر کراچی پہنچ رہی ہیں۔'' چچی نے اپنے جیٹھ کے اکلوتے بیٹے کو اپنے بازو سہلاتے دیکھ کر شرارت سے کہا تھا۔ وہ ابھی ابھی مہمان خانے میں ریشماں پھپو کا لوہے کا ٹرنک پہنچا کر ہانپتا کانپتا پہنچا تھا۔

''بھئی چچی ویسے نام تو آپ کا مسرت ہے۔ اپنے ایمان سے کہیں کبھی کوئی ''مسرت انگیز'' خبر آپ نے سنائی ہے کیا......؟'' وہ جو وہاں سانس لینے کو رکا تھا۔ چچی کی اطلاع پر اس کی باقی سانس سینے میں ہی اٹک گئی۔ وہ اب منہ بناتے ہوئے بے تکلفی سے کہہ رہا تھا۔ ان چاروں بہن بھائیوں کی

اپنے پڑوس میں رہنے والی چچی کے ساتھ خوب بنتی تھی۔ چچھوان کی والدہ خاصی حلیم طبیعت کی حامل تھیں اور لڑائی جھگڑوں سے حتی الامکان کترانے والی اور اپنے کام سے کام رکھنے والی، یہی وجہ تھی کہ فریدہ خانم اپنے خاندان کی پسندیدہ ترین ہستی تھیں۔ اس کے باوجود حیرت انگیز طور پر ان کی نندوں کو پھر بھی ان سے گلے شکوے رہتے تھے۔

”مجھے چھوڑو تم عابدہ پروین کے ”آخری راگ“ گیلو کے لیے پانچ درجن امپورٹڈ ”پیمپرز“ ابھی سے لا کر رکھ دو، حسب معمول ان کے سب سے چھوٹے لخت جگر کا پیٹ کراچی میں داخل ہوتے ہی اپنی بڑی خالہ کے مزاج کی طرح خراب ہو چکا ہوگا......“ چچی خاصی خوش مزاج واقع ہوئی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی بات پر ہنس دیا تھا۔

”ویسے اس دفعہ تو میرا پکا منصوبہ ہے کہ اسے سمندر میں پھینک کر آؤں گا......“ جنید کو منجھلی آپا کی شادی کا دردناک واقعہ یاد آ گیا تھا۔ جب عابدہ پھپھو کے اس ازلی پیٹ خراب والے بیٹے نے اس کا پینٹ کوٹ خراب کیا تھا۔ حالانکہ پھپھو ساری شادی میں قسمیں کھاتی رہی تھیں کہ انہوں نے بچے کے پیمپر ”اچھی“ کوالٹی کے خریدے تھے۔ آج بھی جنید کو یہ واقعہ یاد کر کے ابکائی سی آ جاتی تھی۔

”چچی یہ پھپیوں کا وفد گیا کہاں اب......؟ بڑی خاموشی ہے......“ جنید نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے رازدارانہ انداز میں آہستگی سے پوچھا تھا۔

”وہ سارا جلوس تو ہیڈ کوارٹر یعنی ساسو ماں کے کمرے میں بیٹھا گول میز کانفرنس کر رہا ہے۔ چغلی پروگرام کرنے کے بعد ان کی طبیعت کچھ ہلکی پھلکی ہو جائے گی بس پھر دوسروں پر گولہ باری کرنے باہر نکل آئیں گی۔ اچھا خاصا ماحول تھا وہ تو رآیا تو چلو قابل برداشت ہیں بس یہ ریشماں آپا کے راگ بھیرویں مجھے پسند نہیں۔ اچھا خاصا ماحول خراب کر دیتی ہیں۔“ چچی نے خاصی ناگواری سے کہا تھا۔ وہ خاصی زندہ دل خاتون تھیں اور ان کی زندہ دلی ان کی نند ریشماں کو خاصا ”مردہ دل“ کر دیتی تھی۔ وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں کھڑے تھے جہاں اس وقت کوئی نہیں تھا۔ سب مہمان تھک ہار کر لیٹ گئے تھے۔

”ویسے آپس کی بات ہے چچی آپ آج تو بتا دیں کہ آپ کا اور ریشماں پھپھو کا پرسنالٹی کلیش کیوں ہے......؟“ جنید کی آنکھوں میں مچلتی شرارت دیکھ کر وہ ہنس کر بولیں۔

”بیٹا، میرے ساتھ تو ان کا پرسنالٹی کلیش شادی کے ایک ہفتے بعد ہی ان کے موٹے بیٹے کی وجہ سے شروع ہو گیا تھا......“ چچی کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ ان کی بات پر جنید بری طرح چونکا اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

”جانے دیں چچی، ریشماں پھپھو کا بیٹا تو آپ کی شادی پر کوئی چھ سات سال کا ہوگا۔ اتنے سے بچے کے ساتھ کیا بیر رکھنا۔“ جنید نے بے یقینی سے چچی کو دیکھا جو ناگواری سے سر جھٹکتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”جب تمہاری شادی کے بعد میں بڑی یا منجھلی کا کوئی سات سال کا بچہ ہنی مون پر زبردستی تمہارے ساتھ بھجواؤں گی تو تب میں دیکھوں گی کہ کیسے تمہارے اپنی بہنوں کے ساتھ تعلقات خوشگوار رہتے ہیں......“ چچی کے زخموں کے سارے ٹانکے ایک ساتھ اُدھڑے تھے۔

”سچ بتائیں چچی......؟“ اس بار وہ اس کا حیران چہرہ دیکھ کر برا ماننے کے بجائے ہنس پڑیں۔

”یقین کرو ریشماں آپا کی یہ حرکت مجھے آج تک نہیں بھولتی، اپنے سب سے بڑے بیٹے وحید مراد کو زبردستی ہمارے ساتھ بھیج کر سارے ہنی مون کا ستیا ناس مار دیا اس موٹے کدو نے......“ مارے کوفت کے ان سے بات بھی مکمل نہیں ہوئی۔

”ہیں واقعی......؟“ وہ اس خاندانی راز کے افشا ہونے پر حقیقت میں حیران ہوا تھا۔ ایک بے ساختہ مسکراہٹ اور روشن آنکھیں اس کی شخصیت کا خاصہ تھیں۔ اپنی سلجھی ہوئی طبیعت کی وجہ سے وہ چچی کا لاڈلا تھا۔

”لو مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی......“ وہ نروٹھے پن سے بولیں۔ ”ایسا گھاک بچہ تھا ہر جگہ ہمارے درمیان گھس کر بیٹھتا تھا۔ رات کو اسے ماموں کے بغیر نیند نہیں آتی تھی۔ جہاں تمہارے چچا گھما پھرا کر کوئی ڈائیلاگ بولنے کی کوشش کرتے وہیں موٹے کدو کو بھوک لگ جاتی تھی۔ بیڑا غرق کر دیا تھا اس نے سارے ٹرپ کا، میں نے اتنی شاپنگ نہیں کی جتنے صاحبزادے نے گیند بلے اور الم غلم خرید لیا تھا۔ جہاں کسی چیز سے منع کرتے وہیں مری کی مال روڈ پر ایسا باجا بجاتا کہ آدھی دنیا غصے سے ہمیں گھورنے لگتی۔“ چچی کی دکھتی رگ آج پھر جاگ اٹھی تھی۔

”ایک منہ پھٹ خاتون نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ماں کو تو اپنے ہار سنگار کی پڑی ہے بچے کی پروا ہی نہیں۔ اندازہ کرو۔“ چچی کے انداز میں ایک مخصوص قسم کی شرارت بھری سنجیدگی رچی ہوئی تھی۔ وہ اپنی زندگی کا انتہائی سنگین واقعہ اس انداز سے سنا رہی تھیں کہ جنید کے لیے اپنے قہقہے کو دبانا انتہائی دشوار ہو رہا تھا۔

”بیٹا دوسروں کی اس قسم کی داستان سن کر دانت نکالنا دنیا کا آسان ترین کام ہے۔ جب اپنے ساتھ بیتتی ہے، پتا تب ہی چلتا ہے......“ چچی منہ پر ہاتھ پھیر کر باقاعدہ تپ کر بولی تھیں۔ وہ ان کی بات پر بے ساختہ ہنس دیا۔

”جنید بھائی خیر ہے ناں، بڑے قہقہے لگ رہے ہیں......“ ریشماں پھپھو کا موٹا کدو اب خود بھی ایک اچھے خاصے صحت مند بچے کا باپ بن گیا تھا۔ آج کل اس کی بیگم ناراض ہو کر میکے گئی ہوئی تھی۔ سننے میں آیا تھا کہ اپنے بیٹے کے ہنی مون میں تو ریشماں پھپھو خود ساتھ گئی تھیں تب سے ان کے اپنی بہو کے ساتھ بھی حالات سخت کشیدہ تھے۔

”آ جاؤ، خیر سے تمہارا ہی ذکرِ خیر ہو رہا تھا......“ چچی کی پیشانی پر کئی سلوٹیں ایک ساتھ ابھر آئی تھیں۔ جبکہ وحید مراد صاحب حقیقت میں ایک کرسی کھینچ کر ان کے درمیان آن بیٹھے تھے۔ جنید نے بوکھلا کر چچی کا انتہائی بیزار چہرہ دیکھا تھا۔

”بھئی وحید، تم ذرا اپنی چھوٹی ممانی سے حال احوال پوچھو، میں ذرا کچن میں جھانک کر آتا ہوں، سخت بھوک لگ رہی ہے......“ جنید کو اپنے اس کزن سے سخت گھبراہٹ ہوتی تھی جس کی گفتگو کا مرکز صرف ہندوستانی فلمیں اور ایکٹریسز تھیں جبکہ جنید کو اس موضوع سے سخت چڑ ہوتی تھی۔

”ارے کیوں، اس بے چارے کو میرے پاس بٹھا رہے ہو، اس کی اماں نے دیکھ لیا تو ان کو مرگی کا دورہ پڑ جائے گا......“ چچی ہنستے ہنستے اکثر کام کی اور سچی باتیں کہہ جاتی تھیں۔ ان کی بات پر وحید صاحب کھسیا کر ہنسنے لگے اور وہ چپکے سے وہاں سے کھسک آیا۔

وہ اپنی کزنز سے بچتا بچاتا کچن تک پہنچا تو وہاں رکھی چھوٹی میز اور تین کرسیوں میں سے ایک پر بڑی آپا کے شوہر جلال بھائی کو دیکھ کر اس کا سارا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ اس نے بہ مشکل چہرے پر ایک زبردستی کی مسکراہٹ سجا کر انہیں دیکھا جو اپنے سامنے مٹن قورمے کی پلیٹ کی ایک پہاڑی سی بنائے بیٹھے تھے۔

”آؤ آؤ اکلوتے سالے صاحب، کبھی اپنے سب سے بڑے بہنوئی کو بھی لفٹ کروا دیا کرو، ویسے تو تمہارا سارا خاندان ہی خیر سے ملنے جلنے کے معاملے میں روکھا سا ہے۔ ہمیں تو خیر کبھی دامادوں والا پروٹوکول ملا ہی نہیں۔ ہم ہی تمہیں پوچھ لیتے ہیں......“ جلال بھائی جو صبح شام اکثر بغیر ہی کسی وجہ

کے ''جلال'' میں رہتے تھے جس کی وجہ سے سارا ہی خاندان ان سے بیزار تھا۔ انہیں اپنے سامنے دیکھ کر جنید نے بڑی مشکل سے کڑوا گھونٹ بھرا تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے جلال بھائی، آپ کو پتا تو ہے کہ شادی والا گھر ہے اور میں تین بہنوں کا اکلوتا بھائی، ساری ذمے داری میرے سر پر ہے......'' اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے وضاحت دی اور فریج کھول کے اندر جھانکا۔ کچھ بھی کھانے کو موجود نہیں تھا۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے جلال بھائی کے سامنے رکھا بوٹیوں کا طوفان اور آخری بچے کھچے کباب دیکھے۔

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟ تم گویا بالواسطہ مجھے یہ جتانا چاہ رہے ہو کہ میں اس ذمے داری میں ہاتھ نہیں بٹا رہا......'' وہ غصے سے باقاعدہ چیخے تھے۔ ہمیشہ کی طرح انہوں نے بات سے اپنی مرضی کا مفہوم اخذ کیا تھا۔ پھپھو ابھی ابھی کچن میں داخل ہوتی بیگم کو دیکھ کر ہاتھ میں پکڑا نان بھی پلیٹ میں پٹخ دیا تھا۔ جنید ان کے اندر کے جلالی بابا کو جاگتے دیکھ کر بوکھلا گیا۔

''جلال بھائی میں نے ایسا کب کہا، میں تو صرف اپنی مصروفیت کے بارے میں بتا رہا تھا......'' اس نے نرم لہجے میں صفائی دی لیکن جلال بھائی کے اندر کا جلالی بابا جب جاگ اٹھتا تھا تو وہ اپنے کان بند کر لیتے تھے اور ان کی صرف زبان چلتی تھی۔

بڑی آپا نے شکوہ کناں نظروں سے اپنے اکلوتے بھائی کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ دیکھا ناں پھر ان کو ناراض کر دیا۔ جبکہ وہ سخت تعجب سے ان کو گرجتے برستے سن رہا تھا۔ جو بات کا بتنگڑ بنانے میں کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔

''میں ہی بے غیرت ہوں جو پچھلے چار دن سے یہاں ڈیرے ڈال کر بے شرموں کی طرح بیٹھا ہوں ورنہ وہ منجھلی کا میاں بھی ہے ناں جو کسی کو جوتے کی نوک پر بھی نہیں رکھتا، دنیا دکھاوے کو بھی اس نے شادی والے گھر میں جھانک کر نہیں دیکھا......'' انہوں نے منجھلی آپا کے شوہر کو بھی درمیان میں گھسیٹا جو پیدائشی مردم بیزار تھے۔

''کیا کر رہے ہیں آپ؟ دفع کریں ایسی باتوں کو، بچہ ہے، نا سمجھ ہے، اسے بات کرتے ہوئے پتا نہیں چلتا، آپ خواہ مخواہ اپنا بلڈ پریشر ہائی کر رہے ہیں......'' بڑی آپا نے فوراً فریج سے ایک ٹھنڈی ٹھار کوک نکال کر گلاس میں ڈال کر اپنے مجازی خدا کو پکڑائی۔ جو خونخوار نظروں سے جنید کو دیکھ رہے تھے۔

''یہ بچہ ہے......؟'' جلال بھائی نے طنزیہ نظروں سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ ''اس کی عمر میں، میں ایک بچے کا باپ بن گیا تھا۔''

''آپ ایک بچے کے باپ اس لیے بن گئے تھے کیونکہ آپ کی اس عمر میں شادی ہو گئی تھی......'' اس نے یہ جواب اپنے دل میں ہی دیا تھا ورنہ یہاں تیسری جنگ عظیم شروع ہو چکی ہوتی۔ اس نے خاموشی سے فریج سے جیم نکالا اور ڈبل روٹی کے سلائس پر لگا کر کھانے لگا۔

''ارے جنید، یہ ڈبل روٹی کیوں کھا رہے ہو میں روٹی بنا دیتی ہوں......'' بڑی آپا کی بہنوں والی محبت نے ایک دم ہی جوش مارا تھا۔ پھر اپنے اکلوتے بھائی کو دن رات اکیلے کام میں جتے دیکھ کر ان کا دل تو خوب کڑھتا تھا لیکن بدمزاج میاں سے کچھ کہنا اپنی شامت خود بلوانے کے مترادف تھا۔ میاں صاحب کے مزاج کا پارا ویسے بھی اونچا ہی رہتا تھا۔ وہ بھی ناراض ہونے کے لیے بہانے ڈھونڈا کرتے۔

''ہاں بھئی، پکوا لو اپنی بہن صاحبہ سے روٹی......'' جلال بھائی نے طنزیہ لہجے میں مزید کہا...... ''ہم سے اچھے تو بھائی صاحب ہی ہیں جن کے لیے تازہ روٹی کی آفر ہو رہی ہے ورنہ ہمیں تو

تندور کی روٹیوں پر ٹرخایا جا رہا ہے۔'' انہوں نے ایک لمبی ڈکار لے کر ایک دفعہ پھر کوک سے گلاس بھرا۔ جنید نے بڑی سرعت سے ڈبل روٹی کے سلائس پر جیم لگایا اور بڑے بڑے نوالے لے کر باقاعدہ اسے نگلا تھا اور اوپر سے پانی کا ایک گلاس پی کر اپنے بازو کی پشت سے منہ صاف کیا اور جلال بھائی کی طرف دوستانہ انداز سے دیکھا جن کے جلال کا پارا اب قدرے نیچے تھا۔

''جلال بھائی آپ فارغ ہو جائیں تو ایک چکر فرنیچر کی دکان کا بھی لگا آتے ہیں۔ چھوٹی نے ایک دو تبدیلیاں کروائی تھیں... وہ بھی چیک ہو جائیں گی۔'' جنید کے متحمل انداز پر جلال بھائی نے قدرے ٹیڑھی نظروں سے اپنے اکلوتے سالے کو اپنے سامنے مؤدبانہ انداز میں کھڑے دیکھا جبکہ بڑی آپا چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر باقاعدہ انہیں آنکھوں کے اشارے سے ساتھ چلنے کی درخواست کر رہی تھیں جبکہ جلال بھائی پر خمار گندم غالب آ رہا تھا۔

''بھئی میں تو کرتا ہوں سیدھی بات......'' جنید نے اس سیدھی بات کرنے والے انتہائی ٹیڑھے بندے کو بڑے تحمل سے دیکھا تھا۔ ''تم ایسا کرو کہ منجھلی کے میاں کو ساتھ لے جاؤ۔ اس کی بھی تو کوئی ذمے داری بنتی ہے ناں۔ مجھے فرنیچر کی پہچان کہاں......'' ان کے انتہائی روکھے انداز پر آپا کو ایک دم ہی غصہ آیا تھا۔

''آپ اور منجھلی کا میاں ایک دوسرے پر ذمے داریوں کی گٹھریاں نہ پھینکیں۔ جہاں اس نے اتنا کام خود کیا ہے۔ باقی بھی کر لے گا۔'' آپا نے اشتعال سے پتی کا ڈبا شیلف پر پٹخا تھا۔ ان کے اس انداز پر جلال بھائی تھوڑا سا کھسیا سے گئے۔

''جنید تم ریشماں پھپو کے بیٹے وحید مراد کو لے جاؤ، ٹی وی والے کمرے میں عامر خان کی فلم تلاش کوئی چوتھی دفعہ دیکھ رہا ہے......'' آپا بھی آخر جلال صاحب کی جلالی بیگم بن چکی تھیں اور دو بیٹوں کی پیدائش کے بعد ان کے اندر بھی کسی ہٹلر کی روح سما گئی تھی اب تو کبھی کبھار جلال بھائی بھی ان سے دبنے لگتے تھے۔



''ہونہہ......وہ موٹا آلو......اسے کہاں فرنیچر کا پتا، وہ تو ابھی تک اپنی اماں کی انگلی پکڑ کر چلتا ہے۔ کہیں سے بھی ایک بچے کا باپ نہیں لگتا......'' جلال بھائی نے گرما گرم چائے کپوں میں انڈیلتی آپا کو دیکھ کر بیزاری سے کہا تھا۔

''خیر لگتے تو آپ بھی کہیں سے دو بچوں کے باپ نہیں ہیں......'' بڑی آپا ٹرے لے کر ان کے پاس لمحے بھر کو رکیں۔ ''اپنی حرکتوں کی وجہ سے......'' اپنی بات کہہ کر وہ تیر کی طرح باورچی خانے سے نکلیں جبکہ جلال بھائی جو چائے پینے والا منہ بنا کر

بیٹھے تھے۔اپنی بیگم کی اکلوتے بھائی کے سامنے اس قدر بے مروتی پر خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ بے عزتی کے احساس سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"اوہ میرا خیال ہے کہ آپا، آپ کو چائے دینا بھول گئیں، میں ذرا دیکھتا ہوں انہیں......" جنید بھی اپنی بات کہہ کر کسی توپ کے گولے کی طرح وہاں سے نکلا تھا۔ باہر نکلتے ہی وہ پاگلوں کی طرح ہنسا۔ سامنے ہی بڑی آپا بھی چائے کا آخری کپ ہاتھ میں پکڑے وحید مراد کے ساتھ عامر خان کی فلم سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ وہ بھی خاموشی سے ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"یہ لو چائے پیو، جلال کے سامنے میں نے تمہیں اس لیے نہیں دی کہ وہ پھر زیادہ ہی جلال میں آجائیں گے۔" بڑی آپا ہنستے ہوئے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ بھی آپا کی اس ادا پر ہنس پڑا تھا۔

☆☆☆

"اے نوری، مجھے تو سمجھ نہیں آرہی کہ یہ فریدہ بھابی کی کالی پیلی بیٹیوں کے رشتے اتنی جلدی کیسے ہو گئے......؟" ریشماں آپا نے رَسک چائے کے کپ میں ڈبو کر کھاتے ہوئے قدرے آہستگی سے کہا تھا۔ اس وقت مطلع صاف تھا۔ گھر میں موجود قوم شاپنگ کے لیے جامعہ کلاتھ نکلی ہوئی تھی۔

"آئے ہائے آپا، اب وہ اتنی بھی کالی پیلی نہیں، ٹھیک ہے کہ بچیوں کے رنگ کچھ سانولے ہیں مگر تینوں کی تینوں ماں کی طرح سگھڑ اور سلیقہ شعار ہیں۔" اپنی بہن کی بات پر انہوں نے سخت بدمزہ ہو کر انہیں دیکھا جن کی بے وقوفی اور سادہ لوحی پر انہیں کبھی شبہ نہیں ہوا تھا۔

"اے آج کل کے دور میں کون سلیقہ ولیقہ دیکھتا ہے۔ ساری دنیا تو ٹی وی پر لڑکیوں کے لشکارے دیکھ دیکھ کر اندھی ہوئی پڑی ہے۔"

ریشماں آپا نے رَسک دانتوں تلے ایسے چبایا جیسے اپنی چھوٹی بہن کو چبا رہی ہوں۔

"خیر آپا......اب اتنی بھی قوم اندھی نہیں ہوئی پڑی۔ وہ جو بڑی کے سسرال والے ہیں دیکھا نہیں کم بخت کیسے لائیں مارتے پھرتے ہیں۔ پھر بھی شازیہ کو پسند کر کے لے گئے۔ اس کی ساس اٹھتے بیٹھتے اپنی بہو کو دعائیں دیتی ہے۔" نور جہاں خود دل کی صاف تھیں اس لیے اپنی بڑی بہن سے ان کی کم کم ہی بنتی تھی۔

"وہ تو اس لیے تعریفیں کرتی پھرتی ہے کہ اس کے جن جیسے بیٹے کو قابو جو کر لیا ہے ورنہ سچ کہوں اس کم بخت جلال کے ساتھ رہنا کوئی آسان کام ہے۔ سانڈ بنا پھرتا ہے۔ مجال ہے کہ کسی کا لحاظ کر لے......" ریشماں آپا کو اپنی بھابی کا یہ داماد سخت ناپسند تھا کچھ منجھلی کی شادی پر ان کا ایک معرکہ اس کے ساتھ بھی ہو چکا تھا جب اس نے شادی کے کھانے میں کمی کی وجہ سے ان کے میاں کے لیے کھانا سکھر بھجوانے سے انکار کر دیا تھا۔ تب سے ریشماں نے اسے کھلم کھلا اپنے دشمنوں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔

"اللہ معاف کرے۔ ہے تو وہ واقعی کسی دیو کی طرح......" نور جہاں نے بھی اپنی چھوٹی بیٹی کے لہنگے پر ستارے ٹانکتے ہوئے...... جلال کے ڈیل ڈول پر طنز کیا۔ ان کی اس بات پر ریشماں آپا کے چہرے کے تاثرات کچھ تبدیل ہوئے تھے۔

"وہ دیو ہے تو شازیہ بھی کون سا حور پری ہے۔ ہے تو ہماری بھتیجی مگر افسوس.... ہمارے بھائی کے سارے ہی بچے اپنی ماں پر چلے گئے۔ نہ رنگ، نہ نین نقش، نہ کوئی خوب صورتی۔ اماں نے بھی تو بھابی کا صرف نام ہی نام دیکھا......" ریشماں آپا کو اپنے خاندانی حسن کا خاصا زعم تھا۔ جس کا اظہار ان کی اکثر باتوں سے جھلکتا تھا۔

"رہنے دو آپا، حُسن کو کیا چاٹنا ہے......" نور جہاں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "مسرت بھابی کی دفعہ تو اماں نے نام کے ساتھ ساتھ شکل صورت بھی دیکھی لیکن مسرت بھابی ان کی زبان کے کانٹے دیکھے ہیں۔ مجال ہے کہ کسی کو اپنے گھر میں گھسنے دیں۔"

"اے مسرت کا تو میرے سامنے نام بھی نہ لیا کرو، زہر لگتی ہے مجھے وہ آٹے کی بوری......" انہوں نے غصے سے کوئی پانچواں رسک لفافے سے نکال کر چائے کی پیالی میں ڈبویا تھا۔

"یہ تو بڑی بھابی کی ہی عظمت ہے کہ میاں کے مرنے کے بعد بھی ہم بہنوں کو عید، شب برات پر یاد رکھتی ہیں اور مجال ہے کہ کبھی ماتھے پر ایک بل بھی لے کر آئی ہوں۔" نور جہاں کی سچ بولنے کی عادت کم از کم ان کی بڑی بہن کو سخت ناپسند تھی۔

"اے نوری تو کتنی بے وقوف ہے۔ یہ بھابی کی اچھائی نہیں ہماری اماں کا ڈنڈا ہے جن کے ڈر سے وہ ہمیں کچھ نہیں کہتیں۔" ریشماں آپا کی بدگمانی کی کوئی آخری حد نہیں تھی۔ وہ اب پیالی منہ سے لگائے بچی کھچی چائے سُڑک سُڑک کر کے پینے میں مگن تھیں۔

"لو اماں کا ڈنڈا کہاں سے آگیا۔ اماں کے پاس کون سی جائداد یا کوئی روپیہ پیسہ ہے۔ یہ گھر بھائی نے خود اپنے پیسوں سے بنوایا۔ ہم سب بہنوں کی شادیاں خود کما کر کیں۔ اب ان کا بیٹا ماشاءاللہ ذمے داری سے سارا کاروبار سنبھالے پھر رہا ہے۔ بھابی کو کون سا کسی کی محتاجی ہے جو کسی سے دب کر رہیں۔" نور جہاں کی بات کا ان کی بہن نے ٹھیک ٹھاک برا مانا تھا۔ تبھی وہ ناک چڑھا کر تپ کر بولیں۔

"اے تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ وہ کم بخت عابدہ پروین نہ جانے کہاں مر گئی۔ کہا بھی تھا کہ اپنے سسرالیوں کی جیل سے جلد نکل آنا لیکن وہ بھی اتنی مست ہے کہ عین ٹائم پر اسے سارے کام سوجھتے ہیں اب کپڑوں کا ڈھیر لے کر اپنی درزن کے ہاں جا کر بیٹھی ہو گی۔" ریشماں آپا کو اپنی سب سے چھوٹی بہن پر بیٹھے بٹھائے غصہ آ گیا تھا۔

"آ رہی ہے اپنی پوری بارات کے ساتھ، شام تک پہنچ جائے گی......" نور جہاں نے دانتوں سے دھاگا توڑتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

"خدانخواستہ اپنی نندوں کو تو ساتھ نہیں لے کر آ رہی۔ ایسی جاہل اور نادان قسم کی یہ ہماری بہن ہے اور دنیا کی واحد بہو ہو گی جسے ہر جگہ اپنی سسرال کی نمائش کرنے کا ہوکا پڑا رہتا ہے......" ریشماں آپا کی بات پر نور جہاں نے جلدی سے ان کی بات کاٹی۔

"قسم سے آپا ٹھیک کہا آپ نے، اس کی ایک نند اور جیٹھانی اپنے بیٹے سمیت ساتھ ہے......" نور جہاں کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔

"لو کر لو بات۔ اس کا تو اس دفعہ میں دماغ درست کروں گی۔ ہزار دفعہ سمجھایا ہے کہ یہ سسرالی وفد لے کر خیر سگالی کے دورے پر کم از کم اپنے میکے نہ آیا کر، بندے نے واپس جا کر اپنی سسرال میں ہزار جھوٹ بولنے ہوتے ہیں مگر اس کو عقل پتا نہیں کب آئے گی......" ان کے لہجے کی کڑواہٹ اور بڑھی تھی۔

"آئے ہائے وہ دھواں چھوڑنے والا انجن تو ساتھ نہیں آ رہا ناں......؟" ریشماں آپا کو بھی ابھی اپنے بہنوئی کا خیال آیا تو ان کا دل دہل اٹھا۔ انہیں اپنے اس بہنوئی کی ہر وقت سگریٹ نوشی سے سخت چڑ تھی۔ انہوں نے تو اسے اندرونِ خانہ دھواں چھوڑنے والا انجن کا خطاب دے رکھا تھا۔ ان کے ماتھے کی شکنوں میں ایک دم ہی اضافہ ہو گیا تھا۔

"نہیں، وہ تو ساتھ نہیں ہیں ان کی بہن اور بھابی جو آ رہی ہیں شرکت کے لیے......" نور جہاں نے ایک ستارہ اپنی بیٹی کی قمیص پر ٹانکتے ہوئے اپنی

بہن کو دن میں تارے دکھائے تھے۔ جبکہ آپا کا موڈ اب ٹھیک ٹھاک خراب ہو چکا تھا۔

"آپا، کچھ پتا ہے......" نور جہاں نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے قدرے آہستگی سے اپنی بہن کو مخاطب کیا جو کہ چائے پینے کے بعد اب مالٹوں کی ٹوکری اٹھا کر لے آئی تھیں گھر میں خاصا سکون تھا۔ دونوں بہنیں برآمدے میں رکھے تخت پر بیٹھی موسم سرما کی دھوپ سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ باتوں میں مگن تھیں۔ ان کی تینوں بیٹیاں بھی چھوٹی کے ساتھ قریبی پارلر میں فیشل کروانے گئی ہوئی تھیں۔ کل مایوں کی تقریب تھی اس لیے ہر کوئی مصروف تھا۔

"کیا کوئی خاص بات ہے......؟" ریشماں آپا نے مالٹے والی ٹوکری پیچھے کر کے اپنے کان بہن کے قریب کیے جبکہ نور جہاں نے اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

"آپ کو پتا ہے کہ فریدہ بھابی اپنے جنید کے لیے رشتہ ڈھونڈتی پھر رہی ہیں۔ آپ کہیں تو میں آپ کی نجل کے لیے بات کروں......" بہن کی بات پر انہیں کرنٹ لگا۔ مارے کوفت کے تو وہ کچھ لمحوں کے لیے بول ہی نہیں سکیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات سے ان کی ناگواری کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"اے نور جہاں تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ تو میری بیٹیوں کی ماسی ہے یا دشمن؟ میری شہزادیوں جیسی بچی کے لیے وہ کالا تیتر ہی رہ گیا ہے۔ سوکھا سڑا، کھمبے جتنا تو اس کا قد ہے۔ تم کوئی جوڑ بھی تو دیکھو اس کا۔" ریشماں آپا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس آفر پر اپنی بہن کا سر ہی توڑ ڈالیں... جبکہ ان کی بات پر نور جہاں نے سخت تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپا بیٹیوں کی ماؤں پر اتنے نخرے نہیں سجتے، تمہاری نجل بائیس سال کی ہونے والی ہے اس عمر میں بڑی شازیہ ایک بیٹے کی ماں بن چکی تھی اور جنید میں کیا کمی ہے۔ ماشاء اللہ پڑھا لکھا، برسرِ روزگار، شریف اور سب سے بڑی بات کہ اپنے خاندان کا بچہ ہے۔"

"اے تم سنبھال کے رکھو اپنا یہ خاندان کا بچہ، میری بیٹیاں کیا فالتو ہیں جو ان کالے پیلوں کو اٹھا کر دے دوں۔ اب بندہ ساتھ کھڑا اچھا بھی نہ لگے تو ایسے "بر" کا کیا اچار ڈالنا ہے......" انہوں نے غصے سے مالٹا چھیلا تھا۔

"آپا اتنا غرور اچھا نہیں ہوتا۔ جنید تو اتنا پیارا اور مؤدب بچہ ہے اوپر سے بھابی نے اس کی اتنی اچھی تربیت کی ہے۔ ایم بی اے کر کے اپنے باپ کا سارا کاروبار ذمے داری سے سنبھال رکھا ہے۔ یہ گھر، شہر کے مشہور پلازے میں کروڑوں کی اتنی بڑی دکان اور پلاٹ تک اس کے نام ہے اوپر سے سسرال میں میدان بھی صاف ہے...... نہ ساس کوئی تیز طرار، نہ نندوں کا جھنجٹ، سب اپنے اپنے گھروں کی۔" نور جہاں کو اپنی بہن کی ذہنیت پر دلی افسوس ہوا۔

"رہنے دو بابا، یہ ساری خوبیاں۔ جب بندہ ساتھ چلتا ہوا بھی اچھا نہ لگے تو ان دکانوں، پلاٹوں کا کیا کرنا ہے، چیری بلاسم کی ڈبی لگتا ہے، اتنا رنگ کالا ہے اس کا......" وہ جھنجلا کر ایک اور مالٹے پر ہاتھ صاف کر رہی تھیں۔

"اب اتنا بھی کالا نہیں جتنی آپ دہائی دے رہی ہیں......" نور جہاں کی برہمی فطری تھی۔ "چھ فٹ قد ہے ماشاء اللہ، نین نقش بھی کوئی اتنے ماڑے نہیں، پھر مردوں کی رنگت کون دیکھتا ہے۔" انہوں نے غصے سے مالٹوں سے بھری ٹوکری اٹھا کر تخت کے نیچے کر دی تھی۔

"تم ساری باتوں کو چھوڑو نوری، یہ بتاؤ کہ کہاں میری نجل، یہ پانچ فٹ پانچ انچ قد، ہاتھ لگانے سے میلی ہونے والی، کیا کھڑے کھڑے نین نقش، سچ مچ کی شہزادی لگتی ہے شہزادی......" ان کے فخریہ انداز پر نور جہاں کے چہرے کی مسکراہٹ میں طنز کی آمیزش شامل ہوئی تھی۔

"اے آپا، برا نہ منانا، پورے تین سال سے تو نجل سے ایک بی۔ اے تو پاس نہیں ہو رہا۔ اوپر سے ڈھنگ سے ایک آملیٹ تک تو اسے بنانا آتا نہیں، سارا دن بس شیشے کے سامنے کھڑی ہو کر ماڈلنگ جتنی مرضی کروا لو اس سے......" نور جہاں نے انہیں دن دیہاڑے آئینہ دکھا کر تخت کے نیچے سے پھلوں والی ٹوکری نکال لی اور اپنی بہن کے ہکا بکا چہرے سے دانستہ نظر ہٹا کر سب سے موٹا والا مالٹا چھیلنے لگی۔

"اے نوری تو میری بہن ہے یا دشمن......؟" انہوں نے سخت خفگی سے اسے بے نیازی سے مالٹے کھاتے دیکھ کر کہا تھا۔

"بہن ہوں تو مخلصانہ مشورہ دے رہی تھی ورنہ مجھے بتاؤ آپا کہ مسرت بھابی کے تین اونچے لمبے... خوب صورت، گبرو جوان لیکن نکمے بیٹوں کو تو تم اپنی بیٹیوں کے رشتے دینے کو تیار ہو گئی تھیں۔ جن میں کوئی بھی کام کا نہیں۔ بڑا والا شرجیل ایف اے میں دوسری دفعہ فیل ہوا تو غلام علی بھائی نے اسے دبئی بھجوا دیا۔ اس کے پیچھے نجل پاگل تھی اور بھابی نے رشتہ لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ دوسرا زبان کا اتنا میٹھا لیکن گن اس میں ایک بھی نہیں تھا۔ آج کل جنید کے اسٹور پر سیلز مین بن کے کھڑا ہوتا ہے اور آئے دن عاشقی معشوقی کے اس کے قصے سننے کو ملتے ہیں۔ آپا کوئی ہوش کے ناخن لو۔ اپنی بیٹیوں کے ساتھ دشمنی نہ کرو......" نور جہاں نے بڑی ٹھونک بجا کر اپنی بڑی بہن کی ٹھیک ٹھاک کلاس لی تھی۔ پورے برآمدے میں بڑا اعصاب شکن سا سناٹا پھیلا تھا۔

"پھپھو یہ سب لوگ کہاں ہیں؟ کیا آج ناشتا بھی نہیں ملے گا......؟" جنید جمائیاں لیتا ہوا اچانک ہی اندر سے نکلا تھا۔ دونوں بہنوں کی رنگت فق ہوئی کہ وہ دونوں تو اپنے تئیں میدان صاف سمجھ کر بلند آواز میں اظہار رائے کر رہی تھیں۔ دونوں نے کن انکھیوں سے اس کے سادہ سے چہرے کو بغور دیکھا۔

"آج تو ریشماں پھپھو کے ہاتھ کا بل دار پراٹھا کھانے کو دل کر رہا ہے۔ یاد ہے پھپھو کہ ابا آپ کے ہاتھ کے چینی کے پراٹھے کتنے شوق سے کھاتے تھے......" وہ وہیں تخت پر ڈھیر ہوا تھا۔ کسی بت کی طرح ساکت ریشماں کے دل میں مرحوم بھائی کی محبت نے اچانک ہی انگڑائی لی تھی کچھ وہ بہن کی باتوں کی وجہ سے رنجیدہ تھیں اس لیے آنکھوں میں آنسو لانے کے لیے کوئی محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔

"اے بیٹا میں صدقے جاؤں ابھی بنا کر لاتی ہوں......" وہ خود بھی اس منظر سے غائب ہونا چاہتی تھیں۔ اس لیے فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں جبکہ چھوٹی پھپھو جانچتی ہوئی نظروں سے بھتیجے کا چہرہ دیکھ رہی تھیں جس نے موسم سرما کی دھوپ سے بچنے کے لیے ان کی بیٹی کے لہنگے کا چھوٹا سا دوپٹا منہ پر ڈال لیا تھا۔ برآمدے میں رکھے اس وسیع و عریض پلنگ پر دھوپ بڑی بے تکلفی کے ساتھ آ رہی تھی۔ آج تو موسم میں زیادہ شدت بھی نہیں تھی۔

"تم آج جنرل اسٹور پر نہیں گئے......؟" انہوں نے محبت سے اپنے اس بھتیجے کو دیکھا جو انہیں بہت پیارا تھا لیکن افسوس کہ ان کی صرف ایک بیٹی تھی جو سات سال کی تھی جبکہ اس سے بڑے تین بیٹے تھے۔

"پھپھو تھک گیا تھا، رات چھوٹی کے جہیز کا سامان اس کی سسرال میں پہنچاتے پہنچاتے رات کے بارہ بج گئے تھے پھر سخت تھکن کی وجہ سے نیند بھی بہت دیر سے آئی اس لیے شعیب کو چابی دے کر بھیج دیا تھا......" اس نے سستی سے جمائی لیتے ہوئے مسرت چچی کے بیٹے کا بتایا جو اس کے ساتھ ہی کام سیکھ رہا تھا۔

"یہ شوبی کو کچھ عقل بھی آئی یا اب بھی غیر ذمے دار ہے، ہر وقت تو وہ موا موبائل کانوں سے

چپکائے پھرتا ہے......'' نور جہاں کی بات پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

''پھپھو عیش کرنے دیں اسے، اس بے چارے کی کون سی اتنی عمر ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں تو چچا اسے کان سے پکڑ کر میرے پاس لے آئے تھے......''

''رہنے دو میاں ایسی طرف داری کرنے کو، تم نے اتنی ہی عمر میں بڑی کی شادی کتنی ذمے داری سے کی تھی۔ پورا خاندان دانتوں میں انگلیاں دبائے پھر رہا تھا۔'' انہوں نے یاد دلایا۔

''بھئی میرے ساتھ تو اس کا مقابلہ نہ کیا کریں، مجھے تو ابا کی بیماری اور تین بہنوں نے عمر سے پہلے ہی بڑا کر دیا تھا پھر میرا کون سا کوئی اور بھائی تھا۔ ہر بندے کو عیش اس کی قسمت سے ہی ملتا ہے اور کسی کی قسمت سے تو ہم نہیں لڑ سکتے ناں......'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں نیند کے خمار سے اب بھی سرخ تھیں۔

''واہ پھپھو، اللہ آپ کو خوش رکھے......'' گرما گرم پراٹھا اور چائے کا کپ دیکھ کر اس کی ساری نیند بھک کر کے اڑ گئی تھی۔ وہ اب سامنے صحن میں لگے واش بیسن کے سامنے کھڑا ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھو رہا تھا۔

''یہ جنید تو اب اچھا خاصا نہیں ہو گیا نوری......'' انہوں نے ناشتے کی ٹرے تخت پر رکھتے ہوئے اپنی چھوٹی بہن کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''وہ تو شروع سے ہی اچھا خاصا تھا بس آپ کی قریب کی نظر خاصی خراب تھی......'' نور جہاں خواہ مخواہ ہی ہنسی تھیں۔

''تمہاری زبان کی دھار کچھ زیادہ نہیں چلنے لگی......'' انہوں نے ٹیڑھی نظروں سے اپنی بہن کا جائزہ لیا جو جنید کے لیے لایا گیا ناشتا بے تکلفی سے شروع کر چکی تھیں۔

☆☆☆

''لک ٹوئنٹی ایٹ کڑی دا، فورٹی سیون ویٹ کڑی دا......'' مسرت چچی کا بیٹا شوبی اپنی ماں کی خصوصی فرمائش پر اس گانے کی سی ڈی لے کر آیا تھا۔ بلیک پینٹ پر میرون شرٹ پہنے وہ خاصا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ ریشماں پھپھو کی کومل اسے دیکھتے ہی لپک کر آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دمکنے والے ستاروں کو مسرت چچی نے بطورِ خاص نوٹ کیا تھا۔

''بھئی کومل اٹھو بیٹا، اپنے بھائی کے لیے زبردست قسم کی الائچی والی چائے بنا کر لاؤ، اس چائے میں چار کپوں کا اور اضافہ کر لینا، قسم سے طبیعت بہت بیزار سی ہو رہی ہے۔'' مسرت چچی نے سستی سے انگڑائی لیتے ہوئے اپنی بڑی نند کی سب سے چھوٹی بیٹی کو منظرِ عام سے ہٹایا تھا۔

''اور یہ تم کہاں اپنی تشریف کا ٹوکرا لے کر جا رہے ہو، جنید کے ساتھ جا کر پھولوں والی دکان پر گجروں کا آرڈر دے کر آؤ......'' انہوں نے اپنے بیٹے کو کومل کے پیچھے جاتے دیکھ کر کامیابی سے چھاپا مارا تھا۔ شعیب کے چہرے پر آئی کھسیانی مسکراہٹ کو ان تینوں بہنوں نے بڑے مزے سے دیکھا تھا۔ بڑی اور منجھلی اس وقت ابٹن کا پیالہ درمیان میں رکھے چھوٹی کے بازوؤں پر مل رہی تھیں۔

''اور سیدھے جنید کے پاس ہی جانا، کچن میں بریک لگانے کی ضرورت نہیں، ورنہ اس شادی والے گھر میں ہی تمہارے ابا ایسا اسٹار پلس ڈراما لگائیں گے کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' چچی کی اس دھمکی پر وہ غصے سے مڑا۔

''میں تو سیدھا جنید بھائی کے پاس ہی جاؤں گا لیکن آپ خدا کے واسطے اس لک ٹوئنٹی ایٹ کڑی دا گانے پر اپنے فن کا مظاہرہ مت کیجیے گا۔ آپ کے وزن کے بوجھ سے زمین سے کوئی چشمہ پھوٹ جائے گا......'' شعیب کے تلملا کر بولنے پر ان تینوں بہنوں کے منہ سے نکلنے والا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

''میری ساری اولاد ہی اپنے باپ کی طرح انتہائی زبان دراز اور دل میں بغض رکھنے والی ہے۔ مجھے پتا ہے کہ کس بات کا غصہ مجھ پر نکال رہا ہے۔'' چچی جو بے تکلفی سے صوفے پر نیم دراز تھیں اس کی بات پر تیر کی طرح اٹھ کر بولیں جبکہ ان بہنوں کی ہنسی تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''چچی اچھی خاصی تو ہے کومل شہزادی، آپ کو پتا نہیں کیوں پسند نہیں......'' منجھلی نے ابٹن ملتے ہوئے اپنی دوستوں جیسی چچی کو چھیڑا تھا۔

''یہ کومل شہزادی مجھے واقعی پسند آ جاتی اگر اس شہزادی کے فارم میں ماں کے نام والے خانے کے آگے ریشماں ملکہ کا نام نہ لکھا ہوتا......'' مسرت چچی کے لہجے میں شرارت کا رنگ نمایاں تھا وہ اپنی نند کی بیٹیوں کے ناموں کے آگے لگے شہزادی کے ''لاحقے'' کا کھلم کھلا مذاق اڑاتی تھیں۔

''جانے دیں چچی، کیوں دو دلوں کے درمیان ظالم سماج کا رول ادا کرتی ہیں۔ پہلے شرجیل مرتا تھا نجل شہزادی پر، اب شعیب آ گیا ہے میدان میں۔ یاد نہیں اٹھارہ سال کی عمر میں اس نے سارے خاندان میں اس کے لیے اسٹینڈ لے لیا تھا۔'' منجھلی کو اپنی شادی کا قصہ یاد آیا جس میں چچی اور ریشماں پھپھو کا بڑا یادگار دنگل ہوا تھا۔ اس معرکے کے بعد چچی پورے خاندان میں کہتی تھیں کہ انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنے بیٹے کو جادوگرنی کے چنگل سے نکالا ہے۔

''واہ منجھلی...... یہ بھی میری اولاد ہے اسے مجھ سے زیادہ کون جانتا ہوگا......'' چچی نے جوش سے ایک کشن اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ وہ چاروں اوپر والی منزل میں سب مہمانوں سے چھپ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ کل مہندی کا فنکشن ہونے کی وجہ سے گھر میں مہمانوں کی خوب آمد و رفت تھی۔

''کیوں چچی، کیا ہوا......؟'' چھوٹی نے تعجب

یہ پاکیزہ ہے

جیون کے راز بتاتا ہے
سندر خواب دکھاتا ہے
دلوں کو مہکاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

کچی عمر کی لڑکیوں کو
سیدھی راہ دکھاتا ہے
بھٹکنے سے بچاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

شوہر کا رتبہ اونچا ہے
خدا کے بعد لائق سجدہ ہے
بیوی کو بتلاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

بیوی خدا کا تحفہ ہے
تمہارے گھر کی ملکہ ہے
شوہر کو سمجھاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

ساس بھی ماں جیسی ہے
تمہارے شوہر کی جنت ہے
بہوؤں کو بتلاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

بہوؤں کو بیٹی مانو
اپنے بیٹے کی خوشی مانو
ساس کو یہ سمجھاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

اولاد خدا کی نعمت ہے
بچے رب کی رحمت ہے
ماؤں کو بتلاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

ماں باپ تمہاری جنت ہیں
تمہاری بخشش کا باعث ہیں
بچوں کو بتلاتا ہے
یہ پاکیزہ ہے

پاکیزہ ایک گلاب ہے
انجم انصار اس کی خوشبو ہے
ان دونوں کے ملنے سے
قارئین کا دل مہکتا ہے
ہاں یہ پاکیزہ ہے

شاعرہ، راحت وفا، بھاٹی گیٹ لاہور

سے ان کے چہرے پر پھیلی طنزیہ مسکراہٹ کو دیکھا۔

”کم بخت اپنی اچھی شکلوں کو کیش کرواتے پھرتے ہیں۔ نکمے سارے جہاں کے اور ان کے ہار سنگار ہی ختم نہیں ہوتے، اس شوبی کی ڈریسنگ ٹیبل پر اتنے لوشن اور کریمیں ہیں کہ ان کی ماں نے ساری زندگی نہیں لگائی ہوں گی۔ نکمے کی آمدنی نہیں اور منٹ کا اس کے پاس وقت نہیں ہوتا، میں خواہ مخواہ کسی کی بیٹی کی زندگی خراب کیوں کروں چاہے وہ میری جانی دشمن ریشماں صاحبہ کی کومل شہزادی ہی کیوں نہ ہو......“ چچی کے منہ سے نکلنے والی اس قدر سچ اور تلخ بات پر وہ تینوں ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

”قسم سے چچی سچ بولنے پر اگر کوئی ایوارڈ ہوتا تو میں فوراً آپ کو دے دیتی اور دنیا کی پہلی ماں میں نے دیکھی ہے جسے اپنے ہینڈسم بیٹوں کی خوب صورتی سے کوئی سروکار نہیں اور وہ ہر جگہ انہیں اپنی ”فخریہ پیشکش“ بنا کر پیش نہیں کرتیں۔“ منجھلی کے ستائشی انداز پر چچی کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ ابھری۔

”بھئی سچ بات کہوں کہ اولاد میں کوئی گُن ہوں تو والدین اس پر فخر کرتے ہوئے بھی سجتے ہیں۔ اب میں نے ان تینوں کی خوب صورت شکلوں کا اچار تھوڑی ہی ڈالنا ہے۔ تینوں ہی سارے جہاں کے نکمے اور کام چور، دن رات میرا کلیجا سڑاتے ہیں......“ چچی نے ابٹن کا پیالہ اپنے سامنے رکھا اور گولا سا بنانے لگیں۔

”بس کریں چچی، بے چارہ شرجیل اب اچھا خاصا سُدھر گیا ہے اور دن رات دبئی میں محنت کر رہا ہے پھر بھی آپ اس سے خوش نہیں، کیسی ماں ہیں آپ......؟“ منجھلی کی بات پر انہوں نے بے ساختہ اپنا ماتھا چھوا تھا۔

”بھئی تمہیں پتا تو ہے کہ میں ہوں ایک دکھری ماں، ڈاڈی بہو، خبیث بھابی، دوستوں کی دوست اور دشمنوں کی دشمن......“ چچی نے مزاحیہ انداز میں اپنا مذاق خود اڑاتے ہوئے اب ابٹن بڑی بے تکلفی سے اپنے منہ پر ملنا شروع کر دیا تھا۔

”خدا کا خوف کریں چچی۔ آپ کو کیا ضرورت ہے۔ اچھا خاصا گورا رنگ ہے آپ کا......“ شازیہ آپا نے انہیں ابٹن ملتے دیکھ کر ٹوکا تھا۔

”ہاں یونہی تو نہیں مجھے وہ ریشماں صاحبہ ”آٹے کی بوری“ کہتیں......“ وہ کھلکھلا کر ہنسیں تو تینوں نے خوشگوار حیرت سے ان کا چہرہ دیکھا جو ابٹن کے ساتھ خاصا مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔

”چچی آپ کو پتا ہے کہ وہ آپ کو آٹے کی بوری کہتی ہیں، آپ نے انہیں کچھ نہیں کہا؟“ چھوٹی کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی حیرت تھی۔ اپنے تئیں وہ تینوں یہی سمجھتی رہیں کہ چچی اس بات سے بے خبر ہیں اور انہوں نے بھی ان کی دل آزاری کے خوف کی وجہ سے نہیں بتایا تھا۔

”لو میں کیوں انہیں کچھ کہوں، یاد نہیں میں نے بھی ان کا نام کسی زمانے میں ”ڈولی باندرا“ رکھا ہوا تھا۔ اور وہ اس بات سے واقف بھی تھیں جب انہوں نے مجھے کچھ نہیں کہا تو میں کیوں کم ظرفوں کی طرح ان سے اس بات پر پنگا کرنے بیٹھ جاتی......“ چچی خاصی زندہ دل خاتون تھیں اس کا تو سارے خاندان کو اندازہ تھا لیکن وہ اس قدر وسیع ظرف کی بھی حامل ہوں گی اس کا اندازہ ان بہنوں کو ابھی ابھی ہوا تھا۔

اسی وقت دروازہ جھٹکے سے کھلا اور ہانپتا کانپتا جنید سیدھا کارپٹ پر پڑے میٹرس پر آ گرا تھا۔ وہ چاروں سخت حیرانی سے اسے پسینے میں شرابور لمبی لمبی سانسیں لیتے دیکھ رہی تھیں۔

”اوہ جگر، خیر ہے ناں کہیں میراتھن ریس میں تو حصہ نہیں لے کر آ رہے......؟“ چچی نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

”عابدہ پروین پھپھو کو لاری اڈے سے لے کر

گھر تک آنا بھی کسی میراتھن ریس میں حصہ لینے سے کم نہیں......“ اس کی سانسیں اب بھی بے ربط تھیں۔ تینوں بہنوں نے خوفزدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ ان تینوں کے برعکس چچی قہقہہ لگا کر ہنسی تھیں۔

”لو جی عابدہ پروین بھی اپنے ہمنوا گروپ کے ساتھ پہنچ گئیں۔ اس دفعہ خیر سے وہ اپنے ثقافتی طائفے میں کس کس کو شامل کر کے لائی ہیں؟“ چچی کے لہجے میں موجود تجسس جنید کو تو زہر ہی لگا۔ تبھی وہ بیزاری سے گویا ہوا۔

”اس ثقافتی طائفے میں ان کی اپنی چار بیٹیاں اور ان چار بہنوں کا انتہائی منحوس اور موٹا آلو، گپلو شامل ہے۔“ گپلو کا نام تو اشعر تھا لیکن اس کی صحت مند وجود کی وجہ سے سارا خاندان گپلو کہتا تھا۔

”اچھا......! کیا ان کے سسرالی رشتے داروں میں سے کوئی نہیں آیا......؟“ چچی کو سخت حیرت ہوئی تھی۔

”ایسا کبھی پہلے خاندان کی تاریخ میں ہوا ہے جو آج ہوتا......“ جنید نے چڑ کر ان کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔ ”خیر سے ان کی ایک عدد جیٹھانی صاحبہ اپنے ایک لفنگے سے بیٹے کے ساتھ ہیں جس نے کسی ہیرو کی طرح بال بڑھا رکھے ہیں اور ان دونوں کے علاوہ پھپھو کی ایک عدد نند بھی اپنے تین بچوں کے ہمراہ ہیں۔“

”یا اللہ خیر......!“ بڑی آپا کو بڑی فطری سی پریشانی ہوئی تھی۔

”وہ سارے ایک طرف، پھپھو کا گپلو ایک طرف۔ اسے تو لگتا ہے کہ کھانے کا ہوکا ہے، راستے میں چار دفعہ ٹیکسی رکوا کر موٹے نے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں حتیٰ کہ ٹیکسی ڈرائیور چڑ کر بولا کہ ”اگر آپ کہیں تو میں آپ کو کسی ہوٹل میں ہی لیے چلتا ہوں۔“ مت پوچھیں کہ اس چار سال کے بچے کی وجہ سے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی۔“ جنید تپا بیٹھا تھا۔

”دفع کرو ان سب کو یہ بتاؤ خدانخواستہ وہ نانا پاٹیکر بھی ساتھ آیا ہے......؟“ چچی تجسس کے مارے اس کے بالکل پاس آ گئی تھیں۔

”نانا پاٹیکر......وہ کون ہے؟“ چھوٹی نے سخت حیرت سے چچی کو دیکھا جو ابٹن ملنا بھول گئی تھیں۔

”آئے ہائے وہ اس عابدہ پروین کا میاں، جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا، کم بخت عورتوں کی محفل میں گھسنے کا انتہائی شوقین اور وہاں بیٹھ کر جب سگریٹ پر سگریٹ جلا کر بے ہودہ شاعری سناتا ہے تو دل کرتا ہے کہ اسے دس سال تک اسی کے گھر میں ”نظر بند“ کر دوں جہاں اکیلے رہ رہ کر اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ دے اور اسے ساری شاعری بھول جائے......“ چچی کو ابھی تک منجھلی کی شادی کا وہ دردناک واقعہ نہیں بھولا تھا جب موصوف انہیں بطورِ خاص ایک انتہائی رومینٹک غزل زبردستی سنا رہے تھے اور ان کے میاں نے چھاپا مار دیا تھا۔ تب چچی کے اپنے میاں کے ساتھ پورے دو مہینے تعلقات سخت کشیدہ رہے تھے۔

”خدا کا خوف کریں چچی، آپ انہیں نانا پاٹیکر کہتی ہیں جب کہ بڑی پھپھو ”دھواں چھوڑنے والا انجن“ کہتی ہیں، اگر عابدہ پھپھو کو پتا چل جائے تو ان کا کتنا دل خراب ہو۔“ جنید نے انہیں شرم دلانے کی ناکام کوشش کی۔

”لو وہ خود اسے ”نشئی باندر“ کہتی ہے......“ چچی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسیں۔ ان کے اس اسٹائل پر وہ بھی مسکرا دیا۔

☆☆☆

”مبارک ہو، وہ جو عابدہ پھپھو کی جیٹھانی کا بیٹا ہے، اس نے آتے ہی تجل کے ساتھ لائن فٹ کر لی ہے......“ منجھلی آپا ابھی ابھی نیچے کا دورہ کر کے تازہ ترین خبریں لائی تھیں۔

"چلو اچھا ہے، مسٹنڈا کسی کام سے تو لگا۔ جب ریشماں آپا کے ہتھے چڑھے گا تو ایسی طبیعت صاف کریں گی کہ سیدھا وہاں سے کسی تبلیغی اجتماع میں ہی جائے گا۔" چچی کچھ مطمئن ہوئیں۔

"ہاں، آپ یہاں چھپی بیٹھی ہیں اور نیچے آپ کے صاحبزادے اپنے والدِ محترم سے فرمارہے تھے کہ والدہ "لک ٹوئنٹی ایٹ کڑی دا" پر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہیں اور چچا غصے سے لال پیلے ہوئے آپ کی تلاش میں کنوؤں میں بانس ڈلوا چکے ہیں۔" منجھلی آپا کو اچانک یاد آیا تو وہ اس کی اس نئی اطلاع پر دہل کر اٹھیں۔

"دیکھا تم سب نے، کتنی مکار اور فسادی اولاد ہے میری......" انہوں نے اپنی بھاری بھرکم کمر پر ہاتھ رکھ کر ان تینوں بہنوں کو بے تحاشا ہنستے ہوئے دیکھا۔ "اس خبیث کو میں نے یہاں سے تھوڑی دیر پہلے ہی طبیعت سیٹ کر کے نیچے بھیجا تھا اور اس نے جاتے ہی اپنے باپ کو تیلی لگا دی۔ اس کی تو میں جا کر ٹانگیں توڑتی ہوں اس کومل شہزادی کے سامنے" وہ کسی میزائل کی طرح اُڑتے ہوئے کمرے سے نکلی تھیں۔

"چچی دھیان سے، آپ کا صاحبزادہ، کومل شہزادی کے ہاتھ کی بنی چائے اپنے ابا کے ساتھ بیٹھا پی رہا ہے۔" منجھلی نے انہیں مزید تازہ ترین بتا کر طیش دلایا تھا۔

☆☆☆

"کالا شاہ کالا، میرا کالا ہے دلدار تے گوریاں نوں پراں کرو......" جنید کو مٹھائی کا ٹوکرا اندر لاتے دیکھ کر ڈھولک بجاتی کسی لڑکی نے فوراً ہی گانے کی تان اٹھائی تھی۔ جنید ٹی وی لاؤنج میں لڑکیوں کی فوج کو دیکھ کر تھوڑا سا بوکھلایا۔ اپنی بہنوں کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن کمرے میں رنگ و بو کا ایک سیلاب امڈا ہوا تھا۔ اپنے اوپر ڈھیروں شرارتی نظریں اور شوخ جملے اسے خفت زدہ کر رہے تھے۔

"میں آپ تلے دی تار، کالا شاہ کالا......" زرد رنگ کے سوٹ میں تجل کی شہابی رنگت خوب کھل رہی تھی۔ اس کی طنزیہ نظریں اور استہزائیہ لہجہ جنید کے علاوہ کوئی بھی وہاں سمجھنے سے قاصر تھا۔ باقی لڑکیاں بھی اس کی آواز کے ساتھ آواز ملا رہی تھیں۔ ڈھولک کی تھاپ اور نسوانی قہقہوں نے ماحول خاصا گرم کر رکھا تھا۔

وہ لڑکیوں کے ہجوم سے بچتا، بچاتا، مٹھائی کا ٹوکرا اٹھا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا، گھر کا اسٹور پہلی منزل پر تھا۔ وہ ابھی اوپر پہنچا ہی تھا کہ لائٹ چلی گئی۔ اسٹور میں ٹوکرا رکھ کر اس نے سب سے اوپر والی منزل پر قدم بڑھائے جہاں جنریٹر رکھا ہوا تھا۔ ابھی وہ ٹیرس پر پہنچا ہی تھا کہ گھر میں موجود کسی لڑکے نے شاید جنریٹر آن کر دیا۔ پورے گھر کی لائٹیں روشن ہو گئی تھیں۔ اس نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے تو دادی کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ ریشماں پھپو کی غصے سے لبریز آواز پر چونکا۔ ویسے تو ان کا والیوم عام حالات میں بھی بلند ہی ہوتا تھا لیکن مزاج میں تیزی کے ساتھ ہی آواز بھی باقاعدہ پھٹنے لگتی تھی۔ جس طرح اس وقت بھی وہ کسی جوشیلے سیاستدان کی طرح بول رہی تھیں۔

"اماں، یہ فریدہ بھابی کی آخر جرأت کیسے ہوئی، میری گوری چٹی، اونچی لمبی، ہیرے جیسی بیٹی کے رشتے کی بات کرنے کی، میں نے تو ٹھیک ٹھاک سنائی انہیں......" ان کی بات پر وہ چونکا اور پھر ٹھٹک کر وہیں دروازے کے پاس رک گیا۔ ساری قوم مایوں کے فنکشن میں گم تھی۔ اس لیے اوپر خاصا سکون تھا۔ بس جنریٹر کے چلنے کی آواز تھی جس کی وجہ سے جنید کو ان کی باقی گفتگو سننے میں تھوڑی سی دقت ہو رہی تھی۔

"اے ریشماں ذرا ہتھ ہولا رکھ، جنید کو کون سے کنڈے (کانٹے) لگے ہیں جو یوں باؤلی ہو کے بول رہی ہے......" دادی کو مشتعل ہونے میں کون سا دیر لگتی تھی اور جنید کے ساتھ ان کی انسیت کا تو سارا خاندان گواہ تھا۔ "پاگل ہوئی ہے، ناشکری نہ کر، گھر بیٹھے بٹھائے تیری لمبی زبان والی بیٹی کو کس نے پوچھنا ہے......" دادی بھی بدلحاظ ہوئیں۔

"کیا مطلب ہے اماں...... اب کیا میں منہ اٹھا کر اپنی ہیرے جیسی بیٹی اس "کالی گھٹا" کے پلے باندھ دوں؟ کل نوری کے دماغ میں کوئی کیڑا ابلبلا اٹھا تھا آج آپ کو کسی نے چابی دے رکھی ہے۔" ان کے لہجے کا تنفر جنید کے لیے سخت صدمے کا باعث بنا تھا۔ اسے والدہ کی لال سرخ انگارہ بنی آنکھوں کا اصل سبب ابھی ابھی سمجھ آیا تھا۔

"دیکھ ریشماں تو نے رشتہ نہیں دینا، نہ دے لیکن ایسے منہ پھاڑ پھاڑ کے باتیں بھی نہ کر۔" دادی کا پارا بھی آج ہائی تھا۔

"کھے تے سواہ، سارا جگ ہی میرا اور میری بچی کا ویری بنا پھر رہا ہے۔ اللہ جانے اس فریدہ میسنی نے آپ کو کون سے تعویذ گھول کر پلا دیے ہیں، مجھے اس ڈرامے کا پتا ہوتا تو گھر سے ہی نہ نکلتی، بھاڑ میں جاتی شادی اور بھاڑ میں جاتے رشتے دار۔" ان کا بلڈ پریشر کسی بھی صورت قابو نہیں آرہا تھا۔ اس کا اندازہ تو جنید کو باہر کھڑے کھڑے ہو گیا تھا، اللہ جانے دادی کی گنگا کیوں الٹی جانب بہہ رہی تھی۔

"لو ہم کیوں ہونے لگے تیری بیٹی کے ویری دشمن......" دادی نے لہجے میں دنیا جہان کی بیزاری بھر کر کہا۔ "کچھ ہوش کے ناخن لے، تین تین جوان جہان فیشنی بیٹیوں کی ماں ہے تو، کیا شادیاں نہیں کرنی ان کی، کب تک بٹھائے رکھو گی؟" دادی کے لہجے میں بیزاری کے ساتھ ساتھ تلخی بھی ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی۔

"شادیاں کرنی ہیں میں نے، سر سے اتار کر پھینکنا نہیں ہے انہیں......" ریشماں پھپو کسی سوکھی لکڑی کی طرح چٹخیں۔ "میری تجل نے جب سے جنید کے رشتے کا سنا ہے، بچی کا اتنا دل خراب ہوا ہے کہ مت پوچھیں۔" ان کا دکھ کسی صورت کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"اے ریشماں، یہ دیکھو، ہاتھ جوڑے میں نے تمہارے آگے، غلطی ہو گئی جو تمہاری شہزادی تجل کا رشتہ پوچھ بیٹھے، اس میں بھی فریدہ کا کوئی قصور نہیں تھا، وہ کہاں راضی تھی۔ میں نے اس بے چاری کو حکم دیا تھا۔" دادی نے غصے میں اصل بات اگلی تو جنید کچھ پُرسکون ہوا۔ اسے والدہ سے اس طرح کے فضول فیصلے کی ہرگز توقع نہیں تھی اور تجل تو اسے ویسے ہی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی۔

"یہ تمہاری دادی اب اتنی بھی ناقابلِ برداشت نہیں، جتنا میں انہیں سمجھتی ہوں، کبھی کبھی خاصی معقول باتیں بھی کر جاتی ہیں۔" چچی کی آواز پر وہ بری طرح ٹھٹکا اور انہیں بالکل اپنے پیچھے کھڑے دیکھ کر اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔

"زیادہ شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، فوراً جا کر اپنا صدقہ دو کہ اگر خدانخواستہ ریشماں آپا کا دماغ چل جاتا اور وہ رشتے کے لیے ہاں کر دیتیں تو سوچو تمہارا کیا بنتا......" انہوں نے انتہائی اپنائیت اور محبت بھرے انداز میں کہا تھا۔

"اللہ نہ کرے چچی کہ ایسا ہوتا......" جنید نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھ کر انہیں دہل کر دیکھا۔ جو سرخ رنگ کے سوٹ میں خود بھی خطرے کا چلتا پھرتا اشتہار لگ رہی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے کہ باورچی خانے کے پیچھے بنی گیلری میں ہماری نند صاحبہ کی تجل شہزادی اس ہیرو کے ساتھ عہد و پیماں میں مصروف ہیں جو شکل سے ہی فراڈیا لگتا ہے۔ میٹرک میں فیل ہونے کے بعد اس

نے آڈیو ویڈیو سی ڈیز کا ایک چھوٹا سا کھوکھا بنا رکھا ہے۔" چچی بڑے مزے سے اسے بتا رہی تھیں۔

"ہمیں کیا چچی، آپ بھی مٹی ڈالیں......" اس کی بے پروائی میں بھی ایک محسوس کی جانے والی رنجیدگی تھی۔ جسے محسوس کرتے ہوئے چچی نے اسے تسلی دی۔

"تم ٹینشن نہ لو، اپنے جنید شہزادے کے لیے ہم تو پری لائیں گے پری۔"

"باز آیا میں ان شہزادیوں اور پریوں سے......" جنید نے باقاعدہ ان کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔ "میری بس اتنی گزارش ہے کہ کوئی میرے جیسی عام سی لڑکی ڈھونڈ لیں، جو گھر سنبھالنے والی ہو جو میری شوگر کی مریضہ ماں اور جوڑوں کے درد میں مبتلا دادی کا خیال رکھے۔" جنید کی بات پر چچی کو بے اختیار ہی اس پر پیار آیا تھا وہ انہیں اپنے بیٹوں کی طرح ہی عزیز تھا۔

"یہ بتاؤ جنید کیا تمہیں اپنی چچی پر اعتبار ہے......؟" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیرس کی طرف لا کر پُراسرار انداز میں بولیں۔

"کیا مطلب......؟" وہ بری طرح ٹھٹکا اور مسکراتے ہوئے ان کی ہونٹوں کے کناروں سے نکلتی سرخ لپ اسٹک کو دیکھا جو خاصی پھیل چکی تھی۔

"مطلب یہ کہ اپنی چچی کی پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کر لو گے......؟" ان کی بات پر اس نے سکون کی سانس لی اور چچی کا پُرخلوص چہرہ دیکھا۔ ان کے خلوص پر تو ان چاروں بہن بھائیوں کو کبھی شبہ نہیں رہا تھا۔

"ہاں کر لوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ لڑکی پڑھی لکھی اور شریف ہو۔ ہاں اس لڑکی کو میری تصویر ضرور دکھا دیجیے گا اور بتا بھی دیجیے گا کہ لڑکا چیری بلاسم جیسا ہے اگر پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس کے استہزائیہ انداز پر چچی نے شکوہ آمیز انداز سے اسے دیکھا۔ وہ پہلی دفعہ اس کے منہ سے ایسی بات سن رہی تھیں ورنہ اس کی باتوں سے کبھی نہیں لگا تھا کہ اسے اپنی رنگت کا کوئی کمپلیکس ہے۔

"بہت بری بات ہے جنید، مجھے تم سے ایسی بات کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ تم ایسی فضول اور بے تکی باتوں کو کب سے اہمیت دینے لگے......" انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ زبردستی مسکرایا۔

"پہلے تو نہیں کرتا تھا ایسی باتیں لیکن ریشماں پھپو کی باتوں نے دماغ خراب کر دیا......" اس نے بھی صاف گوئی کی حد کر دی تھی۔

"دفع کرو تم انہیں، ان کی تو مت ماری ہوئی ہے۔ جوان جہان بچیوں سے بالکل غافل ہیں بھلا ایسی غفلت ماؤں کو زیب دیتی ہے۔ ایک بیٹی اس ہیرو کے ساتھ اور دوسری میرے شعیب کے گلے فِٹ ہونے کے چکروں میں ہے۔ ماں نے بھی بس ان کو حسن کے لشکارے مارنے کی ہی تربیت دی ہے باقی چیزوں کے معاملے میں ان کا دماغ کا خانہ بھی ماں کی طرح خالی ہی ہے۔" چچی کے لہجے کی تلخی اب بیزاری بن کر ان کے چہرے سے عیاں تھی۔

"آپ چھوڑیں انہیں، ہر انسان اپنے نفع نقصان کا خود ذمے دار ہوتا ہے، ہمیں کیا......" جنید نے ٹیرس سے لان میں جھانکا۔ سامنے ہی جلال بھائی اپنے جلالی موڈ کے ساتھ کچھ بچوں پر برس رہے تھے۔ "ان کا کیوں دماغ خراب ہو گیا......" اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا تھا۔

"اچھا سنو، میری کزن کی ایک بیٹی ہے ایم ایس سی کر رکھا ہے۔ انتہائی شریف گھرانا ہے، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟" چچی حد درجہ سنجیدہ انداز میں اس سے پوچھ رہی تھیں۔

"اعتراض کس بات پر......؟" اس کی سوالیہ نگاہیں ان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"بھئی تمہاری کزنز کی طرح ماڈرن نہیں۔ نہ ہی اسے منہ بگاڑ بگاڑ کر بات کرنی آتی ہے۔ اس

لیے کہہ رہی ہوں کل کو کہو کہ اتنی سادہ لڑکی میرے پلے باندھ دی۔" چچی نے صاف بات کی۔

"نہیں، مجھے کوئی مسئلہ نہیں لیکن آپ امی کو دکھا لائیں کیونکہ مجھے ان کی سخت ٹینشن ہے، وہ چھوٹی کے بعد کیسے اکیلے سارا گھر سنبھالیں گی۔ وہ بے چاری تو کافی عرصے سے میرے پیچھے تھیں لیکن میں ہی اس معاملے کو سیریس نہیں لے رہا تھا۔" اس نے بھی سادگی اور تابعداری کی انتہا کر دی تھی۔

"فریدہ بھابی کو تو بہت پسند ہے وہ لڑکی لیکن ایک مسئلہ ہے......" وہ تھوڑا سا تذبذب کا شکار ہو کر رکیں اور پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد گویا ہوئیں۔

"لڑکی چونکہ میری کزن کی بیٹی ہے اور مجھے پتا ہے کہ اس کا بھائی پرسوں جنوبی افریقا جا رہا ہے، وہ لوگ منگنی کی جگہ نکاح کریں گے اور وہ بھی کل......" چچی نے اس پر دھڑا دھڑ بمباری کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔

"کیا......؟" اسے سخت تعجب ہوا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے، انہوں نے نہ مجھے دیکھا اور نہ ہی کوئی اور پوچھ پڑتال کی اور اتنی عجلت میں نکاح کے لیے تیار ہو جائیں......؟"

"بھئی جہاں تک دیکھنے کی بات ہے تو اس کے والدین نے تمہیں اچھی طرح دیکھ رکھا ہے۔ اس کا بھائی بھی تمہیں جانتا ہے۔ فریدہ بھابی بھی ایک فنکشن میں بچی سے مل چکی ہیں۔ میں نے کافی عرصے پہلے ان سے بات کی تھی لیکن ان دنوں ہی چھوٹی کا سلسلہ شروع ہو گیا اور تم نے ہم خواتین کو لفٹ ہی کروانا چھوڑ دی۔ اس لیے معاملہ ملتوی ہوتا گیا۔" چچی کا انداز ذو معنی تھا۔ "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لڑکی نے تمہیں خود دیکھ رکھا ہے اور اس رشتے میں سو فیصد اس کی اپنی پسند بھی شامل ہے۔"

"ذہنی توازن تو ٹھیک ہے ناں لڑکی کا؟ یا پھر کلر بلائنڈ ہے وہ......؟" وہ ہلکا سا جھنجلایا۔ "اس نے مجھے کہاں دیکھا ہے......؟"

"منجھلی کی شادی میں میرے ساتھ میرون رنگ کے سوٹ میں ایک لڑکی نہیں تھی جسے ہم لوگ رات کو گھر بھی چھوڑنے گئے تھے اور خوب بارش ہو رہی تھی۔" چچی نے اسے یاد دلانے کی بھرپور کوشش کی تھی، اسے اتنا تو یاد تھا کہ اس طوفانی بارش میں چچی کی کسی بھانجی کو چھوڑنے گئے تھے لیکن شکل یا حلیہ سوچنے پر بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ ویسے بھی وہ لڑکیوں کے معاملے میں خاصا بے پروا سا لڑکا تھا۔ اسے کبھی ان میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ سارا دن اس کے اسٹور پر لڑکیوں کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔

"کمال کرتی ہیں چچی، تین سال پرانی بات مجھ سے پوچھ رہی ہیں، مجھے کچھ یاد نہیں......" اس نے سادگی سے کندھے اچکائے

"ہاں ایک اور بھی مسئلہ ہے......؟" چچی تھوڑا سا پھر تذبذب کا شکار ہوئیں تو وہ اچھا خاصا جھنجلا گیا۔

"ایک دفعہ ہی سارے ایٹم بم کیوں نہیں چلا دیتیں آپ......؟"

"قسطوں میں بات بتانے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ ہاں مسئلہ یہ ہے کہ میری بھانجی کی رنگت بھی تھوڑی سی دبتی ہوئی ہے کہیں تم کل کو کہو کہ بتایا نہیں۔" چچی پُراسرار انداز میں مسکرائیں۔

"توبہ ہے چچی، میں آپ کو ایسا لگتا ہوں۔ فکر نہ کریں مجھے گوری رنگت کا ایسا کوئی خبط نہیں اور الحمدللہ ہمارے گھر میں کافی ٹیوب لائٹس ہیں، اس لیے ہم نے لوڈشیڈنگ میں کوئی "چانن" کرنے کے لیے بھی کوئی نمونہ گھر نہیں لانا۔" اس کے چڑ کر بولنے پر چچی کا قہقہہ بڑی قوت سے ان کے حلق سے نمودار ہوا تھا۔ اسی وقت نیچے سے کچھ بچے بھاگتے ہوئے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اوپر آئے تھے۔

"جنید بھائی، جنید بھائی آپ یہاں ہیں

"اور آپ کو سب نیچے ڈھونڈ رہے ہیں۔۔۔۔۔"

"کیوں، میں نے کون سا دیگوں میں چمچ چلانا ہے یا پھر فیتہ کاٹ کر کسی فنکشن کا افتتاح کرنا ہے۔" اتنی اہم گفتگو میں ان کی مداخلت اسے ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اس لیے وہ نیچے جھاڑ کر بچوں کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ ویسے بھی اس شادی کے کاموں نے اس کے دماغ کی چولیں تک ہلا رکھی تھیں۔

"جنید بھائی، عابدہ پھپو کے بیٹے نے باہر گلی میں بنے گٹر میں اپنا سر پھنسا لیا ہے۔۔۔۔۔" اس کے غصے سے خائف ہو کر سب سے بڑے بچے نے اسے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی جسے سنتے ہی اس کا دماغ گھوم گیا۔

"وہ موٹا، وہاں کون سی ریسرچ کرنے گیا تھا جو پھنس گیا۔ اندر گر ہی جاتا تو اچھا تھا۔۔۔۔۔" اس نے بہ مشکل خود کو مشتعل ہونے سے روکا تھا۔ یہ بچہ جب سے آیا تھا ان سب کے لیے ایک امتحان بنا ہوا تھا اوپر سے عابدہ پھپو کی دہائیاں سب کو بوکھلائے رکھتی تھیں۔

"اللہ ہدایت دے اس عابدہ پروین کے آخری راگ کو، جب سے یہ آیا ہے کہیں نہ کہیں اٹک یا پھنس ہی رہا ہے۔۔۔۔۔" چچی بھی اس کے پیچھے فکرمندی سے لپکی تھیں۔ نیچے سارا ماحول خاصا گرم تھا۔ دلہن سمیت سارا خاندان گلی میں تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی میلہ لگا ہو۔

"پھپو، برا نہ منائیے گا، لگتا ہے آپ نے شاید اس بچے کی پیدائش کے موقع پر ہری مرچیں خوب کھائی تھیں، کبھی سکون نہیں اسے۔ کل فریج میں گھس گیا تھا۔ رات کرنٹ لگوا بیٹھا اور اب گٹر کو وختا ڈال رکھا ہے۔۔۔۔۔" جلال بھائی نے بے رخی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے عابدہ پھپو کو کہا جو اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ ہائے ہائے کر کے سب کو دہلا رہی تھیں۔

"کیا کہہ رہے ہیں، بچہ ہے اور بچے تو ایسی شرارتیں کرتے ہی ہیں۔" بڑی آپا نے پھپو کے چہرے کے زاویے بگڑتے دیکھ کر فوراً معاملہ سنبھالنے کی ناکام کوشش کی۔ ان کے لہجے میں بڑی مصلحت بھری سی حمایت تھی۔

"یہ بچہ ہے یا شیطان؟ مجال ہے کہ سکون سے بیٹھتا ہو، کل میں اچھا خاصا بیٹھا کھانا کھا رہا تھا ہاتھ مار کر سارا سالن میز پر گرا دیا۔" جلال بھائی کے جلال میں آنے کی بڑی وجہ وہاں موجود بھی حاضرین کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ جب کہ عابدہ پھپو نے ان کے منہ لگنے سے دانستہ ہی پرہیز کیا تھا۔ ان کی زبان درازی کے قصے انہوں نے خوب سن رکھے تھے اور ریشماں آپا کے ساتھ پچھلی شادی کی تقریب میں ہونے والا معرکہ بھی ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ہوا تھا۔

"ہائے کوئی تو میرے بچے کو بچا لے۔۔۔۔۔"

انہوں نے ایک اور دل دہلا دینے والی چیخ مار کر سارے خاندان کو ڈرا دیا تھا۔

"پھپو بھی آپ کے گپلو کا ہی موٹے تربوز جتنا سر باہر نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں کوئی گٹر کے سرہانے کالا باغ ڈیم کا مسئلہ نہیں حل کر رہے۔۔۔۔۔" جلال بھائی کو ان کی چیخ سن کر جلال آ گیا تھا حالانکہ وہ خود گٹر سے نکلنے والی بدبو کی وجہ سے کافی دور کھڑے تھے۔ جنید اور شعیب کے ہی ستارے گردش میں تھے جو گپلو کا سلاخوں میں پھنسا سر باہر نکالنے کی کوشش میں بے حال تھے۔

"آئے ہائے جلال، کیوں میرے معصوم بچے کے پیچھے منہ ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔ اس نادان نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟" عابدہ پھپو نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں آپس میں رگڑتے ہوئے تنگ کر کہا۔

"ہم اس کے پیچھے نہیں پڑے، وہ میری سالی کی ساری تقریب خراب کرنے پر تلا ہوا ہے۔۔۔۔۔" جلال بھائی نے سینہ پھلا کر دائیں بائیں کھڑی خواتین کو دیکھ کر دانستہ آواز بلند کی۔ "غضب خدا کا تین سال کا بچہ اور وزن دیکھو، چلتا پھرتا ڈھول لگتا ہے۔ اب بندہ پوچھے اس رات کے اندھیرے میں اس گٹر میں کون سا ایجنڈا سیٹ ہو رہا تھا جس کا معائنہ کرنے صاحبزادے گئے اور سر پھنسا بیٹھے۔۔۔۔۔" جلال بھائی نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے وہاں موجود کافی لوگوں کو تاؤ دلا دیا تھا۔ کسی بڑے ہنگامے کے پیش نظر بڑی آپا نے بہ مشکل اپنے شوہر کا بازو پکڑا اور زبردستی اندر لے گئیں۔

"تم کیوں اس توپ کے گولے کے منہ لگ رہی ہو۔ یہ تو ہر وقت گرجنے برسنے پر تیار رہتا ہے۔۔۔۔۔" ریشماں آپا نے چھوٹی بہن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ اسی دوران جنید بہ مشکل ایک دو لوگوں کی مدد سے عابدہ پھپو کے آخری راگ کو صحیح سلامت نکالنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"یہ تم لوگ کس خوشی میں بج سنور کر باہر نکل آئی ہو۔۔۔۔۔ اندر جاؤ سب۔۔۔۔۔" جنید کے غضب ناک لہجے اور شعلہ برساتی آنکھوں سے گھبرا کر ساری لڑکیاں ایک دوسرے پر گرتی پڑتی اندر کو بھاگیں۔ ان لڑکیوں کے ہار سنگار اور خواہ مخواہ کی کھی کھی سن کر اردگرد سے کافی قدردان اکٹھے ہو گئے تھے۔ جنہیں دیکھ کر جنید ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا، سب ٹھیک ہے، صاحبزادے اپنے پانچ روپے کے سکے کی تلاش میں اپنا سر وہاں لگی سلاخوں میں پھنسا بیٹھے۔" جنید نے بیزاری سے انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کیا تھا۔

"شکر خدا کا ہمارے بچے کی جان بچ گئی، بہت شکریہ بیٹا تمہارا۔۔۔۔۔" ریشماں پھپو کا محبت بھرا انداز اسے پہلی دفعہ مصنوعی محسوس ہوا تھا۔

"پتا نہیں لوگ اتنی زیادہ منافقت کیسے کر لیتے ہیں۔" ایک تلخ سوچ نے اس کے ذہن کا احاطہ کیا تھا۔

"جنید جا کر امی اور دادی کو ناظم آباد چھوڑ آؤ، انہیں ضروری کام ہے۔۔۔۔۔" اندر آتے ہی منجھلی

سالگرہ

اس موقع پر
سنو!
اس سال پھر
یہ عہد کرتے ہیں
رنجشیں بھلا کر
انا کی دیواریں گرا کر
مرد و عورت کا جھگڑا مٹا کر
بچوں کے ماں باپ بن کر
رواداری نبھائیں گے
اپنا آپ مٹا کر
محبت کے دیپ جلائیں گے
کہو ناں! ہاں! ہاں!

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

سالگرہ مبارک

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے یہ میری
کہ ایسا روزِ مبارک ہزار بار آئے
تمہاری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزاروں پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

از: شائستہ نازش، کراچی

سالگرہ کا تحفہ

اب اس کی یاد سے اس کا بدن تراشتے ہیں
وہ خواب بھی تو نہیں تھا کہ ہم بھلا دیتے
اسی کے واسطے محسن کہی ہے تازہ غزل
اب اس کی سالگرہ پر ہم اور کیا دیتے

شاعر: محسن نقوی

مرسلہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

آپا کی فرمائش پر اس کا دماغ گھوم گیا۔ پہلے ہی بدبو کی وجہ سے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔

"یہ والدہ اور چچی کو بھی سکون نہیں ہے۔ گھر میں مایوں کی رسم ہے اور ان کو نئے نئے دورے سوجھ رہے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں کڑھتا ہوا واش روم میں گھسا، تھکن اور بیزاری اس کے انگ انگ سے نمایاں تھی۔ شادی نے اسے اچھا خاصا تھکا دیا تھا۔ شاور لے کر طبیعت کو خاصا افاقہ ہوا تھا۔ گرما گرم چائے کی طلب اسے کچن میں لے آئی تھی اور وہیں جا کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی جب پتا چلا کہ جلال بھائی خواتین کو ڈراپ کرنے جا چکے ہیں۔ چائے کا کپ لے کر وہ ٹی وی لاؤنج میں آیا تو تینوں پھپیوں کے غبارے کی طرح پھولے چہرے اس کے لیے مزید کوفت کا باعث بنے۔

"دیکھ لو جنید، تمہاری ماں تو ہمیں ایک منٹ میں غیر بنا دیتی ہے۔ ہمارا بھائی زندہ ہوتا تو ہم دیکھتے کہ کون ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے۔" ریشماں پھپو نے اسے دیکھتے ہی تیوری چڑھا کر کہا تو اس کا دل کوفت کے گہرے احساس کے ساتھ بھر گیا۔

"کیوں، کیا ہوا......؟"

"ہونا کیا ہے، تمہارے لیے لڑکی دیکھنے گئے ہیں سب، انہوں نے گاڑی میں اپنی ساس، دیورانی، دیور، اور اپنے داماد کو ڈالا اور سارا قافلہ ناظم آباد نکل گیا۔ ہمیں کسی نے جھوٹے منہ نہیں پوچھا......" ریشماں پھپو کے چہرے پر بڑا عجیب سا تاثر پھیلا ہوا تھا۔

"لیں پھپو، آپ کو کہاں سے غیر بنا دیا، ان کے ساتھ آپ کی سگی والدہ اور سگے بھائی موجود ہیں اور پھر گاڑی میں جتنے لوگ آ سکتے تھے، اتنے ہی لے جائے جا سکتے ہیں ناں، گاڑی ہے کوئی ٹرک تو نہیں......" اس نے بھی ہنستے ہنستے چوٹ کی تو وہ سب چونک گئیں۔ یہ لب و لہجہ ان کی سماعتوں کے لیے بالکل نیا تھا۔

"بھئی مرضی ہے تم لوگوں کی، ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ ہم تو مرحوم بھائی کی محبت میں اٹھ کر آ جاتے تھے۔ اب نہیں آئیں گے......" ریشماں پھپو نے اپنی طرف سے بڑا جذباتی سا حملہ کیا تھا لیکن آج شاید ان کے بھی ستارے گردش میں تھے۔

"مرضی ہے پھپو آپ کی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ جس کو ہمارے دکھ سکھ کی پروا ہوگی۔ وہ خود آ جائے گا۔ اس کے لیے ہمیں کسی کی منت یا ترلے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اس کے دوٹوک انداز میں اجنبیت کا عنصر غالب تھا۔ جسے محسوس کر کے تینوں کا منہ ہی کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ ریشماں پھپو کو تو سخت دھچکا لگا تھا۔

"واہ بیٹا واہ، ہماری محبت پر تمہیں کب سے شک ہونے لگا......" نور جہاں پھپو نے بے ساختہ اٹھ کر اس کے ماتھے کا بوسہ لیا تھا۔ اس نے بھی بازوؤں کے گھیرے میں اپنی ان پھوپی کو لے کر اپنے ساتھ صوفے پر بٹھا لیا تھا۔ اسے کم از کم نور جہاں پھپو سے کوئی گلہ یا شکایت نہیں تھی۔

"امی ہم لوگ ساحل بھائی کے ساتھ طارق روڈ تک جا رہے ہیں کچھ شاپنگ کرنی ہے......" نجل نے دھڑام سے دروازہ کھولا اور عجلت میں ماں کو اطلاع دی اور آندھی کی طرح کمرے سے نکل گئی۔ انتہائی چُست سی جینز پر وہ تنگ سی شرٹ پہنے ہوئے نہایت بے ہودہ حلیے میں تھی۔ اس کے کمرے سے نکلتے ہی عابدہ پھپو نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"آپا تم بچیوں کو منع کرو، اتنی رات گئے جوان جہان لڑکے کے ساتھ باہر جانا مناسب نہیں اور پھر اس ساحل کے ساتھ تو اس کی ماں، سگی بہنوں کو اکیلے نہیں بھیجتی۔" عابدہ پھپو نے دبے دبے انداز سے انہیں کچھ سمجھانا چاہا۔

"تو جس لڑکے پر اس کی سگی ماں اعتبار نہیں کرتی تو تم کیوں اسے کندھے سے لٹکا کر شادی والے گھر میں لے آئیں۔" ریشماں پھپو نے کہیں کا غصہ کہیں نکالا تھا۔

"میں نہیں لٹکا کر لائی، وہ اپنی سگی ماں کے ساتھ ہی آیا ہے۔ میری جیٹھانی صاحبہ، میری نند کو لے کر کسی ملنے والے کے گھر گئی ہوئی ہیں، ورنہ اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ ان بچیوں کا بھی دماغ سیٹ کر دیتیں اور جہاں تک انہیں شادی میں لانے کا معاملہ ہے تو فریدہ بھابی نے میرے سارے سسرالیوں کو علیحدہ علیحدہ شادی کے کارڈ بھیجے تھے۔" عابدہ پھپو نے ان کی بات کا ٹھیک ٹھاک برا مانا تھا اور ناراضی کے اظہار کے طور پر وہ اپنے پہلو سے بیٹے کو لے کر قدرے رخ موڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ اس تنز والے واقعے کے بعد سے وہ اپنے بیٹے کو بالکل بھی اکیلا نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

"اب تو بچیاں نکل گئی ہوں گی اور ویسے بھی جب گھر کے لڑکوں کے پاس ٹائم نہ ہو تو انہوں نے تو اپنی ضرورتوں کے لیے کسی نہ کسی کے ساتھ نکلنا ہی ہے۔" ریشماں پھپو نے جنید کو نور جہاں کے ساتھ لاڈ کرتے دیکھ کر انتہائی بدمزہ انداز سے کہا تھا۔ نور جہاں سے تو انہیں ویسے بھی شکایت تھی کہ وہ فریدہ بھابی کی چمچی ہے۔

"ہاں تو گھر کا اکیلا بچہ، کون کون سے محاذوں کو دیکھے اور آپ کی بچیوں کو تو ویسے ہی الم غلم خریدنے کا ہوکا ہے۔ مارکیٹ میں جا کر ایسے آپے سے باہر ہو جاتی ہیں جیسے خدانخواستہ آخری دفعہ شاپنگ کر رہی ہوں۔" عابدہ پھپو کے لہجے میں کڑواہٹ اور آنکھوں میں بڑی گہری بے مروتی تھی۔ ان کی اس بات پر ریشماں کی رنگت پھیکی پڑی تھی۔ جبکہ جنید کے سامنے انہوں نے بہ مشکل خود کو بھڑکنے سے روکا تھا ورنہ اپنی چھوٹی بہنوں کی بے عزتی ان پر فرض ہو چکی تھی اور اب انہیں بے چینی سے موقع کی تلاش تھی۔

☆☆☆

"راجا کی آئے گی بارات
رنگیلی ہوگی رات
مگن میں ناچوں گی"

مسرت کا بلند آواز میں گنگنانا، بہت سے لوگوں کے مزاج برہم کرنے کا سبب بن رہا تھا۔ شام کو جنید کا نکاح اور رات کو چھوٹی کی مہندی نے سب

کی ہی دوڑیں لگا رکھی تھیں۔ ریشماں نے عابدہ پروین کی اچھی خاصی برین واشنگ کر کے انہیں اپنا ہمنوا بنالیا تھا۔ اب دونوں بہنیں ایک کونے میں گھسی نہ جانے کس کس کے گناہ بخشوا رہی تھیں۔

"سارے جہان کے لڑکوں کی منگنیاں اور نکاح ہوئے جا رہے ہیں اور ہماری ماں کو کوئی پرواہی نہیں کہ گھر میں تین، تین جوان لڑکے کنوارے گھوم رہے ہیں۔" شعیب دھپ کر کے فلور کشن پر وحید مراد کے برابر بیٹھا تھا۔ سامنے ہی وہ شام کو جنید کے نکاح میں پہننے والے سوٹ کی قمیص کو لیس لگا کر لمبا کرنے کی کوششوں میں مگن تھیں۔

"اللہ جانے کون سے سیارے پر بستی ہیں وہ مائیں، جو بیٹوں کی پیدائش کے ساتھ ہی اُن کے سر پر سہرا سجانے کے خواب دیکھنے لگتی ہیں۔" شعیب نے اپنی ماں کو سنانے کے لیے دانستہ آواز بلند کی اور ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کی آواز کم کی۔

"خدا جانے کس نگری میں ہوتے ہیں ایسے بیٹے، جو ماں باپ کو کما کر کھلاتے ہیں اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر لوگوں کی بیٹیوں کو اپنے گھر لانے کا سوچتے ہیں۔" انہوں نے بھی مصنوعی آہ بھر کر اپنے لختِ جگر کو گھورا تھا۔ جو کچن میں کھڑی کومل کو اپنی ماں کے سامنے ہی دن دیہاڑے تاڑ رہا تھا۔

"اے میری نادان ماں یہ حقیقت سمجھ لے کہ ہر بندہ اپنا رزق لے کر گھر آتا ہے......" شعیب نے اپنی والدہ کو سمجھانے کی شاید آج کوئی قسم کھا رکھی تھی۔

"بیٹا، تو بھی اپنی نظروں کو سنبھالنا سیکھ لے، ورنہ تیرے باپ کی پشاوری چپل اُڑتی ہوئی تیرے سر پر آئے گی......" ان کے تنبیہی لہجے پر وہ سنبھل کر بیٹھا اور کومل سے نظریں ہٹا کر اپنی ماں کا لال سرخ چہرہ دیکھا۔

"اماں آخر کب تک پرائے بچوں کی شادیوں میں لُڈی بھنگڑے ڈال کر اپنے شوق پورے کریں گی، میری نادان ماں کچھ تو خیال کر لیں......" شعیب کی اداکاری عروج پر تھی۔

"میرے ننھے، میرے نونہال، میری فکر نہ کر، اپنے مستقبل کو دیکھ، آنکھ کھول، باپ کا ڈنڈا دیکھ اور جنید کی محنت سے بنائی دکانوں سے کچھ عقل لے۔ جب تک تو اپنے پیروں پر نہیں کھڑا ہوتا میں خاندان کے بچوں کی شادیوں پر ناچ گا کر اپنے ارمان پورے کر لوں گی......" انہوں نے دانتوں سے دھاگا توڑتے ہوئے اپنے بیٹے کو خبردار کیا۔

"ہاں جب تک ہماری باری آئے گی تب تک تو ہماری اماں کے ہاتھوں میں لاٹھی آ جائے گی پھر اماں ایسا کرنا کہ ابا کے ساتھ مل کر اسٹک ڈانس ہی کر لینا۔" شعیب نے انتہائی برا سا منہ بنا کر کہا تھا اس کی بات پر کچھ فاصلے پر بیٹھی اپنے بالوں پر خضاب لگاتی نور جہاں بے ساختہ ہنس پڑی تھیں۔

"بیٹا تم فکر نہ کرو، میں اسٹک کے ساتھ ساتھ بیلے اور کتھک ڈانس بھی کر لوں گی، میرے بڑھاپے کی تم فکر نہ کرو، بس اپنا حال اور مستقبل سنوار و۔" مسرت ...... نے گوٹے کا پھول اٹھا کر غور سے دیکھتے ہوئے اپنے بیٹے کو مخلصانہ مشورہ دیا تھا۔

"ممانی چلو اور کچھ نہیں تو منگنی ہی کر دو بے چارے کی، بچہ خوش ہو جائے گا......" وحید مراد نے بھی اپنے کزن کی حمایت کی۔

"ناں پتر، تم نے شادی کر کے کون سا تیر مار لیا ہے جو اَب یہ مارے گا۔" مسرت ..... کا ہلکا پھلکا سا لہجہ قدرے فاصلے پر بیٹھی ریشماں ..... کو آگ لگا گیا تھا۔

"میرے بچے کے تو نصیب پھوٹ گئے جو وہ چڑیل اس کے متھے لگ گئی، میرے لال کی زندگی تباہ کر دی اس خرانٹ عورت نے......" ریشماں نے ..... اپنی اکلوتی بہو کو غائبانہ طور پر بے نقط سنائی تھیں۔

"تو میرے صاحبزادے کو کون سا کوئی شہزادی ملے گی۔ کوئی لال پیلی، نیلی چڑیل اس بھوت کو بھی مل جائے گی۔"...... انہوں نے وہاں بہانے بہانے سے چکر لگاتی کومل شہزادی کو دیکھ کر طنز کیا جس نے صبح سے نیلا بکیش کا سوٹ پہن رکھا تھا اور ریشماں ان کی واضح چوٹ کو سمجھ کر بلبلا اٹھی تھیں۔

"اے مسرت نذیر تم عورت ہو یا ڈائن جو اپنے ہی بچے کو ایسی بد دعائیں دے رہی ہو......" انہوں نے اس دفعہ ڈائریکٹ ان کو چھیڑنے کی غلطی کر لی تھی۔

"میں تو جو ہوں، ساری دنیا کو پتا ہے، لیکن آپ کی نزدیک کی نظر لگتا ہے کہ خاصی کمزور ہے یا پھر واقعی آپ کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے جو آپ نے اپنی بچیوں کو شترِ بے مہار کی طرح کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ آدم بو آدم بو کی طرح اِدھر اُدھر اپنے لیے "بر" تاڑتی پھر رہی ہیں آپ کی شہزادیاں۔" مسرت نذیر نے ہاتھ میں پکڑی قمیص گولا بنا کر تخت پر پھینکی اور کھل کر میدان میں اتر آئی تھیں۔ شعیب اور وحید اس اچانک آنے والے "سونامی" سے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"منہ سنبھال کر بات کرو، نعرے لگانے کی ضرورت نہیں، ورنہ زبان نکال کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی۔" ریشماں آپا نے غضب ناک نظروں سے اپنے سامنے تن کر کھڑی اپنی چھوٹی بھابی کو دیکھا۔ جن کے ساتھ ان کے تعلقات پاک، بھارت کی طرح ہی رہتے۔

"میری زبان ہتھیلی پر رکھنے کے بجائے، اپنی بچیوں کے سر ڈھکو اور انہیں شریف لڑکیوں کی طرح گھر بیٹھنا سکھاؤ، وہ تمہاری دوسرے نمبر والی رات شوبی کو لے کر چھت پر آسمان کے تارے گن رہی تھی اور سب سے بڑی اس مسٹنڈے ساحل کے ساتھ پارلر مہندی لگوانے گئی ہوئی تھی۔" مسرت کی زبان کے آگے بھی خندق تھی۔

"خبردار میری شریف بچیوں کے کردار پر کوئی بات کی تو، یہ تمہارا اچٹا لنگڑ ہی میری بچی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اسے لگام ڈال کر رکھو۔" ریشماں آپا نے انگلی اٹھا کر شوبی کی طرف اشارہ کیا جس کا منہ بے عزتی کے گہرے احساس کے ساتھ سرخ ہو گیا تھا۔

گھر میں

پکچر دیکھتے ہوئے ایک خاتون سے ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے مرد نے پوچھا۔ "محترمہ کیا میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟"

خاتون نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "کیوں نہیں۔ آپ اپنے آپ کو گھر میں بیٹھا ہوا تصور کیجیے۔" یہ سن کر ان صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور سگریٹ کی ڈبیا جیب میں واپس رکھ لی۔

مرسلہ: بنتِ پاکستان، آبشار، بھکر

"میرے اس چٹے لنگڑ کے پیچھے جب پرکٹی کبوتریاں پڑیں گی تو وہ تو چونچیں مارے گا ہی۔ ویسے بھی لڑکوں کا کیا بگڑتا ہے۔ لڑکیوں اور ان کی ماؤں کو ہی ہوش کرنا چاہیے۔" مسرت نے ہاتھ لہرا کر انہیں للکارا تھا۔

"ہاں، ہاں مسرت بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپا تم ہوش کے ناخن لو، میں نے کتنی دفعہ عابدہ سے کہا کہ اپنی بھانجی کو سنبھالو، کیوں پیسٹری کیک بن کر میرے بیٹے کے پیچھے ہاتھ منہ دھو کر پڑی ہوئی ہے۔" ساحل کی اماں کو کسی نے اس طوفان کی اطلاع دی تھی اور وہ سر پر مہندی تھوپے، بغیر دوپٹے باہر کود آئیں۔

"لو جی اِدھر دیکھو، کیا پدی، کیا پدی کا شوربہ......"

ریشماں آپا نے ٹھٹھا لگا کر ساحل کی اماں کا مذاق اڑایا۔ "بندہ بات کرنے سے پہلے شیشہ ہی دیکھ لیتا ہے۔ تمہارا ساحل ہے کیا چیز، لمبے لمبے بالوں والا ریچھ......" ریشماں آپا کی بات پر ان کی بہن کی جیٹھانی کو گویا کسی نے جلتے تیل میں پھینک دیا تھا۔

"تم سنبھال کر رکھو اپنی پھینی ناک والی شہزادیاں، وہ بڑی بجلی جو لگتا ہے کہ چونے کے ڈرم میں ڈبکی لگا کر آئی ہو۔ خالی شکل صورت کو چاٹنا ہے کیا، جب کرتوت ہی اچھے نہ ہوں۔ اتنی اچھی

ہوتیں تو خاندان میں ایک سے ایک قابل اور شریف لڑکا تھا کسی نے رشتہ کیوں نہ مانگا۔'' عابدہ پروین کی جیٹھانی نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ریشماں آپا کو تیلی لگائی تھی۔

''جاؤ، جاؤ، اپنے نکمے، لوفر اور مسٹنڈے بیٹے کو سنبھال کر رکھو۔ جو سارا دن شریف لڑکیوں کو تاڑتا پھرتا ہے۔ کام کا نہ کاج کا، دشمن اناج کا......'' انہوں نے بھی اپنی طرف سے کافی اوچھا وار کیا تھا۔

''ہاں، وہ تمہاری شریف شہزادی، لنڈے کی جینز چڑھا کر میرے ہی بیٹے کے ساتھ مہندیاں لگواتی پھر رہی ہے۔ حلیہ دیکھو ایسا لگتا ہے کہ سکھر کے ''سلام پورے'' سے نہیں کینیڈا سے ڈائریکٹ آئی ہو......'' ساحل کی اماں نے غضب ناک نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو نگل جائیں گی۔ ان دونوں کو آپس میں لڑتے دیکھ کر مسرت نے بڑے اطمینان سے اپنی قمیص اٹھا کر سوئی میں دھاگا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔

''بہت بری بات ہے۔ آپ لوگ اپنے ہی خاندان کی بیٹیوں کی عزت کا تماشا بنا رہے ہیں۔ آپا اندر چلیں۔'' فریدہ کو کسی نے اس جنگِ عظیم سوم کا بتایا تو وہ ہانپتی کانپتی وہاں پہنچیں اور اس منظر نامے سے سب سے جوشیلی خاتون کو پہلے بازو سے پکڑ کر اندر لے جانا چاہا۔

''میں تو چلی ہی جاؤں گی تم کس منہ سے جاؤ گی، اس منہ کو دیکھ کر ہی کسی نے تمہاری بیٹی کا رشتہ نہیں لیا۔'' ساحل کی اماں کا غصہ کسی طور کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

''میں جوتے کی نوک پر رکھتی ہوں خاندان کے لڑکوں کو، ہے کوئی میری بچیوں کے قابل......؟'' ریشماں آپا کا لہجہ تنفر میں ڈوبا ہوا تھا۔

''اے جوتے کی نوک پر تو خاندان والوں نے تمہیں اور تمہاری شہزادیوں کو رکھا ہوا ہے۔ سچ ہے کہ کسی بھی شریف لڑکے کے قابل کہاں ہیں تمہاری لڑکیاں۔'' ساحل کی اماں آگ بگولہ ہو رہی تھیں۔

عابدہ نے بڑی مشکل سے اپنی جیٹھانی کا بازو پکڑا اور منجھلی کی مدد سے انہیں اوپر والے پورشن میں لے گئیں جبکہ شازیہ بھاگ کر ٹھنڈے پانی کا گلاس ریشماں کے لیے بھر لائی جن کا چہرہ غصے کی زیادتی کی وجہ سے سرخ ٹماٹر کی طرح ہو رہا تھا۔

اس تازہ ترین معرکے کی وجہ سے شام کو ریشماں اور عابدہ نے جنید کے نکاح کی تقریب میں جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ گھر بھر کا ماحول سخت خراب اور کشیدہ ہو گیا تھا۔ ہر ایک کا مزاج سوا نیزے پر تھا اور تو اور ریشماں کی تینوں صاحبزادیاں بھی اپنی ماں کی سخت نگرانی میں بیٹھی ہوئی تھیں حالانکہ ان کا دل سخت بے قرار تھا کہ وہ نکاح کی تقریب میں اپنے جلوے ضرور دکھاتیں۔

''آپ کو ضرورت کیا تھی ساحل کی ماں کے ساتھ پنگا لینے کی......؟'' تجل اپنی ماں سے سخت بدگمان تھی کیونکہ اس جنگ کے بعد سے ساحل اسے بالکل نظر انداز کر رہا تھا کیونکہ اس کی اماں نے اس کے مزاج بھی ٹھکانے لگا دیے تھے۔

''تمہارا دماغ ٹھیک ہے لڑکی، میں اس پھولن دیوی سے کیوں پنگے لینے لگی، میں تو تمہاری اس... بدزبان ممانی کا منہ توڑنے والی تھی کہ وہ جاہل پتا نہیں کہاں سے میزائل کی طرح اڑتی ہوئی آئی اور خواہ مخواہ میرے گلے پڑ گئی۔'' ریشماں نے اپنی نازک مزاج بیٹی کا مزاج برہم دیکھ کر صفائی دی۔

''ان کا کون سا دماغ خراب تھا جو خواہ مخواہ آپ کے گلے پڑ جاتیں، آپ نے کچھ نہ کچھ تو کہا ہوگا۔'' تجل کو اپنی ماں کی بات کا بالکل یقین نہیں آیا تھا۔

''سبحان اللہ، دیکھ لی عابدہ تم نے اس کی زبان، یہ کل کی لڑکی جو زمین سے ابھی اُگی نہیں ہے اسے اپنی ماں کا اعتبار نہیں جو اُن کے لیے ساری دنیا

سے لڑتی پھر رہی ہے۔'' انہوں نے شکوہ آمیز نظروں سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا جو اپنی جیٹھانی سے تعلقات خراب ہونے کی وجہ سے ان کا سایہ بنی ہوئی تھی۔ ابھی تو انہیں اس محاذ کی فکر تھی جو اُن کی جیٹھانی نے سسرال جا کر کھولنا تھا۔

''تجل کچھ ہوش کے ناخن لو، آپا نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ وہ تو بات کا بتنگڑ بنانے میں پی ایچ ڈی کر چکی ہیں۔ بیٹا ان کا سارے جہان کا لوفر، نکما اور نکھٹو ہے لیکن پھر بھی انہیں ہر وقت یہی فکر کھائے رہتی ہے کہ کوئی تیز طرار لڑکی اسے پھانس نہ لے۔ اب بندہ پوچھے کہ تیز طرار لڑکیوں کو یہ نکھٹو اور کنگلا ہی ملا ہے کیا۔'' عابدہ نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے بیزاری سے اپنی بہن کی صفائی دی تھی۔

''اچھا......؟'' تجل بری طرح چونکی۔ ''وہ تو کہتا ہے کہ اس کے باپ کی جوس کی فیکٹری ہے......'' تجل کو ایک نئی فکر نے گھیرا۔

''کون سی فیکٹری......؟ کیسی فیکٹری......؟ باپ اس کا جوس کی فیکٹری میں ڈبے پیک کرتا ہے اور اسے تو وہ بھی نہیں کرنے آتے، سارا دن موبائل پر امیر لڑکیوں کو پھانستا رہتا ہے اور ان سے پیسے بٹورتا ہے۔'' عابدہ خالہ کی بیزاری عروج پر تھی ان کی بات پر تجل پھر چونکی، اسے یاد آیا کہ وہ اس سے بھی چھ سات ہزار روپے بہانے بہانے سے بٹور چکا ہے۔ اس کا دل دھک کر کے رہ گیا تھا لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

''اے آپا، آپ نے خواہ مخواہ جنید کے نکاح کا بائیکاٹ کیا۔ وہاں سب چرغے، تکے اڑا رہے ہوں گے اور ہم یہ دال چاول کھا رہے ہیں۔'' ان کی بہن کو ایک اور دکھ یاد آ گیا تھا۔

''دفع کرو، وہاں وہ مسرت نذیر، مسٹنڈی بن کر گھوم رہی ہوگی۔ کم بخت کی اچھل کود اس عمر میں بھی ختم نہیں ہوئی۔ اللہ جانے کہاں سے یہ بلا ہمارے بھائی کے گلے پڑ گئی۔'' انہیں دوپہر کا واقعہ ابھی بھولا نہیں تھا۔

''ویسے بھی تو نے تو اپنے گپلو اور بیٹیوں کو نوری کے ساتھ بھجوا دیا ہے، تجھے کیا فکر ہے......'' انہوں نے چھوٹی بہن کو دلاسا دیا۔

''پتا نہیں جنید کی دلہن کیسی ہوگی......؟'' ان کی ایک اور حسرت بڑے غلط موقع پر جاگی تھی۔

''کیسی ہوگی سے کیا مراد ہے؟ اس کالے پیلے کو اس جیسی ہی کوئی کالی پیلی مل گئی ہوگی۔ کوئی اپنی حور پری تو دینے سے رہا۔'' ان کے لہجے میں طنز کی آمیزش تھی۔

''ویسے آپا، سنا ہے کہ جنید نے کسی پوری مارکیٹ کا سودا کیا ہے۔ کروڑوں کی مالیت ہے ان کی......'' ان کی اس اطلاع پر آپا اور تجل دونوں کے ہی کان کھڑے ہوئے۔

''ایسے ہی کسی نے ہوائی اُڑائی ہوگی، اس کو کون سا دبا ہوا خزانہ مل گیا ہے یا کوئی لاٹری نکل آئی ہے جو مارکیٹیں خریدتا پھر رہا ہے......'' انہیں رتی برابر بھی یقین نہیں آیا تھا۔ اس لیے ٹھٹھا مار کر زبردستی ہنسیں۔

''لو میں کون سا جھوٹ بول رہی ہوں......'' عابدہ نے ناگواری سے بڑی بہن کو ناک سے مکھی اڑاتے دیکھا۔ ''مجھے غلام علی بھائی نے بتایا تھا کہ فریدہ بھابی کو ان کے والدین کی طرف سے اچھا خاصا حصہ ملا ہے، اکلوتی اولاد جو تھیں وہ۔'' انہوں نے چاول اور دال کی پہاڑی کو ہاتھوں سے ملاتے ہوئے اوپر رائتے کا آدھا ڈونگا ڈالا۔ اب وہ اپنے ہاتھ سے چاول بڑی بے تکلفی سے کھا رہی تھیں۔ ان کے لہجے کی سچائی پر اب وہ چونکیں۔

''آئے ہائے، تم نے یہ بات مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی......'' انہیں اچھا خاصا دھچکا لگا تھا۔ انہوں نے بیزاری سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا جو عجیب سا

ملغوبہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی۔

"ویسے آپا، آپ نے جنید کا رشتہ قبول نہ کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ مجھ سے اماں بھی گلہ کر رہی تھیں کہ ریشماں نے عقل سے کام نہیں لیا کروڑوں کی جائداد ہاتھ سے نکال دی اور لڑکا بھی محنتی اور شریف تھا جہاں تک شکل صورت کی بات ہے تو آپ اپنے ایمان سے بتائیں کہ آپ کے میاں کتنے خوب صورت ہیں لیکن ساری زندگی آپ کو پیسوں کے لیے ترسائے رکھا وہ تو وحید کی دکان چل نکلی تو آپ کے حالات کچھ بدلے ہیں۔" اپنی بہن کی صاف گوئی پر وہ کچھ دیر کے لیے صدمے سے بول ہی نہیں سکیں کیونکہ بات سچ ہی نہیں خاصی تلخ بھی تھی۔

"ویسے بھی آپا، مرد کو عورت سے کم ہی ہونا چاہیے، یہ خوب صورت مرد بھی اپنی بیویوں کے لیے نرا "وختا" ہی ہوتے ہیں۔ ساری زندگی عورت کو دھڑکا ہی لگا رہتا ہے کہ کہیں پھسل ہی نہ جائیں اور سب سے بڑھ کر ان کے نخرے کون اٹھائے۔ اس لیے میں اپنی بیٹیوں کے لیے بر تلاش کرتے ہوئے بس شرافت، تعلیم اور روزگار ہی دیکھوں گی۔" عابدہ پروین نے اپنی انگلیوں کو زبان سے چاٹتے ہوئے انہیں ایک اور طمانچہ مارا تھا۔ سجل کی گمشدہ عقل بھی شاید ابھی ابھی واپس آئی تھی۔

"امی نے تو بس اپنے ہی اصول اور ضابطے بنا رکھے ہیں۔ ویسے اپنے آپ کو اتنا چالاک سمجھتی ہیں اور اچھی خاصی امیر آسامی ہاتھ سے نکال دی......" سجل خاصے طنزیہ انداز سے ماں کو دیکھتے ہوئے غصے سے بولی وہ اپنی ماں کی نسبت زیادہ سمجھدار تھی۔ عابدہ پروین کو ابھی ابھی پتا چلا تھا۔ اس قدر عقلمندانہ بات سن کر ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"خالہ، خدا کے واسطے منہ تو بند کر لیں، اندر چاولوں اور دال کا طوفانِ بدتمیزی برپا ہے......" سجل نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھا کر بیزاری کا اظہار کیا۔

"سجل اپنی ماں سے زیادہ عقلمند ہی نہیں بلکہ ان سے زیادہ بدتمیز اور منہ پھٹ بھی ہے......" انہوں نے منہ بند کرتے ہوئے اپنی رائے میں تھوڑی سی ترمیم کی اور باقی رائتہ بھی اپنی پلیٹ میں الٹ دیا تھا۔

☆☆☆

"ہاں بھئی لاڑے (دولھا) صاحب نکاح کے بعد آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں......؟" منجھلی آپا نے ہاتھ کا مائیک بنا کر شرارت سے اپنے چھوٹے بھائی کے سامنے کیا۔ اس کی بات پر جنید ایک دم جھینپ سا گیا۔ وہ اپنی دونوں بہنوں سے چھوٹا تھا لیکن ہمیشہ خود کو اس نے ان کا بڑا بھائی ہی سمجھا تھا۔

"اچھا دولھا ہوں جس نے اپنی بیگم کا چہرہ تک نہیں دیکھا اور کیا فائدہ تم تینوں بہنوں کا......" اس نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے ہلکا سا گلہ کیا تو وہ چاروں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ ابھی ابھی والدہ ان کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں۔ وہ خاصی خوش تھیں۔

"ویسے یہ تو لڑکے کے ساتھ واقعی ظلم ہوا ہے، چلو محترمہ کل شادی کے فنکشن میں آئیں گی تو نہ صرف ملنا بلکہ ایک آدھ ملاقات بھی کروا دینا۔ ویسے بھی آدھی عوام اسے دیکھنے کے لیے بے تاب ہے۔" چچی نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔ ان کا اشارہ اپنی دونوں نندوں کی طرف تھا جو احتجاجاً نکاح کی تقریب میں نہیں شریک ہوئیں۔

"ہاں وہ عوام، جن کے بچوں نے ہمیں تگنی کا ناچ نچائے رکھا......" بڑی آپا کو اچانک یاد آیا کہ کس طرح عابدہ پھپو کے گپلو نے دلہن کی دادی کا چشمہ چھپا دیا تھا اور وہ جنید کے بجائے شعیب کو دولھا سمجھ کر پیسے پکڑا رہی تھیں۔

"ہاں، یہ تو عابدہ پروین نے خوب بدلا لیا ہم سے، خود تو گئی نہیں، اس چھوٹے ڈان کو ہمارے

ساتھ بھجوا دیا، جس نے ہر طرف تھرتھلی مچائے رکھی۔" چچی نے بھی جمائی لیتے ہوئے گفتگو میں حصہ لیا۔ وہ سب لوگ مہندی کے فنکشن سے فراغت پا کر ہال کمرے میں اکٹھے تھے۔ جہاں کارپٹ پر ہر طرف ہر عمر کے بچے تھکے ہارے سوئے ہوئے تھے۔

"ویسے چچی آج آپ کی ایک بات نے بہت دل خفا کیا......" وہ جو آج اپنے فن کا مظاہرہ کر کے خاصی تھک گئی تھیں جنید کی بات پر اپنی پنڈلیوں کو دباتے دباتے چونک سی گئیں۔ انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا جس پر ہلکی سی رنجیدگی جھلک رہی تھی۔

"کیوں لاڑے (دولھا) صاحب، ہماری کس بات نے عالی جاہ کا مزاج برہم کر دیا......؟" انہوں نے دانستہ ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔ بڑی آپا گرما گرم چائے اور گاجر کا حلوا لے آئی تھیں۔ اس وقت گھر میں موجود باقی مہمان سو چکے تھے۔

"آج آپ نے ریشماں پھپو کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ ان کے ساتھ آپ کے لاکھ اختلافات ہوں لیکن گھر کی لڑکیوں کو اس طرح تماشا بنانا بالکل مناسب نہیں تھا۔ پورے خاندان نے مزے لے کر آپ دونوں کی لڑائی کا تماشا دیکھا۔ یقین کریں کہ بہت دل خراب ہوا۔" وہ کافی حساس دل تھا۔ اس کا اندازہ تینوں بہنوں کو تو تھا لیکن چچی کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا۔

"ہاں، یہ تو واقعی میں نے غلط کیا، پتا نہیں کیسے میرا دماغ آؤٹ آف کنٹرول ہو گیا......" وہ ایک دم شرمندہ ہوئیں لیکن ساتھ ہی انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ ان کی اس بات پر زرد سوٹ میں ملبوس چھوٹی سعدیہ نے بھائی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تھا۔

"تو پھر اس غلطی کا مداوا آپ شوبی کے لیے کومل کا رشتہ لے کر کر دیں......" جنید نے بہن کا اشارہ سمجھ کر ہنستے ہنستے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہا تھا لیکن اس بات پر چچی بدک اٹھیں۔ ان کے چہرے کے تاثرات میں بڑا واضح تناؤ آیا تھا۔

"اب اتنی بھی بڑی غلطی نہیں ہے میری کہ ریشماں آپا کو اپنی سمدھن بنا کر ہر وقت دنگا فساد کھیلتی رہوں......" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ ٹرے میں رکھا نہیں پٹخا تھا۔

"اچھا ہے نہ چچی مزہ آئے گا، جب تک اگلا بندہ جوڑ کا نہ ہو کھیل کا مزہ ہی نہیں آتا......" بڑی آپا نے بھی شرارت سے لقمہ دیا تھا۔

"ہش شاواش اے......" چچی نے بالکل مومو اسٹائل میں نعرہ لگا کر چاروں بہن بھائیوں کو تیزی سے حلوا کھاتے دیکھا۔ "آج یہ فیصلہ کر لو کہ تم لوگ میرے ساتھ ہو یا اس ڈولی باندرا کے ساتھ......"

"دیکھ لیں آپ پھر ریشماں پھپو کو ڈولی باندرا کہہ رہی ہیں......" جنید نے چائے کی لمبی چسکی لیتے ہوئے انہیں چھیڑا۔

"ہاں تو وہ بھی تو ہر وقت میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں جیسے ڈولی باندرا، اپنی وینا ملک کے چھکے اڑاتی رہتی ہے اپنے شر انگیز بیانات سے......" انہوں نے منہ بناتے ہوئے بڑی مہارت سے بڑی آپا کی پلیٹ سے حلوا کھسکایا تھا۔

"مان جائیں چچی، اپنا شعیب بے چارہ بھی داڑھی بڑھائے چپ چپ مجنوں بنا پھر رہا ہے۔ دیکھ لیں آپ دونوں کی لڑائی سے اس بے چارے کا ذرا سا منہ نکل آیا ہے۔" چھوٹی نے بھی اپنے کزن کی طرفداری کی جو کل سے اس کی منتیں کرتا پھر رہا تھا کہ جاتے جاتے میری ٹرین بھی پٹڑی پر چڑھا دیں جو کھیتوں میں گھس گئی ہے۔

"اس خبیث کی تو بات ہی نہ کرو......" چچی نے ذرا بھی لفٹ نہ کرواتے ہوئے کہا۔ "اسے کسی پاگل دے پتر نے کہا ہے کہ داڑھی بڑھانے سے تم عمران ہاشمی کی طرح لگتے ہو اس وجہ سے ڈرامے بازیاں کر

رہا ہے اور منہ تو اس کا پہلے بھی بیر جتنا تھا اب دو دن میں حدود اربعہ کہاں سے بڑھنا تھا۔" چچی نے بازو کھول کر ایک توبہ شکن انگڑائی لی تھی۔

"جانے دیں چچی، کیوں ظالم سماج بن رہی ہیں۔ آپ تو ہمیشہ سے محبت کی علمبردار رہی ہیں۔ جانے دیں غصہ......" منجھلی آپا نے آگے بڑھ کر ان کے کندھے دبائے۔ "گھر لا کر کول سے خوب کندھے دبوائیے گا، کچن اس کے حوالے کر کے خود سکون سے اِدھر اُدھر خیر سگالی دورے کیجیے گا۔" منجھلی کے دبانے سے انہیں خاصا سکون ملا تھا۔ اسی سرور کی کیفیت کے زیر تحت چچی نے بھی حاتم طائی کی قبر پر خاصی لمبی لات ماری تھی۔

"اچھا، چلو تم کہتے ہو تو ایسا کر لیتے ہیں لیکن ریشماں آپا کو بتا دینا کہ میں اسٹار پلس کی ساسوں کے ہتھکنڈوں کے آن لائن ڈرامے دیکھ دیکھ کر پورا پانچ سالہ کورس کر چکی ہوں۔ اس لیے مجھ سے بھلائی کی امید ذرا کم ہی رکھیں......" انہوں نے کسی ملکہ کی طرح حکم صادر کیا تھا لیکن اس حکم کے صادر ہوتے ہی پورے ہال میں طوفان آ جائے گا۔ اس کا ان کو اندازہ نہیں تھا۔

"واہ میری ماں......واہ، دل خوش کر دِتا اے اپنے نونہال دا، اللہ تجھے حیاتی دے اور تو میری مہندی پر ایک کے بجائے چار آئٹم نمبر پیش کرے......" رضائیوں کے ڈھیر کے پیچھے چھپا شعیب چھلانگ مار کر کسی "ڈان" کی طرح سامنے آیا تو چچی کے ہاتھ سے حلوے کی پلیٹ چھوٹ کر دور جا گری اور بڑی مشکل سے سوئے عابدہ پھپو کے آخری راگ کو زور سے لگی۔ پلیٹ کی چوٹ سے موٹے گپلو نے اپنے گلے سے ایسی شرانگیز چیخ ماری کہ کمرے میں سوئے سارے بچے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ایک لمحے میں یوں لگا جیسے جنگِ عظیم سوم اچانک شروع ہو گئی ہو۔

"بیڑا اتر جائے تیرا بے غیرتا، تُو نے تو فلاں کی طرح شرم وحیا کی دھجیاں تک اڑا دی ہیں، بپھرے سانڈ کی طرح چھلانگیں مارتے پھر رہے ہو۔ اب ان افلاطونوں کو کون سنبھالے گا......" چچی کا پارا آسمان کو چھونے لگا تھا۔ جبکہ پورے گھر میں بچوں کے رونے سے ایک بھونچال برپا ہو گیا تھا۔

"معاف کر دے یار، غلطی ہو گئی، اب کیا ہم بڑوں کو بھی رُلائے گا......" جنید نے گپلو کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے جبکہ گپلو نے خونخوار نظروں سے سب کو دیکھتے ہوئے اپنے گلے سے عجیب و غریب چیخیں مار کر رونے کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا تھا جب تک عابدہ پروین پھپو سب سے نیچے والے کمرے سے اوپر ہانپتی کانپتی پہنچ نہیں گئی تھیں۔

"کیا ہو گیا میرے لال کو......" انہوں نے فوراً اسے اپنے کلیجے سے لگاتے ہوئے محبت سے کہا۔

"آپ کے لال کے اندر جلال بھائی کی روح گھس گئی ہے......" شعیب نے کان کھجاتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

"بہت نخو لیے ہو شعیب تم، یہ ضرور خواب میں ڈر گیا ہوگا۔" انہوں نے خود سے ہی فرض کر کے خود کو مطمئن کیا۔ "اب ذرا اس گپلو کو اٹھاؤ اور نیچے چھوڑ کر آؤ۔ ورنہ اس کا باجا بجتا رہے گا۔" عابدہ پھپو نے ہنستے ہوئے کہا تو شعیب کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ جبکہ باقی سب نے اپنی ہنسی کو بہ مشکل دبایا تھا۔

"پھپو کیا اسے انڈر ٹیکر بنائیں گی آپ، فوراً اس کی خوراک میں کمی کریں دیکھ نہیں رہیں کہ ملک پہلے ہی بحران کا شکار ہے۔ جس طرح یہ صبح ناشتے میں پورے چار انڈے کھاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ عنقریب ہمارا گھر بھی غذائی قلت کا شکار ہو جائے گا......" شعیب نے بہ مشکل گپلو کو اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی سانس ایک منٹ میں ہی پھول گئی تھی۔

"تم سے ایک بچہ تو سنبھالا نہیں جاتا۔ شادی

کی "آخر" ہوئی ہے پورا گھر کیسے سنبھالو گے......" چچی نے کتنی ساسوں کی طرح یہ موقع ہاتھ سے نکلنے نہیں دیا تھا۔

"واہ اماں، بندہ کم از کم آدھی رات کو تو جھوٹ نہ بولے، یہ گپلو کہاں سے انسان کا بچہ لگتا ہے۔" وہ خاصا تپ کر بولا تھا اور پھر اپنے پاس کھڑی عابدہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا ہوا۔ "مجھے لگتا ہے پھپو آپ کے ساتھ دھوکا ہو گیا ہے۔ اسپتال والوں نے آپ کے بیٹے کی جگہ ہاتھی کا بچہ آپ کو دے دیا ہوگا۔" شعیب کے جل کر بولنے پر انہوں نے ایک زوردار دھموکا اس کی پتلی سی کمر پر رسید کیا تھا۔

"زیادہ عمر شریف بننے کی کوشش نہ کرو اور شرافت سے سیڑھیاں نیچے اترو......" انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا جبکہ گپلو اب آنکھیں کھولے خاموشی سے سب کا جائزہ لینے میں مگن تھا۔

"ہائے میری ماں......تیرا دل دُکھانے کی سزا ملی ہے، مجھے معاف کر دینا......" شعیب کی اداکاری عروج پر تھی۔ سب اس کی حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے۔

"قسم سے اماں اس پہاڑ کے نیچے سے اگر بچ گیا تو دوبارہ ایک نیا شعیب بن کر زندگی کا آغاز کروں گا اور اپنی نئی زندگی کی قدر کروں گا۔" وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے بھی مسلسل دہائی دے رہا تھا۔

"بہت اچھا ہوا، اس کے ساتھ......مجھے مہندی کے فنکشن میں کہہ رہا تھا کہ اماں تم ڈانس کرتے ہوئے وہ انڈین موٹی ہتھنی "بھارتی" کی طرح لگتی ہو۔ جو ہر ناچ گانے والے پروگرام میں پہنچ جاتی ہے۔" چچی کی بات پر چاروں بہن بھائیوں کے منہ سے نکلنے والا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

☆☆☆

وہ چھوٹی کو پارلر سے لے کر شادی ہال میں پہنچا تو بارات ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ بھورے رنگ کے پینٹ کوٹ میں آج وہ بھی معمول سے ہٹ کر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سبھی لوگوں نے اس کی تعریف کی تھی۔ چھوٹی کو اس روپ میں دیکھ کر والدہ کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں۔ اسے ڈریسنگ روم میں پہنچا کر جب وہ ہال کے دروازے کے پاس پہنچا تو سامنے پانچ چھ بچوں کو بھاگ کر اپنی طرف آتے دیکھ کر اس کا دل دہل سا گیا۔

"جنید بھائی، جنید بھائی......!" باہر سے بھاگ کر آنے والے بچے اس کا نام پکار رہے تھے

"ویسے تو تم لوگ جب بھی اپنی منحوس شکلوں کے ساتھ ایسا طوفانی دورہ کرتے ہو تو کوئی بے ہودہ خبر ہی لاتے ہو۔ اب کیا ہوا ہے......؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا ٹشو ڈسٹ بن میں اچھالا تھا۔

"گپلو کو کوئی اغوا کر کے لے گیا ہے۔ عابدہ آنٹی اِدھر اُدھر اسے تلاش کرتی پھر رہی

غزل

اندیشہ ہائے روزِ مکافات اور میں
اس دل کے بے شمار سوالات اور میں

خلقِ خدا پہ خلقِ خدا کی یہ دار و گیر
حیراں، خدائے ارض و سماوات اور میں

کیا تھی خوشی اور اس کی تھی کیا قیمتِ خرید
اب رہ گئے ہیں ایسے حسابات اور میں

ہاروں گی میں ہی، مجھ کو یہ وہم و گماں نہ تھا
آپس میں جب حریف تھے، حالات اور میں

ہم راز و ہم سخن تھا مگر اس کے باوجود
ٹکرائے میرے دل کے مفادات اور میں

شاعرہ: شبنم شکیل

ہیں......" سب سے بڑے بچے نے بریکنگ نیوز کے انداز میں خبر سنائی تو اس کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

اسی وقت وحید مراد، ساحل اور شعیب کے ساتھ ساتھ چچی کا سب سے چھوٹا بیٹا ذوہیب بھی تھکے تھکے سے اندر داخل ہوئے تھے۔ ان سب کے چہروں پر پھیلی پریشانی اور بیزاری دور ہی سے عیاں تھی۔

"یہ منحوس آج اگر مل گیا تو میرے ہاتھوں مارا جائے گا......" شعیب نے ایک ہاتھ سے اپنا دوسرا بازو دباتے ہوئے اپنے خطرناک ارادے ظاہر کیے۔ "ابھی تو رات سے بازو شل ہوئے پڑے تھے کہ آج عابدہ ممانی نے پھر ایمرجنسی نافذ کر دی۔ اب لور لور پھر کر ٹانگیں جواب دے گئی ہیں۔" شعیب نے اسے دیکھتے ہوئے اپنا دکھڑا سنایا۔ وہ لوگ دائیں بائیں کے سب شادی ہال چیک کر آئے تھے۔

"قسم سے جنید بھائی اس سڑک پر موجود سارے ہال چیک کیے ہیں۔ ایک ہال میں تو ایک بزرگوار نے ہمیں گالیاں تک دے دیں کہ کہاں مسٹنڈوں کی طرح گھسے چلے آ رہے ہو......" ساحل کو اپنی بے عزتی کا واقعہ بھی یاد آ گیا تھا۔

"خیر ایسا غلط بھی نہیں کہا......" جنید کے منہ سے بے اختیار پھسلا تھا۔ تینوں نے سخت خفگی سے اسے دیکھا جس کے چہرے پر پریشانی کے بادل نمایاں تھے۔ عابدہ پھپو کا یہ بیٹا مسلسل ان سب گھر والوں کے لیے پریشانی کا باعث بنا ہوا تھا۔ عابدہ پھپو بھی دہائی دیتی ہوئی آ گئی تھیں۔ وہ خاصی حواس باختہ تھیں۔

"چچی آپ تو اندر جائیں، سارے لوگ آپ کو دیکھ رہے ہیں......" ساحل نے ہاتھ باندھ کر بڑی مشکل سے وہاں کھڑی عابدہ پھپو کو کہا جو عجیب سے انداز میں ساڑی لپیٹے ہوئے تھیں۔

"تم اپنی چونچ بند ہی رکھو، تم لوگوں کی غیرتیں بھی ہمیشہ غلط موقع پر ہی جاگتی ہیں۔ خود لمبے لمبے بال رکھے ہوئے ہیں اوپر سے یہ سرخ رنگ کا کرتہ پہن رکھا ہے۔ ابھی ایک عورت تمہاری ہی اماں سے پوچھ رہی تھی کہ یہ کس کی بیٹی ہے......؟" عابدہ پھپو نے ساحل کی ٹھیک ٹھاک طبیعت صاف کی تھی تبھی وہ احتجاجاً پاؤں پٹختا ہوا اپنی اماں کو شکایت لگانے پہنچ گیا۔ جنید اور شعیب نے بہ مشکل اپنی ہنسی روکی۔

"اللہ جانے میرے معصوم بچے کو کون اغوا کر کے لے گیا......" عابدہ پھپو کا واویلا سن کر چچی سمیت اور بہت سی خواتین بھی وہاں آ گئی تھیں۔

"پھپو کہیں گپلو کے نام کوئی جائداد وغیرہ تو نہیں، جس کے چکر میں اسے کسی نے اغوا کر لیا ہو......" شعیب نے خاصے طنزیہ انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

"نہیں بچے، ایسا کچھ نہیں تھا بس تمہارے پھوپا نے پچھلے دنوں نئی موٹر سائیکل خریدی تھی قسطوں پر......" عابدہ پھپو اس کا طنز سمجھے بغیر پریشانی سے بولیں۔ چچی نے تنبیہی نظروں سے اپنے صاحبزادے کو دیکھا تھا۔

"یہ بچہ کس کا ہے......؟" ایک مترنم نسوانی آواز پر سب نے ہی مڑ کر دیکھا۔ سفید مغلیہ طرز کی لمبی فراک کے ساتھ چوڑی دار پاجامہ پہنے، وہ انتہائی حسین لڑکی مغلیہ دور کی کوئی شہزادی لگ رہی تھی۔ اس کی انگلی پکڑے گپلو بڑے مزے سے بھٹا کھانے میں مگن تھا۔

"ہائے میرا بچہ......" عابدہ پھپو تیر کی طرح اڑ کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچ کر اسے چوم رہی تھیں۔ جو سفید کرتے شلوار پر واسکٹ پہنے کسی خرانٹ سیاستدان کی طرح دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو دیکھ کر شعیب کے ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگی تھی لیکن حالات سازگار نہیں تھے۔

"ارے حوریہ تم......" چچی بھی کسی میزائل کی سی تیزی سے اس لڑکی کے پاس پہنچیں اور جھٹ سے گلے لگا لیا۔

"تم نے گپلو کو کیسے پہچانا......؟" چچی سخت حیرت سے حوریہ کا حواس باختہ چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"خالہ یہ بچہ کل آپ لوگوں کے ساتھ ہمارے گھر آیا تھا ناں، اس لیے میں نے پہچان لیا......" اس نے سادگی سے وضاحت دی۔ جبکہ جنید کو اس لڑکی کو دیکھتے ہی کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا۔ نام تو اسی کی منکوحہ کا تھا۔

"بیٹا میرے لختِ جگر تمہیں آخر ملا کہاں سے......؟" عابدہ پھپو نے سخت تشکرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نازک سی خوب صورت لڑکی سے پوچھا جو جنید کی پُرشوق نظروں کے حصار میں سخت گھبرائی گھبرائی سی تھی۔

"اصل میں مین روڈ پر ایک بھٹے والے نے اسے زبردستی بٹھا رکھا تھا کیونکہ اس کے پاس پیسے نہیں تھے اور یہ تین بھٹے لے کر کھا چکا تھا۔ ہماری گاڑی وہاں سے گزری تو میری نظر اس پر پڑی تو مجھے فوراً یاد آیا کہ یہ بچہ تو کل مسرت خالہ لوگوں کے ساتھ تھا۔" اس نے عابدہ پھپو کے سوال پر سنجیدگی سے بتایا۔ کچھ ہی فاصلے پر اندر آتی اپنی ساس اور سسر کو دیکھ کر جنید کو جھٹکا لگا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی سانسیں بالکل ٹھیک لڑکی کو دیکھ کر بے ربط ہوئی تھیں۔

"ہاں بھئی جنید، دیکھ لو اپنی دلہن، کل گلہ کر رہے تھے کہ کسی نے دکھایا نہیں......" چچی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک دم لڑکی کے آگے کر دیا تھا جو اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں سٹپٹا کر پلکیں بار بار جھپک رہی تھی۔ اس کے گال شرم سے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو رہے تھے جبکہ وہ سخت حیرت اور بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑی پانچ فٹ چار انچ کی نازک سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اچانک ہی اس کی زندگی میں شامل ہو کر اس کی آنے والی زندگی کو خوب صورت بنا گئی تھی۔

"اسے کہتے ہیں پھپو کہ دینے والا جب بھی دیتا ہے، دیتا چھپڑ پھاڑ کے......" شعیب نے ہکا بکا کھڑی ریشماں پھپو کے پاس جا کر شرارت سے سرگوشی کی۔ جو جنید کی دلہن کو ہکا بکا انداز میں دیکھ رہی تھیں جبکہ ان کے پاس کھڑی نجل اور کومل کو بھی سکتہ ہو گیا تھا۔

"واہ جنید کی تو لاٹری نکل آئی......" عابدہ پھپو اپنے بیٹے کی گمشدگی کے دکھ کو بھول بھال حوریہ کی بلائیں لے رہی تھیں۔ جبکہ والدہ اور اس کی بہنیں حوریہ کے والدین کو اندر لے گئے تھے۔

"ویسے پھپو، آپ کی ایک بیٹی کی بھی لاٹری نکل سکتی ہے اگر آپ کے اور میری فلمی اماں کے تعلقات بہتر ہو جائیں......" شعیب کی بات پر ریشماں پھپو کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی تھی۔

"شرم کرو، اپنی ماں کو فلمی ماں کہہ رہے ہو......" ریشماں پھپو اس اچانک جھٹکے سے نکل کر

عقل مندی

ایک کنجوس نے اخبار کے دفتر فون کیا اور کہا۔ "میرا باپ مر گیا ہے خبر لگوانے کے کتنے پیسے ہوں گے؟"

جواب ملا۔ "پچاس روپے فی لفظ۔"

کنجوس۔ "اوہو یہ تو بہت زیادہ ہیں۔ اچھا لکھو غفار بھائی مر گئے۔"

اخبار والا۔ "جناب کم از کم آٹھ الفاظ ہونے چاہیے۔"

کنجوس۔ "اوہو اچھا ذرا سوچنے دو۔ غفار بھائی مر گئے۔ سوزوکی برائے فروخت۔"

مرسلہ: حمیرا کلیم، واہ کینٹ

حوریہ کے سر پر ہاتھ پھیرنے کا بھاری بھرکم فریضہ بڑے بھاری دل کے ساتھ انجام دے کر اب کچھ مطمئن تھیں۔

”آپ اپنے ایمان سے کہیں کہ میری والدہ فلمی اماں نہیں ہیں! ہر جگہ ولن کی طرح پہنچ جاتی ہیں، بڑکیں مارتی ہیں، دولہوں کو ملاتی ہیں اور ”بھارتی“ کی طرح مٹکتی ہیں اور معصوم سے ابا جی کے ساتھ ابھی تک رومینٹک ڈائیلاگ مارتی ہیں......“ شعیب کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسیں۔

”ویسے زبان کی دھار جتنی بھی لمبی ہو لیکن دل کی اچھی ہے تمہاری فلمی ماں......“ ان کی بات پر شعیب کو سو واٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ اس نے دو تین دفعہ اپنے سر کو جھٹکا دیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے جنید کو دیکھا جو انتہائی پُرشوق انداز سے حوریہ کو عابدہ پھپو کے ساتھ گفتگو کرتے دیکھنے میں مگن تھا اور اسے بارات کے دور سے آنے اور بینڈ باجوں کی آوازیں تک سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

”خیر سے بھابی صاحبہ، آپ نے کیسے پہچانا ہمارے گپلو کو......؟“ شعیب چھلانگ مار کر ان خواتین کے پاس پہنچا تھا۔

”اصل میں کل اس بچے کو کسی نے میری گود میں بٹھا دیا تھا ابھی تک میری ٹانگوں میں درد ہے، اس لیے اس کی شکل یاد رہ گئی......“ حوریہ کے معصومانہ انداز سے دی گئی وضاحت پر سب سے بلند قہقہہ جنید کا تھا۔ حوریہ نے چونک کر اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت کا سمندر دیکھ کر فوراً شرما کر آنکھیں جھکا دیں۔

”بھائی صاحب میری تمام تر ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں، پہلی ملاقات اور وہ بھی اتنے بھاری بھرکم ظالم سماجوں کے ساتھ......“ شعیب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شرارت سے آنکھ دبا کر تسلی دی تھی۔ جنید نے اسے مصنوعی گھوری دی تھی۔

”جناب، اگر ہوش کی دنیا میں آ جائیں تو بارات کے بینڈ باجے ہال کے باہر تک پہنچ چکے ہیں......“ شعیب کی بات پر وہ ہڑبڑا کر باہر کی طرف لپکا اور وحید مراد کے ہاتھوں میں پھولوں کے ہار میں سے ایک کلی نکال کر اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں اپنی بیگم کی طرف بڑھائی۔

”ابھی تو منہ دکھائی میں یہی میسر ہے۔ باقی پھر دیکھیں گے......“ وہ انتہائی پُراعتماد انداز سے بڑے عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

”تھینک یو......“ حوریہ کے چہرے پر شرم اور محبت کے بڑے خوب صورت رنگ پھیلے تھے۔

”یار یہ بھابی کو تاڑنے کا فریضہ پھر انجام دے دینا، ابھی باہر میرے فلمی ابا کا پارا ہائی ہو گیا تو سب کے سامنے میرا تو بینڈ بجا دیں گے۔“ شعیب نے جنید کا بازو پکڑ کر زبردستی باہر کی طرف دھکیلا تو حوریہ بھی بے ساختہ ہنس دی تھی۔

”ہائے میرا گپلو......“ عابدہ پھپو کا بیٹا بارات کے اوپر پھینکے جانے والے پیسوں کی لوٹ مار کے لیے اپنی ماں کو چکما دے کر ایک دفعہ پھر غائب ہو چکا تھا۔ ان کی آواز پر جنید اور شعیب دونوں پریشانی سے ٹھٹکے اور مڑ کر دیکھا۔

”شعیب ذرا دیکھنا گپلو کو پھر غائب ہو گیا ہے......“ انہوں نے ساڑی کو چادر کی طرح لپیٹے ہوئے پریشانی میں ڈوبے لہجے میں کہا تھا۔

”نہیں......!“ ہال سے باہر جاتے شعیب نے عابدہ پھپو کی فرمائش پر دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر بلند آواز میں چیخ ماری تھی۔

”اُف فلمی ماں کا فلمی بیٹا، پتا نہیں میری زندگی کیسے گزرے گی......“ کومل نے ہنستے ہوئے چچی کے کندھے سے سر ٹکا دیا جو صبح سے کومل کو بہانے بہانے سے پیار کر رہی تھیں۔

پیار تم سے ہے ایسا

شیریں حیدر



میرا نام نگار ہے۔ آج میں جو کچھ ہوں اور جس مقام پر ہوں، یہ مقام میں نے بڑی مشکلوں اور کٹھنائیوں سے گزر کر حاصل کیا ہے...... زندگی جو آج سہل محسوس ہوتی ہے اس کو سہل بنانے میں میں نے ہر مشکل راستے کو اپنی صابر طبیعت کے باعث طے کیا ہے۔ پانے اور کھونے کے گوشوارے دیکھتی ہوں تو فیصلہ ہی نہیں کر پاتی کہ میزان کس طرف جھکتا ہے، آپ شاید کچھ بتا سکیں؟

اٹھارہ برس کا سن بھی کیا سن ہوتا ہے کہ ہر خوب صورت نظر آنے والی چیز اپنی طرف توجہ کھینچ لیتی ہے۔ عاطف میرا کلاس فیلو بھی ایک ایسی ہی چیز تھا کہ میری اس پر پہلی نظر پڑی اور پھر ہٹی نہیں...... کلاس میں لیکچر چل رہا ہوتا تھا اور میں جاگتے میں عاطف کے سپنے دیکھ رہی ہوتی تھی۔ اسے تکتی رہتی اور اس کے نقش حفظ کرتی رہتی...... سب کچھ بھول گئی...... یہ بھی کہ میں ایک سید زادی ہوں اور مجھے مخلوط تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت بہت کٹھنائیوں کے بعد ملی تھی وہ بھی اس لیے کہ میں ایک انتہائی ذہین لڑکی تھی اور میں نے میٹرک اور پھر ایف ایس سی میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی اور اپنے حق کے لیے لڑی تھی کہ تعلیم کا حصول میرا حق ہے...... اگر مجھے اپنے شہر میں مخلوط ادارے میں پڑھنے کی اجازت دینا ممکن نہیں تو پھر مجھے قریبی بڑے شہر میں جا کر ہاسٹل میں رہنے کی اجازت دی جائے۔

دوسرے شہر میں جا کر ہاسٹل میں رہنے کا آپشن اور بھی مشکل تھا سو مجھے اسی ادارے میں داخلہ

لینے کی اجازت مل گئی جو اپنے شہر میں تھا اور لالہ جی کو یہ تسلی تھی کہ بچی اسی شہر میں رہے گی تو اس پر نظر رکھنا آسان ہوگا۔ مگر کون جانتا ہے کہ یہ محبت کس طرح دلوں میں سیندھ لگا لیتی ہے...... میں ایک انتہائی پابندیوں میں پلی بڑھی لڑکی جس کے ماتھے کو بھی کسی غیر نے نہ دیکھا تھا، چادر میں لپٹ کر کالج جاتی اور کسی سے بات تک کرنے کی اجازت نہ تھی۔

مگر جب عاطف نے دل کے تاروں کو چھوا تو پورا وجود گنگنانے لگا اور میں اس کے ساتھ خوابوں اور خیالوں میں ہواؤں میں ہی زندگی بسر کرنے لگی۔ دل مچل مچل کر کالج کو جاتا، سردی گرمی، بارش ہو یا بیماری...... مجھے کچھ بھی کالج جانے سے نہ روکتا تھا۔

عاطف بھی کب تک اس احساس سے نا آشنا رہتا، اسے میری محبت کی تپش محسوس ہوئی اور اس نے میری محبت کا جواب اس سے بھی بھرپور محبت سے دیا...... وہ مجھے اتنا چاہتا تھا کہ مجھے اپنا دامن تنگ محسوس ہوتا...... کیسا شاعرانہ انداز تھا اس کا، ہمہ وقت میری تعریف کرتا اور مجھے محبت کی ان فضاؤں میں لے جاتا کہ مجھے دنیا ہیچ نظر آتی۔ کالج میں، میں اگرچہ بڑی چادر لے کر جاتی تھی اور سر جھکا کر چلتی تھی مگر یہ ساری رکاوٹیں دوسروں کے لیے تھیں، عاطف تو یہ ساری رکاوٹیں عبور کر چکا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں کہ ہمارے درمیان کوئی غلط تعلق تھا، سب زبانی باتیں تھیں، محبت کے دعوے تھے، عمر بھر ساتھ نبھانے کی قسمیں تھیں۔ عاطف میں وجاہت اور ذہانت یکجا تھیں اور مجھ میں ذہانت کے ساتھ حسن اور سادگی کا امتزاج تھا۔ عاطف کو پڑھ لکھ کر اپنے والد کا کاروبار سنبھالنا تھا اور مجھے کسی کا گھر بسا لینا تھا، جسے میرے ماں باپ میرے لیے پسند کرتے۔

"تو کیا تم واقعی کسی اور سے شادی کر لو گی؟" عاطف پوچھتا تو میرے نین کٹورے بھر جاتے۔

"اور کیا کروں گی عاطی!" میں بے بسی سے کہتی...... "کیا بغاوت کروں گی...... اگر ایسا کیا تو لوگ بیٹیوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیں گے...... انہیں تعلیم کا حق دینا چھوڑ دیں گے...... تم نہیں جانتے کہ میرا تعلق کتنے قدامت پسند خاندان سے ہے!"

"تو میں کیا کروں گا نگی؟ میں تو مر جاؤں گا تمہارے بغیر!" وہ کہتا تو میں تڑپ اٹھتی۔ عاطف کے نہ ہونے کا تصور مجھے رُلا دیتا۔ وہ دنیا سے جانے کی بات کرتا تھا تو میں تڑپ جاتی ہو...... اور جو وہ میری زندگی میں نہ ہوا تو میں کیسے جیوں گی مگر لڑکی ہونے کے ناتے اتنا کھلا اظہارِ محبت کرنے میں جھجک مانع ہو جاتی۔

"نگی ایک بات کہوں...... میرا ساتھ دو گی؟"

"ہوں......" لائبریری میں بیٹھے ہوئے ہم دونوں بظاہر کسی کتاب کے بارے میں بات کر رہے تھے جو ہم دونوں کے بیچ کھلی پڑی تھی اور ہم سر جوڑے اس پر جھکے ہوئے تھے۔ ہماری محبت کالج میں زبان زدِ عام نہ تھی کیونکہ ہم ملنے کے معاملے میں بہت محتاط تھے اور ہماری محبت کی ساری وارداتیں ہم پر اسی وقت اترتی تھیں جب ہم لائبریری میں بیٹھے "پڑھ" رہے ہوتے تھے۔ کلاس میں پہلی اور دوسری پوزیشن ہر سال ہماری ہوتی تھی اس لیے کسی کو شک تک نہ ہوا کہ ہم کون، کون سے درس پڑھتے تھے...... ذہانت ہمارے پاس خداداد تھی، تھوڑی سی محنت سے پوزیشن لے لیتے تھے۔

"مجھ سے کورٹ میرج کرو گی؟" میرا فقط بیس برس کا ننھا سا دل بے قرار ہو گیا۔

"کیا...... کیوں؟"

"میں نے اپنی مام سے بات کی ہے، وہ اپنی بھانجی کو پسند کیے بیٹھی ہیں اور انہوں نے پاپا سے بات کرنا تو درکنار خود ہی میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے...... وہ کہتی ہیں کہ وہ اپنی بہن کو زبان دے چکی ہیں۔" عاطف کیا کہہ رہا تھا، مجھے کچھ سمجھ ہی

نہیں آ رہا تھا، کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ میں کسی کے سامنے بیٹھ کر اس طرح کی باتیں سن رہی ہوں گی۔ مجھے تو لگتا تھا کہ دو اور دو چار کی طرح سادہ سی بات ہے کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اس لیے ہماری شادی ہو جائے گی۔

"مم......" میں ہکلائی۔ "میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟"

"تو کیا تمہیں مجھ سے پیار نہیں؟" عاطف نے کتاب سے نظر ہٹا کر یوں میری آنکھوں میں دیکھ کر سوال کیا کہ میں گڑبڑا گئی۔

"سب دیکھ رہے ہیں......" میں نے سر جھکا کر کہا۔

"میرے سوال کا جواب دو؟"

"میں سوچ کر بتاؤں گی۔" سوچنا کیا تھا، اپنی اماں سے بات کرنا تھی اور انہیں کیا اعتراض ہونا تھا، میں ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور میری ہر بات بے کہے پوری ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

"کیا تمہیں علم ہے کہ تمہاری بانو پھپھو کی شادی کیوں نہیں ہوئی؟" اماں نے مجھ سے پوچھا۔

"اونہوں......" میں نے معصومیت سے کہا۔

"کیونکہ ان کے جوڑ کا کوئی رشتہ خاندان میں نہیں تھا اور غیر سیّدوں میں بیٹی دینا کسی کو قبول نہ تھا، اسی لیے وہ عمر بھر کنواری بیٹھی رہ گئی۔"

"یہ تو ظلم ہے اماں......" میں نے احتجاج کیا۔ "انہیں اس خاندان میں پیدا ہونے کی سزا کیوں دی گئی کہ وہ شادی جیسے فطری حق سے محروم کر دی گئیں...... اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ بھی اس خاندان میں پیدا نہ ہوتیں...... میرے بس میں ہوتا تو میں بھی اس خاندان میں نہ پیدا ہوتی...... اور اماں...... سن لیں کہ آپ کو میرا ساتھ دینا ہی ہوگا!" میں نے اماں کو وارننگ دی۔

"اگر تم اپنی تعلیم کا آخری سال پورا کرنا چاہتی ہو تو اپنے دماغ سے یہ خناس نکال دو نگار۔" اماں نے اس سے بڑھ کر الٹی میٹم دے دیا تو میں نے اپنا دل پڑھائی میں لگانے کا سوچا۔ ایم اے کا آخری سال یوں بھی مشکل پڑھائی کا تھا۔ میں نے سوچا کہ خود کو سمجھانے کی کوشش کروں گی، سزا کے طور پر پڑھائی چھوڑنا پڑی تو کہیں کی نہ رہوں گی...... چند سال اور گزریں گے تو شاید حالات ہمارے حق میں موافق ہو جائیں، عاطف کو بھی سمجھاؤں گی اور اس سے ملنا جلنا کم کر دوں گی، خود سے یہ عہد کر کے میں ہلکی پھلکی ہو گئی۔ کالج میں، میں عاطف سے ملنے سے کترانے لگی، زیادہ وقت میں اپنی سہیلیوں کے گروپ میں ہوتی، عاطف مجھے دور سے دیکھتا رہتا اور لائبریری جاتے ہوئے مڑ مڑ کر دیکھتا کہ شاید میں

اس کے پیچھے آرہی ہوں۔ میں خود بھی اس سے ملے بغیر اپنا وجود ادھورا ادھورا سا محسوس کرتی مگر خود پر جبر کیا ہوا تھا۔ امتحانوں سے قبل چھٹیاں ہو رہی تھیں، اس دن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر لائبریری جا پہنچی۔ عاطف بے قراری سے اپنی کرسی پر پہلو بدل رہا تھا، اپنی مخصوص جگہ پر...

''مجھے بھلانے کی کوشش کرنا عاطی...... میری اماں نے بھی میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا ہے!''

''مجھے کبھی بھی امید نہیں تھی کہ تمہاری اماں تمہارا ساتھ دیں گی، اسی لیے تو تم سے کورٹ میرج کا کہا تھا۔''

''نہیں عاطی...... میں محبت کے بغیر تو رہ سکتی ہوں...... مگر اپنے ماں باپ کو ناراض کر کے نہیں رہ سکتی!''

☆☆☆

اسے تو اس روز دل کڑا کر کہہ دیا تھا مگر امتحان دے کر، بہترین نتیجہ حاصل کر کے، اعظم سے منگنی کروا کر بھی میں ایک دوراہے پر کھڑی تھی۔ سانس لینا مشکل لگتا تھا، عاطف کو عرصے سے نہیں دیکھا تھا تو لگتا تھا کہ آنکھیں ہی بے نور ہو گئی ہیں۔ آئینہ دیکھتی تو اس کا چہرہ نظر آتا اپنا نہیں...... اس کے بغیر، اس سے بات کیے بغیر سب کچھ ادھورا سا لگتا تھا۔ اس روز کالج سے ڈگری لینے جانا تھا، جس رات میں نے جاگ کر اپنی زندگی میں فائدوں اور خساروں کا طویل حساب کیا تھا، اپنی زندگی کے آنے والے وقت کو ایک میزان میں رکھ دیا تھا اور صبح جب میں تیار ہو کر کالج کے لیے روانہ ہوئی تو اس سے قبل فیصلہ ہو چکا تھا۔

نکلتے وقت میں نے بھینچ کر ماں کو گلے لگایا تو انہوں نے پگلی کہہ کر کندھے پر چپت لگائی، وہ سمجھیں کہ میں خوشی سے جذباتی ہو رہی تھی۔ میں نے باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھا اور گھوم کر اپنے کمرے کی کھڑکی کی طرف آئی جہاں سے میں نے تھوڑی دیر قبل ہی ایک بیگ باہر لٹکا دیا تھا، اس میں میرے استعمال کے چند جوڑے، کچھ رقم اور میرے تھوڑے سے زیورات تھے۔ بیگ لے کر میں تانگے پر سوار ہو کر کالج کی طرف چلی، کالج کے لاکر میں اپنی چادر کے ساتھ بیگ رکھا اور ڈگری وصول کر کے میں عاطف کے پاس گئی۔

''کہاں چلنا ہے عاطف؟'' اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ واقعی کچھ نہیں سمجھا تھا، میرا کچھ عرصے کا احتراز اسے بتا رہا تھا کہ مجھے اس سے محبت نہیں ہے اس لیے وہ خالی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں تمہارے بغیر رہ سکتی ہوں، تمہاری محبت کے بغیر، تمہیں دیکھے بغیر......''

اس کی آنکھوں سے خوشی پھوٹنے لگی، اگر کوئی جگہ ہوتی یا ہم تنہا ہوتے تو وہ مجھے اس خوب صورت اظہار پر گلے لگا لیتا۔

''کہاں چلنا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''کورٹ......'' میں نے مختصراً کہا۔

''کل نہ چلیں......'' اس نے جانے کیوں کہا۔

''ابھی اسی وقت عاطی!'' میں نے اصرار سے کہا۔ ''میرے گھر لوٹ کر نہ جانے پر ڈھنڈیا پڑ جائے گی اور ہم دونوں مشکل میں آجائیں گے اور یوں بھی میں کسی رشتے کے بغیر تمہارے ساتھ چند منٹ بھی تنہا نہیں گزار سکتی!''

''چلو......'' اس نے کہا تو میں کالج کے لاکر روم کی طرف چلی، اپنا سامان لیا اور اس کے قدموں پر قدم دھرتی ہوئی اس کے پیچھے کالج سے نکلی۔ اس کی گاڑی کا رخ کورٹ کی طرف تھا، کورٹ سے نکلے تو ہم ایک دوسرے کے محرم تھے، سب سے قریبی رشتہ تھا ہمارا... باقی سب رشتے اپنی اہمیت کھو چکے تھے۔ عاطف کے پاس کافی رقم تھی۔

اس کے اکاؤنٹ بھی بھاری تھے اور اسے شاید اپنے والدین کو منانے میں اتنی مشکل نہ ہوتی جتنی مجھے اپنے گھر والوں کو اپنا نقطۂ نظر سمجھانے میں۔

ایک کمرے کا ایک اپارٹمنٹ ہمیں اس کے ایک دوست کے حوالے سے مل گیا اور ہم نے اپنی زندگی کا آغاز وہیں سے کر دیا۔ اس ساتھ نے ہمیں بہت سے رشتوں سے محروم کر دینا تھا اور میرے گھر میں تو قیامت آچکی ہوگی، میرا خط گھر والوں کو مل چکا ہوگا جس میں میں نے انتہائی بے رحمی سے جرم محبت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں آگاہ کر دیا تھا کہ میں واپس آنے کے لیے نہیں جا رہی .. اور یہ کہ میں عاطف کے بغیر نہیں رہ سکتی .. اعظم سے شادی سے صاف انکار کرتے ہوئے میں نے سب سے معافی مانگی تھی اور بتایا تھا کہ میں اپنے ضروری سامان کے سوا کچھ نہیں لے کر جا رہی تھی۔

ان پر جو قیامت میں نے توڑی تھی اس کا اندازہ مجھے تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ انہیں میری عاطف سے محبت کا اندازہ نہ تھا۔

☆☆☆

عاطف ہر روز معمول کی طرح شام کو گھر جاتا تھا، دن میں کام کے دوران وہ کسی وقت کسی بہانے سے نکل کر میرے پاس آجاتا اور چند گھنٹوں کے بعد وہ واپس دفتر چلا جاتا۔ دن خوشیوں کے ہنڈولوں میں جھولتے ہوئے گزر رہے تھے۔ عاطف کی ترقی ہوگئی تو اس نے اپنے دفتر کے قریب ہی ایک محلے میں ایک چھوٹا سا گھر مجھے کرائے پر لے دیا۔ اس میں کل چار کمرے تھے، ایک کمرے کو میں نے نئے آنے والے مہمان کے لیے سیٹ کرنا شروع کر دیا تھا۔ عاطف ہمیشہ کہتا تھا کہ ہمارا آنے والا بچہ اپنے ددھیال میں جانے کا راستہ ہوگا، اسی امید پر دن گزر رہے تھے۔

عاطف میری حالت کے پیش نظر میرا بہت خیال رکھتا تھا، میری خوراک کا، میری دوا کا اور مجھے کوئی کمی نہ تھی، اس محلے میں آکر اردگرد واقفیت بھی بن گئی اور ایسا ضروری تھا کہ انسان روابط کے بغیر کیونکر رہ سکتا ہے۔ اڑوس پڑوس اچھا تھا، لوگ میرے پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے قدر کرتے تھے اور کسی کے بچے کو پڑھائی میں مدد کی ضرورت ہوتی تو میرے پاس بھیج دیتے۔ عاطف کا اپنی شاندار گاڑی میں بلاناغہ آنا بھی اس بات کی علامت تھا کہ میرا تعلق کسی اونچے خاندان سے تھا۔ پیٹھ پیچھے جانے لوگ کیا کہتے ہوں گے مگر میرے سامنے کوئی پوچھتا تک نہ تھا۔

عارب کی پیدائش سے جہاں میرے قدم ماں بن کر زمین پر نہ ٹکتے تھے وہیں یہ امید عروج پر پہنچ گئی تھی کہ اب ہم جلد ہی اس گھر میں ہوں گے جو ہمارا اصل گھر ہے اور یوں عاطف کو چوری چھپے نہیں آنا پڑے گا۔ مگر جونہی یہ بم پھٹا...... عاطف کو بھی دیس نکالا مل گیا۔ اس کے پاپا نے اس سے گاڑی لے لی اور اسے کام سے بھی فارغ کر دیا، عاطف میرے ساتھ ہی منتقل ہو گیا۔ یہ وقت مشکل ہونے کے باوجود میری عمر کا بہترین دور تھا کہ اس میں کوئی ڈر تھا نہ دھڑکا، ہمارا دن رات کا ساتھ تھا۔ اب عاطف کو چوری چھپے نہیں آنا پڑتا تھا، ہمارا گھر ایک مکمل گھر تھا جس میں دو پیار کرنے والے اپنے پیارے سے بیٹے کے ساتھ رہ رہے تھے۔ عاطف دن رات ملازمت کے حصول کے لیے جوتیاں چٹخا رہا تھا مگر جانے کیا وجہ تھی کہ ملازمت مل کر نہ دے رہی تھی، شاید اس کے پاپا اس کے خلاف اپنا اثر و رسوخ استعمال کر رہے تھے۔

''تنگ آگیا ہوں تنگی میں بیکاری سے......'' عارب کے ساتھ کھیلتے ہوئے عاطف نے کہا تو میں نے گڑبڑا کر اس کا چہرہ دیکھا، مجھے لگا جیسے اس نے کہا ہو کہ وہ مجھ سے تنگ آگیا ہے۔ ''آٹھ ماہ ہو

چکے ہیں اور پاپا کے اندر کوئی لچک نہیں آئی، میرے اکاؤنٹ بھی خالی ہو چلے ہیں، کوئی نوکری مل کر نہیں دے رہی، کیا ہوگا نگی؟"

"تم انکل کے بجائے اپنی مما کو رام کرنے کی کوشش کرتے۔" میں نے تجویز دی۔

"ملا تھا مما سے بھی، پپا سے چوری!" اس نے انکشاف کیا۔ "سارا مسئلہ ہی مما کا ہے، ان کی بھانجی ہے حنا جس سے انہوں نے میری شادی کا سوچ رکھا تھا، وہ تو بالکل معاف کرنے کو تیار نہیں ہیں، پپا تو شاید پھر کچھ رام ہو جاتے!" میں اس کا منہ دیکھ کر رہ گئی، مجھے امید تھی کہ اس کی مما عارب کو دیکھ کر ضرور نرم پڑ جاتیں مگر ان کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہوگا؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"کوئی چھوٹا سا ٹیوشن سینٹر کھول لیتے ہیں، دونوں کام کریں گے......" میں نے تجویز دی تو وہ ہنسنے لگا۔

"عاطف کمال...... کمال انڈسٹریز کے مالک کا اکلوتا بیٹا اور کمال انڈسٹریز کا مستقبل کا مالک...... ٹیوشن سینٹر کھولے گا!" ہنس ہنس کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، میں جانتی تھی کہ وہ اپنے آنسوؤں کو چھپانے کے لیے ہنس رہا تھا، یہ آنسو بے بسی کے تھے۔ اس نے عمر بھر ذرا سی بھی مشکل نہیں دیکھی تھی، وہ کیسے سوچ سکتا تھا کہ مجھ سے شادی کر کے وہ کن مصائب کا شکار ہو جائے گا...... مجھے اس پر ترس بھی آیا۔

"تم ملو ایک بار انکل اور اپنی مما سے اور ان سے بات کر کے دیکھو...... شاید تم ان کا نقطۂ نظر اور اس مسئلے کا حل سمجھ سکو یا پھر وہ تمہاری بات کی اہمیت سمجھ لیں......"

"دونوں باتیں ناممکنات میں سے ہیں!" اس نے کندھے اچکائے۔

"ناممکن کوئی لفظ نہیں ہوتا عاطف...... یہ ایک رویے کا نام ہے۔"

"مل لیتا ہوں فلاسفر صاحبہ!" اس نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کہا۔

"پہلے چند دن جا کر ان کے پاس رہو، تعلقات کی بحالی کے لیے کوشش کرو!"

"تمہارے بغیر؟" اس نے سر ہلایا۔ "کبھی نہیں نگی جان!"

"کچھ پانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کھونا پڑتا ہے عاطی!" میں نے دل کڑا کے اسے کہا، جانتی تھی کہ ہم دونوں کے لیے ایک دوسرے سے دور رہنا کتنا مشکل تھا۔

☆☆☆

پسند کی شادی ہم دونوں نے کی تھی اور سزا بھی ہم دونوں کو ہی بھگتنا تھی، عاطف کے ماں باپ نے اسے اس صورت میں معاف کرنے کا کہا کہ وہ مجھے طلاق دے کر ان کے خاندان میں، ان کی پسند کی لڑکی سے شادی کرے۔ میں نے عاطف کو فیصلے کا اختیار دے دیا کہ وہ سہولتوں کے بغیر رہنے کا عادی نہیں تھا۔ میں بھی کسی گرے پڑے خاندان کی نہ تھی مگر میں نے عاطف کی محبت میں سب کو ٹھوکر ماردی تھی تو مڑ کر دیکھنے کا سوال ہی نہ تھا، ہم دونوں کے بیچ اسٹیٹس نہیں...... ذات دیوار تھی، جسے پاٹنے کو میرے گھر والے تیار نہ تھے کہ سیدوں کی بیٹی غیر سیدوں میں نہ جائے، چاہے عمر بھر وہ کنواری بیٹھی رہ جائے۔

عاطف نے ماں باپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ میں اس کی زندگی ہوں اور وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کے ماں باپ بھی اندر سے اس کی جدائی سے ٹوٹے ہوئے تھے مگر انا کا خول نہیں چٹخ رہا تھا۔ میں اڑوس پڑوس کے جن بچوں کو پہلے بلا معاوضہ پڑھاتی تھی، اب ان سے باقاعدہ فیس لینا شروع کر دی تھی۔ چونکہ بچے میرے پاس پڑھ کر اچھے نمبروں سے کامیاب ہو رہے تھے اس لیے لوگوں کو اس معمولی عوضانے پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ حالات تنگ نہ ہوتے تو میں کبھی ایسا نہ کرتی

مگر اب گھر کا کرایہ دینا مشکل لگ رہا تھا اس لیے ایسا کرنا پڑا۔ عاطف کب عادی تھا ایسی مشکل زندگی کا...... وہ تو چٹخنے لگا تھا۔

"کیسے گزرے کی یوں نگی؟"

"تم ساتھ ہو تو کوئی مشکل، مشکل نہیں عاطی!" میں تو یہی سوچتی تھی اور ہر مرحلے سے گزر جاتی اس کے ساتھ مگر وہ زیادہ اس وقت پریشان ہوتا جب عارب کسی چیز کے لیے بلکتا اور ہمارے اختیار میں اسے وہ چیز دلانا نہ ہوتا تھا۔

"میرے اکاؤنٹ میں ایک پائی بھی نہیں رہی نگی!" اس نے ایک روز کہا تو میں نے اس کی دی ہوئی چھ چوڑیاں اس کے ہاتھ پر لا کر رکھ دیں۔

"ہرگز نہیں......" اس نے میرا ہاتھ لوٹا دیا۔ "یہ میری محبت کی نشانی ہے نگی!"

"تم ہو اور تمہیں مجھ سے محبت بھی ہے تو نشانیوں کو کیا کرنا ہے عاطی!" میں نے چوڑیاں اس کے ہاتھ میں تھما دیں۔ "میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی عاطی!"

"نگی......" اس نے اتنی گہرے لہجے میں مجھے پکارا کہ میں اندر تک سرد ہو گئی۔ اس کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں کیا تھا کہ میں دیر تک دیکھ بھی نہ سکی۔

"کیا بات ہے عاطی؟" میں نے اپنا سرد ہاتھ اس کے ہاتھ کی پشت پر رکھا۔

"تم مجھے کس، کس طرح نہیں دیکھ سکتیں؟"

"میں سمجھی نہیں؟"

"تم مجھے پریشان نہیں دیکھ سکتیں نا۔" وہ رکا۔ "کیا تم مجھے ٹوٹا ہوا دیکھ سکتی ہو...... اجڑا ہوا دیکھ سکتی ہو؟ ہارا ہوا دیکھ سکتی ہو...... بٹا ہوا دیکھ سکتی ہو؟" میں اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی، مجھے کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

"بس تمہیں دیکھنا ہی میری زندگی ہے عاطی...... باقی میں تمہیں ہر طرح سے دیکھ سکتی ہوں، مجھے خود کو دیکھنے سے محروم نہ کرنا!" میں اسے یوں نہیں دیکھ سکتی تھی...... پریشان، الجھا ہوا، خود سے وضاحتیں مانگتا، خود سے سوال کرتا اور خود کو دلیلیں دیتا۔

☆☆☆

میں پھر امید سے تھی اور یہ خاصی پریشان کن بات تھی، اخراجات کا عفریت منہ پھاڑے نظر آ رہا تھا۔ عاطی اس صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے لوٹ گیا...... اس نے ماں باپ سے معافی مانگی اور مجھے طلاق دینے کے مطالبے کو ماننے سے انکار کر دیا کہ میں اس کے بچے کی ماں تھی اور ایک اور بچہ دنیا میں آنے والا تھا۔ اس نے اپنے ماں باپ پر واضح کر دیا تھا کہ حنا سے شادی وہ ان کی خوشی کے لیے کرے گا مگر اس کے بدلے اسے اس کے دل کی خوشی سے محروم نہ کیا جائے۔ اس نے حنا سے خود مل کر اسے بتایا تھا کہ وہ نگار کو طلاق نہیں دے گا کیونکہ اس کے پاس اس کا کوئی جواز نہیں، نگار بھی اس کے سامنے آئے گی نہ اس کے راستے میں اور یہی حنا کو بھی کرنا ہوگا۔ وہ بھی اسے مجبور نہیں کرے گی کہ نگار کو چھوڑ دو...... ورنہ وہ اس کو چھوڑ دے گا!

جب عاطی نے مجھے بتایا کہ اس نے حنا سے بات کر کے اسے منا لیا ہے اور اسے اس پر کوئی اعتراض نہیں تو مجھے اس کی خوش قسمتی پر رشک آیا...... کیسا خوش نصیب تھا کہ جس سے حنا بھی میری طرح ٹوٹ کر اور غیر مشروط محبت کرتی تھی۔ حنا سے فطری حسد اپنی جگہ پر مگر مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ عاطف اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد...... ان کی اکلوتی خوشی ہے اور انہیں خوش کر کے وہ دنیا اور آخرت دونوں کما لے گا۔

محبّ اس کی دوسری شادی کے روز پیدا ہوا تھا۔ عاطف کی بیوی حنا...... عاطف کی خالہ زاد تھی۔ وہ عاطف کو تو بہت چاہتی تھی مگر اس سے گھر میں دو

بزرگوں کا وجود برداشت نہ ہوتا تھا مگر اب عاطف کے والدین کے لیے وہ ایک ایسی چھچھوندر بن چکی تھی کہ جس کے ساتھ گزارہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ دو ٹکڑوں میں بٹا ہوا عاطف مجھے پہلے کی طرح ہر روز دوپہر کو ملنے آنے لگا جیسے پہلے وہ باپ سے چوری آتا تھا، اسی طرح دفتر سے اٹھ کر آتا تھا۔ مجھے ملنا اس کی اور اس سے ملنا میری مجبوری تھی کہ مجھے اس سے پیار تھا اور وہ میرے بچوں کا باپ اور ان کی پہچان تھا۔

گھر کا کرایہ عاطف دینے لگا اور اس کے علاوہ مشکل سے اتنا خرچ دیتا تھا کہ ہم تین نفسوں کا پیٹ بھرنے کا گزارہ ہو جاتا تھا۔ ٹیوشن کی آمدن کو میں اپنی بچت کے طور پر ایک طرف رکھ دیتی، اپنی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا بھی گلا گھونٹ دیتی تھی کہ بچوں کے لیے کچھ بچا لوں۔ حالانکہ عاطف چاہتا تو ان بچوں کے علیحدہ اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں ہر ماہ رقم ڈال سکتا تھا، وہ تو مجھ سے کہتا بھی تھا مگر میری انا گوارا نہیں کرتی تھی کہ جن دادا دادی نے ان بچوں کو اور ان کی ماں کے وجود کو ہی قبول نہیں کیا تھا۔ ان کی کمائی سے میں ان بچوں کے لیے خیرات لوں۔ عاطف کے پاپا نے اب اس کو بہت محدود خرچ دینا شروع کر دیا تھا اتنا کہ وہ حنا کے خرچے پورے کرتا تو مجھے کچھ دے نہ پاتا۔

حنا اسے نت نئے طریقوں سے چڑانے لگی، اس سے رقم کے مطالبے کر کر کے باپ کے سامنے کھڑا کر دیتی، میری طرف سے اگر اسے کچھ سکون مل جاتا تو وہی میری محبت کی معراج تھی۔ میں کوئی مطالبہ نہ کرتی، اپنی چھوٹی سے چھوٹی خواہش کی کونپل کا گلا گھونٹ دیتی، بچوں سے وابستہ ہر خواہش دل میں چھپا لیتی...... صرف اس لیے کہ عاطف کو اس کمی کا احساس نہیں ہو کہ وہ اپنے بچوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا، میرے بھی تو بچے تھے، میں بھی تو ان کے لیے کچھ کر سکتی تھی، تعلیم میرے پاس تھی اور یہی دولت میں اپنی اولاد کو بھی دینا چاہتی تھی۔

''حنا ماں بننے والی ہے نگی! اور وہ مجھے زیادہ سے زیادہ اپنے پاس دیکھنا چاہتی ہے......'' وہ پورے سات دن کے بعد آیا تھا اور وضاحتیں دے رہا تھا۔ میرے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا...... پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ سوتن کیا چیز ہوتی ہے، مجھے حنا سے حسد محسوس ہوا...... میرا عاطف کس طرح بٹ گیا تھا، وہ پورا میرا نہ تھا...... میں بالکل خالی ہو گئی تھی اور اس کے سب رشتے اس کے پاس تھے، اس کے ماں باپ، دو دو بیویاں اور بچے۔ جن بچوں کو میں اس کے پیروں کی زنجیر سمجھتی تھی ویسے ہی بچے اسے اب حنا سے بھی ملنے والے تھے، جن کا وجود اس کے ماں باپ کے لیے بھی قابلِ قبول ہوتا، چاہے حنا لاکھ ان کی گستاخ سہی۔ اس رات وہ میرے پاس تھا مگر مجھے وہ اپنا نہ لگا، مجھے پہلی بار بٹے ہوئے مرد کے لفظ کا مطلب سمجھ میں آیا تھا۔

☆☆☆

''اگر عاطف کے پاس سب رشتے ہیں تو میرے پاس کیوں نہیں ہو سکتے، کم از کم میرے بچوں کے پاس تو ماں اور باپ کے علاوہ کوئی رشتے ہوں، نانا، نانی، ماموں اور ممانیاں اور ان کے بچے...... جانے کون کون کس کس حال میں ہوگا۔'' گھر چھوڑ کے آنے کے بعد اب مجھے شدت سے اس گھر کی یاد آئی جہاں سے نکلتے وقت واپسی کے سارے راستے میں اپنے ہاتھوں سے بند کر کے آئی تھی۔ اب اگر اس حال میں، میں ان سے رابطہ کرتی تو وہ سمجھتے کہ میں اپنی غربت سے تنگ آ کر لوٹی ہوں، میری عزتِ نفس نے یہ گوارا نہ کیا اور سوچ، سوچ کر میں نے اپنی زندگی کے لیے لائحہ عمل مرتب کیا۔

میرے پاس تعلیم تھی اور اسی ایک ہتھیار کے ساتھ مجھے آگے بڑھنا تھا اور اسی ہتھیار کو میراث بنا کر مجھے اپنے بچوں کے حوالے کرنا تھا، میں یوں کڑھ کڑھ کر اور ذلت کے ساتھ زندگی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ عاطف کے لیے کئی اور کام تھے، کئی اور ذمے داریاں اور کئی دلچسپیاں...... میرے لیے اس کا نام ہی کافی تھا اور یہ احسان کہ اس نے اس بوجھ سے تعلق کو قائم رکھا تھا ورنہ میرا انجام بھی گھر سے بھاگ کر آنے والی ہر لڑکی جیسا ہوتا۔

میری کوئی بہن نہ تھی مگر میری پڑوسن کرن نے مجھے کبھی اس کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی، میں نے اسی سے صلاح مشورہ بھی کیا اور اسی کی مدد سے اپنا سامان نیچے کے کمروں سے اوپر منتقل کیا۔ عاطف کے پیار کی نشانی ہی میرے پاس سرمایے کی صورت رہ گئی تھی، اسے کرن کے ساتھ جا کر بیچا اور ضروری کاموں کی فہرست مرتب کر کے ایک طرف سے اپنا کام شروع کر دیا۔ دونوں کمروں کو نیا پینٹ کروا کر ان میں دیواروں پر بورڈ لگائے، یہ گھر کرن کے ماں باپ کا تھا اور اس سارے کام کے لیے اجازت بھی کرن کا ہی کارنامہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی لکڑی کی کرسیاں اور گول میزیں سستے داموں بنوائیں، کچھ خوب صورت کھلونے خریدے، بچوں کی کہانیوں کی ننھی منی کتابیں اور اللہ کا نام لے کر رجسٹر میں عارب کا نام پہلے طالب علم کے طور پر لکھا۔

پہلے چند دن تک عارب ہی اکیلا یہاں طالب علم تھا اور میں اکیلی اس کی استانی...... اپنے مخصوص وقت پر میں اسے لے کر نیچے اتر آتی، محب کو ساتھ والے کمرے میں سلا کر عارب کی کلاس شروع کر دیتی، اس کی باقاعدہ فیس بھی میں نے اسکول کے اکاؤنٹ میں جمع کروائی تھی اور ہر روز اس امید پر باہر کے دروازے کو دیکھتی کہ شاید اس روز کوئی نیا طالب علم میرے پاس داخلے کے لیے آ جائے۔ اس روز دستک پر میں نے لپک کر دروازہ کھولا...... دروازے پر میرے اکلوتے طالب علم کے والد صاحب مٹھائی کا ڈبا لیے کھڑے تھے اور ان کی ہنسی ہی نہیں رک رہی تھی۔

''ایک مہینے میں تم نے گھر کو اسکول بنا ڈالا......'' اس کا مطلب ہے کہ اسے علم تھا کہ وہ ایک ماہ کے بعد آیا ہے۔ ''باہر سے بورڈ دیکھ کر تو میں سمجھا کہ تم کہیں اور شفٹ ہو گئی ہو اور کسی اور نے اسکول بنا لیا ہے......''

''میں یہاں سے تمہیں بتائے بغیر کہیں شفٹ ہو جاؤں گی عاطف؟'' میں نے نارمل رہنے کی کوشش کی۔

عارب باپ کو دیکھتے ہی کتابیں بھول بھال کر بھاگ کر آ کر لپٹ گیا۔

''ارے، ارے باقی اسٹوڈنٹ کہاں ہیں۔ چھٹی ہو گئی ہے کیا؟''

''تو پاپا، کوئی اور نہیں ہے، صرف میں ہی ہوں اس اسکول میں!'' عارب نے عاطف کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''یہ کیا طریقہ ہے نگی...... عارب کسی اچھے اسکول میں جا سکتا ہے!'' عاطف نے احتجاج کیا۔

''عارب جس اسکول میں بھی پڑھے گا وہ اچھا ہی ہوگا!'' میں نے بچے کے سامنے اس موضوع پر بحث کرنے سے گریز کیا۔

''پاپا میرے لیے چاکلیٹ لائے ہیں؟'' اس نے ڈبے کی طرف توجہ کی جس کی طرف سے میرا دھیان ہٹ گیا تھا۔

''مٹھائی ہے بیٹا، پاپا چاکلیٹ ابھی جا کر لا دیں گے، مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ میرے بیٹے نے اسکول جانا شروع کر دیا ہے......''

''کس چیز کی مٹھائی ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ہاں پاپا...... کس چیز کی مٹھائی ہے؟'' عارب نے ایک لڈو سے انصاف کرتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھئی میدے کی بھی ہے، دال کی بھی اور بیسن کی بھی......'' عاطف نے برفی میرے منہ

میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”مگر کس لیے لائے ہیں پاپا، آپ چاکلیٹ لے آتے، میں تو مٹھائی شوق سے نہیں کھاتا!“ عارب نے تیسرا گلاب جامن کھاتے ہوئے کہا تو بے اختیار ہم دونوں کی ہنسی نکل گئی، کتنے عرصے کے بعد ہم یوں ہنسے تھے مگر میری ہنسی کو اسی رفتار سے بریک لگ گئے جب عاطف نے عارب کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر کہا۔

”آپ کی بہنا پیدا ہوئی ہے عارب..... اس کا نام ہے..... حرا!“ میرے منہ میں برفی کا ٹکڑا کڑوا ہو کر گھل گیا تھا، میں نے اپنے کندھوں پر سے عاطف کا ہاتھ غیر محسوس طریقے سے ہٹایا اور اٹھی۔

”شاید محبّ جاگ گیا ہے.....“ کمرے سے نکلتے ہوئے مڑ کر میں نے پوچھا۔ ”چائے لو گے عاطی؟“

”کیوں نہیں..... کیوں نہیں.....“ عارب کو گدگداتے ہوئے اس نے دوبار کہا۔ میں نے گہری سانس لی، عاطف کو بیٹی کا کتنا شوق تھا، دونوں بیٹوں کی بار اس کی خواہش تھی کہ بیٹی ہو مگر اللہ کو جو منظور تھا۔ میں تو اس حال میں خوش تھی اور سمجھتی تھی کہ میری فیملی مکمل ہے مگر اصل میں اب عاطف کی فیملی مکمل ہو گئی تھی۔ بیٹی بھی آ گئی تھی۔ چائے بناتے ہوئے گیس کے چولھے سے بھی میری آنکھوں میں یوں جلن ہو رہی تھی جیسے میں نے پھونکیں مار مار کر لکڑیوں کا چولھا جلایا ہو۔

☆☆☆

حنا بچی کی پیدائش کے بعد ایک ماہ کے لیے اپنی ماں کی طرف گئی، یہ ان کے خاندان کی روایت تھی اور اس دوران میں دامادوں کا وہاں زیادہ آنا جانا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا..... ان کی اس روایت نے میرے گھر میں زندگی کی لہر دوڑا دی تھی، عاطف اکثر آنے لگا اور کبھی کبھار یہیں رہ جاتا۔ مجھے اور بچوں کو گھمانے پھرانے باہر لے جاتا اور جب صبح، صبح میں عارب کو جگا کر تیار کر کے اسکول لے کر آتی تو عاطف چڑ جاتا۔

”کتنی ظالم ہو تم، مجھے تنہا چھوڑ جاتی ہو!“ جی تو چاہتا اسے بتاؤں کہ وہ کس طرح مجھے تنہا چھوڑ جاتا تھا مگر اپنا بھرم گنوانا منظور نہ تھا۔ اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ ننھے محبّ کو عاطف کے پاس تب تک سوتا ہوا چھوڑ دیتی جب تک عاطف کے دفتر جانے کا وقت نہیں ہوتا تھا۔

اس وقت میں بریک کر کے عارب کو بھی اوپر لے آتی اور عاطف کو ناشتا بنا کر روانہ کر کے پھر ”اسکول“ پہنچ جاتی۔ کاش اسی طرح حنا اپنے میکے ہی رہ جائے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور عاطف یونہی میرا ہو جائے..... میرے دل میں یہ خواہش چٹکیاں لیتی، مگر ہر وقت گزر جاتا ہے، شب وصل ہمیشہ شب ہجر کی نسبت مختصر محسوس ہوتی ہے، پلک جھپکتے میں یہ ایک ماہ گزر گیا اور اس دوران ایک اور اچھی بات ہوئی کہ اسکول میں عارب کے ساتھ تین بچوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اب مجھے امید نظر آنے لگی تھی اور اسکول واقعی اسکول لگنے لگا تھا۔

دوسرا مہینہ ختم ہوا تو سود و زیاں کا حساب کر کے میں نے اپنی تنخواہ بھی نکال لی..... اپنی پہلی کمائی کا احساس کتنا خوش کن تھا، اس تنخواہ سے میں نے پہلی بار اپنے بیٹے کو آئس کریم کھلائی..... اسے ایک شرٹ خرید کر دی اور واپسی پر گھر پر پھل لے کر آئی۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں تھی تو کبھی لفظ غربت کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا، عاطف سے شادی ہوئی تو حالات جیسے بھی تھے، اچھے دنوں کی امید نے کبھی مایوس نہ ہونے دیا۔ مایوسی تو تب آئی جب تنگی حالات پر عاطف نے ہتھیار ڈال دیے، اپنے باپ کے اسٹیٹس سے کم کوئی کام کرنے کو وہ تیار نہ تھا ورنہ وہ میرا ہاتھ تھام کر امید سے چلتا تو ہم مل کر اس سے زیادہ کر سکتے تھے۔

اس روز میں اور کرن مل بیٹھ کر بڑے دنوں کے بعد اکٹھے چائے پی رہے تھے..... میں اسے عاطف کے حالیہ قیام کے بارے میں بتا رہی تھی اور یہ بھی کہ اس کے بعد پندرہ دن گزر چکے تھے اور وہ نہیں آیا تھا۔

”تم سے ایک بات کرنا تھی نگار.....“ کرن نے کہا۔

”کہو یار.....“ میں نے دریادلی سے کہا۔

”چار بچوں کے ساتھ تم کس طرح اپنی زندگی کی گاڑی چلا سکتی ہو؟“

”ہمیشہ چار بچے تو نہیں رہیں گے نا کرن..... آہستہ آہستہ ان میں اضافہ ہی ہو گا!“ میرے چہرے پر امید کی جوت جگمگا رہی تھی۔

”اصل میں ایک تجویز تھی.....“

”اگر تمہاری تجویز یہ ہے کہ میں عاطف کو مجبور کر کے اس سے خرچہ مانگوں یا اس سے یہ کہوں کہ عارب کو شہر کے کسی بہترین اسکول میں داخل کروا دے تو.....“ میں جوش سے بول رہی تھی۔

”وہ وقت گیا نگار جب میں تمہیں ایسی تجاویز دیتی تھی، میں نے تمہارے اندر عزم اور لگن دیکھ کر ہی کوئی بات کرنے کا سوچا ہے.....“

”جی فرمائیں.....“ میں نے اپنی پچھلی بات کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔

”میں محلے کے کچھ گھروں کے علاوہ اگلی کالونی کے کچھ گھروں میں بھی جاتی ہوں، سب سے میں تمہاری ذہانت اور تمہارے اسکول کے بارے میں بات کرتی ہوں اور انہیں کہتی ہوں کہ اپنے بچوں کا داخلہ یہاں کروائیں!“

”نوازش ہے آپ کی جناب.....“ میں نے دل سے اس کی اس کوشش کا اعتراف کیا۔

”چند ایک لوگ دلچسپی رکھتے ہیں..... مگر.....“

”مگر کیا؟“ میں نے فوراً پوچھا۔

”ان میں نرسری کا طالب علم کوئی بھی نہیں ہے نگار.....“

”تو..... میں دوسرے کمرے میں پریپ شروع کر لیتی ہوں!“ میں نے فوراً کہا۔ ”بچے ہیں کتنے؟“

”پوری بات سن لو.....“ کرن نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”راجا بشارت صاحب کی بہو ہے نا، اس کی دو جڑواں بچیاں ہیں.....“

”اچھا کیا عمر ہے اُن کی؟“ میں پھر بول پڑی۔

”تین سال.....“

”تو ٹھیک ہے، عارب بھی تو تین سال کا ہے نا.....“

”مگر وہ بچیاں نارمل نہیں ہیں.....“ کرن کی بات کے جواب میں خاموشی چھا گئی۔

”مگر میرا اسکول اسپیشل بچوں کے لیے تو نہیں ہے!“

”اصل میں ان کی ماں بینک میں ملازمت کرتی ہے، گھر پر بچیاں آیا کے پاس ہوتی ہیں اور اس کا شک ہے کہ آیا دن بھر خود یا تو ٹی وی دیکھتی رہتی ہے یا پھر سوئی رہتی ہے کیونکہ بچیاں کچھ کہہ تو سکتی نہیں، خاموش نظروں سے شکوے کرتی رہتی ہیں!“

”تو کیا گھر پر اور کوئی بھی نہیں ہوتا اس آیا پر نظر رکھنے کے لیے؟“ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”پہلے بچیوں کی دادی تھیں اب ان کا انتقال ہو گیا ہے.....“ کرن نے بتایا۔ ”خالدہ تو اس حد تک تیار ہے کہ وہ آیا بھی ان بچیوں کے ساتھ اسکول آیا کرے گی اور ان کی باقی ضروریات وغیرہ کا خیال رکھے گی..... دوسرے لفظوں میں یہ سمجھ لو کہ وہ چاہتی ہے کہ اس کی آیا کے ساتھ ساتھ ان بچوں کو اضافی توجہ مل سکے.....“ وہ رکی۔ ”تم سمجھ رہی ہو نا میری بات..... جیسے کہ ڈے کیئر سینٹر ہوتا ہے!“

”ہوں.....“ میں نے گہری سانس لی۔ ”اتنے

چھوٹے بچوں کا خیال رکھنا اور وہ بھی اسپیشل...... میرا تو ایسا کوئی تجربہ نہیں ہے!" میں نے اعتراف کیا۔

"اس نے چیک کیا تھا، ایک اسپیشل اسکول ہے جو یہاں سے کافی دور ہے، اس کے لیے بچیوں کو وہاں سے لانا اور وہاں لے کر جانا بڑا مسئلہ ہے، وہاں کی فیس دو بچیوں کے لیے پانچ ہزار روپیہ مہینہ ہے...... خالدہ پانچ سو فالتو دینے کو تیار ہے اگر تم حامی بھر دو تو......" کرن جانتی تھی کہ اس وقت وہ رقم میرے لیے کتنی اہم ہو سکتی تھی۔ "اسی کالونی میں اور بھی عورتیں ہیں جو ملازمت کرتی ہیں اور چاہتی ہیں کہ ان کے بچے کسی تعلیم یافتہ عورت کی کیئر میں رہیں اور کچھ سیکھیں بھی، میں تو سمجھتی ہوں کہ نرسری کے بجائے تم ڈے کیئر سینٹر بنانے کا سوچو!"

کرن نے مجھے ایک نئی سوچ کا سرا تھما دیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ لوگ فیس کے نام پر رو رو کر پانچ سو روپے دیتے ہیں جبکہ ڈے کیئر میں دو ہزار روپیہ کم از کم چارجز ہیں۔

"مجھے سوچنے کے لیے کچھ وقت چاہیے!" میں نے کرن کو انکار نہیں کیا، مجھے چیک کرنا تھا کہ اسپیشل بچوں کی تعلیم کے لیے کس طرح کے کورس کرنے کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

کرن کی مدد کے ساتھ ہی میرے لیے ممکن ہوا کہ میں شام کی کلاسز لے کر اسپیشل بچوں کی تعلیم کے لیے کچھ شارٹ ٹرم کورسز کر سکوں، اسی دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں ایک بار پھر ماں بننے کے مرحلے میں تھی، یہ تو میری پلاننگ میں ہی نہ تھا، کئی بار الٹے سیدھے خیالات آئے مگر غربت کے خوف سے اولاد کا قتل کرنے پر اللہ اور اس کے نبی ﷺ کی ناراضی کے خوف سے خود کو حالات کے دھارے پر بہنے دیا۔ وانیہ کی پیدائش تک جانے کیا، کیا تبدیل ہو چکا تھا...... عارب اور اس کے ساتھ ہم جماعت پریپ کلاس میں پہنچ چکے تھے، محلے کی ایک بی اے پاس لڑکی کو میں نے پریپ کی ٹیچر رکھ لیا تھا، اس کے پاس تھوڑا سا تجربہ تھا مگر مجھے اس کو اپنی سوچ اور ماحول کے مطابق ڈھالنا تھا۔ اس نے بہت جلدی میری ہدایات کے مطابق کام سیکھا تھا۔ اوپر کے ایک کمرے کو ڈے کیئر بنا لیا گیا تھا اس میں اوپر نیچے کے آٹھ چھوٹے چھوٹے بیڈ ڈال لیے گئے تھے، فرش پر گداز سا قالین تھا اور اس کے ساتھ غسل خانے کو بھی بچوں کے چینجنگ روم میں ڈھال لیا گیا تھا۔ میرے پاس ایک وقت میں آٹھ چھوٹے بچوں کی گنجائش تھی اور اب اس کی ضرورت بڑھتی جا رہی تھی، ایک بیڈ وانیہ کے استعمال میں رہتا تھا۔

اب عاطف آتا تو اس اسکول نما گھر سے چڑتا اور مجھے بھی اندازہ ہوتا کہ عارب اور محب کی عمر اب بڑھ رہی تھی، ان کے لیے علیحدہ کمرے کی ضرورت تھی۔

"کیا ضرورت ہے اتنا پھیلاوا پھیلانے کی نگی؟"

"تو کیا کروں؟" میں نے سوال کیا۔

"میں بات کرتا ہوں پاپا سے، وہ تو مجھے کہتے ہیں کہ جیسا گھر حنا کو لے کر دیا ہے ویسا ہی نگار کو بھی لے کر دو، اللہ میاں کو حساب دینا ہے برابری کے سلوک کا......" اس کی بات کے جواب میں، میں اسے حق دق دیکھ رہی تھی، انکل کا دل کیونکر نرم ہونے لگا تھا۔

"اچھا؟" میں نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہوں......" اس نے وانیہ کو اپنے سینے میں بھینچ کر کہا۔ "ایک بات بتاؤں تمہیں؟"

"جی بتائیں......" میں نے ناز سے کہا۔

"حنا پھر سے......" وہ رکا۔ میں سمجھ گئی کہ امید سے ہے۔

"اچھا!" میں نے مختصراً کہا۔ "اب کی بار کیا ہے؟" مجھے عاطف نے پہلی بار بھی بتا دیا تھا کہ بچی

تھی کیونکہ حنا نے الٹرا ساؤنڈ کروا کر پوچھ لیا تھا۔

"معلوم نہیں......"

"حیرت ہے...... اب کی بار حنا کو نہیں شوق کہ اسے کس رنگ کے کپڑے بنوانے ہیں؟" یہی جواز بتایا تھا مجھے عاطف نے پچھلی بار۔

"الٹرا ساؤنڈ سے کون سا سب باتوں کا علم ہو جاتا ہے نگی......" عاطف کے لہجے میں کچھ عجیب سا تھا۔ "تمہیں کون سا علم ہو گیا تھا کہ حرا ایک نارمل بچی نہیں ہے......" میں جھٹکے سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، عاطف کا چہرہ پڑھنے لگی، اس نے میری طرف دیکھا اور سر ہلا کر کہا۔

"ہاں...... ایسا ہی ہے اور پاپا کا خیال ہے کہ!"

"پلیز یہ نہ کہنا کہ پپا کے خیال میں، میں نے کسی کو کوئی بددعا دی ہو گی!" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ایسا نہیں ہے......" اس نے مجھے کندھوں سے تھام کر کہا۔ "پاپا ایسا نہیں سوچتے، تمہیں معلوم ہے کہ حنا ممّا کی انا کا مسئلہ تھی اگر وہ ممّا کی بھانجی نہ ہوتی تو پاپا مان جاتے......"

"تو پھر پاپا کیا کہتے ہیں؟" میں نے فوراً سوال کیا۔

"پاپا کہتے ہیں کہ ہمیں تمہارا صبر پڑا ہے......"

"خدا کے لیے عاطف...... پاپا سے بھی کہنا، میں فاقوں بھی مر جاتی تو کبھی ایسا نہ سوچتی اور نہ ہی ایسا صبر کرتی کہ اس کی آہ تمہیں یا تمہارے پاپا کو پڑے...... میں تو ایک عام سی بندی ہوں، اپنے ماں باپ کی عزت کو قدموں تلے روند کر آئی ہوئی اور ایسی لڑکیوں کی دعا، بددعا میں کوئی اثر ہوتا ہے بھلا؟ ان کے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے۔ چاہے ان کے سسرال والے انہیں تسلیم کریں یا نہ کریں اور ان کے شوہر انہیں بسائیں یا ان کی موجودگی میں تین اور شادیاں کر لیں!"

"نگی!" عاطف نے میرے ہاتھ تھام لیے۔ "مجھے معاف کر دو یار...... تمہارے کہنے پر ہی میں واپس اپنے ماں باپ کے پاس گیا تھا اور تمہارے ماننے پر ہی میں نے حنا سے شادی کی تھی!"

"میں نے تو تمہیں یہ بھی کہا تھا کہ ہم مل کر ٹیوشن سینٹر کھول لیتے ہیں عاطی۔" دل تو چاہ رہا تھا کہ اسے کہوں مگر یہ بات میں نے اپنے لبوں کے بیچ میں ہی قید کر لی تھی۔

"تم ناراض ہو مجھ سے نگی؟"

"تم سے ہی تو ناراض نہیں ہو سکتی عاطی!" میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔

☆☆☆

چند دن قبل ہی میں نے فون لگوایا تھا کہ اس کی ضرورت اہم ہو گئی تھی۔ یونیفارم والوں سے، کتابوں والوں سے اور کئی لوگوں سے رابطہ کرنا پڑتا تھا۔ خالدہ کی آپا کو میں نے اضافی تنخواہ پر تبھی سے اسکول کے اوقات میں اپنے ساتھ رکھ لیا تھا، وہ وانیہ سمیت سب بچوں کی دیکھ بھال کرتی تھی اور میں ان کی خوراک وغیرہ ان کے اوقات پر انہیں دیتی تھی۔ خالدہ کی بیٹیوں کی ذہنی تربیت کا کام بھی شروع ہو چکا تھا، اب بچے بڑھ گئے تھے ایک اور ٹیچر اور ایک آپا پروین کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اس ٹیچر کی اسپیشل بچوں کی تربیت کے کورس کی فیس میں نے ادا کی تھی اور شام کی کلاسز سے وہ یہ کورس کر رہی تھی۔

ندا میں پچیس سالہ لڑکی تھی، شادی ہوئی مگر پہلے دو سال بعد ہی طلاق لے کر لوٹ آئی کہ وہ اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی۔ اس کی بھابیوں کی تو کوشش تھی کہ اسے کسی رنڈوے بڈھے سے بیاہ کر اپنے فرض سے فارغ ہو جائیں مگر ندا نے احتجاج کیا اور ملازمت شروع کر دی تاکہ بھائیوں پر بوجھ نہ ہو۔

مریم میری نرسری کی ٹیچر تھی وہ کرن کی دور کی

کزن تھی اور تعلیم یافتہ تھی، کرن کی بھابی بن کر آئی تو اسے ملازمت کا شوق چرایا اور وہ بھی ایسے کہ اسکول پڑوس میں ہو، اس کے سسرالی گھر کا نصف حصہ ہو۔ کرن نے ایک احسان اور کیا تھا کہ اپنے ابا سے کہہ کر گھر کے صحن میں اوپر نیچے چار اور کمروں کا اضافہ کروا دیا تھا، اس سے کم از میرے پاس رہائش کے لیے دو کمرے ہو گئے تھے، کرایہ دگنا ہو گیا تھا مگر اب آمدن اتنی ہو گئی تھی کہ ایک برس سے کرایہ بھی عاطف نہیں بلکہ میں خود ہی دے رہی تھی۔ گھر پر کام کرنے کے لیے میں نے پروین کو ہی رکھ لیا تھا، دن کو وہ اسکول میں ملازمت کرتی اور شام کو گھر میں، اس سے مجھے کافی سہولت ہو گئی تھی اور اپنے کام پر توجہ دینے کا وقت مل جاتا تھا۔

اب میرے پاس اسپیشل بچوں کی تربیت کے لیے ایک نہیں دو دو ٹرینڈ ٹیچرز تھیں اور ان بچوں کی تعداد دو سے بڑھ کر اب بیس ہو گئی تھی، میں خود بھی ان بچوں کو خصوصی توجہ اور لگن سے دیکھتی تھی۔ عارب سمیت اب سب بچے نرسری سے کے جی میں پہنچ گئے تھے اور اب میرے پاس اس سے زیادہ کوئی گنجائش نہ تھی۔ اگلے برس ان بچوں کو کسی اور اسکول میں بھجوانا ہو گا۔ چھ کمروں کے اس اسکول میں جہاں پہلے پورے پچاس دن میں اکیلی استانی اور عارب اکیلا طالب علم تھا، وہاں اب لگ بھگ سو بچے تھے، جن میں سے بیس اسپیشل بچے تھے اور دو آیا کے ساتھ اب مجھے ملا کر آٹھ ٹیچرز کا اسٹاف روم تھا، اس گھر میں اتنی گنجائش بھی نہ تھی کہ کوئی اسٹاف روم بنا دیا جاتا یا بچوں کے کھیلنے کے لیے کوئی جگہ میسر ہو جاتی۔ اتنے چھوٹے بچوں کو باہر سڑک پر بھی نہیں نکالا جا سکتا تھا۔

ایک ایسے اسکول کا سپنا آنکھوں میں بس گیا تھا، جہاں یہ سب بچے اپنے سارے تعلیمی مراحل ایک ہی چھت تلے طے کریں، نارمل اور اسپیشل بچے ایک چھت تلے ہوں اور نارمل بچوں کو احساس ہو کہ ان کے پاس زندگی کی کتنی نعمتیں اور کتنی خوب صورتیاں ہیں۔ ان کے پاس کھیلنے کے لیے میدان ہوں...... مگر میرے پاس وسائل محدود تھے، میرے سارے خوابوں کو تعبیر نہیں مل سکتی تھی۔ کاش کوئی ایسا دن بھی آئے کہ میں اپنے سارے خوابوں کو حقیقت میں ڈھال سکوں، ساری سوچوں کو ایک ٹھوس شکل میں سب کے سامنے لا سکوں۔ میں یہ بتا سکوں کہ جب کسی انسان کو دنیا میں تنہا کر دیا جاتا ہے تو اس کا سارا ربط اللہ سے ہو جاتا ہے، جہاں اس کے لیے راستے تنگ ہو جاتے ہیں وہاں اللہ اس کے لیے آسانیاں پیدا فرماتا ہے۔

☆☆☆

"میڈم جو بچی کل نئی آئی ہے وہ بات بے بات چیخ رہی ہے، کیا آپ ایک دفعہ آ کر اسے دیکھ کر مجھے گائیڈ کر سکتی ہیں، مجھے تو اس کے اس رویے کی سمجھ نہیں آ رہی ہے......" ندا نے میرے پاس آ کر کہا۔ میں اس وقت اسپیشل بچوں کے جونیئر گروپ کو بولنے کی پریکٹس کروا رہی تھی، ان کے سامنے اپنا منہ کر کے اسی طریقے سے انہیں اپنے منہ کو حرکت دینے کو کہہ رہی تھی جس طرح میں کر رہی تھی۔ شروع میں ان کے منہ سے عجیب بے ہنگم اور بلند آوازیں نکل رہی تھیں مگر یہی آوازیں آگے جا کر مربوط ہو جانے والی تھیں۔

"آپ چلیں مس ندا...... میں آتی ہوں!" میں نے ندا سے کہا تو وہ اس کمرے سے نکل گئی، میں نے پروین سے کہا کہ وہ چند منٹوں کے لیے اس گروپ کے پاس بیٹھے اور میں ندا کی کلاس کی طرف چلی گئی۔

کمرے کے باہر سے ہی ہیجانی آوازیں آ رہی تھیں، جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو، ایسا تو ہرگز نہیں تھا، یہاں بچوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی یعنی مارنے پیٹنے کے لیے...... استاد کا ہاتھ شفقت کی

خوشبو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

"ہے ہے...... ہٹو بھئی کون ہے جو ہماری گڑیا کو تنگ کر رہا ہے؟" میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھوں سے نکل نکل جا رہی تھی۔ ناک بہہ بہہ کر اس کے منہ میں سے ہوتے ہوئے رال کے ساتھ مل کر ٹھوڑی کی طرف جا رہی تھی، مجھے ذرا سی کراہت کا احساس ہوا، ابکائی آنے لگی، میں نے ندا سے ٹشو پیپر مانگا اور اس کی ناک اور منہ کو صاف کیا اور اسے اٹھا کر غسل خانے کی طرف چلی، اس بچی کو پُرسکون کرنے کے لیے پانی کی ضرورت تھی...... میں نے اس کے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے تو اس کا رونا بند ہو گیا، اس نے اپنے ہاتھ منہ پر رکھ لیے تاکہ مزید پانی سے بچ سکے۔

پانی کیسی کیسی پیاس بجھا دیتا ہے...... میں مسکرا دی اور اس کا چہرہ ایک اور ٹشو پیپر سے تھپتھپا کر صاف کرنے لگی۔ باہر نکلی تو اس کا رونا مکمل تھم چکا تھا۔

"میڈم کیسے قابو کیا آپ نے یہ جن؟" ندا نے مسکرا کر اسے مجھ سے لیا تو وہ منہ بسور کر اس کے پاس چلی گئی۔

"اونہوں...... بچوں کے سامنے ایسے الفاظ نہیں بولتے، وہ ایسے الفاظ فوراً سیکھ کر اپنے گھروں میں اپنے انداز سے پہنچاتے ہیں تو والدین سوچتے ہیں کہ جانے ہم نے کیا کہہ دیا۔"

"سوری میڈم...... لیکن کس طرح!"

"ہر انسان کے اندر ایک جن ہوتا ہے ندا...... اس کی ذات کا جن، اس کے غصے کا جن، اس کے غرور کا جن، اس کے تکبر کا جن، اس کی انا کا جن......" ندا دلچسپی سے میری بات سن رہی تھی۔ "کسی دوسرے کا جن اس وقت قابو ہوتا ہے جب آپ اپنے اندر کے جن کو قابو کر لیں...... پانی ہر طرح کے جن کو قابو کرنے میں معاون ہوتا ہے، آپ کے اپنے اندر کے غصے کا جن بے قابو ہو رہا تھا اس لیے آپ اس کی ضد کے جن پر قابو نہیں پا سکتی تھیں!"

"میڈم کہاں سے ایسی برداشت اور ایسا صبر آپ میں آیا ہے...... آپ تو لگتا ہے کہ تصوف کے کسی درجے پر ہیں!" ندا نے حیرت سے کہا، بچی اب سکون میں تھی۔

"ہم میں سے ہر کوئی کسی نہ کسی حد تک صوفی ہوتا ہے اپنی ذات میں ندا...... صرف دریافت کی ضرورت ہے!" کسی بچے کو شفقت اور محبت دینے کے لیے یا ماں ہونے کی ضرورت ہے یا اولاد کے نہ ہونے کی اور ہم دونوں اس وقت مذکورہ دونوں شرائط پر پوری اترتی تھیں۔ میں بچی اس کے حوالے کر کے مطمئن ہو کر اپنی کلاس میں آ گئی تھی...... رات صوفیہ نامی اس بچی کی فائل میرے پاس تھی۔ ایک ٹوٹے ہوئے گھرانے کی بچی، یقیناً اس کی ذہنی نااہلی اتنی نہ ہو گی جتنی چکی کے دو پاٹوں میں پسنے کے بعد اس میں آ گئی تھی۔ ماں باپ میں علیحدگی ہو چکی تھی اور بچی ماں کے پاس تھی مگر مہینے میں ایک ہفتے کے لیے باپ کے پاس جاتی تھی جس نے دوسری شادی کر رکھی تھی۔ اس کے داخلے کے وقت میں اس کی ماں سے نہیں مل سکی تھی مگر اس سے ملنا ضروری تھا کہ

سالگرہ میں آنا

وہ......
سالگرہ کے دن
آبنوسی میز پر
چاکلیٹ کیک سجائے
آنکھیں تری آس کی منتظر
بس ہم یہی بات سوچتے جائیں
کاش کہ انا کے سارے بندھن
توڑ کر وہ آ جائے

مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

کیوں اس بچی کے ساتھ ایسا کیا جا رہا تھا۔

☆☆☆

"اس بچی کو میں نے تو یوں پیدا نہیں کیا ناں......" صوفیہ کی ماں میرے سامنے بیٹھی تھی، پڑھی لکھی، ملازمت کرتی تھی اور بچی کے ساتھ اپنی زندگی کی گاڑی کو گھسیٹ رہی تھی...... "جتنے دن وہ میرے پاس رہتی ہے قدرے نارمل ہوتی ہے مگر جب باپ کے پاس سے ایک ہفتہ رہ کر آتی ہے تو بہت اپ سیٹ ہوتی ہے اور اسی طرح کا رویہ اختیار کر لیتی ہے!"

"تو کیوں بھیجتی ہیں اس کو وہاں...... کیا اس کی دوسری ماں اس کا خیال رکھتی ہوگی؟" میں نے سوال کیا۔

"اس کا مجھے علم نہیں......" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "مگر کم از کم میرے شوہر کو تو اس بات کا احساس ہو کہ اس نے کس طرح کی ذمے داری مجھ پر تنہا ڈال دی ہے...... صوفیہ کا ابنارمل ہونا میری غلطی نہیں بلکہ اللہ کی رضا ہے مگر اس نے مجھے بتائے بغیر دوسری شادی کر لی...... کیونکہ میں اس کے بعد اور بچے پیدا نہیں کر سکتی!"

"آپ کو بتا دیتا تو کیا آپ اسے دوسری شادی کی اجازت دے دیتیں؟" میں نے اس کی طرف گہری نظر سے دیکھ کر سوال کیا۔

"ہرگز نہیں......"

"کیوں؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"اگر وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو کیا مجھے دوسری شادی کی اجازت دے دیتا؟" اس نے بھونڈے سے انداز میں کہا۔ فوراً اسے اس بات کا احساس ہو گیا۔ "مم...... میرا مطلب ہے کیا میرے پاس یہ جواز کافی تھا کہ میں اس سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لوں؟"

"کیوں نہیں......" میں نے کہا۔ "آپ کے پاس شوہر سے خلع لینے کے لیے جو بھی جواز ہو وہ کافی ہے، حتیٰ کہ اگر آپ کو اپنے شوہر کی شکل پسند نہ ہو تو بھی اور اس سے خلع لینے کے بعد آپ عدت پوری کر کے دوسری شادی کر سکتی ہیں۔ بلکہ اب بھی کر سکتی ہیں...... کتنا عرصہ ہوا ہے آپ کی طلاق کو؟"

"اونہوں...... میں نے اس سے طلاق نہیں لی!" اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔ "مجھے کون سی دوسری شادی کرنی ہے جو میں اس سے طلاق لے لیتی!"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کے در پردہ کوئی تھوڑی بہت محبت ہو؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"معذرت چاہتی ہوں...... آپ کی ذاتی زندگی میں مداخلت کا کوئی اختیار نہیں مجھے......"

"ارے نہیں نہیں......" اس نے فوراً کہا۔ "مجھے تو اچھا لگ رہا ہے کہ آپ صوفیہ کی ٹیچر ہیں مگر آپ کا صوفیہ کے بارے میں فکرمند ہونا ایسا ہے جیسے اس کی ماں کو ہونا چاہیے، آج کل کے زمانے میں ایسا concern دوسروں کے بارے میں کون رکھتا ہے اور وہ بھی ایک ذہنی مفلوج بچی کے بارے میں......"

"پلیز...... مس ملک!" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "ہے تو وہ آپ کی بیٹی مگر معذرت کے ساتھ کہ میں اپنے ادارے کی کسی بچی کے بارے میں کسی کو اس انداز میں بات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی جیسے کہ ان کی پیدائش میں اللہ کی رضا نہ ہو یا ان کی پیدائش ماں، باپ اور اس معاشرے کے لیے کوئی سزا ہے!"

"معذرت چاہتی ہوں!" اس نے کہا...... "آپ بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

"کوئی نہ کوئی ایسی صورت تو ہوگی جو اس بچی کو ایک بہتر اور صحت مند فضا مہیا کر سکے گی؟"

"میرے ذہن میں تو کوئی ایسی صورت نہیں آتی!"

"چلیں...... آپ چلیں، مجھے کچھ سوچنے کا

موقع دیں، میں دیکھتی ہوں کہ کس طرح صوفیہ کے لیے بہتر ماحول فراہم کیا جا سکتا ہے!"

"آپ کہیں ایسا تو نہیں کہنا چاہتیں کہ میں اسے کسی ہاسٹل میں منتقل کر دوں؟" اس نے تیزی سے کہا۔ "میرے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا، وہ جیسی بھی ہے اسے اپنے سامنے دیکھ کر جو سکون مجھے ملتا ہے وہ میں جانتی ہوں!" وہ خود ہی قیافے لگا رہی تھی۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا اور نہ ہی سوچا ہے، صوفیہ کے لیے گھر کا ماحول علاج جیسا ہے اس لیے اس کا گھر پر رہنا سب سے اہم ہے......"

☆☆☆

"مسٹر احمد ملک...... میں صوفیہ کے اسکول کی انچارج مسز عاطف بول رہی ہوں، مجھے صوفیہ کے سلسلے میں آپ سے ملنا تھا!" میں نے فارم سے نمبر لے کر صوفیہ کے والد کو کال کی۔

"چند دن تک تو میں مصروف ہوں تاہم جونہی فارغ ہوں گا، میں آپ سے فون پر بات کر کے ملاقات کا وقت طے کر لوں گا!"

"آپ کیا کام کرتے ہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا اپنا ذاتی بزنس ہے میڈم!"

"یعنی آپ کسی کے ملازم نہیں ہیں؟"

"جی، جی بالکل......" اس نے کہا۔

"آپ کی نظر میں آپ کا کاروبار آپ کی بیٹی کی زندگی کے بارے میں کسی بھی فیصلے سے بڑھ کر اہم ہے کیا؟" میں نے غصہ دبانے کی کوشش کی مگر میرے لہجے سے اسے اندازہ ہو گیا تھا۔

"آپ مجھ پر غصہ کرنے کے بجائے اس کی ماں کو کال کر لیں جس نے اپنی اور اس کی زندگی کے سب فیصلوں کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے!"

"ان سے میں مل چکی ہوں اور آپ جتنا بھی مصروف ہوں اور جتنے بھی ناراض ہوں، صوفیہ کی خاطر میرا آپ سے ملنا اہم ہے......" میں رکی۔ "یہ نہ پوچھیے گا کہ میں صوفیہ کی کون ہوں...... میں صوفیہ کی روحانی ماں ہوں!" میں نے فون بند کر دیا۔ بسا اوقات نہ چاہتے ہوئے بھی ایک نامعلوم سی جذباتیت میرے لہجے میں اتر آتی تھی، خصوصاً جب ان بچوں کو غیر اہم سمجھا جاتا تھا۔

☆☆☆

"سوری میڈم! میں فون پر ذرا تلخ ہو گیا تھا!" اس نے معذرت کی۔

"میرا خیال ہے کہ میں ذرا تلخ ہو گئی تھی بلکہ ذرا نہیں کافی زیادہ......" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں، نہیں...... مجھے اچھا لگا کہ کسی کو صوفیہ کا اتنا احساس ہے جتنا اس کی ماں کو بھی نہیں......"

"یہ آپ کیوں کہہ رہے ہیں کہ اس کی ماں کو اس کا احساس نہیں؟"

"آپ کو علم ہوگا کہ میں نے دوسری شادی کر رکھی ہے، اصل میں، میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں، چھ بیٹیوں کے بعد پیدا ہوا...... سارہ سے میں نے پسند کی شادی کی، وہ میرے دفتر میں ملازمت کرتی تھی، کمپیوٹر ڈیپارٹمنٹ میں......" میں پوری توجہ سے اس کی بات سن رہی تھی۔

"صوفیہ کی پیدائش میں چند ہفتے باقی تھے کہ سارہ سیڑھیوں سے پھسل کر گر پڑی اور اس حادثے کے بعد جب اسے اسپتال لے جایا گیا تو صوفیہ کی پیدائش عمل میں لانا پڑی کیونکہ سارہ کے بازوؤں اور ٹانگوں میں فریکچر تھے اور اس کے کئی آپریشن ہونا تھے...... اسی حادثے کی وجہ سے صوفیہ کے سر پر بھی چوٹ لگی جس نے اس کا ذہنی توازن متاثر کر دیا اور اس کی پیدائش کے دوران ایسی پیچیدگیاں ہو گئیں کہ سارہ دوبارہ ماں بننے کی اہلیت سے محروم ہو گئی۔ تھوڑا عرصہ گزرا تو میرے والدین اور بہنوں کی طرف سے اصرار ہونے لگا کہ مجھے دوسری شادی کر لینی چاہیے تاکہ میں اپنی نسل بڑھا سکوں، ایک ہی

بچی اور وہ بھی ذہنی مریضہ...... مجھے اس سے کوئی تکلیف نہیں مگر اور بچوں کی خواہش کوئی نا جائز خواہش تو نہیں تھی ناں۔" اس کے اس سوال کے جواب میں کیا کہتی...... کہ اس دنیا میں تو لوگ صحت مند بچوں کے ہوتے ہوئے بھی دوسری اور تیسری شادی کر لیتے ہیں...... والدین کے پاس کئی جواز ہوتے ہیں اپنی اولاد کو مجبور کرنے کے۔

"بس سارہ نے ایک ہی ضد باندھ لی اور میں نے اپنے والدین کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے خاندان کی ایک غریب لڑکی سے شادی کر لی، میں ہر گز سارہ کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا مگر اس نے میرے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا، اپنے بھائیوں سے کہہ کر ایک فلیٹ کرائے پر لے رکھا ہے جہاں تنہا رہتی ہے...... ضد میں صوفیہ کو ہمارے گھر بھیجتی ہے، میں نے اس سے کہا بھی کہ میں ایک دن چھوڑ کر ایک دن صوفیہ کو ملنے اس کے پاس آ سکتا ہوں مگر اس نے انکار کر دیا...... پہلے صوفیہ ٹھیک رہتی تھی، تنگ نہیں کرتی تھی مگر اب اس کی ایک چھوٹی بہن پیدا ہوئی ہے، اس کی ماں کی ذرا سی نظر چوک جانے پر یہ اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئی، اس نے دیکھا تو جھپٹ کر اسے اٹھایا اور ایک تھپڑ بھی لگا دیا، اس پر صوفیہ بھر گئی اور اسے دورہ سا پڑ گیا۔ میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا، اس نے معذرت کی کہ اس سے غیر ارادی طور پر ایسا ہو گیا، کوئی بھی ماں ہوتی تو اس سے ایسا ہی ہو جاتا...... اس نے کہا کہ میں سارہ سے کہوں کہ جب تک بچی چھوٹی ہے وہ صوفیہ کو نہ بھیجا کرے بلکہ مجھ سے کہا کہ میں جا کر صوفیہ سے مل آیا کروں مگر اس بات پر سارہ غصے میں آ گئی کہ میری دوسری بیوی صوفیہ کو اس کے حق سے محروم کر رہی ہے۔"

"کیا آپ اب بھی سارہ سے پیار کرتے ہیں؟" میں نے یک دم سوال کیا۔

"جی؟" نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ دونوں کے درمیان طلاق نہیں ہوئی، اس کا مطلب ہے کہ صلح کا امکان موجود ہے مگر صلح تو تبھی ہو سکتی ہے اگر خواہش ہو......"

"میڈم میں نے جس لڑکی سے دوسری شادی کی ہے وہ قطعی اولاد کی خاطر کی ہے، یقین کریں کہ میں نے اسے شادی کی رات سے قبل دیکھا تک نہیں تھا، اس شادی کا مقصد صرف اولاد تھا اور اس غریب لڑکی کی تو جرأت بھی نہیں کہ وہ سارہ کے پاسنگ ہونے کا دعوی بھی کر سکے نہ میرے گھر میں نہ دل میں...... حقیقت تو یہ ہے کہ دل میں جس جگہ سارہ کا بسیرا تھا وہیں وہ آج بھی ہے...... مگر اسے یہ بات کون سمجھائے؟"

"اگر آپ چاہیں تو یہ بات میں اسے سمجھا سکتی ہوں!" اس کا چہرہ حیرت اور خوشی سے دمکنے لگا۔

☆☆☆

"میڈم اس کی بیوی دو جڑواں بچوں کی پیدائش کے دوران چل بسی اور اسے ان دو بچوں کی پرورش کے لیے کسی ایسی ہمت والی اور مخلص لڑکی کی ضرورت ہے جس میں اپنی اولاد پیدا کرنے کی اہلیت نہ ہو!" مریم مجھے اپنے بھائی کے بارے میں بتا رہی تھی جو کہ دبئی میں رہتا تھا اور ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا اپنی بیوی کے انتقال کی خبر پر۔

"تو......" میں نے اس سے سوال کیا۔ "کیا تم چھٹی لینا چاہ رہی ہوں؟"

"نو میڈم...... میری بھابی کا انتقال تو گرمیوں کی چھٹیوں میں ہوا تھا اور تب سے ان بچوں کی میری امی دیکھ بھال کر رہی ہیں مگر ان میں اتنی ہمت کہاں...... اصل میں میرے ذہن میں ندا کا خیال آیا تھا!"

"اوہو......" میں نے اس کی طرف دیکھ کر حیرت سے کہا۔ "میرا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں...... بات کر کے دیکھ لیتے ہیں اس کے بھائیوں سے!"

"میڈم پہلے آپ ندا سے خود بات کر کے دیکھ لیں!" مریم نے کہا۔ "یہ میرے بھائی کی تصویر ہے، بھی اسے دکھا دیں!" اس نے ایک خوش شکل مگر گنجے آدمی کی تصویر میری طرف بڑھائی جس کی عمر کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

"کتنی عمر ہوگی ان کی؟" میں نے سوال کیا۔

"میرے جڑواں بھائی ہیں میڈم...... بس گنجے ہو جانے کی وجہ سے بڑے بڑے لگتے ہیں!" اس نے ہنس کر وضاحت کی۔

"اچھا تو یہ جڑواں بچے کیا آپ کے خاندان میں فیشن میں ہیں...... آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"توبہ کریں میڈم، ایک، ایک کر کے ہی پل جائیں تو بڑی بات ہے! اپنی امی کو دیکھتی ہوں تو سوچتی ہوں کہ جانے انہوں نے ہمیں کیسے پالا ہوگا؟"

"جو دیتا ہے وہ پالنے کی ہمت بھی دے دیتا ہے...... ان غریبوں کی تو ماں ہی نہ رہی ورنہ وہ پال ہی لیتی، اللہ بہر حال مسبب الاسباب ہے وہ کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کرے گا!"

"مشکل تو ہے نا پھر بھی!"

"آپ ٹیچرز بھی تو دن کے چھ گھنٹے ایک وقت میں ایک عمر کے آٹھ سے دس بچوں کی دیکھ بھال کر رہی ہوتی ہیں ناں اور بچے بھی وہ جو عام بچے نہیں ہیں!"

"وہ تو ہے میڈم......" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ تصویر اسے دکھا دیجیے گا میڈم!" وہ میرے دفتر سے نکلی، دفتر بھی کیا تھا، برآمدے کے ایک حصے کو پردہ لگا کر اس میں ایک دفتری میز اور ایک میری اور دو ملاقاتیوں کی کرسیاں رکھ دی گئی تھیں۔ یہ عمارت ہر لحاظ سے چھوٹی پڑ رہی تھی، کچھ ہمت کر کے اب کوئی بڑی عمارت کرائے پر لینے کا سوچ رہی تھی، کبھی جی چاہتا کہ عاطف کے پاپا سے ملوں اور ان سے بات کروں مگر انا آڑے آ جاتی، خود تو کچھ عاطف کے اختیار میں نہیں تھا ورنہ اس سے مانگنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوتا کہ میں اپنے لیے تو مانگ نہیں رہی تھی اور بڑی عمارت مل جاتی اور زیادہ بچوں کے لیے بہتر جگہ اور بہتر سہولیات کے باعث ہمارے پاس وسائل بھی بہتر ہو جاتے۔

☆☆☆

"اپنے لیے نہیں سارہ...... آپ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے جو بھی جذبات ہیں انہیں دل میں رکھیں، نفرت ہے یا غصہ! مگر اس بچی کی خاطر آپ آپس میں بظاہر ٹھیک ہو جائیں تو اسے گھر میں ایک صحت مند ماحول ملے گا۔" میں نے سارہ کو فون کر کے بلوایا تھا، اسے صوفیہ کے باپ سے ملاقات کے بارے میں مختصراً بتایا تھا اور سمجھایا تھا کہ صوفیہ کو وہاں بھیجنے کے بجائے اس کے باپ کو اپنے فلیٹ پر آنے دے۔" وہ اس فلیٹ کا کرایہ ادا کرنے کو بھی تیار ہے یا تم خریدنا چاہو تو قسطوں میں تمہیں خرید کر دینے کو بھی تیار ہے، یہ تمہاری بچی کا حق بھی ہے اور پھر وہ تمہارا شوہر ہے اگر اللہ کے حکم کے مطابق وہ دو بیویوں میں انصاف قائم کرنا چاہتا ہے تو تم اسے گناہ گار نہ کرو!"

"تو کیا میں اسے اپنے منہ سے کہوں کہ صوفیہ سے ملنے کے لیے میرے فلیٹ پر آ جایا کرے؟" اس نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"اگر تمہیں اس سے اب بھی محبت ہے تو تم اسے خود سے ملنے کی اجازت بھی دے سکتی ہو...... تجدید تعلقات کے بعد زندگی اور بھی خوب صورت ہو جائے گی!"

"میں کس منہ سے کہوں اس سے یہ بات؟"

"بات تو اسی منہ سے ہوگی جو ہے......" میں نے ہنس کر کہا۔

"بہت مشکل ہے...... آپ کو لگ رہا ہوگا کہ ذرا سی بات ہے مگر میں اس کی ہمت نہیں پاتی......" اس نے بے چارگی سے کہا۔ "کئی بار یہی سوچا کہ

اسے اپنے گھر میں آنے دوں تا کہ صوفیہ کو سب کچھ نارمل لگے مگر میں اس کی دوسری شادی کا سوچتی ہوں، اس کی بے وفائی کو یاد کرتی ہوں تو میرا وجود جلنے لگتا ہے، راتوں کو بھانبھڑ جلنے لگتے ہیں!''

''اس نے آپ سے کوئی بے وفائی نہیں کی سارہ......'' اس نے کہا تھا کہ میں اسے مس ملک نہیں بلکہ سارہ کہوں۔ ''اسے بچوں کی خاطر دوسری شادی کرنا پڑی کیونکہ رب کی رضا ہی یہ تھی کہ آپ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو گئیں! وہ تو کہہ رہے تھے کہ انہوں نے آپ سے دوسری شادی کی اجازت مانگی تھی......''

''کوئی شوہر اجازت مانگے تو کیا بیوی اجازت دے دیتی ہے...... شادی کی اجازت اور چائے کا کپ مانگنے میں فرق ہوتا ہے میڈم......''

''لیکن یہ اس کا حق بھی تو ہے......''

''کہنا بہت آسان ہے میڈم، آپ سے پوچھتی میں جو آپ کے شوہر اولاد کی خاطر دوسری شادی کر لیتے...... اور وہ بھی وہ شوہر جس سے میری محبت کی شادی ہوئی تھی......''

''ہاتھ ملائیں سارہ......'' میں نے ہاتھ آگے بڑھایا تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور نہ سمجھتے ہوئے ہاتھ ملایا۔ ''میرے تین بالکل نارمل بچے ہیں مگر میرے شوہر نے دوسری شادی کر رکھی ہے، میری رضا سے اور ہم پہلے کی طرح ہی ہیں......'' وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ ''اور سب سے اہم اور دلچسپ بات یہ کہ میری اور اس کی بھی محبت کی شادی ہے، بالکل آپ کی طرح......''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے......'' اس نے سر کو جھٹک کر میری طرف یوں دیکھا جیسے اسے میری ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

''دل بڑا کریں سارہ، اولاد کی خاطر تو جانور بھی کٹ مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، ہم تو اشرف المخلوقات ہیں، شوہر بدکردار ہو، بدشکل ہو، ناکارہ ہو، مارتا پیٹتا ہو، شکی ہو...... تو بھی بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ اپنی زندگیاں گھسیٹ رہی ہوتی ہیں، ان بچوں کی خاطر اور میرے اور آپ کے شوہر تو الحمدللہ ان میں سے کچھ بھی نہیں کرتے...... مجبور ہو کر دوسری شادی کر بیٹھے ہیں، ہمارے حقوق ادا کرتے رہیں، مساوات کرنے کے لیے کوشاں رہیں، کر سکیں تو بھلا اور نہ کر سکیں تو اللہ کو جواب دہ ہیں، ہمیں تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہونا چاہیے......''

''مشکل ہے......'' وہ بڑبڑائی۔ ''اتنا بڑا دل...... میں نہیں کر سکتی!'' وہ کشمکش میں تھی۔ ''فقط صوفیہ کی خاطر مگر پھر بھی دل کو منانا مشکل ہے!''

''قیامت کے دن ہم بھی اللہ کو جواب دہ ہیں سارہ...... اس اولاد کے حقوق ہیں ہم پر، ہم کیوں انہیں باپ کی توجہ اور شفقت سے محروم کریں اور اولاد کو ذہنی مریض بنا دیں۔'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ پگھل کر میرے بازوؤں میں آ گئی، میں نے اسے ساتھ لگا لیا، اس کے آنسو بہہ جانا ٹھیک تھا، مطلع صاف ہو جاتا تو اسے بہتر نظر آنے لگتا۔ بعض باتیں حالات خود ہی سمجھا دیتے ہیں مگر بعض باتیں ہمیں دوسروں کو دیکھ کر سمجھ میں آتی ہیں، میں اپنے حالات کسی کو یوں نہ بتاتی تھی مگر صوفیہ کی خاطر مجھے سارہ پر اپنا یہ راز آشکار کرنا پڑا تھا۔

''یوں کریں سارہ کہ آپ استخارہ کر لیں اور حالات کو سوچ بھی لیں، میں نے سنا ہے کہ آپ کی کوئی بہن نہیں ہے، مجھے اپنی بہن ہی سمجھیں اور یہ بات یاد رکھیں کہ بھائی بھی عمر بھر کے لیے بہنوں کے بوجھ نہیں اٹھا سکتے، جب تک والدین ہیں تب تک بھائی بھی ساتھ دیتے ہیں...... اس کے بعد ان کے اپنے فرائض اور اپنی مجبوریاں بڑھ جاتی ہیں!''

''میں سب سمجھتی ہوں مگر اب میری انا کا خول ہی نہیں چٹختا، میں کس طرح......''

''بہن کہا ہے ناں میں نے تو میں ہی آپ کے شوہر سے بات کر لیتی ہوں!''

''عجیب سا لگ رہا ہے مجھے...... اگر وہ نہ کہہ دے تو؟''

''ان کے دل میں اب بھی آپ کی محبت قائم ہے سارہ اور یہ سب کوشش میں انہی کے کہنے پر کر رہی ہوں!'' میری بات کے جواب میں اس کا چہرہ گلنار ہوا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

''تو پھر دوسری شادی کیوں کی اس نے؟''

''ایک بات یاد رکھیں سارہ، اپنے شوہر کے سامنے اس کی دوسری بیوی کا تذکرہ ہرگز نہ کریں کیونکہ جب وہ آپ کے پاس ہو تو اسے دوسری بیوی کی یاد بھی نہ آنے دیں، اس وقت تک کے لیے تو اسے اپنا بنا کر رکھیں جب تک وہ آپ کے پاس ہے......''

''آپ ایسا ہی کرتی ہیں کیا؟'' آنسو بھری آنکھوں سے وہ ہنس دی۔

''اس سے بھی بڑھ کر کرتی ہوں میں سارہ...... میرا تو اور کوئی ہے بھی نہیں اس کے سوا......''

''اچھا؟'' وہ مسکرا کر بولی۔ ''کیا صوفیہ اس طرح بالکل ٹھیک ہو جائے گی؟''

''ہاں!'' میں نے اپنی آنکھوں میں آنسو نہ آنے دیے کیونکہ میں کسی کے سامنے بھی کمزور نہیں پڑنا چاہتی۔

''اور میں کون ہوں آپ کی...... کوئی نہیں؟'' اس نے منہ بسورا تو میں ہنس دی۔

''سوری بھئی، میں ذرا دیر کو بھول گئی تھی!'' میں نے مسکرا کر کہا... اور اس کے جاتے ہی اس کے شوہر کا نمبر ملانے لگی۔

☆☆☆

نئی کالونی میں ایک کوٹھی کرائے کے لیے خالی تھی، مریم نے ہی بتایا تھا۔ یہ خبر میرے لیے کافی عرصے کے بعد ایک خوش آئند خبر تھی اور میں نے

تصور ہی میں اس کوٹھی میں اپنا اسکول منتقل کر لیا تھا۔ اس کوٹھی میں کل گیارہ کمرے تھے، کرایہ میری جیب سے کافی زیادہ تھا اسی لیے پہلی بار میں نے اپنے منہ سے مانگ کر عاطف سے کچھ لینے کا سوچا تھا اور اب اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی، ماہانہ کرایہ دینا تو شاید میرے لیے کسی نہ کسی طرح ممکن ہو ہی جاتا مگر اس کوٹھی کے مالک نے اکٹھا ایک سال کا کرایہ ایڈوانس اور دو ماہ کا کرایہ سیکیورٹی کے طور پر مانگا تھا۔

عاطف آیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کچھ چپ چپ تھا، میں دل میں باندھی گئی ساری تمہیدوں کے سرے پکڑتی رہ گئی اور اس کا چہرہ دیکھ کر بات ہی نہ کر سکی۔

"تم پریشان ہو کسی بات پر عاطی؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"ہوں......!" وہ جانے کہاں تھا۔

"سب ٹھیک تو ہے ناں؟" میں نے پھر سوال کیا۔

"ہوں......" اس نے سینے کی گہرائیوں سے گہری سانس خارج کی۔ میں مزید پریشان ہو گئی، اپنی پریشانی بھی بھول گئی، کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ میرے چہرے پر پریشانی جھلک رہی ہو اور عاطف کو اس کا احساس تک بھی نہ ہو اور وہ سوال کرے۔

"کیا بات ہے عاطی، کیا ہے جو تمہیں یوں پریشان کر رہا ہے؟"

"بچے کیوں جلدی سو گئے ہیں نگی؟" اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ میرے اور بچوں کے لیے عاطف کی محبت ہمیشہ سے اسی طرح تھی، میں نے کبھی اسے ناراضی نہیں دکھائی تھی اور اپنے اور اپنے بچوں کے بہت سے بوجھ تو خود ہی اٹھا رکھے تھے۔

"ہاں سو گئے، میں نے نہلایا اور گرم دودھ پلایا تاکہ سو جائیں......" اس نے بات بدلنے کو سوال کیا تھا، میں نے مختصر جواب دیا۔ "تم ٹھیک ہو عاطی؟"

"ہوں......" اس نے اپنا سر اپنے ہاتھ سے دبایا۔ "ٹھیک ہوں، چائے مل سکتی ہے ایک کپ؟"

"جان بھی حاضر ہے جانِ نگار......" میں نے لاڈ سے کہا اور اسے تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دیا، مجھے علم تھا کہ وہ مجھے اپنی پریشانی ضرور بتائے گا، اس میں بوجھ اٹھانے کی صلاحیت کم ہی تھی۔

"اگلے ہفتے حنا کی ڈیلیوری ہے......" اس نے چائے کا پہلا سپ لے کر کہا، میں اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔ "یہ تمہارے لیے ہے......" اس نے ایک خاکی لفافہ میرے ہاتھ میں تھما دیا، میں نے اس کے وزن کو محسوس کیا اور میرا پورا وجود کانپنے لگا۔

"یہ کس لیے؟" میں نے خالی نظروں سے اس کی طرف دیکھا، میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا جو وہ مجھے یہ لفافہ تھما رہا تھا، عمرِ عزیز کے دس برس اس کے ساتھ گزار کر بھی میں بے مایہ اور بے وزن تھی، جو حنا اور میرے بیچ انتخاب کا مرحلہ آیا تو اس نے میرے نام ہی بدقسمتی کا قرعہ نکالا تھا۔

"پاپا کا خیال ہے کہ یہ مجھے تمہیں دے دینا چاہیے......" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"تمہارا کیا خیال ہے عاطف...... تم صرف وہ کر سکتے ہو جو ماما اور پاپا کہتے ہیں، تمہارا اپنا کوئی دماغ نہیں ہے......" میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا منہ دکھاؤ گے اللہ کو؟"

"پلیز نگی! جذباتی نہ ہو!" اس نے چائے کا کپ اپنے منہ سے لگا لیا، کتنا بے حس انسان تھا، مجھے اتنے کرب میں مبتلا کر کے کتنے سکون سے چائے پی رہا تھا۔ میں خاموشی سے اسے دیکھنے لگی، آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں پر میرا کوئی اختیار نہ تھا۔

"روؤ نہیں نگی! تم جانتی ہو کہ میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا!"

"ہاں...... تم مجھے خود رُلا کر بھی میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے...... مجھے تو قہقہے لگا کر ہنسنا چاہیے!"

"اس بات پر تو کوئی شک نہیں کہ تمہیں قہقہے

آہ شبنم شکیل...............نزہت اصغر

شبنم کوئی جو تجھ سے ہارے، جیت پہ مان نہ کرنا
جیت وہ ہوگی جب جیتو گی اپنے آپ سے جنگ

نوجوان نسل میں مقبول اور ممتاز...... منفرد لب ولہجہ رکھنے والی شاعرہ شبنم شکیل گزشتہ دنوں اپنے مداحوں اور لواحقین کو افسردہ چھوڑ کر ملک عدم سدھار گئیں۔ شبنم شکیل اسلام آباد میں درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ تھیں۔ ان کے والد سید عابد علی عابد، بہترین محقق، نقاد، استاد اور مقبول شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ ان کا یہ معروف شعر آج بھی صاحبانِ ذوق کی بیاضوں کی زینت ہے۔

وقتِ رخصت وہ چپ رہے عابد
آنکھ میں پھیلتا گیا کاجل

شبنم شکیل نے عورت کے ان کرداروں پر شعر گوئی کی کہ جنہیں بظاہر کوئی اہمیت نہیں دیتا مثلاً موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلانے والی عورت پر شاندار نظم...... اپنی بیٹی کے لیے نصیحت کی صورت خوب صورت نظم کہ جس میں عورت کو عورت کی سہیلی بنانے میں کوشاں نظر آتی ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جن عورتوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہ غریب ہی تو ہوتی ہیں...... مال وزر سے غریب ہونا کوئی غریبی نہیں، وہ عورت کو مٹی سے ٹھوس وجود بخشنے کی نصیحتیں کرتے خود مٹی ہو گئیں۔ انہیں پروین شاکر کے اس مصرعے سے شدید اختلاف تھا کہ "میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سنواروں گی" شبنم شکیل اپنے نام کے مانند قطرہ، قطرہ ٹھنڈک، سُرور اور چمک بخشتے بخشتے خود معدوم ہو گئیں۔ شبنم شکیل کی شاعری آسان الفاظ میں مشکل پیغام لیے ہوئے ہے، مشکل اس لیے کہ اس مردانہ معاشرے میں کون شبنم شکیل کے پُر معنی اور لافانی خیالات کو سمجھ سکتا۔ شبنم شکیل کا شمار ادا جعفری اور پروین شاکر کے درمیان کی نسل میں ہوتا ہے جہاں وہ کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض کے ساتھ تیسرے معتبر نام کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔ ادبی ماحول کی پروردہ اس شاعرہ نے اگرچہ خالص رومانوی طرز کی شاعری نہیں کی مگر عورت ذات کے لیے اس نے جس انداز کو بھی اپنایا وہ ہمیشہ مقبولیت کی سند پاتا گیا۔ نوجوان نسل رومانوی اندازِ بیاں سے متاثر ہوتی چلی آئی ہے مگر شبنم شکیل کے خیالات وافکار اسی نوجوان نسل کو انوکھا پیغام دیتے ہوئے جھنجوڑتے نظر آتے ہیں۔ ان کے تین سے زائد شعری مجموعے منظر عام پر آئے اگرچہ وہ ایک استاد بھی تھیں جبھی خواتین کے لیے تمام اصلاحی اور تعمیری کاموں میں پیش، پیش رہتیں۔ اس کے علاوہ خاکے اور افسانے بھی تحریر کیے، وقت انہیں مہلت دیتا تو وہ نثر کے میدان میں بھی مزید شبنم بکھیرتیں۔ اگرچہ ترقی پسند تحریک نے انہیں متاثر کیا مگر نسوانی رنگ لیے ان کی شاعری ہمیشہ ممتاز رہی۔ شعر وادب کی محافل شبنم شکیل کے جانے سے سونی ہو گئیں مگر ان کی شاعری ان کی موجودگی کا احساس دلاتی رہے گی۔ خداوندِ کریم محترمہ شبنم شکیل کی مغفرت فرمائے اور ان کے خانوادے کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ (الٰہی آمین)

اب مجھ کو رخصت ہونا ہے کچھ میرا ہار سنگھار کرو
کیوں دیر لگاتی ہو سکھیو! جلدی سے مجھے تیار کرو
یہ کیسا انوکھا جوڑا ہے جو آج مجھے پہنایا ہے
میں حوروں جیسی دلہن بنی اب اٹھو اور دیدار کرو

کر ہنسنا چاہیے!'' اس نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ''یار تم پڑھ لکھ کر بھی پرانے زمانے کے جاہلوں کی طرح بند لفافہ دیکھ کر ہی قیافے لگا رہی ہو۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنسا تو مجھے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا اور میں نے فوراً لفافہ چاک کیا تو میرا قہقہہ اس کے قہقہے میں شامل ہو گیا۔ میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ میرا اللہ مجھے اس طرح بھی نواز سکتا ہے...... عاطی کے پاپا نے ایک عمارت میرے نام کر دی تھی کہ میں اپنا اسکول منتقل کر سکوں، میرا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کروں اور میں نے اس میں تاخیر نہیں کی، عاطی سے کہہ کر فوراً شکرانے کے نفل پڑھنے کو اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

ندا نے تصویر پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور اس کا چہرہ لال ہو گیا...... میں اس کے تاثرات جانچنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا بات ہے ردا، تمہیں لڑکا پسند نہیں آیا، لگتا ہے تمہیں اس کی عمر زیادہ لگ رہی ہے مگر ایسا نہیں ہے، گنجا ہونے کی وجہ سے لگ رہا ہے مگر دراصل یہ مریم کا جڑواں بھائی ہے!'' میں نے اس پر واضح کیا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے میڈم، میں نے تو یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ گنجا ہے......'' اس نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔ ''میں تو اسی طرح زندگی گزارنے کا تہیہ کیے بیٹھی تھی اور سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کوئی میرا ہاتھ تھامنے کا ارادہ بھی کرے گا، وہ بھی اس صورت میں جبکہ میں اپنے بھائیوں اور بھابیوں کو جانتی ہوں!''

''تو کیا میں سمجھوں کہ تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے......'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''مجھے اس رشتے پر تو کوئی اعتراض نہیں میڈم مگر میں نے شادی نہ کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے، مجھے اس کام میں بہت سکون ملتا ہے جو کہ میں کر رہی ہوں۔'' اس نے ہولے سے کہا۔

''شادی ایک مذہبی فریضہ ہے ندا...... اور تجرد کی زندگی گزارنا ہمارے مذہب کی رو سے گناہ ہے!'' میں نے اسے سمجھایا۔ ''اور شادی کر کے بھی تو تمہیں دو بچوں کی ذمے داری مل جائے گی، تم خود ماں نہیں بن سکتیں مگر اللہ نے تمہیں شاید اسی وسیلے سے اولاد دینا ہو گی، یہ چھوٹے چھوٹے بچے ہمیشہ تمہیں ہی ماں سمجھیں گے اور تم بچوں کو پسند کرتی ہو تو مجھے یقین ہے کہ تم انہیں ویسی ہی محبت دو گی جیسی تم یہاں بچوں کو دیتی ہو۔''

''بہت مشکل فیصلہ ہے......''

''تم سوچو اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، تمہیں جلدی پر کوئی مجبور نہیں کر رہا۔'' میں نے اسے کہا۔

''چلتی ہوں!'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور میں دعا کرنے لگی کہ اس کی سمجھ میں یہ بات آ جائے اس شادی سے نہ صرف ان بچوں کو ماں مل جاتی بلکہ اسے بھی سہارا مل جاتا۔

آیا نے آ کر بتایا کہ باہر کوئی والدین ملنے کو آئے تھے، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی...... میں نے فوراً ریسیور اٹھایا۔ ''شام کو تیار رہنا جانِ عاطف...... میں تمہیں لینے کو آؤں گا، تمہارا نیا اسکول تمہیں دکھانا ہے، پاپا بھی ساتھ ہوں گے!'' میں کچھ کہنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ فون بند ہو گیا اور تبھی مجھے دروازے سے سارہ اور احمد اندر آتے نظر آئے، دونوں نے صوفیہ کو ایک، ایک ہاتھ سے تھام رکھا تھا، بہت پیاری جوڑی تھی دونوں کی اور صوفیہ اب کافی حد تک نارمل نظر آ رہی تھی۔ اگر سارہ کی کوئی سگی بہن ہوتی تو اسے بھی اسی طرح خوشی ہوتی، وہ تینوں ایک مکمل تصویر کی طرح نظر آ رہے تھے۔ سارہ آ کر مجھے گلے ملی اور احمد نے سلام کیا، صوفیہ لپک کر میری طرف آئی اور میں نے جھک کر اسے اٹھا لیا، اس نے میرے گال پر پیار کیا

اور میں نے اسے بھینچ کر اپنے ساتھ لگا لیا۔

صوفیہ مجھے اسی طرح پیاری لگ رہی تھی جیسے کسی مصور کو اپنی بنائی ہوئی تصویر...... میں نے اس پر بہت محنت کی تھی اور اس کے ماں باپ کو ملانے کا کام کر کے اس کی زندگی میں وہ مثبت تبدیلی لائی تھی جس نے اسے صحت یاب ہونے میں کافی مدد کی تھی۔ سارہ میرے لیے ایک انتہائی نفیس سی شال کا تحفہ لائی تھی جسے میں نے تامل کے بعد شکریے کے ساتھ قبول کیا۔

☆☆☆

عاطف کے پاپا کے ساتھ وہ میری پہلی ملاقات تھی، انہوں نے میرے سر پر ہولے سے ہاتھ رکھا اور میری آنکھوں سے چشمے بہہ نکلے...... دس برس کے بعد...... کسی بزرگ کا ہاتھ سر پر تھا اور میری نظروں کے سامنے میرے پیاروں کی محرومیاں قطار در قطار کھڑی ہو گئیں۔ میں نے اس ہاتھ میں باپ جیسی شفقت محسوس کی تھی، عاطی درست ہی کہتا تھا کہ پاپا کا دل میری طرف سے نرم تھا، میں گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور عاطف گاڑی ڈرائیو کرنے لگا، انکل اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے تھے، خاموشی چوتھی سواری کی طرح ہمارے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی۔ تمام راستے کسی کے پاس کرنے کو کوئی بات نہ تھی، گاڑی شہر کی ایک مشہور رہائشی کالونی کی طرف مڑی اور چند کلومیٹر کے بعد، جب اس کالونی کی حد تقریباً ختم ہونے کو تھی، گاڑی ایک بڑی سی عمارت کے سامنے جا کر رک گئی۔

میں نے سر گھما کر دیکھا، اس طرف تو کوئی کوٹھی نظر نہیں آ رہی تھی جو انہوں نے میرے نام لکھی ہو گی، عاطف نے میری طرف آ کر دروازہ کھولا اور مجھے باہر نکلنے کو کہا۔ میں باہر نکل کر بھی دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

''سامنے دیکھیے جناب......'' عاطف کے لہجے میں شرارت تھی، میں نے اس کی نظر کا تعاقب کیا تو میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ کئی ایکڑ پر پھیلا ہوا وسیع احاطہ اور اس میں ایک طرف بنی ہوئی تکون شکل کی وہ خوب صورت تین منزلہ عمارت...... بڑے بڑے کھیلوں کے میدان، برآمدے اور راہداریاں...... میں ششدر یہ سب دیکھ رہی تھی۔ انکل نے ایک ڈبا میری طرف بڑھایا۔

'' اپنے اسکول کی چابیاں لو بیٹا اور اندر چلو......'' میں فرطِ جذبات سے ان سے لپٹ کر رونے لگی، انہوں نے میرا سر سہلایا۔ ''خوشی کے موقع پر روتے نہیں بیٹا!'' دس برس کے بعد کسی نے مجھے بیٹا کہا تھا، میں ہچکیوں سے رونے لگی اور چابیاں تھام کر داخلی گیٹ کی طرف چلی...... اللہ نے میرے صبر کا اور میری محنت کا کتنا اچھا پھل دیا تھا، میں اپنی آزمائش میں سرخرو ہو گئی تھی، میری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو رہا تھا، میں اس کا کتنا شکر ادا کرتی کہ کافی ہوتا۔ باہر سے خوب صورت نظر آنے والی عمارت اندر سے حیرت کے اور کئی باب لیے ہوئے تھی، میری دس سال کی آزمائش کا پھل میرے سامنے تھا، مجھے اپنی ساری تکالیف، کٹھنائیاں اور مشکلات بھول گئیں۔

☆☆☆

ندا نے اس پیش کش کو قبول کر لیا تھا مگر اس کی بھی کچھ شرائط تھیں...... وہ اپنے شوہر کے ساتھ باہر نہیں جانا چاہتی تھی بلکہ یہیں رہ کر اپنی اس ملازمت کو بھی جاری رکھنا چاہتی تھی اور بچوں کو بھی پالنے کو تیار تھی، اس کی شرائط مان لی گئیں اور اس کا نکاح ایک مختصر سی تقریب میں مریم کے بھائی سے ہو گیا اور وہ چند ہفتے رہ کر بچے نئی ماں کے حوالے کر کے بے فکر ہو کر پردیس سدھارا۔ ندا اس شادی سے بہت مطمئن تھی اور یہ اطمینان اس کے چہرے سے جھلکتا تھا۔ مریم بھی اپنے بھائی کے بچوں کی پریشانی سے نجات

پا گئی تھی۔

نئے کیمپس میں منتقلی فقط چند ماہ کے فاصلے پر تھی، جی تو چاہتا تھا کہ فوراً منتقل ہوا جائے مگر موجودہ سیشن کو اسی عمارت میں رہ کر مکمل کروانا تھا کیونکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سے بچے وہاں نہ جا سکتے۔ موجودہ سیشن کی اسی کیمپس میں تکمیل کے ساتھ ساتھ نئے کیمپس میں داخلے بھی شروع ہو چکے تھے اور مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ شہر میں ہزاروں کے حساب سے اسپیشل بچے تھے اور ان کے والدین کے پاس جتنی بھی دولت تھی اس سے وہ ان کے لیے وہ فضا نہیں خرید سکتے تھے جو انہیں یہاں میسر آنے والی تھی۔

”اسکول کے داخلوں میں ایک داخلہ حرا کا بھی ہوا تھا، عاطف کی اسپیشل بچی...... ہو نہ ہو انکل کے دل میں اتنے بڑے اسکول کا خیال اپنی پوتی کی وجہ سے ہی آیا ہو، وجہ جو بھی ہو مگر اس سے ہزاروں لوگ فیضیاب ہونے والے تھے۔ یہ سب کچھ پا کر بھی ہر وقت ذہن میں ایک سوال آتا تھا کہ انکل نے اپنی پوتی کے لیے تو یہ سب کچھ نہیں کیا ہوگا، اس کے علاوہ بھی اس کے کوئی نہ کوئی اسباب ہوں گے، مجھے اس کے لیے بہت زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

”نگی جان......!“ عاطی کا یہ انداز ہمیشہ اس وقت ہوتا تھا جب اسے مجھ سے کچھ مانگنا ہوتا تھا ...... مگر اب میرے پاس اسے دینے کے لیے رہ ہی کیا گیا تھا۔

”کیا چاہیے عاطی؟“ میں نے سیدھے سبھاؤ سوال کیا۔

”کیا مطلب ہے اس بات کا؟“ اس نے مجھے ٹیڑھی نظر سے گھورا۔

”اچھا بتاؤ کیا بات کہنی ہے......“ میں نے اسے غور سے دیکھا۔

”مجھے کچھ مانگنا ہے تم سے نگی؟“ اس نے نظر چرا کر کہا۔

”دیکھا ناں......“ میری ہنسی نکل گئی۔ ”مانگو!“ میں نے شاہانہ انداز سے کہا۔

”محبت......“ اس نے کہا۔

”محبت کیا؟“ میں واقعی نہ سمجھی تھی۔

”پاپا کو محبت چاہیے......“ اس کا کہنا تھا کہ میں اچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے بچھو نے ڈنک مارا ہو۔

”تم ہوش میں تو ہو عاطی......“ میں نے چیخ کر کہا۔ ”محبت کوئی کھلونا نہیں جو بابا کو چاہیے...... اسی لیے مجھے اس اسکول کی عمارت کا لالچ دیا گیا تھا......؟“ میں دہاڑ رہی تھی۔

”آرام سے بیٹھ کر بات کرو نگی!“ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کھینچ کر مجھے اپنے پاس بٹھایا اور اپنا بازو میرے کندھوں کے گرد حمائل کر دیا۔ ”تحمل سے میری بات سنو نگی جان!“

میں نے گہری گہری سانسیں لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی، خواہ مخواہ ہی میں جذباتی ہو گئی تھی، کوئی میرے بچے مجھ سے چھین تو نہیں سکتا تھا، عاطف میرے کندھے سہلا رہا تھا۔

”حنا نے خلع کا مطالبہ کر دیا ہے نگی!“ اس نے عجیب سا انکشاف کیا۔ میں اس کا چہرہ حیرت سے تک رہی تھی۔ ”ہبہ بھی اسپیشل بچی ہے......“

”اوہ......“ میرے دل سے تکلیف سے آہ نکل گئی، میں عاطف اور انکل کی تکلیف سمجھ سکتی تھی۔

”حنا سمجھتی ہے کہ یہ سب تمہاری بد دعا ہے اور وہ جب تک اس شادی کے حصار میں رہے گی اسی طرح معذور بچے ہوتے رہیں گے، وہ دونوں بیٹیوں کو چھوڑ کر چلی گئی ہے نگی اور ماما اس صدمے سے بیمار پڑ گئی ہیں، وہ بھی تم سے شرمندہ ہیں مگر کہہ سکتی ہیں نہ کچھ کر سکتی ہیں...... تم انہیں معاف کر دو گی!“

میں اس وقت خاموش تھی، وقت نے تُرپ کے سارے پتے میرے ہاتھ میں دے دیے تھے، مجھے اب ان پتوں کو احتیاط سے کھیلنا تھا، قدرت نے جو بازی میرے حق میں پلٹ دی تھی اسے میں ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے ہر وہ چیز مل رہی تھی جس کی میں نے کبھی خواہش کی تھی، خصوصاً بلاشرکت کا عاطی...... اس رات میں نے بستر پر کروٹوں پر کروٹیں بدلتے ہوئے وہ سب سوچا جو مجھے مل سکتا تھا اور جو کچھ میں کھونا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆

”انکل کو محبت کیوں چاہیے؟“ میں نے اگلی صبح ناشتے کی میز پر عاطی سے پوچھا۔ چھٹی کا دن تھا اور مریم اس روز اپنے اور میرے بچوں کو لے کر چڑیا گھر گئی تھی۔ عاطی نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔

”بتایا تو ہے تمہیں......“ عاطف نے کہا۔

”محبت اور ہے کس کا؟“ میں نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔ ”عارب کس کا ہے، محبت کس کا ہے اور وانیہ کس کی ہے...... سب انہی کے تو ہیں عاطی، تمہارے بچے انہی کی تو نسل ہیں......“ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ ”یہ ان کے بچے ہیں، حرا اور ہبہ تمہاری بیٹیاں ہیں، ان کی ماں انہیں چھوڑ کر چلی گئی تو کیا ہوا، میں ہوں نا...... تمہاری اولاد اور تمہارا خون ہیں وہ، انہیں تو عارب، محبت اور وانیہ سے بڑھ کر محبت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ آنٹی تو انہیں نہیں سنبھال سکتیں عاطی، تم انہیں بھی یہیں لے آؤ، اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ رہیں گی اور میرے بچوں کو تو شروع دن سے علم ہے کہ اسپیشل بچے بھی ان کی طرح بچے ہیں اور ہماری زیادہ توجہ کے مستحق! انکل جب چاہیں آ کر اپنے بچوں سے ملیں مگر میں ان کے گھر جا کر نہیں رہوں گی اور جس بچے کو وہ جس شعبے میں بھیجنا چاہیں گے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا......“

عاطی کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، میں نے آنٹی کو بھی لانے کو کہا تھا اور وہ انتہائی مشکور تھا۔ پوری بازی میں نے جیت لی تھی، اب میں کسی دن پورے فخر کے ساتھ اپنے والدین کے گھر بھی جاؤں گی، میں نے بہت کچھ کھو کر جو پایا تھا اس نے مجھے معاشرے میں ایک مقام دیا تھا، میں نے بہت سے معذور بچوں کے ماں باپ کی دعائیں لی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ میرے اللہ نے میرے والدین کے دل بھی میرے حق میں نرم کر دیے ہوں گے، میں نے صبر کیا تھا اور اس کا پھل پا لیا تھا۔

انکل کے بعد کمال انڈسٹریز کا مالک عاطف اور اس کے بعد عاطف کے بچے ہی تو ہوں گے تو میں انہیں اس خوشی سے کیوں محروم کر دوں، میرے بچے تو میرے پاس ہی رہیں گے، انہیں سارے رشتوں کی محبت نصیب ہو جائے گی اور آنٹی کو اندازہ ہو جائے گا کہ گھر سے بھاگ کر آنے والی ہر لڑکی ہمیشہ بری نہیں رہتی، سہروں کے ساتھ بیاہ کر لائی گئی لڑکیاں بھی اپنے معذور بچے چھوڑ کر بھاگ جاتی ہیں۔ ہم کون ہیں ایک دوسرے کو اچھائی اور برائی کے پیمانے میں تولنے والے، کوئی میری طرح ایک غلطی کر کے عمر بھر اس کی معافی مانگتا اور بالآخر پا لیتا ہے اور اللہ اسے نواز کر بتا دیتا ہے کہ اس کی غلطی معاف کر دی گئی ہے۔

کوئی حنا کی طرح اپنی اولاد کی معذوری کے ڈر سے اسے چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور کسی کو اللہ ایسی توفیق دیتا ہے کہ وہ دوسروں کی اولادوں کی تکلیف پر تڑپ تڑپ جائے...... مجھے اللہ نے آخر الذکر بنایا اور آج میں ”مشعل“ کے نام سے یہ ادارہ چلا کر جہالت کی تاریکیوں میں گم ان والدین کو بھی روشنی سے ہمکنار کرتی ہوں جو سمجھتے ہیں کہ معذور اولاد ان کے لیے سزا ہے...... عاطف سے پیار ہے اس لیے اس کی ہر چھوٹی بڑی غلطی کو معاف کر کے اسی کے ساتھ رہ رہی ہوں ورنہ میں نے اسے پرکھ کر دیکھ لیا ہے کہ وہ سائے کی طرح اندھیرے میں ساتھ چھوڑ جانے والا ساتھی ہے۔

مکمل ناول

بہار راہ میں ہے

ثریا انجم



بہت عرصے بعد آج پھر سے اسے دورہ پڑا تھا۔ گھر میں جا بجا ٹوٹے ہوئے برتنوں کی کرچیاں پڑی ہوئی تھیں۔ داخلی دروازے کے دونوں طرف رکھے ہوئے گملے اوندھے پڑے تھے۔

بیرونی گیٹ کے قریب گاڑی کی ہیڈ لائٹس کے شیشے بکھرے ہوئے تھے اور...... رمضان بابا کھلے ہوئے گیٹ کے قریب کھڑے ہونقوں کی طرح دور ہوتی ہوئی ٹیوٹا کرولا کی طرف دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆

گلابی رنگ کا ہلکے سے کام والا سوٹ، زیور کے نام پر گلے میں پڑی ہوئی موٹی سی چین، کانوں میں سفید نگ جڑی بالیاں، ایک ہاتھ میں کانچ کی اور دوسرے ہاتھ میں سونے کی دو چوڑیاں اور بہت ہلکا سا میک اپ...... یہ تھا اس کا دلہناپے کا روپ...... چہرے کے تاثرات پل پل بدل رہے تھے مگر خوف کا رنگ ہر تاثر پر غالب تھا...... آنے والی زندگی کا خوف۔

"تم اپنی پچھلی زندگی کو یہیں چھوڑ جانا، اب تمہیں صرف اور صرف اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچنا ہے۔ قسمت نے اس بار تمہارا ساتھ دیا ہے۔ تیمور نہ صرف بہت اچھے انسان ہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب حیثیت بھی ہیں۔ بہت سارے مسائل تو مالی آسودگی کی وجہ سے ختم ہو جاتے ہیں اور باقی کو انسان اپنی سمجھداری اور صبر و تحمل سے حل کر لیتا ہے۔ تم خواب دیکھنے کی عمر سے گزر آئی ہو اب تمہیں ایک ایسی پریکٹیکل لائف کا آغاز کرنا ہے جو ہو سکتا ہے شروع میں تمہیں مشکل لگے مگر ہر مشکل سے گزرنا ہی زندگی جینے کا اصل فن ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ تم تیمور جیسے اچھے انسان کا ساتھ پا کر ہر مشکل کو آسانی میں بدل دو گی۔" ابرار بھائی کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اور آنکھوں میں وہ معصوم سا چہرہ ابھر آیا تھا جس کی پلکوں پر اٹکے آنسو وہ اپنے آنچل میں سمیٹ لائی تھی۔

☆☆☆

"میں نے کہا ناں یہ میری مما نہیں ہیں، مجھے نہیں ملنا ان سے۔" کمرے کے باہر سے آتی یہ ہٹ دھرمی سے بھرپور آواز اسے چونکا گئی۔ وہ بے ساختہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور اضطرابی کیفیت کے زیرِ اثر کلائی میں پڑی چوڑیوں پر انگلی پھیرنے لگی۔

"کم آن فیضی، اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی، بی آ گڈ بوائے۔" تیمور دس سالہ فراز کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لائے اور بیڈ کے نزدیک کھڑا کر دیا۔

طلعت نے بہ مشکل تمام ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا جسے اس نے انتہائی بدتمیزی سے جھٹک دیا۔

"فراز بی ہیو یور سیلف۔" اس بار تیمور کی آواز میں سختی آ گئی تھی۔ "چلو اپنی مما کو سلام کرو۔" انہوں نے کڑی نگاہوں سے فراز کو گھورا تو وہ کسی قدر ڈر گیا۔

"السلام علیکم...... مگر یہ میری مما نہیں ہیں...... مجھے نیند آ رہی ہے گڈ نائٹ......" اس سے پہلے کہ طلعت اس کے سلام کا جواب دیتی وہ کمرے سے جا چکا تھا۔ تیمور بے بسی سے ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔

"شہلا کی موت کے بعد اسے ضرورت سے زیادہ توجہ ملی، بے جا ناز برداریوں نے اسے ضدی اور تھوڑا بدتمیز بنا دیا ہے مگر تم بددل نہیں ہونا تھوڑی سی کوشش سے وہ عام بچوں جیسا ہو جائے گا مگر اس کے لیے تمہیں شاید تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔" طلعت کے ٹھنڈے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے کر وہ اپنے بیٹے کی بدتمیزی کا جواز دینے کی کوشش کر رہے تھے اور وہ نظریں نیچی کیے سوچ رہی تھی کہ اسے تو نہ جانے کن کن باتوں کے لیے انتظار کی سولی پر لٹکے رہنا ہے اور نہ جانے کب تک......

"طلعت......!" اس کے ہاتھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے انہوں نے پکارا تو وہ نظریں اٹھانے پر مجبور ہو گئی مگر دوسرے ہی پل اُن کی بے تحاشا وجاہت سے مرعوب ہو کر پلکیں جھکا لیں۔ "نئی زندگی کا آغاز کرنے سے پہلے میں بہت لمبی چوڑی باتیں کر کے تمہیں پریشان نہیں کروں گا مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ میں پورے دل سے تم سے یہ وعدہ کر رہا ہوں کہ آنے والے دنوں میں ہر موقع پر تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا اور تم سے بھی اتنا ہی کہنا ہے کہ اپنے اور میرے درمیان کسی تیسرے کو نہیں آنے دو گی، اپنے گھر کے معاملات میں ہم کسی تیسرے کو شامل نہیں کریں گے چاہے وہ کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو۔" تیمور کی آواز

میں نرمی کے باوجود کچھ ایسا تھا کہ طلعت نے سہمے ہوئے دل کے ساتھ اُن کے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لیا اور اُن کی نظروں سے نظریں ملا کر اُن کی زندگی اور ارادوں میں پوری طرح شریک رہنے کا خاموش اقرار کیا تو انہوں نے اس پیغام کو سمجھ کر ایک اطمینان بھری سانس لی اور اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اسے اپنے سے قریب کر لیا۔

☆☆☆

اور یہ تیسرا گھر تھا جہاں بسر ہونے والی پہلی رات نیند اس کی آنکھوں سے مکمل طور پر روٹھی ہوئی تھی۔ وہ پہلا گھر جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی۔ ماں، باپ کی بے تحاشا محبت اور دو بڑے بھائیوں کے لاڈ پیار کے درمیان بچپن گزار کر جوانی کی حدوں میں قدم رکھا تھا تب اسے کہاں پتا تھا کہ زندگی اس سے کیسے کیسے امتحان لینے والی ہے۔

وہ ایک درمیانے درجے کا گھر تھا جہاں زندگی بہت آسان نہیں تو دشوار بھی نہیں تھی۔ ابا گورنمنٹ ملازم تھے، اماں سلیقہ شعار تھیں اور تینوں بھائی بہن تعلیم حاصل کر کے بہتر زندگی کے خواب آنکھوں میں سجائے ہوئے تھے۔ زندگی کی گاڑی اصولوں، خاندانی شرافت اور محدود خواہشات کی مضبوطی سے گڑی ہوئی پٹڑی پر بڑے آرام سے چلتی جا رہی تھی کہ اماں کی ایک پرانی سہیلی نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئیں اور ملتے ہی اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے طلعت کا رشتہ مانگ بیٹھیں اور اماں لمحوں میں اپنی ساری سمجھداری اور دور اندیشی بھول گئیں یاد رہا تو بس اتنا کہ صفیہ اُن کی بچپن کی سہیلی ہیں جو ایک طویل عرصے بعد ملی ہیں لہٰذا انہیں انکار نہیں کیا جا سکتا...... ابا نے بہت سمجھایا کہ ابھی طلعت کی تعلیم ادھوری ہے اور عمر بھی بہت کم ہے اور واجد کی تعلیم اور نوکری بھی ایسی نہیں کہ جو مستقبل کے خوش آئند ہونے کی ضمانت بن سکے مگر اماں کو ایک ہی ضد تھی۔

"صفیہ کو میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں اور اس کی ساری خوبیاں یقیناً اس کے بیٹے میں بھی ہوں گی۔ اور رہ گئی واجد کی درمیانے درجے کی نوکری تو پیسہ تو عورت کے نصیب سے ہوتا ہے اگر طلعت کے مقدر میں ہوا تو اسے ضرور ملے گا۔"

ابا، اماں کے سامنے اتنے بھی بے بس نہیں تھے مگر بظاہر واجد میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی' وہ خاموش طبیعت اور سادہ سا نوجوان نظر آتا جو ابا کے سوالوں کا مختصر ترین جواب دے کر نظریں نیچی کر لیتا، ابرار بھائی اور نثار بھائی کی بے تکلف ہونے کی کوشش بھی زیادہ کامیاب نہیں ہو سکی۔

"اکیلی اولاد ہے، زیادہ گھلنے ملنے کی عادت نہیں، کچھ وقت گزرے گا تو بے تکلف بھی ہو جائے گا۔" اماں کا جواز قابلِ قبول ہو نہ ہو مگر رشتہ قبول کر لیا گیا اور طلعت دل میں کم عمری کی معصوم خواہشات لیے میکے کی دہلیز پار کر گئی۔

صفیہ خالہ بڑے چاؤ سے اسے رخصت کرا کے اپنے گھر لائی تھیں مگر واجد پہلی بار اس سے اس انداز سے ملا جیسے کئی سال پرانی شادی شدہ زندگی میں دن بھر دفتر میں دماغ کھپانے کے بعد شوہر بیوی سے ملتا ہے۔

اگلے روز اماں نے بانہیں پھیلا کر اس کا استقبال کیا تو نہ اس کے لبوں پر کوئی شکوہ تھا نہ آنکھوں میں مایوسی کا کوئی رنگ کیونکہ اسے تو یہ پتا ہی نہیں تھا کہ واجد کے سرد اور جذبوں سے خالی رویے پر اسے مایوس اور رنجیدہ ہونا چاہیے تھا۔ لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ لیے ہاتھوں پر لگی مہندی کے ڈیزائن پر نظریں جمائے وہ اپنی عمر سے بھی چھوٹی لگ رہی تھی۔

"صالحہ کو بڑی جلدی تھی بیٹی بیاہنے کی۔" محلے سے آئی کوئی خاتون کہے بنا نہ رہ سکیں تو اماں کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پچھلے مہینے ہی تو سترہ کی پوری ہوئی ہے۔" انہوں نے خوش ہو کر بتایا مگر انہیں کیا پتا تھا کہ وہ اپنی

سترہ سال کی اکلوتی بیٹی کے ساتھ کیسی زیادتی کر گزری ہیں۔

☆☆☆

واجد کی بدمزاجی کا پہلا مظاہرہ اس نے شادی کے پانچویں دن دیکھا۔ معمولی سی بات پر اس نے کھانے کی پلیٹ اٹھا کر دور پھینکی تھی اور تن فن کرتا گھر سے نکل گیا تھا۔ طلعت نے حیرت سے کھلی آنکھوں سے پہلے کمرے میں بکھری پلیٹ کی کرچیوں کی طرف دیکھا اور پھر صفیہ خالہ کی طرف جو اسی اطمینان سے کھانا کھا رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تم کھانا کھاؤ، اس کی تو عادت ہے ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتا ہے۔" وہ بڑے آرام سے کہہ رہی تھیں مگر روٹھنے کا یہ انداز اس نے اس سے پہلے کب دیکھا تھا، اس کے گھر میں تو اگر کوئی بات کسی کی مرضی کے خلاف ہو جاتی تو وہ بس خاموشی اختیار کر لیتا مگر یہاں تو واجد کا ذرا ذرا سی بات پر اٹھا پٹخ کرنا روز کا معمول تھا اور اب تو اسے ایک جیتی جاگتی ہستی بھی مل گئی تھی اپنا غصہ اتارنے کے لیے...... طلعت کو واجد کے ہاتھ کا پہلا تھپڑ صرف اتنی سی بات پر پڑا تھا کہ پانی کا گلاس دیتے ہوئے ذرا سا پانی چھلک گیا تھا اور اس ایک تھپڑ کے بعد تو گویا ایک کبھی نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ صفیہ خالہ واجد کو روکنے کے بجائے الٹا طلعت کو موردِ الزام ٹھہراتیں۔

"ہم نے تو یہ سوچ کر شادی کی تھی کہ بیوی آئے گی تو میرے بیٹے کی زندگی میں بھی خوشیاں آ جائیں گی۔ اسے ذہنی سکون ملے گا تو اس کے مزاج میں تبدیلی آئے گی مگر یہ بی بنو تو مٹی کا مادھو بنی ٹکر ٹکر دیکھنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں۔ نہ جانے کون سی گھڑی تھی کہ میں اپنے بیٹے کے لیے ایک اور عذاب اٹھا لائی، نہ بال نہ بچہ الٹا ذمے داریاں ہی بڑھ گئیں میرے بچے کی، دنیا کی عورتیں ہوتی ہیں اپنے سبھاؤ سے میاں کو بدل کر رکھ دیتی ہیں مگر یہاں تو قسمت ہی خراب نکلی۔" وہ بولنے پر آتیں تو بولتی ہی چلی جاتیں اور طلعت چپ چاپ آنسو پینے کی کوشش میں گھلتی رہتی۔

اماں ابا سے زیادہ دنوں تک اس کے حالات چھپے نہ رہ سکے، اماں نے صفیہ بیگم سے گلہ کیا تو انہوں نے حسبِ عادت سارا الزام انہی پر رکھ دیا۔

"شادی کی تھی تو بیٹی کو کچھ سکھایا بھی ہوتا، کوئی ڈھنگ تو ہوتا، مائیں تو بیٹیوں کو شوہر کو قابو کرنے کے سو گر سکھا کر بھیجتی ہیں مگر یہاں تو نہ کوئی طور نہ طریقہ، وہ تو کہو کہ میں تمہارا لحاظ کر رہی ہوں ورنہ اور کسی بھرے پُرے گھر میں گئی ہوتی تو دو دن رہنا مشکل تھا، یہاں تو بس ہم دو ماں بیٹے ہیں، نہ کوئی کام نہ ذمے داری، اس پر بھی تم شکوہ کرنے آ گئیں۔" وہ ایک سانس میں بولتی چلی گئیں، اماں نے ایک نظر ڈری سہمی طلعت پر ڈالی جو آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں خاموش رہنے کے اشارے کر رہی تھی اور ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔ اماں تو بوجھل دل لیے واپس چلی گئیں اور طلعت پر گھر کی باتیں باہر والوں کو بتانے کا الزام بھی لگ گیا۔

آزمائشوں کا یہ سلسلہ نہ جانے کب تک چلتا کہ قدرت اس پر مہربان ہو گئی۔

صفیہ خالہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہیں تھا، وہ ایک دم ساس سے ماں بن گئیں، اس کے کھانے پینے اور آرام کا اتنا خیال رکھتیں کہ وہ شرمندہ ہو جاتی، اگر وہ کوئی کام کرنا چاہتی تو فوراً روک دیتیں۔

"پہلی پہلی بار ہے احتیاط کر لو، دوسرے تیسرے بچے میں جو چاہے کرنا، میں نہیں روکوں گی۔" وہ اتنے پیار سے کہتیں کہ طلعت کو ماننا ہی پڑتا، اسے حیرت ہوتی کہ یہ وہی صفیہ خالہ ہیں جو واجد کی ہر حرکت کا ذمے دار اسے ٹھہرا کر بے بھاؤ کی سنایا کرتی تھیں۔

صفیہ خالہ کے برتاؤ میں تو زمین آسمان کا فرق آ گیا مگر واجد نے شادی کے دو سال بعد ملنے والی اس خوشخبری کا ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا۔ اس کے معمولات وہی تھے۔ آفس سے آنے کے بعد کسی بھی معمولی سی بات پر ہنگامہ کر کے گھر سے نکل جانا اور پھر رات ڈھلے واپس آنا مگر اب کم از کم طلعت کو صفیہ خالہ کا آسرا تو ہو گیا تھا جو نہ صرف اس کا ہر طرح سے خیال رکھ رہی تھیں بلکہ اب تو وہ واجد کو بھی اس کی حرکتوں پر برا بھلا کہنے لگی تھیں مگر اس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایک دن تو اس نے نہ صرف طلعت کو تھپڑ مارا بلکہ اس قدر زور سے دھکا دیا کہ وہ اوندھے منہ فرش پر گری، صفیہ خالہ گھبرا کر دوڑیں اور بہ مشکل اسے اٹھا کر بیڈ پر لٹایا۔

"واجد کچھ تو خدا کا خوف کر، نظر نہیں آتا وہ کس حال سے ہے اگر اسے یا بچے کو کچھ ہو گیا تو میں تجھے دودھ نہیں بخشوں گی۔" وہ زار زار روتے ہوئے کہہ رہی تھیں مگر وہ بے حس انسان آرام سے بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔

اگلے کئی دنوں تک انہوں نے طلعت کو بیڈ سے نیچے پاؤں نہیں رکھنے دیا۔

"باپ کے مرنے کے بعد واجد چڑچڑا اور تنہائی پسند ہو گیا۔ اللہ نے ایک بیٹے کے بعد دوسری اولاد بھی نہیں دی جس کی وجہ سے میں نے بھی اس کی بدتمیزیوں کو اپنے لاڈ پیار کی وجہ سے ہمیشہ نظر انداز کیا مگر بچپن کی عادتیں جب اس کے کردار کا حصہ بن گئیں تو مجھے ہوش آیا مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اسے سدھارنے کی میری تمام کوششیں ناکام ہو گئیں پھر میں نے سوچا کہ اس کی شادی کر دوں، آس پاس کے ملنے جلنے والوں میں سب ہی اس کے مزاج سے واقف تھے لہٰذا کوئی بھی اپنی لڑکی دینے پر آمادہ نہیں ہوا، وہ تو اتفاق سے اتنے عرصے بعد بس اسٹاپ پر تمہاری ماں سے ملاقات ہو گئی اور تم بہو بن کر میرے گھر آ گئیں مگر تمہاری سادگی اور کم عمری کا واجد نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سدھرنے کے بجائے اور بگڑ

غزل

جس شہرِ ستمگر میں ہے، بشر بھولا خدا بھی
مل مل کے وہاں روتی ہے مٹی سے گھٹا بھی

کیا خوب ہے یہ حسن بھی اور حسن ادا بھی
قربت ہے رقیبوں سے بھی اور ہم سے وفا بھی

لگتی ہے کبھی آگ جو اس دل کے نگر میں
روتے ہو گلے مل کے بھی دیتے ہو ہوا بھی

آنکھوں میں تو ہوتا ہے غضب، لب پہ تبسم
بیمار بھی وہ رکھتے ہیں، دیتے ہیں دوا بھی

اس شہر کے قاضی کا عجب حال ہے لوگو!
خود جرم پہ اکساتا ہے، دیتا ہے سزا بھی

یادوں کے نگر میں عجب آسیب ہیں یمنیٰ
انجان سے سائے مجھے دیتے ہیں صدا بھی

کلام: یمنیٰ احمد

گیا۔" صفیہ خالہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "جس روز اس نے تم پر پہلی بار ہاتھ اٹھایا یقین مانو میرا دل چاہتا تھا کہ اس کی جان لے لوں مگر ممتا کے ہاتھوں مجبور ہوں بس اب تو یہی آس لگائے بیٹھی ہوں کہ بچے کے آنے کے بعد شاید اللہ اس کے دل میں نرمی ڈال دے۔" صفیہ خالہ نے اپنا دل ہلکا کرلیا مگر ان کی باتوں نے طلعت کے دل میں ایک نیا در وا کردیا تھا کہ اس کی ذات ایک ناکام تجربے کی بھینٹ چڑھ گئی اور اب پھر وہ دونوں امید کی کچی ڈور سے بندھی آنے والے مہمان کا انتظار کررہی تھیں۔

☆☆☆

عادتیں بدل جاتی ہیں مگر فطرت کا بدلنا ممکن نہیں۔ صفیہ خالہ، واجد کے ناروا سلوک کا ذمے دار خود کو سمجھتی تھیں مگر شاید اس کی فطرت میں ہی سختی اور بے رحمی تھی جو کسی بھی تبدیلی سے دور نہ ہوسکی، بڑی بڑی آنکھوں والی گول مٹول سی سویرا بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہ کرسکی، الٹا اس کے غصے اور چڑچڑے پن کو مہمیز دینے کا ایک اور بہانہ بن گئی۔

اماں کی خواہش تھی کہ طلعت اسپتال سے ان کے ساتھ گھر چلے مگر صفیہ خالہ نے کچھ ایسی محبت سے اپنا حق جتایا کہ اماں کو خاموش ہونا پڑا اور پھر پچھلے کچھ مہینوں سے انہیں اپنی سہیلی کی طرف سے اطمینان بھی تو ہوگیا تھا کہ واجد چاہے جیسا بھی ہو کم از کم صفیہ خالہ تو اب اُن کی بیٹی کا خیال رکھنے لگی تھیں حالانکہ لڑکی کی پیدائش پر اماں اور طلعت دونوں ہی ڈر گئی تھیں کہ کہیں صفیہ خالہ جو پورے وقت پوتے کی آس لگائے ہوئے تھیں پوتی ہونے پر پہلے کی طرح سارا الزام طلعت پر نہ رکھ دیں مگر وہ تو یہ خیال کرکے خوش ہوگئی تھیں کہ بیٹیاں اللہ کی رحمت ہوتی ہیں اور باپ کی لاڈلی مگر یہاں تو باپ نے ایک نظر ڈالنے کے بعد دوسری مرتبہ دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی تھی حالانکہ سویرا تو اتنی معصوم صورت تھی کہ غیروں کو بھی اس پر پیار آجائے، بڑی

بڑی آنکھیں کھولے وہ خاموشی سے ہاتھ پاؤں ہلاتی رہتی مگر کبھی کپڑے گیلے ہونے یا بھوکی ہونے پر ذرا بھی روتی تو واجد آپے سے باہر ہوجاتا۔

"کیا شور مچا رکھا ہے، لے جاؤ اسے یہاں سے اماں سنبھال لیں گی۔"

اماں تو خیر سنبھال ہی لیتیں مگر طلعت کیسے اپنے جگر کے ٹکڑے کو خود سے جدا کرتی، وہ ساری ساری رات اس خوف سے جاگتی رہتی کہ کہیں سویرا کے رونے سے واجد کی آنکھ نہ کھل جائے۔

صفیہ خالہ کی ہر آس دم توڑ چکی تھی، اب تو واجد اور زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر رہنے لگا تھا اسے بیوی اور بیٹی سے تو کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں مگر اماں کے لیے بھی اس کے پاس وقت نہیں تھا نہ نرمی کے دو بول...... صفیہ خالہ کے دکھ کو محسوس کرکے طلعت ان کا پورا خیال رکھتی اور بدلے میں وہ اسے ڈھیروں دعائیں دیتیں۔ پھلنے پھولنے کی، خوشیوں کی، سکھ چین کی مگر دعائیں ہمیشہ اس انداز میں قبول نہیں ہوتیں جس طرح دعا مانگنے والے کی تمنا ہوتی ہے، وہ کسی اور وقت کسی اور رنگ میں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں۔

صفیہ خالہ دعائیں مانگتی رہ گئیں اور واجد نے پل بھر میں اسے اپنی زندگی اور اپنے گھر سے ہمیشہ کے لیے بے دخل کردیا۔

بات ہمیشہ کی طرح معمولی سی تھی مگر اس نے ایک ہی سانس میں طلعت سے اپنا رشتہ ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ طلعت تو منہ پر ہاتھ رکھے جہاں کھڑی تھی وہیں ساکت کھڑی رہ گئی مگر صفیہ خالہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹ ڈالا۔

"ارے واجد، خدا تجھے غارت کرے، یہ تو نے کیا غضب کر ڈالا۔ ارے بدنصیب کچھ تو سوچا ہوتا میں دنیا کو کیا منہ دکھاؤں گی، یہ غریب چھوٹی سی بچی کو لے کر کہاں جائے گی۔"

"جائے اپنے ماں، باپ کے گھر۔" واجد کی

سخت دلی اور بے نیازی کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ بڑے آرام سے جواب دے کر گھر سے نکل گیا۔ صفیہ خالہ نے بڑی ہمت سے کام لیا، وہ خود اسے چھوڑنے کے لیے گئی تھیں۔

"لو بہن اپنی امانت واپس لے لو، ہم اس کی قدر نہیں کرسکے۔" وہ اماں کے گلے لگ کر بلک بلک کر روئی تھیں اور اماں جو بہت دیر بعد سمجھ پائی تھیں کہ ان کی بیٹی پر کیسی قیامت گزر گئی ہے کھڑے قد سے گریں تو پھر نہ اٹھ سکیں۔

☆☆☆

بائیس سال کی عمر میں دو برس کی سویرا کو ہر دم اپنی گود میں سمیٹے وہ پہروں خاموش بیٹھی رہتی۔ گزرے ہوئے پانچ سال، لمحے لمحے کی اذیت، خوف کے عالم میں گزرے ہوئے دن، جبر کی راتیں، صفیہ خالہ کی زبان کے نشتر اور پھر سویرا کی پیدائش کے بعد ان کے رویے میں آنے والا بدلاؤ...... یاد کرنے کو بہت کچھ تھا مگر اس کا دماغ سُن ہو کر رہ گیا تھا۔ جسم حرکت کرتا تھا تو صرف سویرا کے لیے، اس کے کھانے پینے کا خیال رکھنا، اسے نہلا کر کپڑے تبدیل کرنا اور تھپک تھپک کر سلانا بس یہ وہ کام تھے جو وہ کسی روبوٹ کی طرح کرلیتی تھی ورنہ گھر والوں اور ان لوگوں سے جو اس سے ہمدردی جتانے کے بہانے اس کی واجد سے علیحدگی کی اصل وجہ جاننے کے لیے آتے تھے اسے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ ابا اور دونوں بھائی اگر کبھی سر پر ہاتھ رکھتے تو وہ آہستگی سے اُن کا ہاتھ ہٹا کر اس جگہ سے اٹھ کر کہیں اور بیٹھ جاتی، اماں نے تو جان دے کر اپنی عاقبت نا اندیشی کا کفارہ ادا کردیا مگر ابا، ابرار بھائی اور نثار بھائی ناکردہ جرم کی سزا پارہے تھے، نہ وہ اس کا دکھ بانٹ سکتے تھے اور نہ ہی ان سے اس کی حالت دیکھی جاتی تھی مگر زندگی اگر امتحان لیتی ہے تو خوشیوں کی نوید بھی لاتی ہے۔

طلعت کی واجد سے علیحدگی اور اماں کے انتقال

مجھ سے ملیے



میرا نام شازیہ عمران ہے۔ میں دو اگست کو لاہور میں پیدا ہوئی۔ ہم سات بہنیں اور ایک بھائی ہے۔ مجھے پیدائش کے بعد ماں کی گود تک نصیب نہیں ہوسکی۔ میرے پیدا ہونے کے ایک گھنٹے بعد ڈلیوری پرابلم کی وجہ سے وہ فوت ہوگئی تھیں۔ مرنے سے پہلے وہ کہہ گئی تھیں کہ میری بیٹی کا نام شازیہ رکھیں۔ مجھے میرے دادا، دادی اور پھپھو نے پالا، وہ مجھے دیکھ دیکھ کے رویا کرتے تھے، انہوں نے مجھے بہت محبت سے پالا، جب میں پانچ چھ سال کی تھی تو ابو کے گھر والوں نے ان کی دوسری شادی کردی۔ میری امی بہت اچھی ہیں، ان میں سوتیلی ماؤں والی کوئی بات نہیں ہے۔ دو سال کی عمر میں تایا ابو کے ساتھ سائیکل پر جاتے ہوئے حادثہ ہوگیا جس سے میری زبان بند ہوگئی اور بازو اور ٹانگوں پر پولیو کا حملہ ہوگیا۔ علاج کے بعد زبان کا مسئلہ حل ہوگیا۔ قوتِ گویائی دوبارہ مل گئی، ٹانگ بھی بہتر ہوگئی پر بازو ابھی تک ٹھیک نہیں ہوسکا۔ میں نے اسپیشل بچوں کے اسکول پی ایس آر ڈی ہائی اسکول میں تعلیم پائی۔ لیکن بی اے کرکے اسی اسکول میں ٹیچر کے طور پر جاب کررہی ہوں۔ مجھے بچپن سے گانے کا شوق رہا ہے اور مجھے روٹری کلب الحمرا اور ٹی وی کے بہت سے پروگراموں میں پزیرائی مل چکی ہے۔ پی ٹی وی کے پروگرام مستی میں ملکۂ ترنم نور جہاں کا گانا گانے پر لوگ سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور خوب تالیاں بجائیں۔ میں اب باقاعدگی سے گائیکی کی فیلڈ میں آنا چاہتی ہوں۔ میں زندگی کی دوڑ میں آگے آنا چاہتی ہوں، میں کچھ ایسا کرنا چاہتی ہوں کہ لوگ مجھے یاد رکھیں۔ پاکیزہ ڈائجسٹ میں تعارف چھپنا میری خوش نصیبی ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

شازیہ عمران، لاہور

کے بعد جس گھر میں سناٹوں کا راج تھا وہاں فائزہ کی ان کے گھر میں شمولیت بہاروں کا سندیسہ بن گئی۔ قریبی عزیزوں اور خیر خواہوں نے ان کے گھر کی بے ترتیبی کو دیکھتے ہوئے ابا کو یہی مشورہ دیا تھا کہ جتنی جلد ہو سکے ابرار کی شادی کر دیں، ابا تو جلدی میں کی گئی ایک شادی کے انجام سے اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ دوسری مرتبہ پھر وہی غلطی دُہرانے کے لیے بڑی مشکل سے آمادہ ہوئے مگر اس بار انہیں مایوسی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

فائزہ دلہن بن کر اس گھر میں داخل ہوئی تھی مگر دلہناپے کے سارے چاؤ چونچلے اس نے اگلے ہی روز اپنی شادی کے جوڑے کے ساتھ ہی الماری میں بند کر دیے تھے اور پورے جی جان سے جیسے کسی مشن کی تکمیل میں لگ گئی...... اور وہ گھر جو چند مہینوں میں ویران کھنڈر جیسا ہو گیا تھا چند ہفتوں میں پھر سے جیتے جاگتے انسانوں کا بسیرا لگنے لگا، وہ لوگ جو ایک دوسرے سے نظریں چرائے مجبوری کی زندگی جی رہے تھے آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے مخاطب ہونے لگے مگر سب سے کٹھن مرحلہ تو طلعت کو نارمل زندگی کی طرف واپس لانا تھا اور اس معاملے میں فائزہ کو ابا کے علاوہ ابرار اور نثار کا تعاون بھی بھرپور طریقے سے مل رہا تھا۔

''لاؤ آج میں سویرا کو نہلا دیتی ہوں اور تم بھی ذرا نہا دھو کر فریش ہو جاؤ، لنچ پر ابرار کے کولیگ اپنی فیملی کے ساتھ آ رہے ہیں۔''

اتوار کا دن تھا مگر فائزہ نے صبح جلدی اٹھ کر ناشتے اور کھانے کی تیاری کر لی تھی اور اب طلعت کے کمرے میں آئی تھی جو حسبِ معمول سویرا کو گود میں لیے گم صم بیٹھی تھی، ننھی سی بچی بھی اس تنہائی اور خاموشی کی عادی ہو گئی تھی وہ نہ تو گود سے اتر کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے کی کوشش کرتی تھی نہ ہی اپنی عمر کے دوسرے بچوں کی طرح ماں کو تنگ کرتی، پہلے واجد کے خوف سے طلعت ہر وقت اسے خاموش رکھنے کی کوشش کرتی تھی اور اب اس گھر سے بے دخل ہونے اور اماں کی موت کے بعد تو اس نے اپنے لیے ایک ایسی دنیا تخلیق کر لی تھی جہاں اپنے اور سویرا کے سوا کسی تیسرے کا وجود نہ صرف ناقابلِ اعتبار تھا بلکہ ناقابلِ برداشت بھی...... ابرار کی شادی میں بھی وہ ایسے ہی خاموش اور الگ تھلگ رہی تھی۔ لوگوں کی ترحم آمیز نظریں اور سرگوشیاں اس پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوئی تھیں۔

فائزہ نے شادی کے فوراً بعد گھر کا سارا انتظام تو سنبھال لیا تھا مگر انتہائی سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے طلعت کو اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا۔ وہ اچانک کوئی تبدیلی لانے کے بجائے دھیرے دھیرے اسے نارمل زندگی کی طرف لانا چاہتی تھی۔ آج پہلی بار وہ طلعت کے کمرے میں آئی تھی۔

''لاؤ۔'' اس نے سویرا کو گود میں لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے مگر طلعت نے اور سختی کے ساتھ سویرا کو اپنے سے لگا لیا۔

''میں خود نہلا دوں گی۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

''پلیز طلعت، وہ لوگ آنے ہی والے ہیں، تم جلدی سے تیار ہو جاؤ، میں سویرا کو نہلا دیتی ہوں۔'' فائزہ نے ذرا سی کوشش کے بعد سویرا کو اس سے الگ کیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھے بنا ''جلدی سے آ جاؤ۔'' کہتے ہوئے کمرے سے نکل آئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ سویرا کو بڑے سے تولیے میں لپیٹے کمرے میں واپس آئی تو طلعت کمرے میں نہیں تھی اور واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، اطمینان سے بھرپور سانس لے کر اس نے سویرا کو بیڈ پر بٹھا دیا اور الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔ امید کے برخلاف سویرا بڑے آرام سے نہالی تھی اور اب بھی بڑی خاموشی سے کپڑے پہن کر بال بنوا رہی تھی حالانکہ فائزہ کو ڈر تھا کہ کہیں وہ ماں کو اپنے قریب نہ پا کر

رونے نہ لگے مگر وہ تو بڑی معصومیت سے...... پلکیں جھپک جھپک کر بس اسے دیکھے جا رہی تھی۔ فائزہ کو بے ساختہ اس بے ضرر سی بچی پر پیار آ گیا۔

''پیاری سی گڑیا...... چلو نانا ابو کے پاس چلتے ہیں۔'' اس کی انگلی تھامے وہ باہر آئی تو ابرار نے آگے بڑھ کر سویرا کو گود میں اٹھا لیا۔

''تھینک یو فائزہ......'' ابرار کی محبت بھری نظروں کے جواب میں اس نے ترچھی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

ابرار کے آفس کولیگ ظفر اپنی بیوی نائلہ اور دونوں بچوں کے ساتھ تھوڑی دیر بعد ہی آ گئے تھے۔ ان کے دونوں بچے حد سے زیادہ شریر تھے، ذرا ہی دیر میں گھر اُن کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ سویرا ابا کی گود میں خاموش بیٹھی ٹکر ٹکر انہیں ہنستے کھیلتے دیکھ رہی تھی، دونوں بچوں نے کئی بار اسے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا چاہا مگر وہ ہر بار سہمے ہوئے انداز میں ابا سے لپٹ گئی مگر اتنا ضرور ہوا کہ طلعت کے کئی بار بلانے پر بھی وہ اپنے کمرے میں نہیں گئی۔

طلعت مہمانوں سے رسمی تعارف کے بعد فوراً ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور پھر ابا کے کئی بار بلانے پر ہی کھانے کے وقت سب کے ساتھ آ کر بیٹھی تھی، کھانے کے دوران نائلہ کے سوالات کا مختصر جواب دے کر خاموشی سے کھانا کھاتی رہی، اس نے ایک بار بھی کسی کام میں فائزہ کی مدد کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی مہمانوں سے ذرا برابر خوش اخلاقی برتی مگر پھر بھی ابا اور ابرار بھائی یہ محسوس کیے بنا نہ رہ سکے کہ ظفر، نائلہ اور ان کے بچوں کی آمد نے اس کے چہرے کے تجمد تاثرات پر تھوڑا بہت فرق ضرور ڈالا تھا۔

اگلے ہفتے فائزہ نے اپنی دونوں شادی شدہ بہنوں کو ان کے شوہروں اور بچوں سمیت انوائٹ کر لیا۔ وہ صبح ہی صبح طلعت کے کمرے میں پہنچ گئی۔

''طلعت پلیز ذرا کچن میں میرا ہاتھ بٹا لو، اتنے

اس بہار میں

مری آنکھیں
یاد تری میں
اب نہیں برسیں گی
دل دیدار کو نہیں تڑپے گا
تم آؤ، نہ آؤ
اب نہیں رہا انتظار تمہارا
اس بہار میں

شاعرہ: نسیم سکینہ صدف، سیالکوٹ

سارے لوگ آ رہے ہیں، میں اتنا کام اکیلے کیسے کروں گی۔''

طلعت نے حیرت بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر سوئی ہوئی سویرا پر ایک نظر ڈال کر بوجھل قدموں سے فائزہ کے ساتھ کمرے سے باہر آ گئی، کچن میں چھوٹے چھوٹے کام کرتے اس کی غائب دماغی اور بے دلی کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا۔

''خدا کے لیے طلعت ذرا تیز ہاتھ چلاؤ، اس رفتار سے تو دوپہر کا کھانا شام تک تیار ہو سکے گا اور بڑی مہربانی کچن سے فارغ ہونے کے بعد ذرا کوئی ڈھنگ کے کپڑے پہن لینا ورنہ میرے گھر والے تمہیں میری نند کے بجائے کچھ اور نہ سمجھ بیٹھیں۔'' وہ ہلکے پھلکے انداز میں اپنی بات کہہ کر دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گئی اور طلعت کے پھیکے پڑتے چہرے اور نم ہوتی آنکھوں کو قطعاً نظر انداز کر دیا اور یہ فائزہ کے کہنے کا ہی اثر تھا کہ اس روز طلعت ذرا طریقے سے تیار بھی ہوئی اور مہمانوں کے سامنے خاموش بیٹھے رہنے کے بجائے فائزہ کے گھر والوں کی مدارات کرنے کے علاوہ ان کی باتوں میں بھی شریک رہی۔

فائزہ بہت ہی غیر محسوس انداز میں طلعت کو نارمل زندگی کی طرف لانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی تھی۔ کبھی کسی کو مہمان

بلا لیتی تو کبھی کسی چھوٹی موٹی شاپنگ کا بہانہ کر کے طلعت کو اپنے ساتھ لے جاتی، طلعت لاکھ منع کرتی مگر وہ اس کے انکار کو اس طریقے سے نظر انداز کرتی کہ وہ اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جاتی۔

آہستہ آہستہ طلعت میں بدلاؤ آنے لگا، اب پہروں ایک ہی جگہ بیٹھ کر خلا میں تکتے رہنے کے بجائے وہ گھر کے کاموں میں فائزہ کا ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ سویرا کو ہر وقت اپنے سینے سے لگائے رکھنے کے بجائے ابا کے پاس چھوڑ دیتی جہاں وہ خاموشی سے اپنے کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ زندگی کے بے رنگ کینوس پر ہلکے ہلکے رنگ ابھرنے لگے تھے۔

☆☆☆

''انسان کی زندگی کے رستے اگرچہ حادثات اور دکھوں کی آمیزش کی وجہ سے دھندلا جاتے ہیں مگر ایک وقت آتا ہے کہ امیدوں کے چراغ اس رستے کو پھر سے روشن کر دیتے ہیں...... ساری عمر ایک ہی انداز میں گزرے یہ ضروری نہیں، بڑے سے بڑے صدمے کی یاد بالآخر مدھم پڑ ہی جاتی ہے۔ نو عمری میں تم کو جس امتحان سے گزرنا پڑا اور پھر جس طرح اچانک تمہاری ماں کا ساتھ چھوٹا تم کہے بغیر بھی اندازہ کر سکتی ہو کہ یہ سانحہ میرے لیے کتنا بڑا تھا اور ہمیشہ رہے گا مگر اس کی وجہ سے میں دنیا سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اللہ نے ابھی مجھے زندگی جیسی نعمت سے سرفراز کر رکھا ہے تو میرا ابھی فرض ہے کہ میں اس زندگی کو اپنے امکان بھر باعمل طریقے سے بسر کر کے اس کا حق ادا کروں اور یہی بات میں تم سے بھی کہنا چاہتا ہوں کیونکہ تمہارے اوپر تو ابھی زندگی کے سارے فرائض باقی ہیں جس میں سب سے اہم فرض سویرا کی پرورش اور تربیت کا ہے۔ ماں، باپ میں سے کسی ایک کا نہ ہونا کسی چھوٹے سے بچے کے لیے نہ صرف بہت سی مشکلات بلکہ ایک کبھی نہ پُر ہونے والے خلا کا سبب بن سکتا ہے اور ایسا ہی کچھ سویرا کے ساتھ ہو گا اگر تم نے ہمت سے کام لے کر اپنی زندگی کو ایک نیا آغاز نہیں دیا۔''

وہ رات میں ابا کو دودھ کا گلاس دینے کے لیے گئی تو انہوں نے اسے روک لیا۔ سویرا ان سے کہانی سنتے سنتے اب ان کے ہی بیڈ پر سو چکی تھی پچھلے کچھ دنوں سے وہ زیادہ وقت ابا کے پاس ہی رہنے لگی تھی۔ بچوں والی شرارتیں تو وہ اب بھی نہیں کرتی تھی مگر اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف کی جگہ اب حیرت نے لے لی تھی جیسے ماں کی گود اور چھوٹے سے کمرے سے باہر کی دنیا اس کے لیے بہت ہی انوکھی ہو حالانکہ ابا اور ابرار بھائی اکثر اسے باہر گھمانے کے لیے بھی لے جاتے تھے مگر وہ ابھی تک اس ماحول سے مانوس نہیں ہو سکی تھی۔

''تم میری بات سن رہی ہو نا؟'' ابا نے اسے سویرا پر نظریں گاڑے خاموش کھڑا دیکھ کر قدرے اونچی آواز میں پوچھا تو اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا اور چند لمحوں کے لیے کسی خیال میں گم ہو گئے۔ وہ چادر کے ڈیزائن پر انگلی پھیرتے ہوئے ان کے بولنے کی منتظر تھی۔

''ہم زندگی سے بہت کچھ چاہتے ہیں مگر ہم میں سے بہت کم لوگ یہ سوچتے ہیں کہ زندگی کے بھی ہم سے کچھ تقاضے ہوتے ہیں جو کبھی نہ چاہ کر بھی ہمیں پورے کرنے ہوتے ہیں۔ تمہاری زندگی بھی اب تم سے کچھ مانگ رہی ہے جو زیادتی انجانے میں ہم نے تمہارے ساتھ کی اس کا مداوا تو نہیں ہو سکتا مگر آنے والے دنوں کو بہتر طریقے سے گزارنے کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر تو کرنی پڑے گی۔ تمہاری ماں کو دنیا سے گئے دو سال ہونے کو آئے انہیں تو کوئی بیماری بھی نہیں تھی مگر مجھے شوگر نے بالکل کھوکھلا کر دیا ہے، جینے کو تو پتا نہیں کب تک جی لوں گا مگر اب وقت کا کوئی بھروسا نہیں... اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تمہارے لیے کچھ ایسا کر دوں کہ تم کسی کی محتاج نہ رہو، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے اس عمر میں تو لڑکیوں کی شادی کے بارے میں سوچا جاتا ہے مگر ہماری جلد بازی کی وجہ سے تم کو وقت سے پہلے ہی ایسے تلخ تجربات سے گزرنا پڑا۔

بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو گیا اب باقی کی زندگی اس پچھتاوے کی نذر کرنا حماقت ہو گی لہٰذا میں نے سوچا ہے کہ اگر کوئی اچھا رشتہ ملتا ہے تو تمہاری شادی کر دوں مگر یہ صرف میری سوچ ہے فیصلہ کرنے کا حق صرف تمہارا ہے مگر فیصلہ کرنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ تمہیں اپنی بچی کے مستقبل کے لیے بہت کچھ کرنا ہے جو کہ تم اکیلے نہیں کر سکتیں۔ خدا تمہارے بھائیوں کو سلامت رکھے، وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں، فائزہ نے بھی شادی کے فوراً بعد سے ہم سب کا بہت خیال رکھا ہے اور آئندہ کے لیے بھی اس سے یہی توقع ہے مگر ایک وقت آتا ہے کہ ہر شخص اپنی ذاتی زندگی کے جھمیلوں میں اس طرح الجھ جاتا ہے کہ چاہنے کے باوجود کسی اور کے لیے کچھ نہیں کر پاتا۔ تھوڑے دنوں بعد اس گھر میں ایک اور چھوٹا بچہ آنے والا ہے جس کے بعد فائزہ کی ذمے داری بٹ جائے گی پھر نثار کی بھی شادی ہونی ہے، نہ جانے آنے والی بھاوج کس عادت، مزاج کی ہو، ضروری نہیں کہ وہ فائزہ کی طرح ہم سب کے ساتھ رہنا پسند کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ نثار کو لے کر الگ ہو جائے، ان سب باتوں کو دھیان میں رکھ کر اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں سوچو مگر زیادہ وقت نہ لگانا، مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔'' ان کی آواز بھرا گئی اور طلعت جو سر جھکائے ان کی باتیں سن رہی تھی اس کی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

☆☆☆

''بھابی کیا میں آپ لوگوں پر بوجھ بن گئی ہوں۔'' اگلی صبح کچن میں قدم رکھتے ہی اس کے ہونٹوں پر یہ سوال آیا تھا اور فائزہ جو سنک میں ناشتے کے برتن دھو رہی تھی حسب عادت اس کی گھٹی گھٹی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے آرام سے بولی تھی۔

''فضول باتیں نہ کرو بلکہ جب تک میں یہ برتن کھنگالتی ہوں تم ذرا اچھی سی چائے بنا لو، پھر باہر بیٹھ کر آرام سے بات کریں گے۔'' طلعت بھی حسب عادت بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

کچھ دیر بعد صبح کی ہلکی ہلکی دھوپ میں جاتی سردیوں کی قدرے کم ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کرتے ہوئے فائزہ نے طلعت کی طرف غور سے دیکھا جو رات بھر رونے کی وجہ سے سوجی سوجی آنکھیں چائے سے نکلتی بھاپ پر جمائے گم صم سی بیٹھی تھی۔

''پہلے آرام سے گرما گرم چائے پیو اور پھر بتاؤ کہ ہماری کس بات سے تم نے یہ اندازہ لگایا کہ تم ہمارے لیے بوجھ بن گئی ہو؟''

''پھر کیوں ابا مجھے اس گھر سے نکالنا چاہ رہے ہیں۔'' چائے کے گھونٹ کے ساتھ آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو حلق میں اتارتے ہوئے وہ بہ مشکل بولی۔

''میں پورے یقین سے تو نہیں بتا سکتی کہ تمہاری شادی کے سلسلے میں ابا کے ذہن میں کیا وجوہات ہیں، کچھ نہ کچھ تو انہوں نے تمہیں بتایا ہی ہو گا اور میری اپنی رائے بھی یہی ہے کہ تمہارا اپنا گھر ہونا چاہیے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تمہارا گھر نہیں یا تم ہم پر بوجھ بن گئی ہو بلکہ ایک ایسا گھر جہاں تم پورے استحقاق سے رہ سکو، تم میرے لیے بالکل بہنوں جیسی ہو اور اگر تمہاری جگہ میری سگی بہن بھی ہوتی تو میں اسے بھی یہی مشورہ دیتی اور پھر ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے، تمہیں بھی ایک بھرپور نارمل زندگی گزارنے کا پورا حق ہے۔'' فائزہ کے لہجے کی نرمی نے اس کے رکے ہوئے آنسوؤں کو رستہ دے دیا۔

''بھابی آپ لوگ مجھے تھوڑا سا وقت دے

دیں، میں کوئی کورس کرلوں گی پھر کوئی نہ کوئی جاب کر کے اپنا اور سویرا کا خرچ اٹھاؤں گی، پلیز بھائی میں اب اور کسی امتحان میں پڑنا نہیں چاہتی۔" گھٹی گھٹی سسکیوں کے درمیان اس نے کچھ ایسے التجا آمیز انداز میں کہا کہ فائزہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم اخراجات سے گھبرا کر تمہاری شادی کرنا چاہ رہے ہیں اور جہاں تک امتحان میں پڑنے کی بات ہے تو زندگی تو ہے ہی ایک مسلسل امتحان...... تمہیں کیا پتا کہ شادی نہ کر کے بھی تمہیں اور کتنے امتحانوں کا سامنا کرنا پڑے۔"

"مگر بھائی......!"

"کچھ اگر مگر نہیں، ہم سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں اور اللہ کی رحمتوں کی کوئی حد نہیں ہے اس یقین کے ساتھ ایک نئی زندگی کی ابتدا کرو، انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے آہستگی سے اٹھے؛ اور اس کے مزید کچھ بولنے سے پہلے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اسے ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لیے سب ہی اپنے اپنے انداز میں سمجھا رہے تھے۔ پہلے ابا اس کے بعد فائزہ بھابی اور پھر ابرار بھائی...... وہ آخر کب تک ان سب کی خواہش کو رد کرتی اسے ماننا ہی پڑا۔ پھر تو یوں لگا جیسے ہفتے، دنوں میں اور دن گھنٹوں میں گزر گئے اور یہ تو اسے بہت بعد میں پتا چلا کہ تیمور کے لیے تو ابرار بھائی کے کولیگ ظفر نے اسی روز ابا سے بات کرلی تھی۔ جس دن وہ پہلی بار اُن کے گھر آئے تھے، یہ تو فائزہ بھابی کی دور اندیشی تھی کہ انہوں نے فوری طور پر طلعت کے سامنے تذکرہ نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

شاید کوئی آہٹ ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحوں تک وہ آنکھیں کھولے خالی الذہنی سے چھت کی طرف دیکھتی رہی پھر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

نیا کمرا...... خوب صورت بیڈ اور ماحول میں رچی نامانوس سی مہک اسے اپنی زندگی میں ہونے والی تبدیلی کا احساس دلا گئی اور وہ کچھ عجیب سی ملی جلی کیفیت میں گھر کر رہ گئی تب ہی ملحقہ واش روم کا دروازہ کھلا اور کوئی باہر آیا...... لمبا قد بھرپور جسامت اور مردانہ وجاہت سے سجا چہرہ جس پر اس سے نظر ملتے ہی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی، طلعت نے گھبرا کر نظریں جھکالیں۔

"جلدی سے فریش ہو کر نئی زندگی کی پہلی صبح کا چیلنج قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" وہ بڑے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر تیار ہونے کے لیے ڈریسنگ روم میں چلے گئے اور طلعت اُن کے مختصر سے جملے میں چھپے مفہوم کا بوجھ ذہن پر لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

خوب صورت ٹائلز سے سجے فرش سے لے کر دیواروں پر لگی قیمتی پینٹنگز اور بھاری فرنیچر سے آراستہ گھر اپنے مالک کی امارت کا مظہر تھا۔ تیمور کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر فراز کے کمرے تک جاتے ہوئے طلعت کو اپنی کم مائیگی کا شدید احساس ہو رہا تھا اور اپنی اس کیفیت پر قابو پانے کے لیے اسے خاصی جدوجہد کرنی پڑ رہی تھی۔

ایک ہاتھ میں طلعت کا ہاتھ تھام کر تیمور نے دوسرے ہاتھ سے بیڈ روم کے دروازے کو آہستہ سے دھکیلا جو بے آواز کھلتا چلا گیا۔ ہلکے نیلے اور لیمن کلر کے کمبی نیشن میں کمرے کو ایک دس گیارہ سال کے بچے کے لیے بڑی خوب صورتی اور سادگی کے ساتھ سیٹ کیا گیا تھا۔ کمرے کے بالکل درمیان میں رکھے بیڈ پر داہنا ہاتھ گال کے نیچے رکھے وہ بے خبر سو رہا تھا۔ چہرے پر ایسی معصومیت تھی کہ بے ساختہ پیار آجائے، تیمور نے آگے بڑھ کر بہت آہستگی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ پھیرا۔

"فیضی...... اٹھ جاؤ بیٹا...... دیکھو کون آیا ہے۔" انہوں نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"گڈ مارننگ پاپا......" اس نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا مگر طلعت پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

"السلام علیکم!" طلعت نے اس کے گزشتہ رات کے رویے کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی قدر ہچکچاہٹ سے اسے مخاطب کرنے میں پہل کی۔

"گڈ مارننگ......" اس نے رخ دوسری طرف کرتے ہوئے جواب دیا۔

"فیضی آج سے آپ کی مما آپ کو اسکول کی تیاری میں ہیلپ کریں گی، اب آپ جلدی سے فریش ہو کر آجائیں۔" تیمور نے اس کی پیشانی پر بکھرے سلکی بالوں کو پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا تو وہ ایک بار پھر بڑے سرکش انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ میری مما نہیں ہیں اور میں خود تیار ہوسکتا ہوں۔"

"اچھا ٹھیک ہے، آپ جلدی سے تیار ہو کر ڈائننگ روم میں آجاؤ، ہم ناشتے پر آپ کا ویٹ کر رہے ہیں۔" اس مرتبہ تیمور نے اپنا لہجہ نرم ہی رکھا اور طلعت کا ہاتھ بدستور اپنے ہاتھ میں لیے کمرے سے باہر آگئے۔

"طلعت تمہیں بہت ہمت اور صبر سے انتظار کرنا پڑے گا۔ کچھ دن تو ضرور لگیں گے مگر آہستہ آہستہ وہ اس رشتے کو قبول کرلے گا۔" ان کی آواز کی نرمی اور ہاتھ کی مضبوط گرفت حوصلہ افزا تو تھی مگر دل اندر ہی اندر اس خیال سے کانپ رہا تھا کہ ایک رشتے سے بندھنے کے بعد اسے نہ جانے کتنے فرائض کا بوجھ اٹھانا ہوگا۔ وہ دونوں ڈائننگ روم میں آئے تو حاجرہ ٹیبل پر ناشتا لگا چکی تھی۔

"شروع کرو۔" تیمور نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"فراز کو آجانے دیں۔" وہ دھیرے سے بولی تو تیمور کے لبوں پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں فراز اسکول یونیفارم پہن کر آگیا اور بڑی خاموشی سے تیمور کے برابر میں بیٹھ گیا۔ ناشتے کے دوران مکمل خاموشی رہی۔ فراز بہت تمیز سے اپنا ناشتا ختم کر کے کھڑا ہوگیا۔

"چلیں پاپا۔" وہ طلعت کی طرف دیکھے بغیر تیمور سے مخاطب ہوا۔

"چلتے ہیں، پہلے آپ اپنی مما کو خدا حافظ تو کہہ لیں۔" تیمور نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

"خدا حافظ۔" اس نے طلعت کی طرف دیکھے بغیر بڑے روکھے انداز میں کہا اور باہر نکل گیا۔ طلعت نے گہری سانس لے کر تیمور کی طرف دیکھا۔

"مجھے فیضی کو اسکول چھوڑنے کے بعد ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ تم ناشتے سے فارغ ہو جاؤ تو حاجرہ بی کے ساتھ پورا گھر دیکھ لینا اور کوئی تبدیلی کرنی ہو تو بتا دینا۔" ایک حوصلہ افزا مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے وہ بھی فراز کے پیچھے کمرے سے نکل گئے۔

حاجرہ ایک ادھیڑ عمر کی صحت مند عورت تھی جس کے چہرے پر جہاندیدگی کا تاثر تھا مگر آواز بہت نرم تھی۔

"یہ کمرا صاحب نے سویرا بے بی کے لیے سیٹ کروایا ہے۔" ڈرائنگ روم اور کشادہ ٹی وی لاؤنج سے نکل کر وہ ایک کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی تو طلعت کے قدم چند لمحوں کے لیے اپنی جگہ پر جم کر رہ گئے، تیمور اور فراز کے بیڈ روم کی نسبت قدرے چھوٹے کمرے کو بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ بیڈ پر رکھے اسٹفڈ ٹوائز اور ریک پر سجی باربی ڈولز دیکھ کر طلعت کو آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو روکنا دشوار ہوگیا، شدید احساس جرم نے اس کا دل ہی نہیں دماغ بھی بوجھل کر دیا۔ صبح سے اسے ایک بار بھی سویرا کا خیال نہیں آیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی نئے ماحول اور نئے حالات کے دباؤ نے اس کے خیالات اور جذبات کو کچھ اس طرح سے جکڑا کہ وہ اپنی معصوم بچی کو بھی بھول گئی جسے وہ رات تسلی دے کر آئی تھی کہ ابھی وہ ماما کے

پاس سو جائے وہ تھوڑی دیر میں واپس آجائے گی۔ سویرا کی بڑی، بڑی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں مگر وہ خاموشی سے فائزہ کا ہاتھ تھام کر اندر چلی گئی تھی۔ وہ ایسی ہی تھی چار سال کی ہو جانے کے باوجود وہ کبھی کسی بات پر ضد نہیں کرتی تھی، جو کھانے کو دو خاموشی سے کھا لیتی جہاں بٹھا دو گھنٹوں وہیں بیٹھی کھلونوں سے کھیلتی رہتی۔ کبھی کبھی تو طلعت گھبرا جاتی تھی کہ وہ عام بچوں کی طرح کیوں نہیں ہے تو ابا تسلی دیتے کہ اسکول جانے لگے گی تو ٹھیک ہو جائے گی مگر اس کی پریشانی کم نہ ہوتی...... اور اب پتا نہیں وہ رات کو ٹھیک سے سوئی بھی ہو گی یا نہیں۔

اچانک ہی سویرا کے لیے خوب صورتی سے سجا ہوا کمرا، تیمور کا شاندار گھر اور ان کا پُر وقار سراپا اس کے ذہن سے محو ہو گیا اور یاد رہا تو بس اتنا کہ سویرا نے رات اس کے بغیر کیسے گزاری ہو گی، اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات حاجرہ فوراً ہی بھانپ گئی۔

''آیئے میں آپ کو باہر لان میں لے چلوں۔ تیمور صاحب کو ہریالی کا بہت شوق ہے ہفتے میں ایک بار وہ خود مالی کے ساتھ مل کر پھولوں اور پودوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔'' حاجرہ نے اصرار بھرے لہجے میں کہا تو وہ نیم دلی سے اس کے ساتھ ہو لی۔

باہر کا منظر واقعی بہت حسین تھا۔ سبز مخمل کی طرح بچھی گھاس، ہر رنگ کے گلاب اور موسمی پھولوں کی کیاریاں اور ہلکے ہلکے چلتی خوشگوار ہوا مگر اب طلعت کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ غائب دماغی سے حاجرہ کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی لان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہو آئی مگر اس کا سارا وجود اب صرف اس لمحے کے انتظار میں تھا جب وہ سویرا کو دیکھتی اُسے ایسا لگ رہا تھا جیسے سویرا کو دیکھے بنا نہ جانے کتنے دن گزر گئے ہوں۔

حاجرہ اسے چھوڑ کر خاموشی سے اندر جا چکی تھی مگر وہ ذہن میں بے شمار اندیشے لیے اب تک وہیں کھڑی تھی۔

ابرار بھائی نے کہا تھا کہ اسے کچھ دنوں تک صبر، تحمل سے کام لے کر تیمور کے مزاج کو سمجھنا ہو گا ہر چند کہ انہوں نے طلعت کو سویرا سمیت اپنی زندگی میں شامل کرنے کی حامی بھری تھی مگر وہ سویرا کو کب اپنے گھر لے کر جائیں گے یہ سوال نہ ابرار بھائی نے ان سے کیا تھا اور نہ ہی طلعت اتنی جلدی اس بات کا اندازہ کر سکتی تھی کہ اپنے بیٹے کے ہوتے ہوئے وہ سویرا کو اپنے گھر میں کیا مقام دیں گے...... اور ابھی تو صرف چند گھنٹے ہی گزرے تھے تیمور کے اور اس کے ساتھ۔ اس مختصر سے وقت میں نہ وہ تیمور کی شخصیت کو سمجھ سکتی تھی نہ ہی ان کے ارادوں کو...... ابھی سے صرف انتظار کرنا تھا آنے والے وقت کا اور اس وقت کے ساتھ ہونے والی تبدیلیوں کا امید اور نا امیدی کی کیفیت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا اسے کچھ اندازہ ہی نہیں ہو سکا تب ہی ایسا لگا کوئی مانوس سی آواز اس کے کانوں میں رس گھول گئی ہو۔

''امی۔'' سویرا اس کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھی اور اسے اپنے چہار جانب چڑیوں کی چہکار اور پھولوں کے رنگ بکھرتے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

''طلعت تم خوش تو ہو ناں؟'' تیمور کے لہجے میں نہ جانے ایسا کیا تھا کہ طلعت کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ سویرا اسے بھول کر کھلونوں اور گڑیوں میں مگن ہو چکی تھی وہ ایک، ایک چیز کو حیرت اور خوشی سے اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی تھی، اتنے ڈھیر سارے کھلونے اس نے اپنی چار سالہ زندگی میں پہلے کب دیکھے تھے لہٰذا اس وقت وہ آس پاس سے بالکل بے نیاز ہو چکی تھی۔

تیمور، طلعت کو اپنے بازو کے گھیرے میں لیے کمرے سے باہر آ گئے اور کچھ دیر اسے خاموشی سے روتا ہوا دیکھتے رہے۔

''کیا میں نے کچھ غلط کر دیا؟'' پھر بڑی نرمی سے بولے۔ طلعت نے بہ مشکل خود پر قابو پا کر اُن کی طرف دیکھا۔

''میں سمجھی تھی اب پتا نہیں کب میں سویرا سے مل پاؤں گی۔'' اس کے سادگی سے کہنے پر تیمور لمحے بھر کے لیے خاموش ہو گئے۔

''تمہارا خیال تھا کہ میں نے صرف اپنے بچے کی دیکھ بھال کے لیے تم سے شادی کی ہے؟'' اُن کے لہجے میں ہلکا سا ملال در آیا۔

''میں نے تم سے شادی فراز اور سویرا دونوں کے لیے کی ہے اور اپنے اور تمہارے لیے بھی۔'' وہ لہجہ بدل کر بولے تو طلعت نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی پل اُن کی معنی خیز نظروں کا پیغام سمجھ کر پلکیں جھکا گئی۔

''آج ہماری فیملی کمپلیٹ ہو گئی، تمہیں بیٹا مل گیا اور مجھے بیٹی، اب تم سارے اندیشے بھلا کر اپنے دونوں بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف دھیان دو اور اگر کچھ وقت بچ جائے تو ہمیں بھی اپنی توجہ کا منتظر پاؤ گی۔'' اُن کا ہلکا پھلکا انداز جہاں طلعت کی اس نئے ماحول سے جُڑی اجنبیت کو کم کرنے میں معاون ثابت ہو رہا تھا وہیں اُن کی شخصیت کی خوبیوں کو بھی اجاگر کر رہا تھا۔

''اچھا جناب! اب آپ اچھی بیویوں کی طرح ہمارے لیے لنچ کا انتظام کریں، میں تھوڑی دیر کے لیے آفس جاؤں گا اور واپسی میں فراز کو لیتا ہوا آؤں گا، کل ہم انشاء اللہ سویرا کے اسکول میں ایڈمیشن کے لیے چلیں گے۔'' تیمور کے جانے کے بعد اس نے سویرا کے کمرے میں جھانکا جو ابھی تک اپنے کھلونوں سے کھیلنے میں مگن تھی۔

''خدا کرے میرے دل میں فراز کے لیے وہی جاگ جائے جو سویرا کے لیے ہے۔'' طلعت نے پورے دل سے دعا مانگی اور پھر پورے استحقاق سے کچن کی طرف بڑھ گئی جہاں حاجرہ دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مشغول تھی۔

☆☆☆

''یہ میری بہن نہیں ہے...... یہ میری مما نہیں ہیں۔'' فراز کی ایک ہی رٹ تھی۔ وہ غصے میں چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا۔

''بیٹا یہ آپ کی بہن ہے سویرا۔'' تیمور بڑے تحمل سے کام لے کر اسے سمجھاتے۔

''نہیں، یہ میری بہن نہیں ہے، یہ اندھیرا ہے۔'' اس کے کہنے پر جہاں تیمور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا وہیں طلعت کے لبوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی، فراز کے اس طرح قافیہ ملانے پر۔

''فیضی اب آپ بدتمیزی کر رہے ہیں اور آپ کو پتا ہے کہ بدتمیزی کرنے پر پنشمنٹ ملتی ہے۔''

''مگر پاپا یہ میری بہن نہیں ہے میں تو اتنا گورا ہوں۔'' اس نے منہ بنا کر کہا تو اس بار تیمور نے بھی بہ مشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی اور یہ حقیقت بھی تھی فراز سرخ و سفید رنگت کا صحت مند بچہ تھا جبکہ سویرا کا رنگ گندمی تھا جو اس کی کمزور صحت کی وجہ سے اور بھی مرجھایا ہوا لگتا تھا۔

''فوراً سوری کہو ورنہ میں کل ہی تمہیں ہاسٹل بھیجنے کا انتظام کرتا ہوں۔'' مسکراہٹ پر قابو پا کر انہوں نے سخت لہجہ اختیار کیا اور یہ واحد دھمکی تھی جو فراز پہ فوراً اثر کر جاتی تھی۔

''سوری مما۔'' وہ طلعت کی طرف دیکھے بغیر آہستہ سے بولا۔

''یہ میری امی ہیں۔'' سویرا جو بہت کم بولتی تھی طلعت کے بازو سے لپٹ گئی۔

''جی نہیں، میری مما ہیں۔'' فراز نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر طلعت کا دوسرا بازو تھام لیا۔ طلعت نے دونوں کو اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے کر تیمور کی طرف دیکھا جن کا چہرہ اس نئی صورتِ حال پر ہنسی

روکنے کی کوشش میں سرخ ہو رہا تھا۔ ایک نئی کشمکش کا آغاز ہونے والا تھا۔ اس خیال کے زیرِ اثر طلعت سہم سی گئی مگر پھر تیمور کی حوصلہ افزا نگاہوں سے تقویت پا کر دھیرے سے مسکرا دی۔

اگلے چند ہفتے بڑی تیزی سے گزر گئے۔ سویرا کا اسکول میں داخلہ ہو گیا، وہ یوں بھی بڑی آسانی سے ہر ماحول میں ڈھل جاتی تھی لہٰذا اسکول جانے میں اور نہ ہی طلعت کے بغیر علیحدہ کمرے میں سونے پر اس نے اور بچوں کی طرح رونا دھونا کیا حالانکہ شروع کے چند دنوں تک جب طلعت اسے سلا کر اپنے کمرے میں آتی تو اس خیال سے کہ کہیں وہ اکیلے میں ڈر نہ جائے خود اس کی نیند رات میں کئی بار ٹوٹتی۔ تیمور نے اس کی بے چینی کا اندازہ کر کے کہا بھی کہ اگر وہ چاہے تو سویرا کے کمرے میں سو جائے مگر طلعت نے دل پر جبر کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ اسے پہلے ہی روز اندازہ ہو گیا تھا کہ سویرا کی بھلائی کے لیے اسے اپنے دل پر پتھر رکھنا ہوگا۔

تیمور کے مزاج کی سختی اور نرمی کو بھی وہ تھوڑے ہی دنوں میں سمجھ گئی تھی۔ وہ بڑی سہولت سے اپنی رائے کا اظہار کر دیتے تھے مگر اُن کا انداز کچھ ایسا تھا کہ سننے والا بڑی آسانی سے یہ جان لے کہ اُن کے کہے ہوئے پر عمل کرنے کے سوا کوئی اور چارا نہیں۔ انہوں نے شروع کے آٹھ دس دنوں میں ہی یہ جتا دیا تھا کہ انہیں نہ طلعت کا زیادہ میکے جانا پسند تھا اور نہ ہی ان لوگوں کا اپنے گھر آنا۔ حالانکہ اتنے تھوڑے سے دنوں میں اتنا آنا جانا ہوا بھی نہیں تھا مگر پھر بھی طلعت محتاط ہو گئی تھی۔ خود اپنی بہنوں سے انہوں نے کچھ کہا تھا یا نہیں مگر وہ بھی اگر کبھی آتی تھیں تو بس گھنٹا بھر بیٹھ کر واپس چلی جاتی تھیں۔ طلعت تو پہلے ہی خاموش زندگی بسر کرنے کی عادی ہو چکی تھی لہٰذا اسے نہ تو برا لگا اور نہ ہی کسی کمی کا احساس ہوا بس اس گھر اور گھر میں رہنے والوں سے اپنائیت کا رشتہ بڑے نامحسوس انداز میں استوار ہوتا گیا اور اس کی وجہ شاید یہی تھی کہ اس گھر میں باہر والوں کی مداخلت نہ ہونے کے برابر تھی۔

☆☆☆

''مجھے بریانی کھانی ہے۔'' طلعت، سویرا کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب فراز نے اچانک آ کر بریانی کی فرمائش کی۔

شام ڈھل چکی تھی اور حاجرہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ طلعت نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر بہت نرمی سے جواب دیا۔

''اچھا، میں حاجرہ بی سے کہتی ہوں وہ بنا دے گی۔''

''نہیں، آپ بنائیں۔'' فراز ضدی لہجے میں بولا۔

''اچھا میں بنا دوں گی، ذرا سویرا کو ہوم ورک کروا دوں۔'' وہ سہولت سے کہہ کر سویرا کی طرف متوجہ ہوئی۔

''نہیں، ابھی بنائیں۔'' فراز نے زور سے ٹیبل پر ہاتھ مارا تو سویرا کی کتابیں اور پنسل باکس زمین پر گر گئے۔

''باقی کام ہم بعد میں کر لیں گے ابھی تم تھوڑی دیر اپنے کمرے میں جا کر کھلونوں سے کھیلو۔'' طلعت نے ایک گہری سانس لے کر کتابیں سمیٹیں اور سویرا کو اپنے ساتھ لگا کر آہستہ سے بولی۔

''آپ اندھیرا کو زیادہ پیار کرتی ہیں، آپ میری مما نہیں ہیں۔'' فراز سے اس کا سویرا کو گلے لگانا برداشت نہیں ہوا۔

''فیضی بیٹا میں صرف آپ کی مما ہوں، سویرا کی تو میں امی ہوں۔'' طلعت نے لفظوں کے الٹ پھیر سے اسے بہلانا چاہا۔

''مگر آپ پیار تو زیادہ اسی کو کرتی ہیں۔'' وہ منہ پھلا کر بولا۔

''پیار تو میں آپ سے بھی بہت کرتی ہوں، اب آؤ کچن میں چل کر ذرا میری ہیلپ کرو تاکہ میں جلدی سے آپ کے لیے مزیدار سی بریانی بنا

دوں۔'' طلعت نے اس کا ہاتھ تھام لیا تو وہ فرمانبرداری سے اس کے ساتھ ہولیا۔

گزشتہ چند مہینوں میں فراز نے طلعت کی حیثیت کو کافی حد تک قبول کر لیا تھا مگر سویرا کو نہ وہ بہن ماننے کو تیار تھا نہ ہی گھر کے مستقل ممبر کی جگہ دینے کو، اس کے ذہن میں ہمیشہ یہی بات رہتی تھی کہ سویرا کو واپس اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔ وہ جب بھی طلعت کو سویرا کے کسی کام میں مصروف دیکھتا یا ان دونوں کو ایک دوسرے کے پاس بیٹھے دیکھتا تو کوئی نہ کوئی ایسا مطالبہ کر دیتا کہ طلعت کو سب کچھ چھوڑ کر اس کی فرمائش پوری کرنے کے لیے اٹھنا ہی پڑتا ورنہ وہ غصے میں چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکنا شروع کر دیتا اور اس خوف سے کہ گھر میں کوئی ایسا ہنگامہ نہ ہونے پائے کہ بات تیمور کے کانوں تک پہنچے وہ فراز کے منہ سے نکلی ہر بات پر فوراً عمل کرنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

''شام میں بچوں کو تیار رکھنا، سردیوں کی شاپنگ بھی کر لیں گے اور تھوڑی آؤٹنگ بھی ہو جائے گی۔'' فراز اور سویرا کو اسکول بھیجنے کے بعد وہ بڑے ریلیکس انداز میں چائے پی رہی تھی جب تیمور نے ناشتا ختم کر کے ٹیبل پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ خاموشی سے سر ہلا کر ان کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ حالانکہ تیمور نے کبھی اپنے ذاتی کاموں کے لیے اسے نہیں پکارا تھا وہ اپنے چھوٹے چھوٹے کام خود ہی کر لیا کرتے تھے مگر طلعت کی پھر بھی یہی کوشش ہوتی کہ ان کے آفس جانے کی تیاری کے دوران وہ ان کے قریب ہی رہے۔

''اور خود بھی تیار رہنا۔'' پرفیوم کا ہلکا سا اسپرے کرنے کے بعد وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے معنی خیز لہجے میں بولے تو وہ بے ساختہ جھینپ کر اُن سے ذرا دور ہٹ گئی مگر انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے۔

''مجھ سے دور رہنا چاہتی ہو؟'' انہوں نے بدلے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''نہیں...... نہیں تو......'' اس نے گھبرا کر اُن کی طرف دیکھا مگر اُن کی آنکھوں میں جھلکتی شرارت اسے پھر سے پلکیں جھکانے پر مجبور کر گئی۔ وہ بے ساختہ ہنس دیے اور دھیرے سے اس کے گال کو چھو کر خدا حافظ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ گال پر رکھا جو اب بھی تپ رہا تھا۔ پانچ سال کی شادی شدہ زندگی اور ایک بچی کی ماں ہونے کے باوجود وہ ازدواجی زندگی کے ان دھنک جیسے رنگوں سے قطعاً ناآشنا تھی۔ واجد کے ساتھ گزرا ہوا وقت تو جیسے کسی جابر حاکم کے خوف کی لٹکتی ہوئی تلوار جیسا تھا، قربت کے لمحات احساسِ ذلت کا باعث بنتے اور روز مرہ کے معمولات اس دہشت کے زیرِ اثر کہ کوئی بھی معمولی سی غلطی کسی بڑے ہنگامے کی شروعات کا سبب ہو سکتی تھی اور اب تیمور کا پہلے ہی روز سے اپنائیت کا بھرپور اظہار چھوٹے چھوٹے معنی خیز جملے اس کے بے حس ٹھٹھرے ہوئے جذبوں کو گدگدانے لگے تھے۔ کوئی خیال لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا تو کوئی لمس چہرے پر سرخی بن کر چھا جاتا۔ اس کے دل میں نئے احساسات جنم لے رہے تھے، نئی امنگیں نازک کونپلوں کی طرح سر اٹھا رہی تھیں۔ چاہت ملنے کی خوشی کے ساتھ کسی کی چاہت میں مبتلا ہونا کتنا خوب صورت ہوتا ہے یہ انکشاف اسے حیران کیے دے رہا تھا۔ دل میں ایک انوکھی سی ترنگ لیے وہ شام میں پہننے کے لیے اپنے کپڑوں کا انتخاب کرنے لگی۔

موسم بدل رہا تھا۔ صبح شام خوشگوار سی خنکی رہنے لگی تھی اور دوپہر کا سورج بھی جیسے کئی مہینوں تک مسلسل آگ برسا کر اب تھکنے لگا تھا۔ طلعت اپنے کپڑوں سے مطمئن ہو کر فراز اور سویرا کے کمروں کی طرف بڑھی ہی تھی کہ لاؤنج میں رکھے فون کی گھنٹی نے

اس کے قدم روک لیے تب تک حاجرہ فون اٹھا چکی تھی۔ اس نے لمحے بھر خاموش رہ کر دوسری جانب سے بولنے والے کی بات سنی اور پھر ریسیور طلعت کی طرف بڑھایا۔

''آپ کے بھائی کے گھر سے فون ہے۔'' طلعت نے آگے بڑھ کر ریسیور تھام لیا۔

''السلام علیکم!'' اس کی آواز کی کھنک خوشگوار موڈ کا پتا دے رہی تھی۔ جسے سن کر دوسری جانب فائزہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے تیمور اور بچوں کے متعلق پوچھا اور اس کا اطمینان بخش جواب سننے کے بعد چند لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی۔

''طلعت آج واجد کا فون آیا تھا۔'' کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد وہ آہستہ سے بولی تو طلعت کو ایسا لگا جیسے آس پاس بکھرے رنگ اچانک ہی ماند پڑ گئے ہوں، وہ سانس روک کر فائزہ کے اگلے جملے کا انتظار کرنے لگی۔

''دراصل صفیہ خالہ کی طبیعت بہت خراب ہے، ڈاکٹر نے جواب دے دیا ہے۔ وہ سویرا کے علاوہ تم سے بھی ملنا چاہ رہی ہیں۔'' کان سے لگے ریسیور سے آتی فائزہ کی آواز نے اس کے سارے وجود میں ایک سنسناہٹ سی بھر دی تھی باقی ماضی کے ہر دکھ کی یاد پل بھر میں اسے نڈھال کر گئی۔

''ہم اُن کی آخری خواہش کو رد نہیں کر سکتے حالانکہ سویرا ابھی اس عمر کو نہیں پہنچی کہ واجد کوئی قانونی یا شرعی دعویٰ کر سکے مگر ابا کا کہنا ہے کہ اخلاقی طور پر ہم اس بات کے پابند ہیں کہ ایک مرنے والے انسان کی آخری خواہش کا احترام کریں، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ...... تمہارے بھائی گئے ہیں یہ پتا کرنے کہ واجد کی کہی ہوئی بات میں کتنی حقیقت ہے اور اگر صفیہ خالہ واقعی اتنی بیمار ہیں تو ہمیں اُن سے ملنے جانا ہوگا۔''

طلعت کا سارا جسم ٹھنڈا پڑتا جا رہا تھا، ہاتھوں میں آنے والی کپکپاہٹ کی وجہ سے ریسیور کو اپنی گرفت میں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

''تم تیمور کو خود بتانا چاہو تو ٹھیک ہے ورنہ ابا انہیں فون کرلیں گے کیونکہ اول تو تمہارے معاملے میں اُن سے اجازت لینا ضروری ہے اور پھر جس چاہت سے وہ سویرا کو اپنے گھر لے کر گئے ہیں تو اسے بھی اُن کے علم میں لائے بغیر صفیہ خالہ سے ملوانے کے لیے لے جانا مناسب نہیں ہوگا۔'' فائزہ خاموش ہو کر اس کے جواب کا انتظار کرنے لگی مگر طلعت میں تو جیسے کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں تھی۔

گزشتہ چند مہینوں میں آہستہ آہستہ حاصل ہونے والا اعتماد چند لمحوں میں غائب ہو چکا تھا اور وہ پھر سے وہی طلعت بن گئی تھی جس کی آنکھوں سے ہر وقت خوف جھلکتا تھا اور جو ذرا سی آہٹ پر چونک جاتی تھی، اس کی مسلسل خاموشی کی وجہ سے فائزہ کو اس کی کیفیت کا اندازہ ہو گیا لہٰذا وہ تسلی آمیز لہجے میں بولی۔

''تم گھبراؤ نہیں، ابا خود تیمور سے بات کرلیں گے اور ہمیں یقین ہے کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، وہ ایک اعلیٰ ظرف انسان ہیں، ایسے موقع پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کریں گے۔'' فائزہ نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد فون بند کر دیا مگر وہ اسی کیفیت میں گم صم بیٹھی رہ گئی۔ واجد نے جس بے رحمی سے اسے اور سویرا کو اپنے گھر اور زندگی سے نکالنے کے بعد پلٹ کر خبر نہیں لی تھی اس کی وجہ سے یہ خیال تو اسے کبھی آیا نہیں تھا کہ وہ کبھی سویرا کا دعویدار بن کر اس کی زندگی میں واپس آ سکتا ہے اور اب فائزہ کا یہ کہنا کہ وہ ابھی سویرا کی کم عمری کی وجہ سے اسے قانوناً حاصل نہیں کر سکتا اسے اس خوف میں مبتلا کر گیا تھا کہ آج نہیں تو کل وہ ایسا کر سکتا ہے۔ اتنے سالوں کے بعد وہ اپنی بیٹی کو دیکھے گا تو شاید اس کے دل میں اس کی محبت جاگ جائے یا پھر وہ اپنی اذیت پسند طبیعت سے مجبور ہو کر محض اسے ستانے کے لیے سویرا کو اس

سے چھین لے۔ خیالات کی یورش اسے ہلکان کیے دے رہی تھی۔ حاجرہ بی دبے قدموں سے آ کر پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھ گئی تھی مگر وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔

☆☆☆

''مما میں آ گیا......!'' اسکول بیگ دروازے سے داخل ہوتے ہی ایک طرف پھینک کر فراز، سویرا سے پہلے طلعت کے پاس آ چکا تھا۔ روزانہ کا یہی معمول تھا۔ فراز کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ سویرا سے پہلے طلعت تک پہنچ کر اسے اپنی باتوں میں الجھا لے، اسکول میں گزرے ہوئے وقت کی ایک، ایک بات پوری تفصیل سے اسے سنانے کے بعد ہی وہ یونیفارم بدلنے کے لیے اپنے کمرے کا رخ کرتا تھا اور اس تمام وقت میں سویرا اپنی بڑی، بڑی آنکھوں میں نامحسوس سی نمی لیے بڑے صبر سے انتظار کرتی رہتی تھی۔

اس وقت بھی فراز بغیر سانس لیے دن بھر کی روداد سنانے میں مصروف تھا مگر طلعت روزانہ کی طرح اس کی باتوں میں دلچسپی لینے کے بجائے غائب دماغی سے ہوں، ہاں کر رہی تھی۔

''فیضی آپ فوراً اپنے کمرے میں جائیں اور چینج کریں اور طلعت آپ بھی سویرا کو اس کے کمرے میں لے جائیں، حاجرہ بی آپ کھانا لگائیں۔'' تیمور ایک ہی سانس میں کہہ کر جواب سنے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے، اُن کے چہرے کے تاثرات اور لہجے کی سختی بتا رہی تھی کہ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو انہیں ناگوار گزری ہے، ضرور ابا نے صفیہ خالہ سے ملنے کے لیے فون کیا ہوگا۔ طلعت نے سہمے ہوئے دل کے ساتھ سوچا اور سویرا کا ہاتھ تھام کر بے جان قدموں سے اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

تیمور کا موڈ خراب تھا اس کا اندازہ اُن کے ہر عمل سے ہو رہا تھا۔ کھانے کی میز پر بغیر کسی سے مخاطب ہوئے وہ بہت تھوڑا سا کھا کر اٹھ گئے اور کمرے سے نکلنے سے پہلے وہ لمحے بھر کو رکے۔

''کھانے سے فارغ ہو کر آپ ذرا کمرے میں آ جائیں۔'' طلعت کی طرف رخ کر کے انتہائی سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ تو چلے گئے مگر طلعت کے لیے حلق سے نوالہ اتارنا مشکل ہو گیا۔ گزشتہ چھ سات ماہ کے عرصے میں پہلی بار اسے تیمور کے سخت لہجے اور بگڑے ہوئے تیور کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ایک بار پھر اسی ماحول میں واپس جانے والی ہو جہاں مرد کی حیثیت شوہر اور باپ کے بجائے محض ایک سخت گیر حکمران جیسی تھی۔

فراز اور سویرا کو ان کے کمروں میں بھیج کر وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھی۔ صبح دل میں جو خوشی کا احساس جاگا تھا وہ اب خوف اور بے یقینی میں ڈھلنے لگا تھا۔ وہ دبے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی، تیمور جو بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے نیم دراز تھے اس کی موجودگی کا اندازہ ہوتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے ان کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ طلعت نے ایک نظر اُن پر ڈال کر نظریں جھکا لیں۔

''تمہیں پتا تو چل گیا ہوگا کہ سویرا کی دادی بہت بیمار ہیں اور وہ اپنے آخری وقت میں تم سے اور سویرا سے ملنا چاہتی ہیں؟'' انہوں نے بہت روکھے لہجے میں سوال کیا، طلعت بے بسی سے سر ہلا کر رہ گئی۔

''میں نے تمہیں سویرا سمیت اپنایا ہے اور وہ چونکہ ابھی بہت چھوٹی ہے لہٰذا نئے رشتوں اور نئے گھر میں آسانی سے ایڈجسٹ ہو گئی ہے لیکن اگر اس طرح اسے بار بار کبھی دادی اور کبھی اپنے باپ سے ملنے جانا پڑا تو اس کی شخصیت دو حصوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے گی، اس وقت تو صورتِ حال خاصی سنگین ہے، تمہارے والد بتا رہے تھے کہ وہ خود اسپتال گئے تھے، وہ خاتون چند ہی دنوں کی مہمان ہیں مگر طلعت میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں دوبارہ قطعاً یہ

برداشت نہیں کروں گا کہ تمہارا یا سویرا کا اس شخص سے کوئی واسطہ ہو، آج تو ہم اُن سے ملنے جارہے ہیں مگر کل تمہیں اپنے والد یا بھائیوں کے مشورے سے کوئی حتمی فیصلہ کرنا ہوگا تا کہ ہماری گھریلو زندگی آئندہ اس طرح ڈسٹرب نہیں ہو اور نہ ہی سویرا کا ننھا سا ذہن ان الجھنوں کا شکار ہو، اس کی بہتری اسی میں ہے وہ کسی ایک کے ساتھ رہے یا ہمارے یا پھر اپنے باپ کے ساتھ۔" جذبات سے عاری آواز اور لہجے میں اپنا فیصلہ سنا کر انہوں نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں مگر طلعت کے لیے اپنے پیروں پر کھڑا رہنا دشوار ہو گیا۔

تقدیر اسے ایک بار پھر ایسے موڑ پر لے آئی تھی جہاں فیصلہ کرنا اس کے اختیار میں تھا اور نہ ہی حالات کے دھارے میں بہنا اس کے دل کو کوئی اطمینان دے سکتا تھا۔ بے چارگی کی تصویر بنی وہ یونہی کھڑی رہتی اگر تیمور ایک بار پھر اس سے مخاطب نہ ہوتے۔

"تھوڑا ریسٹ کرنے کے بعد تم تیار ہو جانا اور سویرا کو بھی تیار کر دینا، ہم چار بجے تک اسپتال چلیں گے، اُن کی حالت واقعی خراب ہے کہیں ہمیں دیر نہ ہو جائے۔" اس بار اُن کا لہجہ خاصا نرم تھا۔ طلعت کی آنکھوں میں رکے آنسو بے آواز بہنے لگے۔

☆☆☆

حلقوں میں دھنسی زندگی کی رمق سے عاری آنکھیں، خشک ہونٹوں پر جمی پپڑی کی تہ اور سیاہی مائل رنگت...... طلعت کو انہیں پہچاننے میں تھوڑی دیر لگی کیونکہ وہ کہیں سے بھی سرخ و سفید رنگت والی زندگی سے بھرپور صفیہ خالہ نہیں لگ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں بجھتے ہوئے دیے کی لو سی تھرتھرائی مگر دوسرے ہی لمحے آنسوؤں نے اس ہلکی سی چمک کو بھی دھندلا دیا۔ طلعت نے سہمی ہوئی سویرا کو آہستگی سے اُن کے بیڈ کے قریب کیا تو انہوں نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ بڑھا کر اسے چھونے کی کوشش کی۔

"سویرا یہ آپ کی دادی جان ہیں۔" طلعت نے دھیرے سے تعارف کروایا اور پتا نہیں یہ خون کی کشش تھی یا اور کوئی وجہ جو سویرا نے بے ساختہ آگے بڑھ کر صفیہ خالہ کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں تھام لیا، صفیہ خالہ کی بے رونق آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، کچھ کہنے کی کوشش میں اُن کے خشک لب کانپ کر رہ گئے اور ان کی بے بسی پر طلعت کی آنکھیں بھر آئیں، وہ جو کچھ کہنا چاہ رہی تھیں وہ ان کی التجا آمیز نظروں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا اور یہ خاموش التجا طلعت کا دل کاٹے دے رہی تھی، اس نے اپنا ہاتھ اُن کی ٹھنڈی پیشانی پر رکھ دیا۔

"اماں آپ پریشان نہ ہوں، میرے دل میں آپ کی طرف سے کوئی شکوہ باقی نہیں۔ مجھے صرف آپ کی دی ہوئی دعائیں یاد رہ گئی ہیں اور یہی دعائیں ساری زندگی میرے اور سویرا کے کام آئیں گی۔" صرف الفاظ ہی نہیں وہ اپنے دل کی پوری سچائی کے ساتھ انہیں یہ یقین دہانی کروا رہی تھی اور اس کی یہ کوشش رائگاں نہیں گئی صفیہ خالہ کی آنکھوں سے جھلکتی وحشت اور بے چارگی کا تاثر آہستہ آہستہ زائل ہوتا گیا اور چہرے پر سکون جھلکنے لگا، انہوں نے اپنے ناتواں جسم کی ساری طاقت سمیٹ کر اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دی اور سویرا کے سر پر ہاتھ رکھ کر طمانیت سے آنکھیں موند لیں۔

فائزہ بھابی نے طلعت کا بازو پکڑ کر آہستگی سے اسے اپنی طرف کھینچا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے واپس چلنے کا اشارہ کیا۔

طلعت نے سویرا کا ہاتھ تھام کر ایک آخری نظر صفیہ خالہ پر ڈالی اُن کی آنکھیں بند تھیں، جذباتی کشمکش سے تھک کر اُن کا بیمار وجود آس پاس کے ماحول سے غافل ہو چکا تھا، دل ہی دل میں خدا حافظ کہتے ہوئے وہ بوجھل قدموں سے کمرے سے باہر نکل آئی۔

تیمور اور ابرار بھائی جو کمرے کے باہر کچھ فاصلے پر کھڑے تھے انہیں باہر نکلتا دیکھ کر اُن کی

جانب بڑھے اور دوسری جانب سے کوئی اور بھی تھا جو لپک کر اُن کی طرف آیا مگر پھر ٹھٹک کر آدھے راستے میں ہی رک گیا۔ طلعت اسے دیکھ کر اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ درمیان میں گزرے ہوئے ماہ و سال اور بدلے ہوئے حالات کے باوجود اس کے سارے وجود میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی اور اس نے بے ساختہ سویرا کے ہاتھ پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا سرخ و سفید رنگت، ہر قسم کے تاثرات سے عاری چہرہ، صحت مند سراپا، وقت اور حالات اس کی ذات پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوئے تھے، اس نے لمحہ بھر رک کر ایک اچٹتی ہوئی سی نظر طلعت اور سویرا پر ڈالی اور پھر تیز قدموں سے صفیہ خالہ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ طلعت کی اُڑی ہوئی رنگت اور جسم میں ہلکی سی لرزش کو دیکھتے ہوئے ابرار بھائی نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا اور اپنے ساتھ لگائے ہوئے اسپتال سے باہر لائے۔ تیمور خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتے رہے اور گھر پہنچنے کے بعد بھی بغیر کوئی بات کیے اپنے کمرے میں چلے گئے، طلعت کو ایسا لگا جیسے اس کی زندگی میں کسی نئے امتحان کا آغاز ہونے والا ہے۔

اگلے ہی دن صفیہ خالہ کے انتقال کی اطلاع آ گئی۔ ان کی بے بسی کی زندگی اور تکلیف دہ موت طلعت کو دیر تک رُلاتی رہی مگر اس ڈر سے کہ کہیں تیمور کے دل میں کوئی غلط خیال نہ آئے وہ یہ آنسو چپ چاپ اپنے اندر ہی اتارتی رہی۔ اسپتال سے آنے کے بعد ان دونوں کے درمیان ضرورت کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور جہاں تیمور کی خاموشی اس کے دل میں ہزاروں اندیشوں کو جنم دے رہی تھی وہیں واجد کی طرف سے کسی ممکنہ اقدام کا خوف بھی اس کے حواس چھین رہا تھا۔

☆☆☆

"مما ذرا لان میں جا کر دیکھیں کیا ہو رہا ہے۔" فراز کی آواز پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" اس نے بغور فراز کا چہرہ دیکھا جہاں شرارت کے کوئی آثار نہیں تھے۔

"آپ خود جا کر دیکھ لیں۔" وہ جواب دے کر رکا نہیں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

طلعت نیم دلی سے اٹھی، اندر کے گرم ماحول سے نکل کر باہر جانا مشکل لگ رہا تھا باہر جا کر دیکھنا بھی ضروری تھا کیونکہ فراز نے جس سنجیدگی سے اطلاع دی تھی اس کا مطلب یہی تھا کہ کوئی نہ کوئی خاص بات ضرور ہوگی مگر باہر نکل کر جو کچھ نظر آیا اسے دیکھ کر اس کا دماغ غصے کی شدت سے ماؤف سا ہو گیا۔ شدید سردی کے موسم میں سویرا سر سے پاؤں تک پانی میں تربتر کھڑی تھی اور یہ حرکت فراز کے علاوہ کسی اور کی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ وہ بغیر کچھ بولے سردی سے کانپتی ہوئی سویرا کو اندر لائی اور جلدی جلدی اس کے بھیگے ہوئے کپڑے تبدیل کر کے اس کے سر سے ٹپکتا ہوا پانی خشک کیا۔

"تم کمبل میں لیٹو، میں حاجرہ بی سے کہتی ہوں وہ تمہیں گرم دودھ لا کر دیں اور سارا دودھ ختم کرنا۔" اس نے ذرا سخت لہجہ اختیار کیا اور سویرا معصومیت سے گردن ہلا کر رہ گئی۔

حاجرہ بی سے سویرا کو دودھ دینے کا کہہ کر وہ بہ مشکل اپنے غصے پر قابو پا کر فراز کے کمرے میں گئی تو وہ مزے سے اپنے بیڈ پر لیٹا ٹانگیں ہلا رہا تھا۔

"فیضی آج میں پاپا سے آپ کی شکایت کروں گی، اتنی سردی میں آپ نے اپنی بہن پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا اگر اس کی طبیعت خراب ہو گئی؟" وہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی سختی پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"وہ میری بہن نہیں اور میں نے اسے نہیں بھگویا، میں نے تو پانی بند کر دیا ورنہ وہ اور زیادہ بھیگ جاتی۔" فراز، طلعت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے بولا تو اس کا دل چاہا کہ کس کر ایک تھپڑ اس کے منہ پر لگا دے۔

''غلطی کر کے جھوٹ بولنا اور بھی بری بات ہے۔''

''مما میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ اس نے میرا جھوٹا، جھوٹا نام لگایا ہے میں خود پاپا سے اس کی شکایت کروں گا۔''

''سویرا نے آپ کا نام نہیں لیا۔'' وہ اس کی ہٹ دھرمی پر بے بس ہوگئی۔

''تو پھر آپ میرا نام لگا رہی ہیں کیونکہ آپ میری مما نہیں ہیں۔'' وہ رخ پھیر کر ناراضی سے بولا تو طلعت کو احساس ہوا کہ وہ واقعی حقیقت جانے بغیر ہی فراز سے جواب طلب کرنے چلی آئی سویرا سے تو کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے...... پھر آپ ہی بتاؤ سویرا کیسے بھیگی؟'' اس مرتبہ وہ کسی قدر نرمی سے بولی مگر وہ اسی طرح منہ موڑے کھڑا رہا۔

''میں تو جھوٹ بولتا ہوں۔'' چند لمحوں بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو طلعت مزید کچھ کہے بغیر سویرا کے کمرے میں لوٹ آئی۔

''سویرا تم پر فراز نے پانی ڈالا تھا ناں؟'' اس نے اس یقین کے ساتھ سوال کیا کہ جواب ہاں میں ہی ہوگا۔

''نہیں امی، وہ تو میں نے لان میں جس سے پانی دیتے ہیں اس کا ہینڈل دبا دیا تھا تو سارا پانی میرے اوپر آ گیا پھر فیضی نے آ کر اسے بند کیا۔'' سویرا معصومیت سے آنکھیں جھپک جھپک کر بتا رہی تھی اور طلعت کو اپنا آپ پستیوں میں گرتا محسوس ہو رہا تھا۔

ایک بہت ہی چھوٹے سے واقعے نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ سچے دل سے مانگی گئی دعاؤں اور احسان مندی کے گہرے احساس کے باوجود وہ اپنے دل میں فراز کے لیے ممتا کا وہ جذبہ نہیں پیدا کر سکی تھی جو سویرا کے لیے ذرا سی بات پر امڈ آتا تھا۔ وہ تڑپ جو ماں اپنے ہر بچے کے لیے یکساں طور پر محسوس کرتی ہے کوشش کرنے کے باوجود فراز کے لیے اس کے دل میں کبھی نہیں جاگی تھی۔ فراز سے اپنے رشتے کو بھلا کر پورے دل سے اسے ماں کی محبت دینے کا عہد تو وہ کئی بار کرتی تھی مگر اس پر عمل کرنے میں پورے طور پر ناکام رہی تھی، اس احساس نے اس کے دل کو بوجھل کر دیا...... اور دل تو یوں بھی آج کل منوں بوجھ تلے دبا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ صفیہ خالہ سے آخری ملاقات اور ان کے انتقال کو دو ہفتوں سے زائد گزر چکے تھے اس سارے عرصے میں تیمور بہت مصروف اور خاموش رہنے لگے تھے اور ان کا یہ انداز طلعت کے خوف اور بے چینی میں اضافہ کرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

سرمئی بادلوں نے آسمان کو ڈھک لیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا جسم میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ دوپہر کے واقعے کے بعد فراز اپنے کمرے سے نہیں نکلا تھا اور سویرا کو بھی طلعت نے سختی سے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ تیمور آج کل کافی دیر سے گھر واپس آ رہے تھے اور طلعت کو نہ جانے کیوں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جان بوجھ کر اسے نظر انداز کر رہے تھے۔ وہ اکیلے پن کے شدید احساس میں گھرتی جا رہی تھی...... رشتہ قائم کرنا اور اس رشتے کو دل سے اپنانا کس قدر کٹھن ہے یہ خیال ایک مسلسل کشمکش کا روپ دھار کر اسے اندر سے کمزور کیے دے رہا تھا۔

شام ڈھل رہی تھی، حاجرہ بھی کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ گھر میں عجیب سا سناٹا چھایا ہوا تھا، اس خاموشی سے گھبرا کر وہ فراز اور سویرا کے کمروں کی طرف بڑھی مگر اسی وقت تیمور کی گاڑی کے ہارن اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز پر وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔ اندرونی دروازہ آہستگی سے کھلا اور تیمور تھکے تھکے انداز میں اندر داخل ہوئے، طلعت نے چند قدم آگے بڑھ کر ان سے کچھ کہنا چاہا مگر اس سے پہلے ہی تیمور نے ایک بڑا سا خاکی لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔

''لو بھئی اپنی امانت۔'' طلعت نے لفافہ لیتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا تو اُن کے تھکے ہوئے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ سویرا کی سرپرستی کے کاغذات ہیں واجد نے اپنے تمام حقوق سے دستبرداری اور سویرا کو میری سرپرستی میں دینے پر رضامندی ظاہر کی تو میں نے سارے معاملے کو قانونی شکل دینے میں دیر نہیں لگائی اور اللہ کا شکر ہے کہ آج یہ کام مکمل ہو گیا۔ اب تم اپنے دل سے تمام وسوسے نکال دو کیونکہ اب سویرا صرف میری اور تمہاری بیٹی ہے کوئی اور اب اس پر کسی قسم کا حق نہیں جتا سکتا۔'' انہوں نے صوفے پر بیٹھ کر ٹانگیں پھیلا لیں اور سر پیچھے ٹکا دیا۔ اُن کا چہرہ خوشی اور اطمینان کے تاثر سے اس قدر روشن لگ رہا تھا کہ طلعت کی نظریں آپ ہی آپ جھک گئیں۔ وہ لفافہ ہاتھ میں تھامے ساکت کھڑی تھی، ملے جلے احساسات اور جذبات نے جیسے اس کے سارے وجود کو شل کر دیا تھا۔

''اب کیا ایسے ہی کھڑی رہو گی، جاؤ میرے لیے چائے بنواؤ اور بچوں کو تیار کرو آج کھانا باہر کھائیں گے۔'' وہ اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے رسان سے بولے تو وہ جیسے سوتے سے جاگ اٹھی۔

''فراز، سویرا جلدی سے آؤ، دیکھو پاپا آ گئے!''

اس کی بلند آواز پورے گھر میں دلکش موسیقی کی طرح بکھر گئی۔ فراز کمرے سے باہر نکلا تو اس نے لپک کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے ڈھیر سارے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

''مما میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔'' فراز نے اس کے اس طرح رونے پر بھولپن سے تسلی دی تو وہ روتے روتے ہنس دی۔ واجد نے بے حسی اور سنگدلی کے آخری ثبوت کے طور پر جس آسانی سے سویرا سے قطعی لاتعلقی اختیار کی تھی اس پر تیمور نہ صرف حیران تھے بلکہ کسی حد تک رنجیدہ بھی تھے کوئی باپ اس طرح سے اپنی اولاد سے حتمی انداز میں لاتعلق ہو جائے مگر طلعت کو کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی، تو اس کے ساتھ گزارے ہوئے پانچ سالوں میں اس کی فطرت کا پتا چل چکا تھا وہ اپنی زندگی میں آسانی لانے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا تھا، وہ تو خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے سویرا کو واجد جیسے خود غرض انسان کے سائے سے بچا کر تیمور جیسے محبت کرنے والے اور اعلیٰ ظرف انسان کے زیر سایہ زندگی گزارنے کا موقع دے کر اس کے لیے اپنی رحمتوں کے در وا کر دیے تھے۔

اس رات دیر تک اِدھر اُدھر گھومنے اور کھانا کھانے کے بعد جب وہ لوٹ کر آئے تو تھکن کے باوجود طلعت کو بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ تیمور تو بستر پر لیٹتے ہی گہری نیند میں ڈوب گئے مگر وہ نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں چھت پر نظریں جمائے اپنی اس بے پناہ خوشی کا اندازہ کرنے کی ناکام سی کوشش کرتی رہی جو اسے اس یقین نے دی تھی کہ اب کبھی اسے اپنی گزری ہوئی زندگی کی ناخوشگوار یادیں پریشان نہیں کریں گی اور وہ بغیر کسی خوف کے اپنی گرہستی پر توجہ دے سکے گی، راستے کے سارے کانٹے چنے جا چکے تھے اب آگے زندگی کو ایک ہموار اور روشن ڈگر پر چلنا تھا۔

☆☆☆

''مما میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ مجھے کوفتے بالکل پسند نہیں پھر بھی آپ ہر تھوڑے دنوں بعد یہ بیکار سی ڈش بنوا لیتی ہیں۔'' فراز نے سالن کا ڈونگا ایک جھٹکے سے اپنے سامنے سے ہٹایا اس طرح کہ اچھا خاصا سالن ٹیبل کور کو داغدار کر گیا۔

''بیٹا آپ یہ چکن لے لو، یہ تو آپ کو پسند ہے۔'' طلعت نے رسانیت سے چکن کڑاہی اس کی طرف بڑھائی مگر وہ غصے سے کرسی پیچھے کی جانب دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔

''بس اب مجھے کچھ نہیں کھانا۔'' وہ اتنا کہتے ہوئے سویرا پر ایک غصیلی نظر ڈال کر کمرے سے نکل

گیا۔ طلعت نے بے بسی سے سویرا کی طرف دیکھا جو ان ساری باتوں سے بے نیاز سر جھکائے بڑی رغبت سے کھانا کھا رہی تھی کیونکہ اسے کوفتے بہت پسند تھے اور فراز کو ہر اس چیز سے چڑ تھی جس کے بارے میں اسے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سویرا کو پسند ہے۔ طلعت اور سویرا کو اس رشتے سے جڑے تقریباً دو سال ہو گئے تھے مگر فراز کا رویّہ سویرا کے ساتھ وہی پہلے دن والا تھا۔ طلعت کو تو اس نے ماں کا درجہ دے دیا تھا مگر سویرا کو وہ اب بھی کسی بھی حیثیت سے قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ سویرا پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا اور وہ اپنی کسی نہ کسی حرکت سے اپنی ناگواری کا احساس دلا دیتا تھا۔ شروع کے چند دنوں میں تو تیمور نے کبھی نرمی اور کبھی سختی سے اسے سمجھانا چاہا مگر پھر نہ صرف خود نظر انداز کرنے لگے بلکہ طلعت سے بھی یہی کہا۔

”ہم جتنا زیادہ اسے ٹوکیں گے وہ اتنا ہی زیادہ ضد میں آ کر سویرا کو پریشان کرے گا۔ بہتری اسی میں ہے کہ ہم نوٹس لینا چھوڑ دیں، آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا، آخر تمہیں بھی تو وہ شروع میں کتنا پریشان کرتا تھا مگر اب دیکھ لو ہر وقت مما، مما کر کے تمہارے ارد گرد رہتا ہے۔“ وہ تسلی آمیز لہجے میں کہتے تو طلعت اُن کی مجبوری کو سمجھتے ہوئے خاموش ہو جاتی۔

☆☆☆

زندگی سبج سبج وقت کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ صبح شام کی گردش بہت سی تبدیلیاں لائی تھی۔ فراز اور سویرا بچپن کے دور سے نکل آئے تھے۔ فراز ہو بہو تیمور کا پرتو بنتا جا رہا تھا، وہی دراز قد اور مردانہ وجاہت جو تیمور کی پہچان تھی اب فراز کی شخصیت میں بھی نظر آنے لگی تھی اگر کوئی فرق تھا تو بس اتنا کہ جہاں تیمور انتہائی نرم مزاج اور معاملہ فہم تھے اس کے بالکل برعکس فراز جلد باز اور تنگ مزاج تھا۔ مرضی کے خلاف ہونے والی معمولی سی بات پر شعلے کی طرح بھڑک اٹھنا اس کی عادت تھی حالانکہ گھر میں ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ اس کی کوئی خواہش کبھی رد کی گئی ہو، تیمور کے علاوہ طلعت بھی اسے بھرپور توجہ اور محبت دیتی تھی مگر مزاج کی شدت اس کی شخصیت کا خاصہ بن چکی تھی اور اب تو ان دونوں کے ساتھ سویرا بھی اس کی عادی ہو چکی تھی جو سب سے زیادہ اس کے غیظ و غضب کا شکار بنتی تھی مگر بچپن کے برعکس اب وہ بڑے آرام سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے تند و تیز جملوں کا سامنا کرتی تھی اور اس کی یہ بے نیازی اور خاموشی فراز کے غصے کے لیے مہمیز کا سا اثر کرتی ایسے میں طلعت کی کوشش ہوتی کہ وہ کسی بہانے سے سویرا کو منظر سے ہٹا دے مگر یہ بھی اتنا آسان نہیں ہوتا تھا کیونکہ کبھی کبھی طلعت کو ایسا لگتا تھا جیسے سویرا، فراز کے سامنے رہ کر اس کی جھنجلاہٹ سے حظ اٹھا رہی ہو، اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ اور بڑی بڑی آنکھوں میں چمکتی شرارت طلعت کو حیران کر دیتی کہ یہ وہی سویرا ہے جو کسی کی ذرا سی اونچی آواز سنتے ہی کہیں چھپ جانے کی کوشش کرتی تھی، کہنے کو تو وہ اب بھی ویسی ہی تھی سیدھی سادی اور ڈرپوک سی مگر جانے کب اور کیسے اس میں فراز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے مقابل کھڑے ہونے کی ہمت آ گئی تھی۔

فراز کی تعلیم مکمل ہونے میں چند ماہ رہ گئے تھے اس کے بعد اس کا مزید پڑھنے کے لیے باہر جانے کا ارادہ تھا جبکہ تیمور کی خواہش تھی کہ وہ اب ان کے بزنس میں ہاتھ بٹائے مگر ہمیشہ کی طرح فراز کے سامنے بے بس ہو گئے تھے۔

سویرا انٹر کے پیپر زدے کر فارغ تھی، یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہونے میں بھی ابھی کچھ وقت باقی تھا اور یہ وقت وہ دیر دیر تک سو کر اور شام کے وقت کچن میں نئے نئے تجربے کر کے گزار رہی تھی۔ تیمور تو اس کے پکائے ہوئے کھانے بڑے ذوق شوق سے

تعریفیں کر کے کھاتے مگر فراز کا منہ بن جاتا۔

”مما آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ مجھے صرف آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا پسند ہے۔“ اس روز بھی جونہی اسے پتا چلا کہ کھانا سویرا نے بنایا ہے وہ تیوری چڑھا کر طلعت سے مخاطب ہوا۔

”تم یہ بریانی لے لو، یہ تو میں نے بنائی ہے۔“ اس نے بریانی کی ڈش آہستگی سے اس کی جانب بڑھائی۔

”مگر اس میں تو کوفتے پڑے ہوئے ہیں جن کا نام سن کر ہی اچھا بھلا انسان کوفت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“ اس نے ڈش کی طرف ہاتھ بڑھائے بغیر سابقہ لہجے میں کہا تو تیمور پہلی مرتبہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

”بیٹا جی، یہ جو آپ کو اپنی مما کے ہاتھ کے علاوہ کسی اور کا پکایا ہوا کھانا پسند نہیں آتا تو آپ باہر جا کر کیا کریں گے وہاں تو آپ کی مما نہیں ہوں گی۔“

”وہاں میں خود پکا لیا کروں گا مما سے ریسیپی پوچھ کر۔“ فراز نے بڑے اطمینان سے جواب دیا تو طلعت اس کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرا دی اور تیمور معنی خیز انداز میں سر ہلا کر خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

جیسے جیسے فراز کے یو ایس جانے کے دن قریب آتے جا رہے تھے طلعت کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ فراز اس کے لیے کیا حیثیت اختیار کر چکا تھا اس کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا، اس کے اتنی دور چلے جانے کا خیال ہی اسے ہولائے دے رہا تھا تو اس کے جانے کے بعد وہ اس کے بغیر کیسے رہ پائے گی، یہ سوچ کر دن میں کئی کئی بار اس کی آنکھیں گیلی ہو جاتی تھیں مگر ساتھ ہی دل میں ڈھیروں اطمینان بھی اترتا تھا کہ برسوں پہلے فراز کے لیے اپنے دل میں ممتا کے لیے مانگی ہوئی دعا اس انداز میں قبول ہوئی تھی کہ اب اس کے لیے فراز اور سویرا میں کوئی فرق باقی نہیں رہا تھا اگر وہ سویرا کی بیماری میں راتیں جاگ کر گزارتی تھی تو فراز کی ذرا سی تکلیف پر بھی تڑپ اٹھتی تھی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتی تھی جب تک فراز خود نہ کہہ دے کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہے اور اب وہاں اس کا خیال کون رکھے گا یہ سوچ کر اس کی نیندیں اُڑی ہوئی تھیں۔

”مما اگر آپ اتنی اداس ہوں گی تو میں اپنا جانا کینسل کر دوں گا۔“ آنکھوں میں آئی نمی کو منہ پھیر کر خشک کرتے دیکھ کر فراز اس کے قریب چلا آیا اور اسے آہستگی سے صوفے پر بٹھا کر خود اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ طلعت کی آنکھیں ایک بار پھر لبالب بھر آئیں۔

”اتنے سالوں میں تم ایک دن کے لیے کہیں نہیں گئے اور اب ......“ جملہ ادھورا چھوڑ کر وہ اس کے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔

”میں اب بھی ایک دن کے لیے نہیں جا رہا تھا صرف دو سالوں کے لیے جا رہا ہوں اور یہ دو سال یوں گزر جائیں گے۔“ فراز نے اس کے گھٹنوں پر رکھا سر اٹھا کر چٹکی بجائی تو وہ دل پر جبر کر کے مسکرا دی۔

”مما پلیز ایسی مجبوری والی مسکراہٹ مجھے نہیں چاہیے، کھل کر مسکرائیں اور دل سے جانے کی اجازت دیں ورنہ میں نہیں جا رہا۔“ وہ ضدی بچوں کی طرح بولا تو طلعت کو وہی دس سال کا فراز یاد آ گیا جو ہر بات میں نہیں، نہیں کی رٹ لگائے رکھتا تھا۔

”یہ ماں، بیٹے میں کیا لاڈ ہو رہے ہیں۔“ تیمور اور سویرا ایک ساتھ اندر داخل ہوئے۔ سویرا کے ہاتھوں میں ڈھیر سارے شاپنگ بیگز تھے اور اس کے چہرے پر تھکن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ تیمور اسے ساتھ لے کر فراز کی ضرورت کی چیزیں خریدنے گئے تھے کیونکہ طلعت کی طبیعت صبح ہی سے بوجھل تھی اور فراز نے ان کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

”میں زیادہ سے زیادہ مما کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں اور پھر جب گھر بیٹھے مجھے ہر چیز مل جاتی ہے تو

پھر شاپنگ مالز کے چکر لگانے کی کیا ضرورت ہے۔"
اور حقیقت بھی یہی تھی کہ اس کی ساری شاپنگ تیمور ہمیشہ خود کرتے تھے اور وہ بھی بلا چوں و چرا... ان کی پسند کی ہوئی چیزیں استعمال کر لیتا تھا۔

"آپ کو تو میرا کچھ خیال ہی نہیں ہے تو میں مما سے ہی اپنا دکھ درد شیئر کروں گا۔" فراز نے چہرے پر مسکینیت طاری کرتے ہوئے تیمور کو جواب دیا۔

"تمہیں بھلا کیا دکھ لاحق ہو گئے؟" تیمور نے صوفے پر بیٹھ کر آرام سے ٹانگیں پھیلا لیں۔

"اس وقت تو سب سے بڑا دکھ یہ ہے کہ آج پہلی بار مجھے آپ کی، کی ہوئی شاپنگ پسند نہیں آئے گی۔"

"ابھی تو تم نے کچھ دیکھا ہی نہیں تو پھر نا پسند آنے کا دکھ کیسے لگ گیا؟" تیمور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بغیر دیکھے بھی بتا سکتا ہوں کیونکہ اندھیرے میں خریدی ہوئی چیزیں کیسی ہوں گی اس کا اندازہ ہے مجھے۔" اس نے سویرا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"میں چائے بنانے جا رہی ہوں اگر کسی کو پینا ہے تو بتا دے۔" سویرا نے اس کی بات کو قطعی طور پر نظر انداز کرتے ہوئے سوال کیا۔

"مما میرے لیے کافی بنوا دیں...... بلیک......"
فراز نے آرڈر لگایا۔

"امی میں صرف چائے بناؤں گی جس کو کافی پینی ہو، وہ خود بنا لے۔" سویرا بھی ایک شانِ بے نیازی سے کہتے ہوئے باہر نکل گئی اور تیمور اور طلعت ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے جبکہ فراز کی تیوری پر ہزاروں بل پڑ گئے۔

☆☆☆

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی تیمور ہاؤس میں خاصی گہما گہمی تھی۔ کچھ دیر بعد فراز کو ائرپورٹ کے لیے روانہ ہونا تھا جہاں صبح چار بجے اس کی فلائٹ تھی۔ ابرار بھائی اور نثار بھائی فراز سے ملنے کے بعد واپس جا چکے تھے جبکہ تیمور کی دونوں بہنوں کا ائرپورٹ تک جانے کا پروگرام تھا۔ آپا جان کی بڑی بیٹی ندا اپنے بیٹے کو سلا کر اب اطمینان سے سب کے درمیان آ کر بیٹھی تھی۔

"فراز امریکا میں تمہاری بہت ساری پاکستانی فیملیز سے ملاقات ہو گی تو تم وہیں اپنے لیے کوئی لڑکی پسند کر لینا، گرین کارڈ ملنے میں آسانی ہو جائے گی۔" اپنی طرف سے بڑے پتے کی بات کہہ کر ندا نے داد طلب نظروں سے سب کی طرف دیکھا جو اپنی باتیں ادھوری چھوڑ کر فراز کے جواب کے منتظر تھے۔ تیمور کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں تھیں اور طلعت کے چہرے پر امید و بیم کا تاثر، فراز نے حیرت سے ندا کی طرف دیکھا۔

"مگر ندا باجی مجھے بھلا گرین کارڈ کی کیا ضرورت ہے میں اپنے ملک میں بہت خوش ہوں، یہاں میرے والدین ہیں، آپ سب ہیں، اگر میں کچھ عرصے کے لیے امریکا جا رہا ہوں تو صرف اور صرف اپنی تعلیمی قابلیت میں اضافہ کرنے کے لیے اور رہ گئی شادی کی بات تو یہ ڈپارٹمنٹ تو مما کا ہے انہیں جو لڑکی سب سے زیادہ پسند ہو گی میں اسی سے شادی کروں گا۔" بہت سنجیدگی سے اپنی بات ختم کر کے اس نے مان بھری نظروں سے تیمور اور طلعت کی طرف دیکھا۔ تیمور کے چہرے پر ناگواری کا ہلکا سا تاثر اب بھی باقی تھا مگر طلعت کے چہرے سے ایسی طمانیت جھلک رہی تھی جیسے برسوں کی مسافت کے بعد منزل پا لینے کے بعد ملتی ہے۔

آپا جان نے کڑی نظروں سے ندا کی طرف دیکھا، وہ اچھی طرح سے جانتی تھیں کہ تیمور اپنے گھریلو معاملات میں کسی قسم کی مداخلت پسند نہیں کرتے اور یہ تو بہت ہی اہم معاملہ تھا۔ خود انہوں نے ایک دو بار باتوں ہی باتوں میں تیمور کے سامنے فراز

کی شادی کا تذکرہ نکالا تھا مگر انہوں نے ہر بار بڑی سہولت سے بات ٹال دی تھی اور وہ بھی اپنے بھائی کے مزاج کو سمجھتے ہوئے خاموش ہو گئی تھیں۔

"اب چلنا چاہیے۔" تیمور نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے فراز کو مخاطب کیا۔

"جی پاپا بس میں ابھی آیا۔ ذرا اپنے کمرے پر ایک نظر ڈال لوں کہیں کوئی چیز رہ نہ گئی ہو، تب تک آپ بشیر سے کہیں کہ وہ میرا سامان گاڑی میں رکھے۔" وہ عجلت میں کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور باقی سب لوگ بھی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

اپنے کمرے کی طرف تیز تیز قدموں سے جاتے ہوئے فراز مخالف سمت سے آتی ہوئی سویرا سے ٹکراتے ٹکراتے بال بال بچا۔

"تم سے ہزار بار کہا ہے کہ کالی بلی کی طرح میرا راستہ نہ کاٹا کرو مگر تمہیں بھی ضد ہے کہ جب بھی میں کسی اہم کام کے لیے جانے لگوں تم کو میرے راستے میں ضرور آنا ہے۔ اب اللہ ہی میرے حال پر رحم فرمائے، اتنے لمبے سفر پر جانے سے پہلے تم نے میرے سامنے آ کر میرے راستے میں اندھیرے پھیلا دیے ہیں، پتا نہیں منزل تک پہنچ بھی پاؤں گا یا راستے ہی میں......"

"اللہ نہ کرے۔" فراز کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی سویرا بے ساختہ بول پڑی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں اور وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بے بسی سے فراز کی طرف دیکھنے لگی تھی جس کی نظریں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تمہیں اتنا بھی نہیں پتا کہ کسی کو رخصت کرتے وقت آنسو نہیں بہانا چاہئیں کیونکہ یہ آنسو جانے والے کے قدموں کی زنجیر بن جاتے ہیں۔" اپنے مخصوص لہجے میں اتنا کہہ کر وہ رکا نہیں اور سویرا اپنے امڈتے آنسوؤں پر قابو پانے کی ناکام سی کوشش کرتی رہ گئی۔

☆☆☆

فراز کیا گیا تیمور ہاؤس میں سناٹے اتر آئے صبح دم ناشتے سے لے کر اپنی تیاری تک وہ ایک، ایک چیز کے لیے جتنا شور مچاتا تھا اور پھر یونیورسٹی سے واپس آ کر بھی کسی نہ کسی بات پر ہنگامہ کرنا اس کے لیے لازم تھا۔ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ آنے والے بدلاؤ کے باوجود کچھ عادتیں اس کی فطرت بن چکی تھیں اور تیمور، طلعت اور سویرا کے علاوہ گھر میں کام کرنے والے ملازمین بھی اس حد تک عادی ہو چکے تھے کہ اب اس کے جانے کے بعد گھر میں چھائی رہنے والی خاموشی کسی کو بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ سویرا کا رویہ بھی عجیب سا ہو گیا تھا۔ وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد شام ڈھلے تک سوتی رہتی تھی۔ پھر ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر چینل پر چینل بدلتی رہتی اور پھر بیزار ہو کر بھٹکی ہوئی روح کی طرح اِدھر اُدھر چکراتی پھرتی۔

فائزہ بھابی کافی دنوں سے اصرار کر رہی تھیں کہ طلعت کسی روز صبح سے آ جائے اور خود اس کا دل بھی چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ وقت ابا کے ساتھ گزار لے جو اب خاصے ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے۔

"تم یونیورسٹی سے سیدھی وہیں آ جانا۔ پاپا بھی آفس سے واپسی پر وہیں آئیں گے۔" سویرا کے گھر سے نکلنے سے پہلے طلعت نے اسے ہدایت کی تو وہ جاتے جاتے پلٹ آئی۔

"امی میرا بالکل موڈ نہیں اور ویسے بھی آج میری ایکسٹرا کلاس ہے، واپسی میں دیر ہو جائے گی۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"مگر ابا تمہیں بہت یاد کر رہے ہیں، کئی بار کہہ چکے ہیں کہ سویرا تو اپنے نانا کو بھول گئی، نہ کبھی فون کرتی ہے اور نہ ہی ملنے آتی ہے۔" طلعت نے حسبِ عادت نرمی سے سمجھایا۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گی مگر آپ وعدہ کریں کہ جلدی واپس آنے کی کوشش کریں گی۔"

"میں تو کوشش کر لوں گی مگر تمہیں تو پتا ہے کہ

تمہارے پاپا اور ابرار بھائی کی باتیں ایک بار شروع ہو جائیں تو بمشکل ہی ختم ہوتی ہیں۔" طلعت کے لبوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے بہت اچھا لگتا تھا جب تیمور وہاں جا کر بالکل گھر کے فرد کی طرح گھل مل جاتے تھے۔ حالانکہ اتنے سال گزرنے کے باوجود ابا کے گھر کے مالی حالات وہی پہلے جیسے تھے اور ان کے رہن سہن میں نمایاں فرق تھا مگر تیمور نے اپنے کسی بھی انداز سے کبھی اس فرق کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"کس خیال میں کھو گئیں؟" سویرا نے اس کا کندھا ہلایا تو وہ چونک گئی۔

"کسی خیال میں نہیں...... بس اب تم جاؤ ورنہ پھر کہو گی کہ مجھے دیر کرا دی۔"

"او کے، اللہ حافظ...... اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔" سویرا نے ایک بار پھر تاکید کی اور ہاتھ ہلاتے ہوئے باہر نکل گئی اور طلعت اطمینان بھری سانس لے کر آنے والے خوشگوار لمحوں کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆☆☆

جس دن کا آغاز خوشیوں اور مسکراہٹوں سے ہو ضروری نہیں کہ اس کا اختتام بھی اسی انداز میں ہو۔ کسی کے ہونٹوں سے نکلا ہوا محض ایک جملہ اندر باہر کے تمام موسموں کو بدل کر رکھ دیتا ہے کچھ ایسا ہی اس روز ہوا تھا۔ طلعت بہت دنوں کے بعد اپنے بھائیوں کے گھر گئی تھی جو کہ ابا کی زندگی میں ہی اب پورے طور پر اُن کے تصرف میں تھا، یہ تو فائزہ بھابی کی نیکی تھی کہ انہوں نے ابا کی عزت اور احترام میں کوئی کمی نہیں آنے دی تھی۔ وہ ابا کی ضعیفی کے پیشِ نظر ان کا پہلے سے زیادہ خیال رکھتی تھیں اور اپنے بچوں کی بھی ایسی تربیت کی تھی کہ وہ ہر دم اپنے دادا کے گرد رہتے تھے۔ نثار بھائی کی بیوی ہما ذرا الگ تھلگ رہتی تھی مگر گھر کا ماحول خوشگوار تھا اور جب کبھی طلعت وہاں جاتی تھی تو اسے بھی بھرپور پزیرائی ملتی تھی۔ اس روز بھی اس کے پہنچتے ہی دونوں بھابیوں نے خوش دلی سے اسے گلے لگایا، ابرار بھائی کا بڑا بیٹا ثاقب کالج اور دونوں بیٹیاں دعا اور ثنا اور نثار بھائی کی اکلوتی بیٹی ایمان اسکول جا چکے تھے۔ وہ تھوڑی دیر فائزہ بھابی اور ہما کے پاس بیٹھنے کے بعد ابا کے کمرے میں چلی آئی تاکہ کچھ وقت سکون سے اُن کے پاس بیٹھ جائے کیونکہ بچوں کے اسکول سے آنے کے بعد تو وہ سب اس کے گرد ہو جاتے تھے اور ابا ان کے شور اور ہنگامے سے پریشان نہ ہوں اس خیال سے مجبوراً اسے بھی وہاں سے اٹھنا پڑتا تھا۔

ابا کے چہرے پر ضعیفی اور نقاہت کے باوجود ایک اطمینان بھرا تاثر تھا۔ ان کی تینوں اولادیں خوشگوار زندگی بسر کر رہی تھیں۔ طلعت کے ساتھ ہونے والے تلخ تجربے اور ماں کی ناگہانی موت کی یادیں اب انہیں پریشان نہیں کرتی تھیں، ماضی کو اگرچہ بھلایا نہیں جا سکتا مگر حال اگر خوشیوں سے بھرا ہو اور مستقبل روشن تو پچھلی یادوں کے زخم بھر ہی جاتے ہیں، اس وقت بھی وہ دھیمی آواز میں اپنی ملازمت کے دوران ہونے والا دلچسپ واقعہ بیان کر رہے تھے اور طلعت ان کے چہرے پر نظریں جمائے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

"پھپھو آئی ہیں۔" باہر سے آتی چہکتی آوازیں اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گئیں۔

"اچھا ابا، میں چلوں ورنہ شیطان پارٹی یہاں دھاوا بول دے گی۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دعا اور ثنا کے ہمراہ وہ ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔

"پھپھو آپ آج بھی سویرا باجی کو اپنے ساتھ نہیں لائیں۔" دعا نے منہ پھلا کر کہا تو طلعت نے بے ساختہ اسے اپنے سے قریب کر لیا۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو، سویرا یونیورسٹی سے واپسی پر یہیں آئے گی بلکہ اب آنے ہی والی ہو گی، جب تک تم دونوں بھی فریش ہو جاؤ اور یہ ایمان نہیں نظر آ رہی۔"

طلعت نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"اس کی نانو آئی ہوئی ہیں تو وہ اپنے کمرے میں ہو گی۔" دعا کا جواب سن کر وہ کسی قدر متفکر سی ہو کر بیٹھ گئی کیونکہ جب بھی اس کا سامنا ہما بھابی کی امی سے ہوا اسے ہر بار یہ احساس ہوا تھا کہ وہ اسے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتی ہیں جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کے اندر چھپے کسی راز کی کھوج لگا رہی ہوں، اُن کا یہ انداز اس کے اندر ایک بے چینی سی بھر دیتا تھا حالانکہ بظاہر تو وہ بڑی خوش اخلاقی سے ملتی تھیں اور اب بھی یہی ہوا۔ طلعت کو بڑھ کر گلے لگاتے ہوئے انہوں نے بڑی محبت سے تیمور اور فراز کی خیریت پوچھی اور سویرا کی پڑھائی کے بارے میں سوال کیا۔

"جی وہ آنرز کر رہی ہے۔" طلعت نے قدرے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"کہیں بات وغیرہ طے کی؟" ہما بھابی کی امی نے ذرا سا جھک کر رازدارانہ انداز میں پوچھا تو طلعت حیرانی سے ان کا منہ تکنے لگی۔

"میں نے اس لیے پوچھا کہ ماشاءاللہ اب شادی کی عمر تو ہو گئی ہے اگر تم کہو تو میں کسی سے ذکر کروں۔"

"نہیں، ابھی تو ایسا کوئی ارادہ نہیں، ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔" طلعت نے انہیں جواب دے کر چور نظروں سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ فائزہ بھابی کچن میں تھیں اور ہما بھابی اپنے کمرے میں دعا، ثنا بھی یونیفارم بدلنے کے لیے جا چکی تھیں گویا وہ پورے طور پر اُن کے رحم و کرم پر تھی۔

"پڑھائی تو ہوتی رہے گی، اب تم اس کی شادی کے بارے میں سوچو، جوان بچی نامحرم کے ساتھ رہ رہی ہے، دنیا کی زبان بہت لمبی ہے۔" طلعت ایک بار پھر حیرت سے اُن کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"آپ کس کی بات کر رہی ہیں؟" اُن کی جواب طلب نظروں سے گھبرا کر اس نے بہ مشکل سوال کیا۔

"ارے بھئی تمہارے اس سوتیلے بیٹے کا کہہ

رہی ہوں۔“

”مگر فراز تو یو ایس گیا ہوا ہے۔“ طلعت نے جیسے گھبرا کر صفائی پیش کی جس پر وہ بڑے معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

”بھئی تم تو بہت سادہ ہو، ارے فراز گیا ہوا ہے ناں مگر تیمور تو موجود ہے وہ کون سا سویرا کا سگا باپ ہے۔“ پل بھر میں طلعت کو ایسا لگا جیسے اس کا سارا وجود پتھر کا ہو گیا ہو۔

”بھئی ہمارا کام تو تمہیں سمجھانا ہے، نیتوں کا حال تو بس اللہ جانتا ہے ورنہ حقیقت تو بس یہ ہے کہ تیمور تمہارا شوہر ہے، سویرا کا باپ نہیں۔“ وہ اپنی بات مکمل کر کے بڑی بے نیازی سے دوسری طرف دیکھنے لگیں اور طلعت حق دق سی ان کے کہے ہوئے جملوں کی سنگینی پر غور کرتی رہ گئی۔

تھوڑی دیر میں سویرا اور ثاقب بھی آ گئے، ثاقب، سویرا اسے کئی سال چھوٹا ہونے کے باوجود اس سے برابری سے بات کرتا تھا اور وہ بھی اس سے اسی انداز سے پیش آتی تھی جیسے وہ اس کے ساتھ کا ہو۔ کھانے کی میز پر خوب ہلا گلا ہو رہا تھا۔ سویرا، ثاقب اور دعا ایک دوسرے کی پلیٹ سے چیزیں اٹھا اٹھا کر کھا رہے تھے سب آپس میں ہنس بول رہے تھے مگر طلعت کے حلق میں نوالے اٹک رہے تھے وہ دیکھ رہی تھی کہ ہما بھابی کی امی کی تیز نظریں بار بار سویرا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ طلعت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہ سویرا کو ان کی چبھتی ہوئی نظروں کے سامنے سے ہٹا دے۔

☆☆☆

ٹی وی پر کوئی ٹاک شو آ رہا تھا، اینکر خاتون مہمانوں کو اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دینے کے بجائے اپنی چیختی ہوئی آواز میں سوال در سوال کیے جا رہی تھی، تیمور خاصی دلچسپی سے پروگرام دیکھنے میں محو تھے، ان سے تھوڑے سے فاصلے پر نیچے قالین پر کتابیں پھیلائے سویرا اپنا اسائنمنٹ مکمل کر رہی تھی۔ ٹی پنک کلر کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اس کی گندمی رنگت دمک رہی تھی۔ گھنے سیاہ بال اور بڑی، بڑی آنکھیں بے پناہ کشش لیے ہوئے تھیں، بچپن کا سہما سہما انداز گزرتے وقت کے ساتھ ایک عجیب سی بے نیازی میں ڈھل گیا تھا جو کبھی کبھی کچھ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا سبب بھی بن جاتا تھا اور اس وقت طلعت بھی اسے بہت توجہ سے دیکھ رہی تھی مگر اپنی نظروں سے نہیں...... تیمور کی نظر سے۔

ضمیر ملامت کر رہا تھا، عقل دہائیاں دے رہی تھی مگر ماں کا خوف میں مبتلا دل اسے یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا کہ ہما بھابی کی امی نے جو زہر اگلا تھا کہیں اس میں کوئی سچائی تو نہیں۔

”تیمور تمہارا شوہر ہے سویرا کا باپ نہیں۔“ اس ایک جملے نے پچھلے اٹھارہ سالوں میں بنے رشتے کو کچے دھاگے کی طرح توڑ ڈالا تھا۔ تیمور نے کبھی فراز اور سویرا میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا وہ اگر فراز کی ہر فرمائش اس کی زبان سے ادا ہوتے ہی پوری کر دیتے تھے تو سویرا کو بن کہے ہی ہر آسائش مہیا کرنے میں دیر نہیں لگاتے تھے۔ فراز کے سویرا کے ساتھ ناروا سلوک پر وہ ہمیشہ فراز کو روکنے کی کوشش کرتے حالانکہ طلعت انہیں منع بھی کرتی مگر وہ پھر بھی سویرا کی طرف داری کرتے اور طلعت اُن کی محبت کے آگے ہار کر خاموش ہو جاتی مگر اب سب کچھ بے یقینی کی کہر میں گم ہوتا جا رہا تھا۔ تیمور کی سویرا پر پڑنے والی ہر نظر کا باریک بینی سے جائزہ لیتے ہوئے اس کا جسم شرمندگی کے گہرے احساس سے ٹھنڈا پڑ جاتا مگر وسوسے پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ عقل اگر آہستگی سے روشن رستے پر لاتی تو خوف ایک ہی جھٹکے میں پھر اندھیری گلی میں کھینچ لیتا۔

”ٹھیک ہے تیمور کی نیت میں کوئی کھوٹ نہیں مگر لوگوں کی سوچ پر کون پہرہ بٹھا سکتا ہے۔“ تیمور کی

محبت اور خلوص کے آگے ہارا ہوا دل اگر اس کے حق میں کوئی تاویل دیتا تو خوف اور وسوسوں میں الجھا ہوا دماغ کسی بہانے اسے رد کر دیتا۔ طلعت کی زندگی سے سکون ایک بار پھر غائب ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

”میں سوچ رہی ہوں کہ اب ہمیں سویرا کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔“ تیمور کے سامنے کافی کا کپ رکھتے ہوئے طلعت اچانک بغیر کسی تمہید کے بولی اور ذرا سا سنبھل کر تیمور کا ردعمل دیکھنے کے لیے اُن کے چہرے پر نظریں جما دیں، جو کسی قدر چونکے ضرور تھے مگر دوسرے ہی پل اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ تمہیں ستر کی دہائی کی ماؤں کی طرح اچانک سویرا کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟“ انہوں نے طلعت کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا اور مسکراتی نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”ماں چاہے ستر کی دہائی کی ہو یا آج کے دور کی بیٹی کے مستقبل کے لیے تو ہمیشہ فکر مند رہتی ہے۔“

”درست فرمایا آپ نے مگر اپنے اس فرمان میں اتنا اضافہ اور کر لیں کہ صرف ماؤں کو ہی نہیں باپ کو بھی بیٹیوں کی اتنی ہی فکر ہوتی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ابھی صرف سوچ رہی ہیں اور میں نے اس سوچ پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔“ تیمور نے ہلکے پھلکے انداز میں کہہ کر کافی کا کپ اٹھا لیا اور طلعت نا سمجھی کا تاثر لیے سوالیہ انداز میں اُن کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

”اس قدر حیران ہونے کی کیا بات ہے، آخر میں سویرا کا باپ ہوں تو ہر بیٹی کے باپ کی طرح میں بھی اپنے آس پاس اور ملنے جلنے والوں میں کسی مناسب لڑکے کو تلاش کر رہا ہوں جو ہماری سویرا کے لیے مناسب ہو، جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکے۔“ کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے وہ بڑے مطمئن انداز میں بات کر رہے تھے اور طلعت کو اپنا آپ بہت کمتر محسوس ہو رہا تھا کہ محض ایک ہستی کی فضول باتوں میں آ کر وہ تیمور جیسے سچے اور مخلص شوہر سے بدگمان ہونے لگی تھی جس نے اٹھارہ سالوں میں ایک پل کے لیے بھی اپنے کسی رویے سے یہ ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے طلعت کے ساتھ سویرا کی بھی ذمے داری لے کر کوئی احسان کیا ہو، اسے سوچ میں گم دیکھ کر ایک بار پھر بڑی نرمی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وقت آنے پر ہر کام ہو جائے گا، میں خود اس فکر میں ہوں بلکہ ایک دو لوگوں نے اس سلسلے میں مجھ سے بات بھی کی ہے مگر ایک تو میں چاہتا ہوں کہ سویرا اپنی تعلیم مکمل کر لے اس کے بعد ہی کوئی قدم اٹھایا جائے دوسرے فراز کی واپسی میں بھی اب زیادہ دن نہیں ہیں، اس معاملے میں اس کی موجودگی بھی ضروری ہے اگر اس کے بغیر ہم نے کوئی فیصلہ کر لیا تو اسے دکھ ہوگا۔“ ہمیشہ کی طرح اُن کے لفظوں کی سچائی اُن کے لہجے سے عیاں تھی اور طلعت کے لیے نظر اٹھا کر اُن کی طرف دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“ اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے تیمور نے سوال کیا تو اس نے عقیدت بھری نظر اُن کے بے ریا چہرے پر ڈالی۔

”یہ بات نہیں...... بس اب لوگ سوال کرنے لگے ہیں تو اسی لیے میں نے سوچا کہ کوئی سلسلہ شروع ہوتا کہ سویرا کی تعلیم مکمل ہوتے ہی اس کی شادی ہو جائے۔“ کسی قدر محتاط انداز میں اس نے ایک بار پھر اپنی خواہش کا اظہار کیا کیونکہ تیمور کی تمام تر محبت کے باوجود لوگوں کی باتوں کا خوف تو ذہن پر چھایا ہوا تھا۔

”میں نے پہلے دن سے تم کو سمجھایا تھا کہ لوگوں کی باتوں کا اثر نہیں لیا کرو، وہ تو یہ بھی کہیں گے کہ میں سویرا کا باپ نہیں ہوں، میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔“

ہما بھابی کی امی کے کہے ہوئے الفاظ جوں کے توں تیمور کے منہ سے سن کر طلعت کو اپنے دل کی دھڑکن رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”اتنی حیرت سے مت دیکھو، میں لوگوں کی ذہنیت کو اچھی طرح سے جانتا ہوں مگر تم ہمیشہ سے سادہ دل ہو اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوفزدہ ہو جاتی ہو اسی لیے کہتا ہوں کہ اِدھر اُدھر کی باتوں پر دھیان دینے کے بجائے اپنے شوہر کی باتوں کو غور سے سنا کرو اور ساری توجہ اس ناچیز پر رکھو تو کبھی پریشانی نہیں ہو گی۔“ انہوں نے حسبِ عادت اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بات کا رخ بدل دیا۔

☆☆☆

فراز کیا واپس آیا گھر میں چھائی رہنے والی خاموشی ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی۔ دو سال سے زائد کا عرصہ گھر سے دور رہنے کی وجہ سے اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ اب وہ ذرا ذرا سے کاموں کے لیے ملازموں کو آواز دینے اور ہر کام میں شور مچانے کے بجائے اپنا ہر کام بڑی خاموشی سے خود ہی کرنے لگا تھا مگر پھر بھی اس کے آ جانے سے ایسا لگنے لگا تھا جیسے زندگی لوٹ آئی ہو۔ تیمور کی ہر بات سے اس اطمینان اور خوشی کا اظہار ہوتا تھا جو قابل اور جوان اولاد کے مرہونِ منت ہوتی ہے۔ فراز سے بات کرتے اسے جلد از جلد آفس جوائن کرنے کی ہدایت دیتے اُن کے لہجے میں تفاخر سا آ جاتا...... خود طلعت کے دل میں بھی یہ سوچ کر ڈھیروں اطمینان اتر آتا کہ فراز کی تربیت اور اسے ایک ضدی اور سرکش بچے سے ایک قابلِ فخر شخصیت بنانے میں اسے جس صبر آزما مرحلے سے گزرنا پڑا تھا وہ رائگاں نہیں گیا۔ جب تیمور اس بات کا اعتراف کرتے اور جب جب فراز میری مما کہہ کر اپنا حق جتاتا تو طلعت کا دل خوشی کی انتہاؤں کو چھونے لگتا اور آنکھیں تشکر آمیز آنسوؤں سے لبریز ہو جاتیں۔

”تمہارے پیپرز کب ختم ہو رہے ہیں؟“ فراز نے سویرا کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔ وہ سب لان میں شام کی چائے پی رہے تھے۔ موسم بہت خوشگوار تھا، تیمور کے لگائے ہوئے خوش رنگ پھول اور پودے ہلکی ہلکی ہوا سے جھوم رہے تھے۔ ڈھلتی شام کے ساتھ سویرا کی پسندیدہ بیلے کی کلیاں دھیرے دھیرے چٹک رہی تھیں۔

فراز کا سوال سن کر تیمور اور طلعت نے بیک وقت فراز کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں اب بھی سویرا پر مرکوز تھیں جو اسے آہستہ سے جواب دے کر کسی اور طرف متوجہ ہو چکی تھی، کسی قدر نم آلود سیاہ بال اس کی پشت پر پھیلے ہوئے تھے کاسنی دوپٹے کا آنچل سبز گھاس پر لوٹ رہا تھا۔ اس کا اپنی ذات سے بے پروائی کا انداز ہمیشہ کی طرح طلعت کے اندر ممتا کے احساس کو جگا گیا۔

”آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“ سویرا کی بے توجہی کے باوجود فراز کی دلچسپی میں کمی نہیں آئی۔

”کیا مطلب، آگے کیا کرنا ہے؟“ سویرا نے ذرا سا رخ موڑ کر فراز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا تو وہ اس کے اس جارحانہ انداز پر حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

”بھئی آپ کی مما تو چاہتی ہیں کہ اب سویرا کی شادی کر دی جائے۔“ تیمور نے مسکرا کر طلعت کی طرف دیکھا۔

”پاپا آپ امی کی باتوں میں نہ آیا کریں۔“ سویرا نے مان بھرے انداز میں تیمور کو مخاطب کیا۔

”میرا خیال ہے مما کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔“ مگر اُن کے جواب نہ دینے سے پہلے ہی فراز بول پڑا۔

”ہاں آپ کے لیے تو یہ خیال ٹھیک ہی ہو گا کیونکہ آپ تو چاہتے ہیں کہ میں جتنی جلدی ہو سکے اس گھر سے چلی جاؤں مگر میں اپنے پاپا کی بیٹی ہوں اور پاپا وہی کریں گے جو میں کہوں گی۔“ سویرا نے تائید

طلب نظروں سے تیمور کی جانب دیکھا تو انہوں نے خاموشی سے گردن ہلانے میں ہی عافیت جانی کیونکہ طلعت آنکھوں میں ناراضی لیے سویرا کو گھور رہی تھی اسے یوں اس کا اپنی شادی کے معاملے میں بولنا پسند نہیں آیا تھا۔

”اور مما وہی کریں گی جو میں کہوں گا۔“ اس مرتبہ فراز نے طلعت کی طرف دیکھا۔

”اور آپ کیا کہیں گے؟“ سویرا کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔

”میں تو ظاہر ہے یہی کہوں گا کہ شادی کر دینی چاہیے۔“ فراز کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

”آپ کو پتا ہے ناں جلدی کا کام کس کا ہوتا ہے۔“ سویرا بھلا کیوں خاموش رہتی۔

”پاپا آپ سن رہے ہیں، سویرا کیا کہہ رہی ہے؟“ فراز نے بدستور مسکراتے ہوئے تیمور کی طرف دیکھا جو اس نوک جھوک کو خاموشی سے سن رہے تھے۔

”پاپا سن بھی رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں کہ میں کس کو کیا کہہ رہی ہوں۔“ سویرا نے جل کر کہا اور کھڑی ہو گئی۔

”فراز تم نے ہماری بیٹی کو ناراض کر دیا۔“ تیمور نے ہلکی سی سرزنش کی۔

طلعت کی نظریں تیز قدموں سے اندر جاتی سویرا پر تھیں اور وہ گہری سوچ میں گم ہو چکی تھی۔

☆☆☆

تیمور کئی دنوں سے محسوس کر رہے تھے کہ طلعت ہر وقت کسی خیال میں ڈوبی رہتی ہے، زیادہ بولنے کی عادت تو خیر اس کی کبھی نہیں تھی مگر پچھلے دو چار دنوں سے وہ برائے نام ہی بولتی تھی۔ فراز نے آفس جانا شروع کر دیا تھا اور ان دونوں کی واپسی شام میں ایک ساتھ ہی ہوتی تھی۔

کھانے کی میز پر وہ چاروں اکٹھے ہوتے تھے اور فراز اپنی عادت کے مطابق کوئی نہ کوئی دلچسپ ٹاپک چھیڑ دیتا تھا جس پر تیمور کے علاوہ سویرا بھی کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتی تھی مگر طلعت نہ ان کی بحث پر توجہ دیتی اور نہ ہی خود اپنی طرف سے کوئی بات کہتی اگر ان تینوں میں سے کوئی اس سے رائے مانگتا تو وہ بے دلی سے مختصر سا جواب دے کر پھر خاموشی اختیار کر لیتی۔

”تمہیں کوئی بات پریشان کر رہی ہے؟“ بالآخر تیمور کو پوچھنا ہی پڑا اور وہ جو بالوں میں سے کلپ نکال کر لیٹنے جا رہی تھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”میں نے آپ سے ایک بات کہی تھی۔“ وہ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد آہستہ سے بولی۔

”کون سی بات؟“ تیمور نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے سوال کیا تو طلعت نے آنکھوں میں ڈھیروں شکایت بھر کر ان کی طرف دیکھا۔

”سویرا کے بارے میں۔“

”سویرا کے بارے میں تو مجھے بھی تم سے بات کرنی تھی۔“ تیمور یوں چونکے جیسے اچانک انہیں کوئی اہم بات یاد آ گئی ہو، طلعت کی سوالیہ نظروں کے جواب میں انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”دراصل آپا جان نے اپنے حارث کے لیے سویرا کی بات کی ہے اس کے علاوہ محمود بھی اس سلسلے میں اپنی فیملی کو لے کر آنا چاہ رہا ہے تاکہ دونوں گھرانے آپس میں مل لیں، اس کا بیٹا عدنان ڈاکٹر ہے اور محمود اس کے لیے ایک میڈیکل سینٹر تعمیر کروا رہا ہے جو عنقریب ہی تیار ہو جائے گا اور حارث کی تعلیم اور عادت مزاج سے تو تم واقف ہی ہو، عدنان سے بھی مل لو پھر جو بہتر محسوس ہو اس کے حق میں فیصلہ کر لینا یا پھر تھوڑا اور انتظار کر لینا ہو سکتا ہے کہ ان دونوں سے بہتر شریکِ زندگی ہماری سویرا کے نصیب میں ہو۔“ تیمور کے ہاتھ کی مضبوط گرفت اور ان کے لہجے کی نرمی طلعت کو پل بھر میں پُرسکون کر گئی۔ اس نے نظر اٹھا کر ان کے چہرے کی طرف دیکھا جو سچے اور پُرخلوص جذبات کا آئینہ دار تھا۔ سویرا کے مستقبل کے لیے وہ اتنے ہی فکرمند تھے جتنا کہ ایک باپ کو ہونا چاہیے۔

''مگر میں تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ سویرا کے لیے شریکِ زندگی منتخب کرتے ہوئے یہ بات دھیان میں رکھنا کہ جہاں لڑکے کی تعلیم اور اس کی خاندانی حیثیت کو اہمیت دینا ہے وہیں سویرا کی رائے لینا بھی بہت ضروری ہے حالانکہ وہ بہت صابر اور فرمانبردار ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس کی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اپنے طور پر کرلیں۔'' تیمور آہستہ آواز میں بول رہے تھے اور اسی آہستگی کے ساتھ طلعت کو اپنے اعصاب پر چھایا ہوا بوجھ ہٹتا محسوس ہورہا تھا جو اس روز فراز کے سامنے سویرا کی شادی کے تذکرے کے بعد اس کے ذہن اور دل پر طاری ہوگیا تھا اور ہر پل اسے بے چین رکھتا تھا۔

☆☆☆

سویرا کو جب تیمور اور طلعت کے ارادوں کا پتا چلا تو وہ گم صم سی ہوگئی۔

''امی آخر آپ کو اتنی جلدی کیا ہے؟'' اس نے کچھ ایسی بے بسی سے پوچھا کہ دل بھر آیا مگر وہ ضبط کر کے نارمل لہجے میں بولی۔

''ہر لڑکی کو ایک نہ ایک دن اپنے گھر جانا ہوتا ہے اور تمام والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہوجائیں مگر تم اطمینان رکھو تمہارے پاپا دیکھ بھال کر ہی کوئی قدم اٹھائیں گے۔'' اس نے تسلی آمیز لہجے میں کہا مگر سویرا کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

''میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی۔'' اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ طلعت نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

''زندگی میں کوئی ہمیشہ کسی کے ساتھ نہیں رہتا بس دعا کرنی چاہیے کہ یہ جدائی نئی خوشیوں کا عنوان بنے۔ کل جب تمہارا اپنا گھر ہوگا تو وہاں کے شب و روز میں کھو کر تمہیں اس گھر کی اور ہماری یاد ضرور آئے گی مگر یہ یاد کسی دکھ کا باعث نہیں ہوگی کیونکہ انشاء اللہ نئی زندگی اور نئی خوشیوں کے مقابلے میں اس وقت کی اور ہماری اہمیت بہت کم رہ جائے گی۔'' طلعت اپنے انداز میں اسے سمجھانا چاہ رہی تھی مگر سویرا کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

''امی آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ کی اور پاپا کی اہمیت کبھی میری زندگی میں کم بھی ہوسکتی ہے؟'' وہ ناراضی کے اظہار کے لیے طلعت سے دور ہوگئی۔

''اچھا بابا تم ابھی سے کیوں پریشان ہورہی ہو، جب وقت آئے گا تب دیکھیں گے ابھی تو تم جاؤ اور فریش ہوجاؤ۔ تیمور آنے والے ہوں گے اور وہ تمہیں اس طرح روتا دیکھ کر پریشان ہوجائیں گے۔'' سویرا نے ہاتھ کی پشت سے گالوں پر رکے ہوئے آنسو صاف کیے اور ایک ناراض سی نظر ماں پر ڈال کر کمرے سے نکل گئی۔

فراز کا ردِعمل سویرا کے مقابلے میں شدید تھا۔ ناشتے کی میز پر تیمور نے آملیٹ اپنی پلیٹ میں نکالتے ہوئے حاجرہ بی کی طرف رخ کیا جو اب صرف ایک نگراں کی حیثیت سے گھر کے دوسرے ملازموں پر نظر رکھتی تھیں۔

''حاجرہ بی آج رات کے کھانے پر کچھ خاص لوگ آرہے ہیں، آپ طلعت کے مشورے سے ذرا اچھا سا اہتمام کرلیجیے گا اور ہاں وقت کا بھی خیال رکھیے گا، وہ لوگ ذرا جلدی کھانا کھالیتے ہیں۔'' حاجرہ بی نے خاموشی سے اُن کی بات سن کر محض سر ہلانے پر اکتفا کیا جبکہ فراز سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''محمود سے تو تم ملے ہی ہو، وہ اپنے بیٹے عدنان کے لیے سویرا کا رشتہ مانگ رہے ہیں اور آج اسی سلسلے میں، میں نے انہیں انوائٹ کیا ہے کہ پہلے تمہاری مما عدنان سے مل لیں اور اگر مناسب لگے تو بات آگے بڑھائی جائے۔'' انہوں نے اطمینان سے چائے کا سپ لیتے ہوئے فراز کو ساری بات بتائی اور وہ جواب

تک بڑے سکون سے ناشتا کررہا تھا اچانک پلیٹ اپنے سامنے سے ہٹا کر کھڑا ہوگیا۔

''پاپا، میں آج آپ کے ساتھ آفس نہیں جاسکوں گا۔ مجھے ایک دوست کے ساتھ کہیں جانا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہاں دیر ہوجائے تو آج میں شاید آفس ہی نہ آؤں۔'' وہ تیزی سے اپنی بات ختم کرکے باہر نکلنے لگا تو تیمور نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک لیا۔

''ٹھیک ہے تمہیں جہاں جانا ہے تو جاؤ مگر شام تک واپس آجانا، ایسے موقع پر تمہارا گھر پر ہونا ضروری ہے۔''

فراز نے بغیر رخ موڑے ان کی بات سنی اور جواب دیے بنا تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ذرا ہی دیر بعد اس کی گاڑی اسٹارٹ ہونے اور تیز رفتاری سے گیٹ سے باہر نکلنے کی آواز پر تیمور اور طلعت نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

☆☆☆

رات کا کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا حالانکہ سب نے فراز کی کمی کو محسوس کیا جو تیمور کے بار بار فون کرنے کے باوجود واپس نہیں آسکا تھا۔ محمود صاحب اپنی بیگم شائستہ، دونوں بیٹوں عدنان اور فہیم اور بیٹی نادیہ کے ساتھ آئے تھے۔ پہلی ہی نظر میں طلعت کو اندازہ ہوگیا تھا کہ بہت سلجھی ہوئی فیملی ہے، شائستہ اپنے نام ہی کی طرح بہت نرم لہجے میں بات کررہی تھیں اور اُن کے تینوں بچے بھی ان کی شخصیت اور تربیت کا پَرتو تھے۔ عدنان بہت سنجیدگی سے تیمور اور محمود صاحب کی گفتگو میں حصہ لے رہا تھا جبکہ فہیم اور نادیہ کی ساری توجہ سویرا کی طرف تھی جو کہ ضرورت سے زیادہ ہی خاموش تھی، شائستہ بیگم گو کہ طلعت سے مصروفِ گفتگو تھیں مگر وہ بھی گاہے گاہے سویرا کی طرف دیکھ لیتی تھیں اور ان کی نظروں میں پسندیدگی کا عنصر صاف دیکھا جاسکتا تھا خود طلعت کو بھی عدنان بہت پسند آیا تھا۔ ظاہری شخصیت کے علاوہ اس کی کم گوئی اور سنجیدگی اسے حارث کے مقابلے میں زیادہ اچھی لگی کیونکہ حارث کے مزاج میں شوخی اور شرارت تھی، وہ ہر وقت ہر کسی سے چھیڑ چھاڑ پر آمادہ رہتا تھا جو کہ طلعت کو کبھی کبھی بہت ناگوار گزرتا تھا۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا اور پھر وہ سب انہیں اپنے گھر جلد آنے کا کہہ کر رخصت ہوگئے۔

ہر چند کہ کسی کو پرکھنے اور سمجھنے کے لیے گھنٹے دو گھنٹے کا وقت بہت کم ہوتا ہے مگر طلعت، ہما بھابی کی امی کی کہی ہوئی باتوں کے بعد مسلسل جن اندیشوں میں گھری ہوئی تھی وہ بڑی حد تک دور ہوگئے تھے اور اسے یقین ہو چلا تھا کہ سب ہی لوگ اس انداز سے نہیں سوچتے جیسا کہ ہما بھابی کی امی کہہ رہی تھیں۔ ایک بھاری بوجھ کے سرکنے کے بعد وہ کچھ ایسی ہلکی پھلکی ہوئی کہ اسے اندازہ نہیں ہوا کہ مہمانوں کے جانے کے بعد تیمور کچھ نہیں بولے بس خاموشی سے ایک ہی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اپنے خیالات سے وہ اس وقت چونکی جب فراز کی گاڑی کا ہارن مسلسل بجنے کی آواز آئی۔ کسی انہونے خوف سے وہ دونوں ہی اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھے مگر اس سے پہلے کہ وہ باہر نکلتے رمضان بابا گیٹ کھول چکے تھے اور فراز گاڑی کھڑی کرکے اندر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تیمور اور طلعت کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر وہ لمحے بھر کو اپنی جگہ پر رکا تھا۔

''خیریت تو ہے اتنی دیر کہاں لگادی؟'' تیمور نے قدرے درشت لہجے میں سوال کیا۔

''بس دوستوں کے ساتھ دیر ہوگئی۔'' فراز کا لہجہ بھی روکھا سا تھا۔

''ایسے کون سے امپورٹنٹ کام تھے کہ تم میرا فون بھی نہیں اٹینڈ کررہے تھے۔ وقت پر گھر آنا تو درکنار۔''

''پاپا پلیز...... میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں صبح بات کریں گے۔'' فراز نے ایک بار پھر اسی انداز

میں جواب دے کر آگے بڑھنا چاہا مگر تیمور اس کے راستے میں آگئے۔

"تمہیں کچھ احساس ہے کہ ان لوگوں پر کس قدر غلط امپریشن پڑا ہوگا، وہ تمہاری بہن کے رشتے کے لیے آئے تھے ایسے موقع پر تمہارا موجود ہونا کتنا ضروری تھا، تمہیں اس کا اندازہ نہیں یا تم جان بوجھ کر اسے اہمیت نہیں دے رہے۔" تیمور کی آواز خاصی بلند ہوگئی۔

"وہ میری بہن نہیں ہے...... آخر آپ لوگ سمجھتے کیوں نہیں...... کیوں نہیں مان لیتے کہ وہ میری بہن نہیں ہے۔" وہ پوری قوت سے چلّایا۔

"سویرا میری بہن نہیں ہے۔" اچانک اس کی آواز بہت دھیمی ہوگئی...... کچھ دیر وہ اسی جگہ پر ساکت کھڑا رہا پھر راستے میں آئی ہر چیز کو ٹھوکر مارتا واپس بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لمحوں کے فرق سے اس کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور گیٹ پر ہلکے سے دھماکے کے بعد خاموشی چھا گئی۔ بہت عرصے بعد آج پھر اسے دورہ پڑا تھا۔ طلعت حیرت سے آنکھیں کھولے کبھی دروازے اور کبھی تیمور کی طرف دیکھ رہی تھیں جو اپنی جگہ پر گم صم کھڑے تھے، ان کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے اچانک انہیں کسی بات کا ادراک ہوا ہو۔

☆☆☆

"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا...... تیمور! آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں؟" اٹھارہ سالوں کی رفاقت میں یہ پہلی بار ہوا تھا کہ طلعت نے نہ صرف انہیں ان کے نام سے مخاطب کیا تھا بلکہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی کسی بات سے انکار کیا تھا۔ وہ بالکل سیدھی بیٹھی ہوئی تھی، نہ اس کی آواز میں کوئی کمزوری تھی نہ لہجے میں ذرا برابر لڑکھڑاہٹ...... تیمور پر اس کے اس انداز کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا بس اس کے منہ سے اپنا نام سن کر ایک خفیف سی مسکراہٹ اُن کے لبوں پر آکر معدوم ہوگئی۔

"ایسا ہوسکتا ہے، حالانکہ اتنا علم تو مجھے بھی ہے مگر پھر بھی تم سے بات کرنے سے پہلے میں مفتی صاحب سے پوچھ چکا ہوں، ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ فراز اور سویرا دو مختلف والدین کی اولاد ہیں، ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں لہٰذا ان کا ایک دوسرے سے نکاح بالکل جائز ہوگا، بس تمہاری رضامندی ضروری ہے۔" وہ طلعت کے انکار کو شرعی مسئلہ سمجھ رہے تھے جبکہ وہ ان دنوں ایک بار پھر اپنے ماضی کی زندگی جی رہی تھی...... ہر روز برتنوں کے ٹوٹنے کی آوازیں...... ہر پل چڑھی ہوئی تیوری، ہر دن انگارے اگلتی زبان سے لگنے والے گھاؤ اور جنونی کیفیت میں مارے جانے والے تھپڑوں کے نیل...... ہر واقعہ ہر دکھ اپنی تمام تر جزئیات سمیت یاد آکر اسے دہلا رہا تھا...... وہ کبھی سویرا کو اس آزمائش میں ڈالنے پر تیار نہیں تھی جس میں اماں نے اپنی جلد بازی میں اس کی شادی واجد کے ساتھ کر کے اسے مبتلا کردیا تھا۔ تیمور بہت اچھے ہیں تو صفیہ خالہ بھی تو بری نہیں تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی محبت کے آگے ہار جاتی تھیں اور اب تیمور بھی فراز کی محبت میں مجبور ہو کر سویرا کی شادی اس کے ساتھ کرنے کے لیے تیار ہوگئے تھے۔

"طلعت کیا سوچ رہی ہو؟" تیمور نے اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرا کر پوچھا۔

"فراز اور سویرا کی شادی نہیں ہوسکتی۔ آپ کو اچھی طرح سے پتا ہے کہ فراز نے کبھی سویرا کو فیملی ممبر کی حیثیت سے قبول نہیں کیا تو بیوی کا رتبہ کیسے دے گا۔ آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ اس نے ہمیشہ سویرا سے نفرت کے سوا کوئی دوسرا رشتہ نہیں رکھا اور اب اچانک وہ اس سے شادی کا خواہشمند ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ بھی اس کی نفرت کا ایک انداز ہے، وہ سویرا سے شادی کر کے ان سارے دنوں کا

بدلہ لینا چاہتا ہے جو سویرا نے اس کی مرضی کے خلاف اس گھر میں رہ کر گزارے ہیں۔ آپ صرف فراز کے باپ بن کر سوچ رہے ہیں جیسے آج تک آپ اس کی ہر خواہش پوری کرتے آئے ہیں اسی طرح یہ خواہش پوری کرنے پر بھی آمادہ ہیں، آپ اپنے دل سے پوچھ کر بتائیں کہ آپ نے ایک بار بھی سویرا کے بارے میں سوچا؟" شدتِ جذبات سے طلعت کی آواز پھٹ گئی مگر اس نے اپنے آپ کو کمزور نہیں پڑنے دیا اور جواب طلب انداز میں تیمور کی طرف دیکھتی رہی جن کے چہرے کے تاثرات پل پل بدل رہے تھے، کبھی حیرت اور کبھی شدید صدمے کے باعث وہ کچھ بولنے سے قاصر تھے مگر انہیں طلعت کی باتوں کا جواب تو دینا ہی تھا۔

"طلعت میں آپ کے سامنے کوئی صفائی نہیں دوں گا، صرف اتنا ہی کہوں گا کہ مجھے آپ کی باتوں سے آج جتنا دکھ ہوا ہے وہ زندگی میں نہ کبھی پہلے کسی بات سے ہوا تھا اور نہ آئندہ زندگی میں کوئی بات مجھے ایسا صدمہ پہنچا سکتی ہے۔ آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اپنے دل سے سوال کروں تو میں بھی آپ سے یہی کہوں گا کہ ایک بار اپنے دل سے ضرور پوچھیے گا کہ ابھی آپ نے میرے حوالے سے جو کچھ کہا ہے وہ سب کہنے میں آپ کس حد تک حق بجانب تھیں۔" کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑے رہنے کے بعد وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے کمرے سے نکل گئے اور گزشتہ اٹھارہ برسوں میں آج پہلی بار تیمور نے اسے آپ کہہ کر مخاطب کیا تھا، طلعت کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اجنبیت کی ٹھوس دیوار اُن کے درمیان حائل ہوگئی ہو۔

☆☆☆

اس رات اور اس کے بعد آنے والی راتوں میں تیمور اپنے بیڈروم کے بجائے اسٹڈی میں سو رہے تھے۔ گھر میں خاموشی نے ڈیرے ڈال دیے تھے۔ ہر کام معمول کے مطابق ہو رہا تھا مگر ایک دوسرے سے مخاطب ہوئے بغیر...... تیمور کی آنکھوں میں گہرے ملال کی پرچھائیاں طلعت کو نظریں جھکانے پر مجبور کردیتی اور فراز کا پُرامید نظروں سے اپنی طرف دیکھنا اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کردیتا اسے ایسا لگتا کہ فراز کی خاموش التجا اسے کمزور کردے گی اگر وہ پہلے روز کی طرح چیختا چلّاتا، چیزیں توڑتا تو شاید اسے اپنے انکار پر ثابت قدمی سے قائم رہنے میں آسانی ہوتی مگر اب اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ دو حصوں میں بٹتی جارہی ہے اگر ایک طرف فراز کے لیے دل پگھلنے لگتا تو دوسری طرف سویرا کے ساتھ اس کا پچھلا رویّہ بُھلائے نہیں بھولتا تھا اور ان دونوں باتوں سے بڑھ کر یہ احساس اسے شرمندگی کے گہرے کنویں میں دھکیل دیتا تھا کہ اس نے تیمور کی برسوں کی بے ریا محبت اور خلوص کو ان کی محض ایک خواہش کی وجہ سے کس آسانی سے بھلا کر اُن سے اس قدر سخت باتیں کہہ دیں۔ اس کا دل اور دماغ کبھی نہ سلجھنے والے الجھاووں میں الجھتا جارہا تھا۔

سویرا ان تمام باتوں سے قطعی طور پر بڑی بے فکری سے روزمرہ کے معمولات میں مگن تھی۔ دیر دیر تک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی رہتی اور گھنٹوں کے حساب سے اپنی دوستوں سے فون پر باتیں کرتی اس کی لاتعلقی کبھی تو طلعت کو حیرت میں مبتلا کردیتی اور کبھی یہ سوچ کر مطمئن ہوجاتی کہ کم از کم گھر کا ایک فرد تو سکون سے ہے۔

دن آہستہ روی سے گزرتے جارہے تھے نہ تو تیمور نے اس روز کے بعد کوئی بات کی تھی اور نہ ہی فراز نے اپنی خاموشی توڑی تھی البتہ طلعت اندر ہی اندر ٹوٹتی جارہی تھی اور جب اس کی برداشت جواب دینے لگی تو اس نے اس ماحول سے نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں کچھ دنوں کے لیے سویرا کو لے کر ابا کے گھر جارہی ہوں۔" تیمور اور فراز آفس جانے کے لیے نکل رہے تھے جب اس نے اطلاع دینے کے

سے انداز میں کہا۔
''یہی بہتر ہوگا۔'' تیمور کے لہجے میں ایسی بے رخی تھی کہ اس کا دل ڈوب گیا۔
''امی میں نہیں جاؤں گی۔'' سویرا نے منہ بنایا۔
''کیسے نہیں جاؤ گی، تم آخر چاہتی کیا ہو، میرے دماغ کی نس پھٹ جائے یا میرا ہارٹ فیل ہوجائے؟'' وہ اتنے زور سے چیخیں کہ سویرا سہم کر رہ گئی۔ تیمور نے ایک اچٹتی ہوئی نظر اُن دونوں پر ڈالی اور باہر نکل گئے اور اُن کی اس بے اعتنائی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سویرا گھبرا کر اسے چپ کرانے کی کوشش میں خود بھی رونے لگی۔

☆☆☆

ابا کے گھر میں اُن کا بڑا خاموش سا استقبال ہوا۔ سویرا تو فوراً ہی دعا کے کمرے میں چلی گئی اور وہ خود ابا کے پاس جا کر بیٹھ گئی جو حسبِ معمول اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے مگر آج اس کا دھیان ان کی باتوں کی طرف نہیں تھا۔ اس کا دل تو بس یہ چاہ رہا تھا کہ وہ اپنے سارے خوف تمام الجھنیں کسی سے کہہ کر اپنا بوجھ ہلکا کرلے مگر یہاں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے سب اسے بن بلائے مہمان کی طرح برداشت کرنے پر مجبور ہوں۔ فائزہ بھابی نے بھی سلام دعا کے علاوہ کوئی بات نہیں کی۔ سارا دن ایسے ہی گزر گیا۔ رات کے کھانے کے بعد جب وہ دن بھر کی کشمکش سے نڈھال ہوکر صرف یہ چاہ رہی تھی کہ تکیے پر سر رکھ کر سو جائے تو فائزہ بھابی نے آکر کہا کہ ابا اسے اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ ابا کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں ابرار بھائی اور نثار بھائی بھی موجود تھے۔
''آؤ بیٹھو......'' ابا نے اپنے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔
کئی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی کٹہرے میں کھڑی ہے اور چاروں طرف سے الزامات کی بوچھار ہونے والی ہے۔
''دو روز پہلے تیمور آئے تھے۔'' بالآخر ابرار بھائی نے پہل کی۔ نہ جانے کیوں طلعت کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
''جو اپنے گھر کی باتیں کسی سے بھی کرنے کے سخت خلاف ہیں اپنے بیٹے کا وقت آیا تو مشورہ کرنے یہاں چلے آئے۔'' دل میں اٹھنے والی آواز کو اس نے بہ مشکل دبایا اور ابرار بھائی کی طرف رخ کر کے اُن کے اگلے جملے کا انتظار کرنے لگی۔
''وہ بتا رہے تھے کہ تم فراز اور سویرا کے رشتے کے سلسلے میں کچھ سننے کو تیار نہیں ہو۔'' ابرار بھائی نے بہت نرمی سے کہا مگر طلعت کو ایسا لگا جیسے اس کے اندر کوئی لاوا سا جل اٹھا ہو۔
''کیسا رشتہ......؟ آپ سب جانتے ہیں کہ اُن کے درمیان کوئی رشتہ نہیں اور نہ ہی ہوسکتا ہے۔'' وہ بھڑک کر بولی کیونکہ ابرار بھائی نے جس انداز سے بات شروع کی تھی اس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے گھر والے تیمور کا ساتھ دینے کو تیار ہو چکے ہیں۔
''بیٹا یہی تو ہم سب چاہتے ہیں کہ اُن کے درمیان رشتہ قائم کردیں۔'' ابا نے یہ کہہ کر گویا اس کے تمام خدشات پر مہرِ تصدیق ثبت کردی کہ اب وہ اس جنگ میں بالکل اکیلی رہ گئی ہے۔
''میں نے کبھی آپ لوگوں کو اس گھر کی کوئی بات نہیں بتائی۔ آپ لوگ نہیں جانتے کہ پہلے دن سے فراز نے سویرا کو قبول نہیں کیا، وہ ہمیشہ اسے اپنے سے کم تر سمجھتا رہا ہے اور ہر، ہر طریقے سے اپنی نفرت کا اظہار کرتا رہا ہے۔''
''اور تیمور......؟ کیا تیمور نے فراز اور سویرا میں کوئی فرق رکھا؟ کیا انہوں نے ہمیشہ سویرا کے لیے وہی آسائش مہیا نہیں کی جو وہ اپنے بیٹے کے لیے چاہتے تھے۔ اس کی تعلیم اس کا پہننا، اوڑھنا کیا اس معیار کا نہیں ہوتا تھا جو وہ فراز کے لیے پسند کرتے تھے؟'' ابرار بھائی نے اس پر سوالوں کی بوچھار کردی۔ طلعت ایک بار پھر طنزیہ انداز میں مسکرائی۔
''تو کیا وہ اپنے احسانات کا بدلہ اس طرح لینا چاہتے ہیں کہ سویرا کو اپنے بیٹے کی خواہش پر قربان کردیں اور وہ بھی وہی زندگی گزارنے پر مجبور ہوجائے جو میں نے پانچ سال تک واجد کے گھر گزاری۔'' طلعت جس لہجے میں بات کررہی تھی اس نے ابا کے علاوہ اس کے دونوں بھائیوں کو بھی حیران کردیا۔
''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم تیمور کے لیے اس قدر منفی سوچ رکھتی ہو۔'' ابرار بھائی کی آواز میں گہرا دکھ تھا، طلعت نے بے بسی سے اُن کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہہ نکلی اور جب ابا نے تسلی کے لیے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تو اس کی سسکیاں بے قابو ہوگئیں اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی۔ تیمور کے حوالے سے احساس ندامت اسے کس درجہ ہلکا کیے دے رہا تھا یہ صرف وہی جانتی تھی۔

☆☆☆

''واجد کے گھر میں گزارے ہوئے پانچ سال کس طرح تمہاری پوری زندگی پر اثر انداز ہوئے ہم سب کو اس کا احساس ہے کوئی بھی سانحہ ہو انسان کو ہمیشہ یاد رہتا ہے اور دوبارہ وہ ان حالات سے نہ گزرے یہ خوف بھی اس کے دل کے کسی گوشے میں موجود رہتا ہے مگر اس یاد اور خوف کی وجہ سے تو وہ آئندہ زندگی میں آنے والے خوشگوار لمحات کی امید سے کنارہ کش تو نہیں ہوجاتا نہ ہی ہر انسانی رویے کا کسی ایک بدخصلت انسان سے موازنہ کر کے اپنی طرف پُرخلوص اور محبت سے بڑھنے والے ہاتھوں کو جھٹکتا ہے، جس وقت ہم نے تمہارا رشتہ تیمور سے طے کیا تھا اس وقت ہمارے دلوں میں ہزار طرح کے واہمے تھے کیونکہ اگر دیکھا جائے تو اس وقت بھی تیمور کو دوسری شادی کے لیے تم سے بہتر لڑکی مل سکتی تھی

اسی لیے ہمیں خدشہ تھا کہ کہیں وہ اپنے سے کم حیثیت گھرانے کی طلاق یافتہ اور ایک بچی کی ماں کا انتخاب اس لیے تو نہیں کر رہے کہ بعد میں وہ اسے محض اپنے بیٹے کی آیا کی حیثیت سے اپنے گھر میں تو جگہ دے دیں مگر اپنی برابری کا حق نہ دیں، یہ خوف ہم سب کے دلوں میں تھا مگر ہم نے اس کے باوجود اللہ کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے تمہاری شادی کر دی اور اب یہ تو تم بہتر طور پر بتا سکتی ہو کہ ہمارا فیصلہ صحیح تھا یا غلط؟'' ابرار بھائی سانس لینے کو رکے تو فائزہ بھابی نے ٹھنڈے پانی کا گلاس طلعت کے ہونٹوں سے لگا دیا جو اتنی دیر تک رونے کی وجہ سے نڈھال ہو چکی تھی۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تم نے کہا کہ تم نے اپنے گھر کی کوئی بات ہمیں کبھی نہیں بتائی، بہت اچھا کیا کیونکہ جب ایک جگہ کی بات دوسری جگہ پہنچتی ہے تو اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے، اب بھی اگر یہ بات ہمارے گھر تک نہ آتی تو اچھا تھا، تم اپنے گھر میں رہ کر ٹھنڈے دل سے ہر بات پر غور کر لیتیں تو ایک مثبت فیصلہ خود بخود تمہارے سامنے آ جاتا اور تم تیمور کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچ جاتیں۔'' طلعت نے اپنی متورم آنکھیں جھپک کر ایک بار پھر امڈ آنے والے آنسوؤں کو بہنے سے روکا اور بدقت بولی۔

''آخر آپ سب لوگ کیوں بضد ہیں کہ سویرا کی شادی فراز سے ہی ہو؟''

''کوئی بضد نہیں ہے، نہ ہم نہ تیمور اور نہ ہی فراز...... بس یہ ہم سب کی خواہش ہے، فیصلہ تمہیں کرنا ہے...... ہاں مگر فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار فراز سے بات ضرور کر لینا اور سویرا سے بھی اس کی مرضی پوچھ لینا۔'' ابرار بھائی نے اس کے سر پر ہلکی سی تھپکی دی اور کمرے سے باہر چلے گئے، ان کے جاتے ہی سویرا اندر آ گئی اور اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''امی آپ میری وجہ سے پریشان ہونا چھوڑ دیں، آپ کی دعائیں میرے ساتھ ہیں تو میرے ساتھ کچھ بھی برا نہیں ہوگا۔'' اس نے کچھ ایسے یقین سے کہا کہ طلعت کے بہتے آنسو تھم گئے

☆☆☆

اگلے دن کا آغاز روشن اور چمکیلی صبح کے ساتھ ہوا۔ ساری رات اپنے آپ سے سوال، جواب میں گزر گئی تھی۔ اٹھارہ برس پلک جھپکتے ہی نہیں گزرے تھے، یادوں کا ایک طویل سلسلہ تھا مگر فراز سے وابستہ ہر یاد ذہن پر زور ڈالے بغیر کسی فلم کی طرح نظر کے سامنے آتی گئی۔ مما، مما کہتے ہوئے ہر وقت اس کے آس پاس رہنا...... چاہے تیمور کے کہے کو رد کر دینا مگر اس کی کہی ہوئی ہر بات پر عمل کرنا، اگر اس کی ذرا سی بھی طبیعت خراب ہو تو بے تحاشا پریشان ہونا اسے خود سے قریب اور سویرا سے دور رکھنے کے لیے غیر ضروری باتوں اور کاموں میں الجھائے رکھنا...... کیا یہ سب غلط تھا اور اگر تھا بھی تو وہ اپنے دل کا کیا کرتی جس کے ہر گوشے میں موجود صورتِ حال کے باوجود فراز کی محبت بھی اسی طرح رچی ہوئی تھی جیسے سویرا کے لیے اس کی ممتا مگر...... اور اس مگر کے آگے کا ہر منظر ہر یاد واجد کے گھر کے مناظر اور یادوں میں کچھ اس طرح خلط ملط ہو جاتی کہ اس کے لیے انہیں علیحدہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

خوف کا مہیب سایہ ایک دیو کی طرح ہر اس خیال کو نگل لیتا جو مستقبل کے خوش آئند ہونے کی امید لے کر ذہن میں آتا۔

انہی خیالوں اور سوالوں کے بیچ رات کب گزری اسے احساس ہی نہیں ہو سکا۔ صبح گھر میں ہونے والی ہلچل سے اسے اندازہ ہوا کہ رات بیت چکی ہے، سویرا بے خبر سو رہی تھی، اس کے پُرسکون چہرے پر ایک نظر ڈال کر وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ ثاقب دعا، ثنا اور ایمان اسکول کالج جانے کی تیاری میں ایک اودھم مچائے ہوئے تھے۔ فائزہ بھابی حسب معمول کچن میں تھیں اور ہما بھابی ہر بچے کی پسند کے

مطابق ناشتا ٹیبل پر لگا رہی تھیں، آتے جاتے ان کی کھوجتی ہوئی نظریں طلعت کا احاطہ کر رہی تھیں بالآخر وہ ان نظروں سے گھبرا کر ابا کے کمرے میں آ گئی جو فجر کے وقت سے اٹھ جاتے تھے اور اب ناشتے سے فارغ ہو کر اخبار پڑھ رہے تھے، اسے دیکھ کر وہ بڑی شفقت سے مسکرائے اور اس کے سلام کا جواب دے کر دوبارہ اخبار پڑھنے لگے۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ اس وقت اس کا دل یہی چاہ رہا تھا کہ وہ کسی سے بات نہ کرے۔

کچھ ہی دیر بعد بچے اسکول اور دونوں بھائی آفس چلے گئے تو گھر میں اچانک چھا جانے والی خاموشی عجیب سی لگنے لگی۔

بہت زیادہ رونے اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے طلعت کا سر بھاری ہو رہا تھا۔ اس نے ایک نظر سویرا کو فائزہ بھابی کے بنائے ہوئے آلو بھرے پراٹھے مزے لے لے کر کھاتے دیکھا اور کچھ دیر لیٹنے کے خیال سے فائزہ بھابی کے کمرے میں آ گئی۔

پتا نہیں کتنا وقت گزرا تھا کہ کسی نے اس کا کندھا ہلایا اور وہ جو بیڈ پر لیٹتے ہی گہری نیند میں ڈوب گئی تھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور خالی خالی نظروں سے ہما بھابی کی طرف دیکھنے لگی جو اسے جھنجوڑنے کے بعد اب بڑی بے توجہی سے دوسری جانب دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا بھابی؟'' اس کے پوچھنے پر وہ دوبارہ اس کی طرف مڑی۔

''وہ فراز آیا ہے، ابا کے پاس بیٹھا ہے تو میں نے سوچا تمہیں جگا دوں۔'' بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ تو واپس چلی گئیں اور طلعت ایک گہری سانس لے کر نئی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔

''مما چلیں، میں آپ کو لینے آیا ہوں۔'' اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی فراز جو ابا کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا کھڑا ہو گیا۔ طلعت نے گھبرا کر ابا کی طرف دیکھا تو انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے فراز کے ساتھ جانے کا اشارہ کیا۔

''اچھا ٹھہرو، میں اپنا بیگ لے آؤں۔'' وہ بڑی کوشش کے بعد نارمل انداز میں بولی مگر فراز نے آگے بڑھ کر اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا دیا۔

''چھوڑیں بیگ کو بس آپ فوراً میرے ساتھ چلیں۔'' طلعت نے کچھ گھبرا کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''پریشان نہ ہوں، سب خیریت ہے بس آپ چلیں۔'' وہ اسے تقریباً اپنے ساتھ کھینچتا ہوا دروازے کی سمت بڑھا تو دوسری جانب سے سویرا بھی ساتھ جانے کے لیے آگے بڑھی۔

''تم کہاں چلیں؟'' فائزہ بھابی نے فوراً ہی آگے بڑھ کر سویرا کا ہاتھ پکڑ لیا تو اس نے اپنی بڑی، بڑی آنکھوں میں حیرت بھر کر ان کی طرف دیکھا۔

''امی کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''کوئی ضرورت نہیں، بس اب ایک بار ہی رخصت ہو کر جانا۔'' سویرا کی نظریں بے ساختہ فراز کی طرف اٹھ گئیں جو اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر ایک شرمیلی سی مسکان ہونٹوں پر لیے وہ اندر کی جانب بھاگی اور فائزہ بھابی، طلعت کی طرف دیکھ کر دھیرے سے ہنس دی۔

باہر کے گرم ماحول کے مقابلے میں گاڑی کے اندر اے سی کی ٹھنڈک اس کے تنے ہوئے اعصاب کو پُرسکون کر گئی، اس نے نظر اٹھا کر فراز کی طرف دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ اس کا ہر دم فریش اور مسکراتا ہوا چہرہ بجھا بجھا سا تھا اور اب وہ خاصی لاتعلقی سے سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ طلعت اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

☆☆☆

''مما پلیز...... آپ مجھے میری ہر غلطی کے لیے معاف کر دیں، میں آپ کی ناراضی نہیں برداشت کر سکتا۔'' وہ اس کے قدموں میں بیٹھا اس کے گھٹنوں

پہ سر رکھے با قاعدہ آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ طلعت نے بے بسی سے اِدھر اُدھر دیکھا حاجرہ بی اس سے ملنے کے بعد اپنے کوارٹر میں جا چکی تھی۔ تیمور یقیناً آفس میں تھے اور فراز...... وہ لمبا چوڑا مرد بچوں کی طرح اس کے قدموں میں جھکا نہ جانے کس جرم کی معافی مانگ رہا تھا۔

''مما آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا مگر آپ پلیز اپنے دل سے یہ خیال نکال دیں کہ میں سویرا سے نفرت کرتا ہوں، میں بھلا اس سے نفرت کیوں کروں گا، وہ تو اتنی بے ضرر سی ہے، سچ تو یہ ہے کہ میں ہمیشہ اس سے ڈرتا رہا...... مما جب آپ ہماری زندگی میں شامل ہوئیں، میں اس وقت بھی بہت ڈرا ہوا تھا۔ میں دس سال کا تھا اور میں نے لوگوں سے سوتیلی ماؤں کی بہت برائیاں سنی تھیں، آپ کو تو پتا ہے بچوں کی کہانیوں میں بھی اسٹیپ مدر کو کتنا ظالم بتاتے ہیں اور آپ کی تو ایک بیٹی بھی تھی تو بس میں یہی سمجھتا تھا کہ آپ دونوں مل کر پاپا کو مجھ سے چھین لیں گے اور پاپا مجھے بورڈنگ ہاؤس میں بھیج دیں گے مگر مما پھر آپ نے مجھے اتنا پیار دیا، میرا اتنا خیال رکھا کہ سوتیلی ماں کے بجائے آپ میرے لیے بالکل میری مما جیسی بن گئیں اور ساتھ ہی میرا دل چاہنے لگا کہ آپ صرف میری مما ہوں، سویرا آپ کو امی کہتی...... آپ کے پاس آتی تو مجھے بہت برا لگتا مگر یہ سب تو بچپن کی باتیں تھیں اور اس کے بعد مجھے عادت سی ہوگئی تھی اسے تنگ کرتے رہنے کی مگر آپ میرا یقین کریں میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں میں نے کبھی سویرا سے نفرت نہیں کی اور اب جب میں یو ایس سے واپس آیا تو وہ مجھے اچھی لگنے لگی، مجھے تو خود بھی پتا نہیں چلا تھا مگر جب آپ لوگ اس کی شادی کی باتیں کرنے لگے تو میرے دماغ میں ہلچل سی مچ گئی، سویرا اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور چلی جائے کوئی اور اسے اپنا لے یہ سوچنا بھی میرے لیے اتنا مشکل تھا کہ اس روز میں پاگل سا ہوگیا...... مگر آپ اپنے دل سے یہ خوف نکال دیں کہ میں کبھی بھی اس کے ساتھ کچھ برا کرسکتا ہوں۔'' وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح کبھی اپنے غلط رویّے کی صفائیاں دے رہا تھا' کبھی معافی مانگ رہا تھا اور کبھی اپنی معصوم سی چاہت کا اعتراف کرر ہا تھا۔

طلعت خاموش بیٹھی تھی جیسے کسی اور ہی دنیا میں ہو، اس کی مسلسل خاموشی سے گھبرا کر وہ ایک بار پھر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''مما کچھ تو بولیں۔'' اس نے کچھ ایسے التجا آمیز لہجے میں کہا کہ طلعت نے بے اختیار ہو کر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور اس کے گھنے بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

فیصلہ ہو چکا تھا...... اب غور کرنے اور سوچنے کے لیے بچا بھی کیا تھا کہ دل کی آواز سن لینے کے بعد زیادہ سوچنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور دل کی آواز سننے سے پہلے تو وہ سویرا کی وہ شرمیلی مسکراہٹ دیکھ چکی تھی جو فائزہ بھابی کی بات سن کر اس کے لبوں پر آئی تھی۔

فراز اس کی گود میں سر رکھے بے سُدھ سا بیٹھا تھا اور وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے اس اگلے مرحلے کے بارے میں سوچ رہی تھی جو تیمور کے آفس سے واپس آنے کے بعد اسے درپیش تھا۔ وہ اٹھارہ سالوں میں پہلی بار اس سے ناراض ہوئے تھے، اُن کی ناراضی دور کرنے کے لیے اسے جو بھی کرنا پڑتا وہ اس کے لیے تیار تھی اور اسے یقین تھا کہ تیمور پوری کشادہ دلی کے ساتھ اسے معاف کردیں گے۔ بس تھوڑا سا انتظار باقی تھی جس کے بعد پھولوں اور خوشبوؤں کا موسم ہمیشہ کے لیے اُن کی زندگی میں ٹھہر جانے والا تھا۔

وہ آئے بزم میں......

نزہت اصغر



معروف ڈراما نگار حسینہ معین سے دلچسپ ملاقات

حسینہ معین کے نام سے کون واقف نہیں۔ یہ مقبول و معروف اور نامور مصنفہ و ڈراما نگار اپنی تحریروں میں آج تک ایک انفرادیت قائم رکھی ہوئی ہیں۔ ایک دور تھا جب پی ٹی وی پر حسینہ آپا کے ڈرامے، سیریلز وغیرہ چلتے تو سڑکیں سنسان ہو جایا کرتیں...... تقریبات میں مہمان نو بجے کے بعد پہنچتے اور گھروں میں بھی شور کرنے پر کرفیو لگا دیا جاتا...... یہی مقبولیت انہیں مختلف رسائل کے قارئین میں بھی

حاصل رہی۔

حسینہ معین بلاشبہ ہمارے ملک کا ہی سرمایہ نہیں بلکہ جہاں جہاں اردو زبان بولی، سمجھی، لکھی اور پڑھی جاتی ہے وہاں، وہاں حسینہ آپا کی شہرت اور نام ہے۔ ہمیں اس لیجنڈری رائٹر پر فخر ہے۔ ایسے ہی لوگ زمانہ ساز، انسان ساز اور اقدار پرور ہوتے ہیں۔ آج بھی نیلوفر عباسی، مرینہ خان اور شہناز شیخ کو حسینہ آپا کے ڈراموں کی ہیروئن کی حیثیت سے ہی پہچانا جاتا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ حسینہ آپا اسی طرح ہر میڈیم پر اپنے قلم کے جوہر دکھاتی رہیں اور ان کے لکھے گئے جملے روشن ستاروں کے مانند نوجوان نسل کی رہنمائی کرتے رہیں۔

اس ماہ پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر ہم نے اسی دلپسند اور عزیز ہستی سے ملاقات کا اہتمام کیا ہے تاکہ سالگرہ کی رونق دوبالا ہوسکے۔ پیارے اور حسین قارئین کے لیے پیاری حسینہ معین کا انٹرویو حاضر ہے۔

حال ہی میں حسینہ معین کے تین نئے ڈرامے مختلف چینلز پر اپنی بہاریں دکھا کر اختتام پزیر ہوئے ہیں جن میں سرِفہرست ''میری بہن مایا'' تھا اس کے علاوہ ''سارے موسم اپنے'' اور ''تنہائیاں'' کا سیکوئیل بھی شامل ہے۔

آرٹس کونسل پاکستان نے باقاعدہ اکتوبر کے مہینے میں حسینہ صاحبہ کو tribute پیش کیا اور ان کی تحریری خدمات پر انہیں ''اعترافِ کمال'' کی شیلڈ دی گئی۔ یہ جلسۂ تجلیل ہر شعبے کے نمایاں افراد کے لیے ایک روحانی و ذہنی غذا کا درجہ رکھتا ہے جس سے اُن میں ایک نئی امنگ اور تحریک پیدا ہوتی ہے اور یہ تقریبات زندہ و صحت مند معاشرے کی علامت ہوتی ہیں۔

چیمبر آف کامرس کراچی کے چیئرمین کی جانب سے انہیں بیسٹ رائٹر کی شیلڈ دی گئی۔ یہ کسی بھی رائٹر کے لیے اعزاز سے زیادہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس کی خدمات کو خود اس کے سامنے ہی سراہا جائے، تسلیم کیا جائے اور سراہا جائے۔ ایسی روایات قائم رہنی چاہئیں تاکہ کوئی بھی نمایاں شخصیت معاشرے اور سرکار کی جانب سے عدم توجہی یا بددلی کا شکار نہ ہو۔

عزیز قارئین آپ کے لیے حسینہ معین کی خوب صورت باتیں حاضر ہیں۔

پاکیزہ ✧...... یہ بتائیں آپ نے لکھنا کب اور کیسے شروع کیا؟

حسینہ معین ✧...... لکھنے کا آغاز ویسے تو جب میں چھوٹی تھی تو بچوں کی کہانیاں لکھتی تھی۔ کلاس سیونتھ میں تھی تو بھائی جان کے نام سے ایک رسالہ نکلتا تھا اور جنگ میں بچوں کا صفحہ، یہ دو پلیٹ فارم مجھے ملے تھے ابتدا میں لکھنے کے لیے لیکن اس کے بعد میں نے کچھ عرصہ لکھنا چھوڑ دیا تھا کیونکہ میرے والد کے ٹرانسفرز ہوتے رہتے تھے۔ کراچی سے ہم لوگ راول پنڈی چلے گئے تھے پھر لاہور چلے گئے جب ہم دوبارہ کراچی آئے تو ویمن کالج میں پڑھ رہی تھی اور سیکنڈ ائیر میں تھی۔ ریڈیو پاکستان کراچی کا ایک مقابلہ ہوا تھا اسٹوڈنٹس کے درمیان ڈراما لکھوانے کا تو کالج میں ایک سرکلر آیا تھا کہ ہر کالج سے ایک، ایک ڈراما انہوں نے مانگا تھا تو اس میں ہماری لیکچرر نے مجھ سے کہا تھا تم ڈراما لکھو حالانکہ مجھے ڈراما لکھنا نہیں آتا تھا اس وقت لیکن انہوں نے کہا جیسا بھی آئے تم لکھ دو بیس منٹ کا تو وہ پہلا ڈراما تھا جو میں نے بیس منٹ کا لکھ کر بھیجا تھا...... ریڈیو پاکستان اور مزے کی بات یہ تھی کہ اس پر ایوارڈ بھی مل گیا اور اسے آغا ناصر نے پروڈیوس کیا تھا اور اس کا نام تھا پٹریاں۔ یہ ایک ہلکی پھلکی



کامیڈی تھی۔ پھر اس کے بعد ریڈیو پاکستان نے مجھ سے کہا تھا کہ اسٹوڈیو نمبر 9 کے لیے آپ لکھا کریں تو میں نے کچھ ڈرامے اس کے لیے لکھے تھے۔ اس کے بعد جب کراچی میں ٹیلی ویژن آیا تو انہوں نے ریڈیو سے میرا ایک ڈراما لے لیا اور مجھے بلا کر کہا تھا کہ اسے ٹی وی کے لیے آپ لکھ دیں۔ تو پھر اسے میں نے ٹی وی کے لیے لکھ دیا تھا۔

پاکیزہ ✧...... ٹی وی اور ریڈیو کے اسکرپٹ لکھنے میں کافی فرق ہے تو کیا آپ کو کچھ مشکل پیش آئی یا آپ نے آسانی سے لکھ لیا؟

حسینہ معین ✧...... (ہنستے ہوئے) ہاں، ہاں فرق ہے مگر چونکہ ینگ ایج میں انسان کو ہر کام کرنے کا شوق ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ شاید وہ سب ہی کرلے گا تو میں نے بھی ان کا چیلنج قبول کرلیا اور لکھ دیا جو انہیں پسند بھی آیا پھر اس کے بعد انہوں نے مزید کہا کہ اب آپ عید کے لیے بھی ڈراما لکھیں گی۔ تو پھر میں نے ''ہیپی عید مبارک'' لکھا تھا اس کے لیے بھی ایک بڑی تقریب ہوئی اور مجھے ایک انعام سے نوازا گیا۔ اس کے بعد کراچی ٹی وی نے مجھ سے کہا کہ آپ شہ زوری ایڈاپٹ کریں تو عظیم بیگ چغتائی کی شہ زوری کو میں نے لکھا جو بہت پاپولر ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اب آپ اوریجنل کوئی سیریل لکھیں تو میں نے اوریجنل آئیڈیا دیا تھا کرن

کہانی کا۔ اس وقت ہمارے پروڈیوسر تھوڑے پریشان ہوگئے تھے کیونکہ اس وقت تک ہمارے ٹی وی پر کوئی سیریل اور ریجنل نہیں ہوئی تھی سب ایڈیشنز ہورہے تھے اور اور ریجنل لکھنے میں یہ ڈر ہوتا تھا کہ اگر رائٹر جاکر کہیں پھنس جاتا ہے تو اس میں پریشانی ہوجائے گی۔ ظاہر ہے پروڈیوسر کا بھی فالٹ ہوگا وہ بھی نہیں سمجھ پائے گا کہ میرے ذہن میں کیا ہے۔ پوری سیریل تو اکٹھا میں نہیں لکھ کردے سکتی تھی خیر انہوں نے کہا کہ نہیں، نہیں تم لکھ لو...... تو وہ ہم نے شروع کردی تھی کرن کہانی۔ اسے شیریں خان اور محسن علی نے بیک وقت ریکارڈ کیا تھا۔ دونوں ڈائریکٹرز تھے پھر اس کی کامیابی کے بعد انکل عرفی بھی میں نے لکھی جو بہت زیادہ پاپولر ہوئی۔ اس کے بعد مجھے خیال آیا ایک انگلش ناول ہے ہینری جیمز کا پورٹریٹ آف آ لیڈی اس کو ایڈاپٹ کرنے کا...... تو جب ہیڈ کوارٹر سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر حسینہ کررہی ہیں تو کرلیں تو اس کے لیے اسلام آباد سے ساحرہ اور راحت کاظمی کو بلوایا تھا۔ ڈائریکٹرز میرے، شیریں خان اور محسن علی ہی تھے تو ہم نے مل کر پرچھائیاں کیا تھا پھر اس کے بعد بچوں کی ایک سیریل میں نے لکھی تھی رومی اس کے بعد میں نے بندش کی تھی۔ دھند کی تھی۔ دھند کے دوران شیریں بہت بیمار ہوگئی تھیں تو سیریل بھی چھوڑ دی تھی اس نے تو وہ تھوڑا سا وقفہ میرا ایسا تھا جو بہت برا گزرا تھا کیونکہ شیریں خان سے میری بہت اچھی دوستی تھی۔ اس کے جانے کے بعد میں خاموش ہوکر بیٹھ گئی پھر کچھ عرصے بعد شعیب منصور نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کی سیریل ڈائریکٹ کروں گا تو پلیز آپ لکھ دیں میرے لیے۔ میں راضی نہیں ہورہی تھی کیونکہ شعیب کے ساتھ میں نے کوئی کام نہیں کیا تھا بالکل ینگ تھا وہ لیکن پھر جب اس نے بہت کہا تو پھر میں راضی ہوگئی اور پہلی سیریل ان کہی اس کے ساتھ کی۔ شعیب منصور کے ساتھ محسن علی بھی تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں کا ٹرانسفر ہوگیا یہ لوگ چلے گئے اسلام آباد۔ اس کے بعد پھر شہزاد خلیل نے مجھ سے کہا کہ میرے لیے ایک سیریل لکھیں تو ان کے ساتھ میں نے تنہائیاں کی اور اس کے بعد ساحرہ کاظمی کے ساتھ دھوپ کنارے کی جس میں مرینہ خان اور راحت کاظمی تھے اور اس کے بعد میں نے اسلام آباد جاکر تان سین کی تھی جو تاریخی کہانی تھی اس دوران مجھے انڈیا بھی جانا پڑا تھا کیونکہ راج کپور صاحب نے بلایا تھا اور فلم حنا کے ڈائیلاگز میں نے لکھے تھا۔ واپس آکر میں نے کسک کی تھی۔ محسن علی صاحب کے ساتھ کسک کے بعد پھر کافی لمبا گیپ آگیا پھر 96ء میں میں نے کراچی کے حالات پر ایک ڈراما لکھا تھا جس کا نام تھا چپ دریا جو فائرنگ ہوتی رہتی تھی جس میں بے قصور معصوم لوگ مارے جاتے تھے اس پر بھی مجھے ایوارڈ ملا تھا پھر ایک سیریل کی آہٹ جس پر ہم سب کو ایوارڈز ملے تھے جو فیملی پلاننگ کے موضوع پر تھی۔ اس کے بعد پھر میں نے پی ٹی وی کے لیے کچھ نہیں لکھا تھا کافی عرصے تک پھر میں اسکاٹ لینڈ چلی گئی۔ مجھے بلایا گیا تھا جہاں میں نے تین سیریل لکھے ایک دیس پردیس، ایک آنسو اور ایک کاسل اور پھر واپس آکر میں نے رعنا شیخ کے ساتھ ایک سیریل کہ شاید بہار آئے پھر محسن علی صاحب کے لیے آخری سیریل لکھا پل دو پل کیونکہ پھر وہ ریٹائر ہوگئے تھے۔ بعد میں پی ٹی وی کے لیے سیریل لکھا۔

پاکیزہ ✧...... دس سال بعد آپ نے دوبارہ لکھا تو آپ کو پہلے اور بعد کے کام میں کیا فرق محسوس ہوا؟

حسینہ معین ✧......... بات یہ ہے کہ میں نے شروع سے صرف چند پروڈیوسرز کے ساتھ ہی کام کیا ہے اور خوش قسمتی سے ہمیشہ بیسٹ ڈائریکٹرز ملے۔ اس لیے میرا ذہنی رابطہ بہت خوش اسلوبی سے



قائم ہوجاتا تھا محسن علی، شیریں، شعیب منصور، شہزاد خلیل، ساحرہ کاظمی اور ظہیر خان کے ساتھ میں نے کام کیا۔ ان کے علاوہ میں نے کسی اور کے ساتھ کام نہیں کیا۔ بعد میں اسکاٹ لینڈ جاکر علی رضوی کے ساتھ کام کیا۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے ماشاء اللہ اتنا کام کیا ہے اگر کبھی پلٹ کر دیکھیں تو کیا یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ جو کام آپ کرنا چاہتی تھیں وہ آپ نے کیا؟

حسینہ معین ✧...... ہاں جی بالکل مطمئن ہوں حالانکہ اتنی محنت کرنے کی عادی نہیں تھی۔ اسکول کالج کے زمانے میں بھی نہیں بس ہمیشہ اپنے ذہن کے بل بوتے پر ڈویژن لیتی رہی لیکن اس کام میں، میں نے واقعی محنت کی تھی اور مجھ سے میرے ڈائریکٹرز نے محنت کروائی تھی۔

پاکیزہ ✧...... کبھی ایسا بھی ہوا کہ موڈ نہیں ہو مگر لکھنا پڑا؟

حسینہ معین ✧...... ارے باپ...... بہت دفعہ ایسا ہوا۔ پی ٹی وی پر جو کام ہوتا تھا وہ ویک ٹو ویک ہوتا تھا تو اکثر موڈ نہ ہونے کے باوجود کام کرنا پڑتا تھا پھر وہ آپ کے بس میں نہیں ہے آپ کو تو ہر حال میں کام دینا ہے۔ ہر حال میں ایک قسط تیار کرنی ہے۔

پاکیزہ ✧...... خوشگوار موڈ میں لکھے گئے اسکرپٹ میں آپ نے بھی محسوس کیا کہ اس کے ڈائیلاگز اور منظر کشی میں کوئی خاص بات ہو بہ نسبت نارمل انداز کے لکھنے میں؟

حسینہ معین ✧...... اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب آپ لکھنے میں انوالو ہوجاتے ہیں تو کام کرنے کی اچیومنٹ الگ ہوتی ہے جب آپ کام کررہے ہوتے ہیں تو پھر آپ کو واقعی مزہ آنے لگتا ہے تو پھر آپ پورے دل سے کرتے ہیں اور میں جب کام کرتی ہوں تو پورے دل سے کرتی ہوں۔ مطلب ٹال کر نہیں کرتی اور اگر جو کام مجھے کرنا ہی نہیں ہوتا تو میں کرتی ہی نہیں ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کچھ یاد ہے کہ آپ کو اپنی پہلی تحریر کا معاوضہ کیا ملا تھا اور اس کا آپ نے کیا کیا تھا؟

حسینہ معین ✧...... (ہنس کر) نہیں مجھے یاد نہیں

ہے کہ مجھے کیا معاوضہ ملا تھا لیکن یہ یاد ہے کہ پہلا ڈراما ''ہیپی عید مبارک'' کیا تھا تو اس پر جو ہمیں ایوارڈز ملے تھے تو وہ کیش کی صورت میں ملے تھے اور وہ 200 روپے تھے۔ (اوہ...... اچھا) جو لفافے میں رکھ کر دیے گئے تھے اور اس کی ہمیں واقعی بے حد خوشی ہوئی تھی۔

پاکیزہ ✧...... قلم کے اس سفر میں آپ کو گھر والوں کا کتنا تعاون حاصل رہا؟

حسینہ معین ✧...... اللہ کے شکر سے پوری سپورٹ تھی۔

پاکیزہ ✧...... حیرت ہے والدہ خفا نہیں ہوئیں؟

حسینہ معین ✧...... (دھیما سا قہقہہ) نہیں، نہیں ایسا نہیں تھا جب ہم شوبز میں جانے لگے تھے تو والدہ نے پوری طرح سمجھا کر بھیجا تھا کہ بیٹا خاندان کی اور اپنی عزت کا خیال رکھنا تو میں نے اپنی اماں کی یہ نصیحت پلّو میں باندھ لی تھی اور پورا، پورا خیال رکھا تھا۔ مجھے ماں کے الفاظ یاد تھے اور یہ تھا کہ میں کسی بھی جگہ پر غلط قدم نہیں اٹھاؤں گی اور عورت اپنی عزت کروانا چاہے تو کروا سکتی ہے۔

پاکیزہ ✧...... کچھ خاندانی پس منظر کے بارے میں بتائیں؟

حسینہ معین ✧...... خاندانی پس منظر یہ ہے کہ میرے والد آرمی میں تھے۔ والدہ گھریلو خاتون تھیں۔ شادی کے بعد انہوں نے پڑھا اور میرے والد چونکہ ایسی جگہ تھے جہاں پر انگریزوں سے ملنا جلنا رہتا تھا اس لیے ہمارا گھر کافی ماڈرن تھا تو لڑکیوں کی پیدائش اور پڑھائی پر بہت خوشی منائی جاتی تھی۔ میں اپنے گھر میں نمبر چار ہوں لڑکیوں میں اور میری پیدائش پر باقاعدہ ملازموں نے ڈانس کیا تھا...... مٹھائی بانٹی گئی تھی تو ہمارے گھرانے میں لڑکے لڑکیوں کا کوئی فرق نہیں ہے اور اسی وجہ سے آپ کو شاید میری تحریروں میں لڑکیاں بڑی مضبوط دکھائی دیتی ہیں کیونکہ ہمارے خاندان میں اس بات پر خاص توجہ دی جاتی ہے کہ لڑکیاں خود کو اتنا مضبوط بنائیں کہ اگر کبھی کوئی برا وقت بھی پڑے تو وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کے قابل ہوں اور فائٹ کر سکیں۔

پاکیزہ ✧...... بالکل صحیح کہہ رہی ہیں آپ آپ کی ہیروئن بڑی تیز طرار، شارپ اور بہادر ہوتی ہے گویا یہ بناوٹی نہیں ہے؟

حسینہ معین ✧...... بالکل جی...... اپنے گھر میں ہم نے ایسا ہی دیکھا ہے۔ اپنی والدہ پھر اپنی بہنوں کو ایسا ہی دیکھا اس کے علاوہ جو ماحول میں دکھ رہی ہوں اپنی تحریروں میں وہ درحقیقت میرے گھر کا میرے اردگرد کا ہی ہوتا ہے۔ میں لاشعوری طور پر جس ماحول کی عادی ہوں وہی لکھتی بھی ہوں لیکن جب میں نے لٹریچر پڑھا تو مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ عورت کو بہت مجبور اور مظلوم دکھایا جاتا ہے اور یہ بات بڑے فخر سے کہی جاتی ہے کہ عورت جو مجبور ہے مظلوم ہے اس کے باوجود اتنی عظیم ہے کہ سارے دکھ سہہ لیتی ہے اور اُف نہیں کرتی۔ میرے ذہن نے بالکل اس بات کو قبول نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ ظلم، ظلم ہوتا ہے چاہے عورت پر ہو یا مرد پر لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ عورت یوں عظیم ہے کہ چپ چاپ ظلم سہہ رہی ہے۔ اس لیے جب میں نے لکھنا شروع کیا تو شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر عورت کے لیے لکھا۔

پاکیزہ ✧...... اس طرح آپ محدود تو نہیں ہو گئیں کہ کہانیاں صرف عورت کے گرد گھوم رہی ہیں؟

حسینہ معین ✧...... ہاں شاید محدود تو میں ہوئی ہوں لیکن چونکہ میں نے کامیڈی لکھی ہے اس لیے کامیڈی محدود نہیں ہوتی۔ انسان کو کھلی کھڑکیاں دیتی ہے جس میں زندگی کا ہر پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ بس دیکھنے والی آنکھ چاہیے ہوتی ہے لیکن قابلِ غور بات ہے کہ اتنی کوششوں کے باوجود عورت کو وہ مقام نہیں مل سکا جو اسے اب تک مل جانا چاہیے تھا۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے کچھ لازوال کردار تخلیق کیے جیسے سعیہ، قباچہ، بقراط، حسنات بھائی، شہ زوری، یہ آپ نے کیسے سوچ لیے ان کے پیچھے کیا خاص بات تھی؟



حسینہ معین ✧...... نہیں کوئی خاص بات نہیں تھی...... وہ تو ظاہر بات ہے کہ جب آپ کو کامیڈی تخلیق کرنی پڑتی ہے تو ایک خاص طرح کا کردار بھی سوچنا پڑتا ہے۔ نام البتہ میں نے بڑے چُن چُن کر رکھے ہیں بالخصوص قباچہ کا چونکہ میں ہسٹری کی اسٹوڈنٹ رہی ہوں تو میں نے تاریخ میں سے یہ نام چن لیا تھا حالانکہ بعد میں لوگوں نے کہا بھی تھا کہ اتنا بڑا جرنیل تھا تم نے اُس کا مذاق اڑا دیا۔ میں نے کہا کہ نام تو دُہرائے جاتے رہتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... گھر میں آپ کے علاوہ اور کسی کو شوق تھا لکھنے لکھانے کا؟

حسینہ معین ✧...... شادی سے پہلے میری بڑی بہن لکھا کرتی تھیں ناول وغیرہ۔ میری چھوٹی بہن بھی اخباروں میں آرٹیکل وغیرہ لکھتی ہے۔

✧...... پاکیزہ: آپ کا ماشاء اللہ بڑا نام ہے اس فیلڈ میں تو کبھی آپ کی بہنوں یا بھائی نے اس فیلڈ میں آپ کے نام کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آنے کی کوشش نہیں کی؟

حسینہ معین ✧...... نہیں، نہیں ایسا نہیں ہے۔ میرا خیال ہے وہ سب اپنی اپنی فیلڈ میں مطمئن ہیں۔ میرے بھائی ڈاکٹر ہیں حالانکہ وہ بہت اچھے پینٹر بھی ہیں۔ دوسرا بھائی بھی بہت اچھا پینٹر ہے لیکن وہ انجینئر ہے دیوان موٹرز میں۔ ظاہر ہے وقت نہیں ملتا۔ تیسرا بھائی امریکا چلا گیا وہ کمپیوٹر کی فیلڈ میں ہے۔

پاکیزہ ✧...... کبھی کسی کاوش نے آپ کو خود چونکایا کہ ارے یہ میں نے کچھ بہت اچھا لکھ دیا ہے؟

حسینہ معین ✧...... ہاں دو تین جگہ اچھا لگا۔ ایک سنگسار میرا پلے تھا جو پاکستان ٹیلی ویژن کا پہلا کامپٹیشن پلے تھا۔ اس میں مجھے ایوارڈ بھی ملا تھا جس میں ساحرہ کاظمی، راحت کاظمی نے کام کیا تھا 1975ء میں۔ اس کے بعد مجھے اپنا انکل عرفی اور پھر ان کہی، تنہائیاں اور پھر آہٹ بہت اچھا لگا۔ آہٹ بہت مختلف موضوع پر لکھا گیا تھا اس لیے بہت خوشی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور ڈراما لکھا تھا دعا جسے رعنا شیخ نے ڈائریکٹ کیا تھا وہ بڑا خوبصورت لانگ پلے تھا جو ٹی وی ون پر آیا تھا۔ ٹی وی ون جب شروع ہوا تھا تو پہلا لانگ پلے وہی تھا پھر کراچی کے حالات پر چپ دریا بہت اچھا پلے بن گیا تھا۔

پاکیزہ ✧...... اچھا یہ بتائیں کہ کس تحریر نے حسینہ معین کی شناخت کرائی تھی؟

حسینہ معین ✧...... (یاد کرتے ہوئے) ہاں وہ ہیپی عید مبارک میرا پہلا پلے تھا جس نے کلک کر دیا

تھا۔

پاکیزہ ⟡...... آپ نے میگزین کے لیے بھی کام کیا ہے، کیسا تجربہ رہا؟

حسینہ معین ⟡...... میگزین ...... ہاں کچھ عرصے میں نے ٹی وی ٹائمز میں بحیثیت ایڈیٹر کام کیا تھا۔ اس کا تجربہ بھی بہت شاندار رہا۔ بہت مزہ آیا لیکن چونکہ 9 سے 5 تک کام کرنے کا میرا مزاج نہیں ہے اس لیے بہت زیادہ کام نہیں کر سکی پھر میں ٹی وی پر بہت زیادہ مصروف ہوگئی۔

پاکیزہ ⟡...... کہتے ہیں کہ مصنف کا ہاتھ معاشرے کی نبض پر ہوتا ہے۔ آپ کے خیال میں نئی نسل کس طرف جا رہی ہے۔ کیا قلم کار اپنا حق ادا کر رہے ہیں؟

حسینہ معین ⟡...... آج کل قلم کار اتنے زیادہ ہوگئے ہیں کہ ہر طرح کی چیز آپ کو دیکھنے کو مل رہی ہے اور انسان اپنے ذہن کے مطابق چیزیں قبول کرتا ہے۔ اب ان میں سے ہمارے نوجوان کیا لے رہے ہیں کیا نہیں لے رہے۔ یہ بات دیکھنے کی ہے۔

پاکیزہ ⟡...... حسینہ معین کے کردار لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسے کہ تنہائیاں، میں خود ابھی تک اس کے سحر میں ہوں؟

حسینہ معین ⟡...... واقعی تنہائیاں نے تو بہت سے لوگوں کو متاثر کیا تھا اور میں فخریہ انداز میں نام لیتی ہوں اس کا۔ بہت بڑا اچیومنٹ تھا یہ کہ ایک ایسی بچی جس کا کراچی میں آپریشن ہوا تھا اور اس کو انیستھیسیا anesthesia زیادہ دے دیا گیا تھا۔ اپنڈیکس کا آپریشن تھا یہاں کے بڑے مشہور آدمی ہیں ڈاکٹر خان ان کی نواسی تھی۔ جب اسے ہوش نہیں آیا تو ڈاکٹر کو پتا چلا کہ اس کا ذہن damage ہوگیا تو اسے لے کر وہ لوگ امریکا گئے۔ کافی عرصے علاج کرواتے رہے مگر وہ بولنے کے قابل تھی اور نہ ہی کوئی حرکت کر سکنے کے۔ بس وہ بے حس و حرکت بستر پر پڑی رہتی تھی پھر کسی نے ان کے رشتے داروں میں سے یہاں سے تنہائیاں کا پورا سیٹ وہاں انہیں بھیجا کہ اسے بچی کو دکھایا جائے کہ اس میں کامیڈی بہت ہے بچی خوش ہوگی۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ وہ بچی اکیلے تنہائیاں دیکھتی رہتی تھی اور خود کو اس نے اس ڈرامے میں انوالو کر لیا کیونکہ اس پر ایک کیریکٹر ایسا تھا زارا کا جو خود اپاہج ہوگئی تھی، پڑی رہتی تھی بالکل اسی بچی کی طرح۔ اس بچی کے خاندان والے کہتے ہیں کہ ہم نے آٹھ سیٹ خراب کیے تھے جسے وہ مسلسل دیکھتی رہتی تھی اور پھر اس نے جو پہلا جملہ کہا تھا تو زارا کا ہی کوئی ڈائیلاگ کہا تھا۔ جسے سن کر سب شاکڈ رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ اسے تنہائیاں دیکھتے رہنے دیا جائے۔ بچی میں امپروومنٹ شروع ہوگئی ہے پھر دھیرے دھیرے بچی کی ول پاور اور اللہ کا کرم ہوا کہ وہ بچی اس قابل ہوگئی تھی کہ وہیل چیئر پر آ جائے۔ اس کے ہاتھ چلنے لگے۔ وہ اب پینٹنگ کرتی تھی اور وہ جب بھی پاکستان آتی تو مجھے بلاتی ہے۔ ایک دفعہ اس نے مجھے کیلنڈر بنا کر بھیجا۔ اللہ نے یہ اعزاز ہمیں دیا جس کے لیے ہم اس کے بہت شکر گزار ہیں۔

پاکیزہ ⟡...... اچھا کچھ اپنے بچپن کے دنوں کو بھی پاکیزہ کے قارئین سے شیئر کریں گی؟

حسینہ معین ⟡...... (ہنس کر) بچپن...... بچپن تو بہت اچھا گزرا، بہت مزے کا۔

پاکیزہ ⟡...... ایسے ہی شرارتیں کرتی تھیں جیسے آپ کے کردار کرتے ہیں؟

حسینہ معین ⟡...... ارے اس سے بھی زیادہ...... شرارتیں تو خیر ہم نے یونیورسٹی تک کی ہیں۔ چونکہ بچپن میرا کانپور میں شروع ہوا تھا جب مجھے نرسری میں ڈالا گیا تھا۔ وہاں پر پہلا جو واقعہ مجھے یاد ہے کہ ایک انگریز ٹیچر جو ہماری تھی۔ وہ جب آتی تھیں تو وہ مجھے گود میں بٹھا کر پڑھاتی تھیں اور وہ جب گود سے



اتارتی تھیں تو میں کلاس سے باہر چلی جاتی تھی پھر وہ پیچھے پیچھے آتی تھیں مجھے پکڑنے...... پھر شاید ان کی شادی ہوگئی یا کیا ہوا کہ وہ چلی گئیں...... پھر انڈین ٹیچر آئیں تو مجھے یہ یاد ہے کہ میں نے قالین پر لوٹ لوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا کہ میں کالی ٹیچر سے نہیں پڑھوں گی (ہاہاہاہا) پھر پرنسپل آ گئیں۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ تم پڑھو وہ ٹیچر بھی آ جائیں گی...... تو وہاں بھی بہت لاڈ سے میں پڑھتی تھی پھر کلاس ایٹھ تک میں نے مستقل طور پر ڈبل پروموشن لیا۔ ون سے ٹو میں گئی تو میں یعنی فور میں چلی گئی۔ فور سے سکستھ میں، سکستھ سے ایٹھ میں گئی پھر جب ہم پاکستان آ گئے تو میں نے کلاس سکستھ میں ٹیسٹ دیا ایٹھ میں ایڈمشن ہوا لیکن میں میتھس میں کمزور رہ گئی تھی۔ پتا نہیں کیسے میٹرک میں پاس ہوگئی تھی۔ باقی سبجیکٹ میں ٹھیک تھی پھر اس کے بعد کالج کی شرارتیں بے تحاشا ہیں اگر کوئی وومن کالج میں چلا جائے تو سب میرا نام لے لیں گے حالانکہ اس وقت میں کچھ بھی نہیں تھی صرف حسینہ تھی۔ لیکچرر مسز گلزار ہمیشہ مجھے اپنے برابر کرسی پر بٹھایا کرتی تھیں۔ جب ہم نے پڑھانا شروع کیا تو ہمارا گروپ اتنا اچھا بن گیا تھا کہ ہم نے زندگی کو بے حد انجوائے کیا۔ سب کے ساتھ دوستی، گھومنا پھرنا، بہت مزے کیے۔

پاکیزہ ⟡...... کبھی اماں سے بھی مار کھائی؟

حسینہ معین ⟡...... ارے باپ رے ڈانٹ تو بہت کھائی ہے۔ ہماری اماں بہت سخت تھیں، کہتی تھیں کہ انسان کو بہت ٹھیک ٹھاک ہونا چاہیے، کوئی بدتمیزی نہیں۔ کوئی غلط کام نہیں۔ کھانا اگر آپ کھا رہے ہیں بالخصوص چاول کھا رہے ہیں اور انگلیوں پر بھی چاول لگ گئے ہیں تو آپ اٹھ جائیں میز سے۔ ابا ہمارے سوئٹ تھے۔ اماں ڈانٹتی تھیں وہ منا کر لے آتے تھے۔ کوئی بات اماں سے منوانی ہوتی تو ابا کے تھرو منوایا جاتا۔ کہیں جانا، کچھ لانا ہے، کوئی کام کرنا ہے۔ بس لائف ایسے ہی گزر گئی۔

پاکیزہ ⟡...... گویا ابا کا لاڈ زیادہ رہا؟

حسینہ معین ⟡...... ہاں مگر اماں کا لاڈ بھی ایسا تھا کہ ہم انہیں ہر کام میں پرفیکٹ نظر آئیں۔ کبھی کوئی ایوارڈ ہمیں ملا اور ہم نے کہا کہ اماں ہمیں یہ ایوارڈ ملا تو سب تعریف کر رہے تھے تو وہ کہتیں کہ اصل تعریف

وہ ہوتی ہے جو دوسرے کرتے ہیں۔ اپنی ماں تعریف کرے یا باپ تعریف کرے تو وہ تعریف نہیں ہوتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ آخری عمر میں انہیں یہ سب کچھ سننے کو مل گیا کہ ان کے بچوں کی تعریف ہوتی ہے۔

پاکیزہ ✧......اچھا آپ کی اپنے بھانجی، بھانجے، بھتیجی، بھتیجوں سے خوب دوستی ہوگی؟

حسینہ معین ✧...... آہا کیا بتاؤں بہت زیادہ ہے......سب سے دوستی ہے، بہت پیار کا رشتہ ہے۔ میری چھوٹی بہن ہے۔ اس کی بیٹی ہے رائیل وہ میری بیٹی بنی ہوئی ہے کیونکہ جب وہ پیدا ہوئی تو فوری طور پر اس وقت کوئی گرم کپڑا نہیں تھا تو اسے میری شال میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد اسے کپڑے پہنائے گئے تو میرا بہنوئی کہتا ہے کہ اس میں ساری حرکتیں حسینہ آپا کی ہیں۔

پاکیزہ ✧......دیگر مشاغل کیا ہیں آپ کے؟

حسینہ معین ✧......اول تو فرصت ہی نہیں ملتی۔ ویسے مجھے گھومنے کا بہت شوق ہے، بہت سفر کرتی ہوں۔ دوست بھی بہت زیادہ ہیں۔ میوزک سے بہت دلچسپی ہے۔

پاکیزہ ✧......آج کل کے میوزک کے بارے میں کیا خیال ہے؟

حسینہ معین ✧...... آج کل شاعری کے حوالے سے سنگرز سنجیدہ نظر نہیں آتے۔ پراپر شاعری نہیں ہوتی۔ خود تک بندی کر لیتے ہیں تو اس کی وجہ سے کچھ کمزور ہو جاتے ہیں گانے۔

پاکیزہ ✧......کوئی ایسی شخصیت جس نے آپ کی شخصیت بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہوا؟

حسینہ معین ✧...... (بے ساختہ) میرے والدین۔

پاکیزہ ✧......آپ کی زندگی کا کوئی یادگار واقعہ جو آج بھی یاد ہو؟

حسینہ معین ✧...... ایسے تو ہزاروں واقعات ہیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کے گھر والے آپ کی کس عادت سے خوش اور ناخوش رہتے ہیں؟

حسینہ معین ✧...... میں کبھی گلہ شکوہ نہیں کرتی شاید اس بات سے بھی خوش رہتے ہیں اور ناراض شاید اس بات پر ہو جاتے ہیں کہ جب کام کر رہی ہوتی ہوں تو بالکل گم ہو جاتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......اس فیلڈ میں آ کر آپ کی پرسنل لائف کتنی ڈسٹرب ہوئی؟

حسینہ معین ✧......نہیں پرسنل لائف ڈسٹرب تو نہیں ہوئی البتہ انجوائے بہت زیادہ کیا ہے۔ ہاں کبھی مصروفیات کے باعث گھریلو تقریبات میں نہیں جا سکی۔ مجھے یاد ہے کہ میری ایک دوست آئی ہوئی تھی اس نے مجھے سختی سے کہہ دیا تھا کہ جب تک میں یہاں ہوں تم کوئی کام نہیں کرو گی۔ اس وقت میں نے اس کے ساتھ بہت انجوائے کیا۔

پاکیزہ ✧......زندگی میں کبھی کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی آپ کو یا جو چاہا پا لیا؟

حسینہ معین ✧......اللہ تعالیٰ سب کا ہے۔ میری خواہشیں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے جو چاہا وہ مجھے ملا۔ میں نے زندگی میں کبھی کوئی کمی محسوس نہیں کی۔ کسی نہ کسی طرح وہ پورا ہوتا رہا ہے۔

پاکیزہ ✧...... کچھ محبت سے متعلق بات کرنا پسند کریں گی؟

حسینہ معین ✧...... محبت تو زندگی کا لازمی جزو ہے اور انسان کو ملتی بھی ہے۔ (ایک خاص روپ عشق بھی تو ہے محبت کا) عشق بھی ہوتا ہے انسان کو۔ میری اسٹوریز میں یہ رنگ ضرور نظر آتا ہے۔

پاکیزہ ✧......لکھنے کے لیے خود کو تیار کرتی ہیں یا موڈ آپ ہی آپ بن جاتا ہے؟

حسینہ معین ✧......نہیں کچھ خاص نہیں، میں دس لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھی لکھ لیتی ہوں۔ بس



ڈسٹرب کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ کہیں ذہن سے جملے نہ نکل جائیں ورنہ میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی۔

پاکیزہ ✧......تحریک کا سبب عموماً کیا بات بنتی ہے؟

حسینہ معین ✧......نہیں زندگی میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے کبھی کچھ زبردستی خود لکھا ہو۔ ہمیشہ یہ ہوا کہ لوگوں نے کہا کہ لکھو تو لکھا۔

پاکیزہ ✧...... آپ ڈائجسٹ کے لیے کیوں نہیں لکھتیں حالانکہ لوگ آپ کو رسالوں میں بھی پڑھنا چاہتے ہیں؟

حسینہ معین ✧...... مجھے ٹی وی سے وقت ہی نہیں ملا، کالج ختم ہوتے ہی ٹی وی کے لیے لکھنا شروع کیا، شہ زوری لکھا پھر یہ سلسلہ چل پڑا کچھ عرصہ میں نے اخبار جہاں میں لکھا۔ ٹی وی ٹائمز اور فورسز کا رسالہ الہلال میں بھی لکھا بس زیادہ وقت نہیں مل سکا۔

پاکیزہ ✧......تو میگزین کی کیا اہمیت ہے آپ کی نظر میں؟

حسینہ معین ✧...... ظاہر ہے میگزین نے کئی رائٹرز پیدا کیے ہیں، بنائے ہیں۔ جتنے بڑے مصنف ہیں انہوں نے پہلے میگزین میں ہی لکھا لیکن اب ادبی میگزین اتنے کم ہو گئے ہیں کہ مشکل سے ہی کوئی شمارہ نظر آتا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ایک ادیب کس طرح نوجوان نسل کی تربیت کر سکتا ہے؟

حسینہ معین ✧......دیکھیں انسان کی تحریر جو ہے وہ ذہنوں پر نقش ہو جاتی ہے تو لفظ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اور اسی لیے قلم کار کی بڑی ذمے داری ہوتی ہے کہ کوئی ایسا پیغام نہ دے جو برائیوں کی طرف لے جائے لوگوں کو۔

پاکیزہ ✧...... اسکرین دیکھنے والی آنکھیں کتابیں نظر انداز کر رہی ہیں؟

حسینہ معین ✧......ہاں یہ بڑا المیہ ہے کہ ٹی وی کے آ جانے سے لوگوں نے کتابیں پڑھنا چھوڑ دی ہیں اور یہ بڑی بُری بات ہے کیونکہ کتاب کے پڑھنے کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ٹی وی الگ چیز ہے لیکن کتاب پڑھتے وقت انسان اتنا گم ہو جاتا ہے کہ ایک دوسری دنیا میں چلا جاتا ہے۔

✧...... پاکیزہ : ہم ڈراموں میں گلیمر پر اتنا

زیادہ زور دینے لگے ہیں۔ کیا وجہ ہے کیا اچھا لکھنا چھوڑ دیا اس لیے؟

حسینہ معین ✧...... (انتہائی صاف گوئی سے) غالباً...... کیونکہ ہم نے نقل کرنا شروع کردی ہے۔ ویسے گلیمرائز کر کے آپ کامیاب تو نہیں ہوسکتے۔ اب نقلی ماحول سامنے آتا ہے تو اسی لیے وہ پاپولر نہیں ہورہا ہے کسی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ کتنی سیریل آئیں اور گزر گئیں، یہ تکلیف دہ بات ہے۔

پاکیزہ ✧......سفر کیا، کہاں کا اور کہاں مزہ آیا؟

حسینہ معین ✧...... ارے سفر تو بہت کیا...... بہت شوقین ہوں، مزہ ہر جگہ آیا۔ انڈیا، نیپال، لندن، سے لے کر اسکاٹ لینڈ تک کا پورا سفر میں نے بہت انجوائے کیا۔ موراکو، ترکی میں بھی بہت مزہ آیا۔

پاکیزہ ✧......اپنے ہم عصر قلم کاروں میں آپ کسے پسند کرتی ہیں؟

حسینہ معین ✧...... آج کل جو ادیب لکھ رہے ہیں...... کیا کہوں کہ آج کل ادیب بہت کم ہوتے چلے جارہے ہیں لیکن پھر بھی جن لوگوں کو میں بہت زیادہ پسند کرتی ہوں ان میں قرۃ العین حیدر، جیلانی بانو، بانو قدسیہ، اشفاق احمد صاحب، امجد اسلام امجد بھی بہت اچھا لکھتے ہیں۔ انور مقصود بھی لاجواب لکھتے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کی تاریخ پیدائش اور اسٹار کیا ہے؟

حسینہ معین ✧...... میری تاریخ پیدائش ہے 20 نومبر اور جائے پیدائش ہے کان پور یوپی۔ اسکارپیو کا میرا لاسٹ ڈے۔

پاکیزہ ✧...... پسندیدہ موسم، کھانا، لباس، رنگ، پھول، خوشبو؟

حسینہ معین ✧...... بارش، کھانے میں بہت ساری چیزیں پسند ہیں۔ چٹ پٹی، لباس میں ساڑی اور شلوار قمیص بھی پسند ہے۔ کلر مجھے پنک پسند ہے، پنک مجھے اس لیے اچھا لگتا ہے کہ میری والدہ نے بی اے تک صرف پنک کلر ہی پہنایا تھا تو بعد میں میری کالج کی لڑکیوں نے کہنا شروع کردیا تھا کہ خدا کے واسطے اب یہ رنگ بدل لو۔ پھول مجھے ہر طرح کے اچھے لگتے ہیں اور خوشبو ظاہر ہے کہ وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہے۔ ایوننگ ان پیرس میری والدہ استعمال کرتی تھیں۔ وہ مجھے آج بھی پسند ہے۔

پاکیزہ ✧......فلموں کا تجربہ کیسا رہا آپ کا؟

حسینہ معین ✧...... حنا کا بہت اچھا تجربہ رہا پھر ثمینہ پیرزادہ کی ایک فلم کے ڈائیلاگز لکھے تھے۔ وہ تجربہ بھی شاندار رہا پھر جاوید شیخ نے ایک فلم لکھوائی جس کے لیے ترکی گئے تھے ہم لوگ۔ اس کے بعد پھر نہیں لکھا میں نے فلم کے لیے۔

پاکیزہ ✧......اچھا آپ اپنے ڈراموں کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی خواہش مند ہیں؟

حسینہ معین ✧...... ابھی تک نہیں سوچا تھا اب سوچ رہی ہوں کیونکہ لوگ اصرار کررہے ہیں۔

پاکیزہ ✧...... آپ کو نہیں لگتا کہ کوئی ثریا بجیا، حسینہ معین یا بانو قدسیہ آپ کے بعد نہیں ہیں اور نہ ہی آپ نے سوچا کہ کسی پر محنت کی جائے؟

حسینہ معین ✧...... ہاں کچھ ایسا ہونا چاہیے۔ یہ تو لوگوں کی اپنی کوشش ہوتی ہے۔ وہ سامنے آئیں تو ہم دیکھیں گے۔

پاکیزہ ✧......سوپ ڈرامے کے بارے میں کیا کہیں گی؟

حسینہ معین ✧...... سوپ مجھے بالکل ناپسند ہے۔ جو بات ہمارے معاشرے سے مطابقت نہیں رکھتی تو ہم غلط چیزیں کیوں دکھا رہے ہیں کہ کچن میں آپ ساڑی پہن کر بڑے بڑے جھمکے پہن کر جارہی ہیں اور اگر آپ کا گھر دو ہزار گز پر بنا ہوا ہے تو آپ کچن میں کیوں جارہی ہیں، نوکر کیوں نہیں جارہے۔



معروف ڈرامانگار حسینہ معین اور معروف اداکار شکیل

پاکیزہ ✧...... کوئی ایسی شخصیت جو آپ کو بالکل ناپسند ہو؟

حسینہ معین ✧...... میں انتہا پسند ہوں مجھے باتونی لوگ بہت اچھے لگتے ہیں یا بالکل اچھے نہیں لگتے اور جو بالکل ہی اچھے نہیں لگتے میں ان سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی۔

پاکیزہ ✧...... آپ نے ڈائریکشن میں طبع آزمائی نہیں کی کیوں؟

حسینہ معین ✧......نہیں...... میں ہر کام میں ہاتھ نہیں ڈالتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......غیر ملکی چینل سے آپ کو لکھنے کی آفر آئی؟

حسینہ معین ✧......ہاں انڈیا سے آئی تھی تو انڈیا کے لیے میں نے ایک فلم حنا لکھی اور دو سیریل لکھ دیں، ایک کشمکش اور ایک تنہا۔

پاکیزہ ✧...... تو ان کی آفرز قبول کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

حسینہ معین ✧......اس لیے کہ ایک تو راج کپور صاحب نے بلوایا تھا اور وہ تقریباً دو سال تک میرا انتظار کرتے رہے اور ہر ہفتے مجھے فون کرتے رہے پھر مجھے جانا پڑا۔ کشمکش میں نے اس لیے لکھی کہ ایک انڈین لڑکی ہے چندنارن اس سے میری بڑی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ پاکستان آئی اور مجھ سے لکھوایا دوردرشن کے لیے اور یہ بڑی بات تھی کہ ان کے نیشنل نیٹ ورک پر ایک پاکستانی رائٹر کی تحریر ارشد محمود کی موسیقی اور مینا ناتانی کی آواز چلی۔ تنہا کے لیے مجھے اسٹار پلس نے بلوایا تھا۔

پاکیزہ ✧......اکثر لوگ تنقید کرتے ہیں تو کیسا لگتا ہے؟

حسینہ معین ✧......تنقید بھی سن لیتی ہوں تعریف بھی سن لیتی ہوں۔ مجھ پر زیادہ اثر نہیں ہوتا۔

پاکیزہ ✧...... عام طور پر غصہ کم آتا ہے یا زیادہ اور کن باتوں پر؟

حسینہ معین ✧...... غصہ مجھے بہت کم آتا ہے، برداشت بہت زیادہ ہے۔

پاکیزہ ✧......اپنے ڈراموں میں کاسٹ اچھی

مرضی سے لیتی ہیں؟

حسینہ معین ✧...... بالکل...... ڈائریکٹر کے ساتھ میں مستقل موجود ہوتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... حسینہ آپا ایک طویل وقفے کے بعد آپ نے دوبارہ لکھا اور پھر تین سیریل ایک ساتھ آگئے، یہ کیسے ہوا؟

حسینہ معین ✧...... شاید آپ لوگوں کو علم نہیں ہوگا کہ اس پورا عرصہ میں کافی بیمار رہی اس لیے کچھ بھی نہیں لکھ سکی۔ اب بہتر ہوئی تو پھر سے لکھنا شروع کیا۔ (اللہ حسینہ آپا کو صحتِ کاملہ اور عمرِ طویل عطا فرمائے، آمین) یہ تین سیریلز تو ایک ساتھ آگئے مگر ایک وضاحت کرتی چلوں کہ نیا تنہائیاں ایک یا دو episode میں نے کیں مگر پھر مجھے باہر جانا پڑ گیا اور یہ میری عدم موجودگی میں پورا کیا گیا۔ اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے ایک روزنامے میں لکھا بھی تھا کہ یہ غلط کیا گیا۔ میں نے کچھ اور کہانی سوچی تھی اس سے لوگوں کو اچھا تاثر نہیں گیا۔ اس لیے وضاحت کررہی ہوں کہ نیا تنہائیاں میں نے نہیں لکھا۔ ہاں ''میری بہن مایا'' کا بہت اچھا رسپانس ملا اور عینی جعفری نے لیڈنگ رول بہت اچھی طرح نبھایا۔

پاکیزہ ✧...... اب کون سے ایسے نام ہیں جو ڈرامے کی تاریخ میں یاد رہ جائیں گے؟

حسینہ معین ✧...... انور مقصود۔

پاکیزہ ✧...... پچھلے دس سالوں میں ٹی وی ڈرامے بہت بہتات سے لکھے گئے کیونکہ چینلو جو اس قدر آگئے۔ آپ کیا سمجھتی ہیں یہ تبدیلی کیسی ہے؟

حسینہ معین ✧...... دیکھیں زیادہ ڈرامے لکھے جانا تو کوئی بری بات نہیں مگر اس طرح ہو کہ چینل روز ایک ڈراما دکھائے۔ ایک ہی دن میں کئی، کئی ڈرامے ایک جیسے کردار اور ایکٹرز سب گڈمڈ ہو جاتا ہے۔ بے شک یہ دیکھے جارہے ہیں مگر اس بہتات میں اچھے برے سب شامل ہیں۔ اب اس میں اچھی چیز بہت اچھی ہو تو یاد رہ سکتی ہے۔ بالخصوص کامیڈی کے بارے میں کہوں گی کہ اس قدر بری، سطحی اور غیرمعیاری کامیڈی ہے جس میں زبان، انداز سب تہذیب سے گرا ہوا...... معلوم نہیں کون سا کلچر اور کہاں کی تہذیب دکھائی جارہی ہے۔ یہ چینلو کی ذمے داری بنتی ہے کہ ہر چیز وہ کیوں پیش کررہے ہیں۔ یہ پھکڑ بازی، یہ گھٹیا جملے، گری ہوئی کامیڈی...... اصل میں مارکیٹنگ کے نام پر معلوم نہیں کیا ہورہا ہے، تھرڈ کلاس چیزیں دکھائی جارہی ہیں اور لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اخلاق سے گری حرکتیں، باتیں غرضیکہ اس بہتات میں یہ سب دیکھنے کو مل رہا ہے۔ اس طرح تو آپ لوگوں میں کیا فکر ڈال رہے ہیں، نئی نسل کیا سیکھ رہی ہے اس سے کسی کو کوئی واسطہ نہیں۔ (آپ بالکل حقیقت بیان کررہی ہیں آپا!)

پاکیزہ ✧...... اب بھی لوگ آپ کے ڈراموں کے سحر میں جکڑے ہوئے ہیں کیسا لگتا ہے؟

حسینہ معین ✧...... ظاہر ہے انسان ہوں تو خوشی ہوتی ہے یہ سب سن کر جان کر اور اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں میری خوش نصیبی ہے۔

پاکیزہ ✧...... اب آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟

حسینہ معین ✧...... ابھی تو ان سیریلز سے فارغ ہوئی ہوں، تیس سال پہلے لکھنا شروع کیا پھر 90ء کی دہائی میں گیپ آیا اس دوران ملک سے باہر بھی رہی اور گزشتہ سالوں میں تو بیمار رہی پھر سے کام کا آغاز کیا ہے۔ اقبال انصاری کے لیے ایک سیریل پر کام کررہی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... تیس سال پہلے کے لکھنے اور آج کے لکھنے میں ایک رائٹر کی حیثیت سے کیا فرق محسوس کرتی ہیں؟

حسینہ معین ✧...... فرق تو ظاہر ہے بہت ہے۔ تیس سال پہلے اُسی ماحول اور وقت کے حساب سے لکھتی تھی۔ اسٹیج کے ساتھ flow بھی آتا ہے تنوع بھی اور بہت سی چیزیں ہوتی ہیں اب خصوصیت سے یہ کہوں گی کہ آرٹسٹ اس جانب dedicated نہیں ہیں۔ پہلے رائٹر، ڈائریکٹر، ایکٹر سب کہانی میں involve ہوتے تھے۔ discussions ہوتی تھیں rehearsals ہوتی تھیں۔ کیریکٹر analysis ہوتے تھے اب سب کچھ unreaslistic ہے۔ سب لوگ منی مائنڈڈ ہوگئے ہیں۔ جلد بازی میں ہیں جب تک رائٹر artist کے ساتھ کیریکٹر discuss نہ کریں تو اچھا کام کیسے ہو مگر اب ایسا ہی ہوگیا ہے جبھی معیار پر فرق پڑا ہے۔

پاکیزہ ✧...... ابھی تک آپ نے اتنا کام کیا، اب کیا لکھنے کی خواہش ہے؟

حسینہ معین ✧...... ہاں کافی کچھ تو لکھا اب میں اپنی memoirs لکھنا چاہتی ہوں۔

پاکیزہ ✧...... کردار لکھتے لکھتے خود کردار نبھانے کا خیال کبھی آیا؟

حسینہ معین ✧...... کردار نبھانے کا خیال تو نہیں آیا شوق بھی نہیں تھا مگر میرے کرداروں میں میری شخصیت کی جھلک ضرور ہے۔

پاکیزہ ✧...... آج کی نئی لکھنے والیوں کے لیے کیا کہیں گی؟ آج کے ڈرامے کس سمت

جار ہے ہیں؟

حسینہ معین ✧......اتنا ضرور کہنا چاہوں گی کہ ایک تو اوریجنل لکھیں یا اگر کہیں سے لیں تو ایکنالج کردیں کہ ہم نے وہاں سے لیا ہے۔ تیسری بات یہ کہ اس میں بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ جلدی کا کام نہیں ہے تو بہتر ہے کہ آپ بہت محنت کرکے اور جب آپ کا دل مطمئن ہو جائے تب اسکرپٹ دیں۔ کہنے کو تو اور بھی بہت کچھ ہے مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ عورت ہونے کے ناتے ایک عورت کی اتنی تذلیل نہ کریں، اتنی بے چاری، لاوارث، دُکھی مصیبت کی ماری، سر ڈھکے وہ روتی پھر رہی ہے اور سب ظلم پر ظلم کیے جارہے ہیں۔ یہ سب ٹی وی ڈراموں میں ہرگز نہ دکھائیں۔ ناول میں آپ جو مرضی لکھیں وہ چند ہاتھوں میں جاتا ہے۔ جبکہ ٹی وی ہر طبقہ اور ہر عمر کا فرد دیکھ رہا ہوتا ہے اور آپ اس کے ذریعے کیا پیغام دینا چاہ رہی ہیں اس قدر عورت کو لاچار اور کمزور دکھایا جارہا ہے جو بالکل غلط ہے...... چھوٹی بچی نوعمر لڑکی اپنے ذہن میں کیا ڈال رہی ہے، لڑکے اس سے کیا سبق لے رہے ہیں کہ لڑکی یا عورت کا یہ حال کرنا کتنا آسان ہے۔ قوم کے ذہن کو کس طرف لے جارہے ہیں...... یہ بے لگام چیزیں دکھانا آنے والی نسلوں کے ساتھ شدید زیادتی ہے مگر یہاں قوم کی تعمیری سوچ کا خیال کس کو ہے؟ دس سال کے بعد اس کے کیا مضر اثرات نظر آئیں گے یہ سب کو پتا چل جائے گا۔

پاکیزہ ✧......کیا مرد اور عورت رائٹرز کی تحریروں میں کوئی فرق ہوتا ہے؟

حسینہ معین ✧......ہاں ہوتا ہے...... اپنی، اپنی سوچ، اپنے، اپنے افکار کے حساب سے، عورت softly سوچتی ہے مرد سارے topics پہ لکھتا ہے پھر مرد اور عورت کی حیثیت سے الگ، الگ تجربات سے رائٹر گزرتا ہے تو فرق تو ضرور ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......شوبز کے ماحول نے کبھی آپ کو پریشان کیا؟

حسینہ معین ✧......نہیں مجھے کبھی پریشان نہیں کیا۔ وہی اپنائیت، عزت، پیار مجھے ملا جو میرا حق تھا۔

پاکیزہ ✧......قلم سے گھر چلایا جاسکتا ہے؟

حسینہ معین ✧......نہیں...... میرے نزدیک یہ پیسہ بنانے کا پروفیشن نہیں ہے۔

پاکیزہ ✧......کوئی پیغام دیں گی؟

حسینہ معین ✧......لکھاریوں کے لیے پیغام ہے کہ خوب لکھیں، اچھا لکھیں، ہمارے ملک کو ضرورت ہے اچھے ادب کی۔ نیا ذہن اچھا ہونا چاہیے۔

☆☆☆

عزیز قارئین' حسینہ معین صاحبہ سے حسین اور پُراثر گفتگو اختتام کو پہنچی۔ حسینہ صاحبہ کا بے حد شکریہ کہ انہوں نے ہماری اور قارئین کی فرمائش کا خیال رکھتے ہوئے اپنی بے پناہ مصروفیات سے وقت نکالا۔ اب ہم حسینہ صاحبہ کے اگلے ڈرامے کا شدت سے انتظار کریں گے۔ چھوٹی سی بات کے ساتھ آپ سے اجازت کہ خوش رہنا اور خوش رکھنا سیکھیں۔ اللہ حافظ۔

ان صفحات کے لیے آپ کی قیمتی آرا کا انتظار رہے گا۔

جنوں کے راستے یوں تو کٹھن سے لگتے ہیں
مگر یہ راستے منزل تلک نکلتے ہیں
زمانہ ہر قدم پہ راہ روکنے والا
عزائم پختہ ہوں جن کے وہ کب بھٹکتے ہیں

☆☆☆

پاکیزہ کی مصنفات کے لیے پیغامات

شائستہ زریں

عزیزوں اور چاہنے والوں کی جانب سے ملنے والے پیغامات جو اُن کے دلی جذبات و احساسات کے عکاس ہوتے ہیں بلاشبہ کسی ٹانک سے کم نہیں ہوتے۔ کچھ ایسا ہی اہتمام ہم نے پاکیزہ کی سالگرہ کے موقع پر پاکیزہ بہنوں کی جانب سے پاکیزہ کی مصنفات کے لیے یہ ''محبت بخش ٹانک'' پیش کرکے کیا ہے جو یقیناً پاکیزہ کی مصنفات کے قلم کو مزید توانائی اور رعنائی بخشے گا کہ تحریر میں نکھار محبت بھری ستائش سے بھی تو آتا ہے ناں!

☆☆☆

☆ شگفتہ شفیق

انجم باجی! آپ کے افسانے بے نظیر اور اصلاحی پہلو لیے ہوتے ہیں۔ میرے لیے آپ بیک وقت ماں، بہن، دوست، غمگسار ہیں۔ اللہ آپ کو تندرستی کے ساتھ سلامت رکھے اور آپ یونہی اپنی میٹھی زبان سے رہنمائی کرکے ہمیں سیدھی راہ دکھاتی رہیں اور سدا خوش رہیں، آمین!

رضیہ مہدی! سے یہی کہوں گی کہ

اگر جینا ہی ٹھہرا ہے تو اس میں دلکشی رکھنا
میرے لوگو! ہمیشہ زندگی کو زندگی رکھنا
بہت دشوار ہے لیکن جنونِ عشق میں لوگوں
گریباں چاک رکھنے میں بخیہ گری رکھنا

☆☆☆

☆ نسیم نیازی

عمیرہ احمد! تم ایک انمول ہیرا ہو، پاکیزہ کے افق پر چمکنے اور تادیر قائم رہنے والا روشنی کا خزانہ ہو۔



شگفتہ شفیق



نسیم نیازی

میری خواہش اور دعا ہے کہ پاکیزہ کے صفحات پر تم تادیر چمکتی اور اپنی تحریروں سے ہمارے ذہن و دل اور آنکھوں کو منور کرتی رہو، آمین!

عالیہ بخاری!

بچھڑ کر تجھ سے تیری یاد اس طرح آئی
کہ جیسے دور کہیں بج رہی ہو شہنائی

☆☆☆

فصیحہ آصف

باجی انجم انصار! آپ تو خود خوبیوں محبتوں اور چاہتوں کا دلکش گلدستہ ہیں اللہ آپ کو سدا کھلتے پھولوں کی طرح شاداب رکھے، آمین!

عمیرہ احمد!

جہاں سے تیرا جی چاہے کتابِ زندگی پڑھ لے
صفحہ چاہے کوئی کھولے نام تیرا ہی لکھا ہوگا

☆☆☆

فریدہ خانم

عالیہ بخاری! ''خوشبو کا سفر'' جیسا پیارا ناول



فریدہ خانم

لکھ کر آپ نے میرے دل میں گھر کرلیا۔ اپنا مجموعہ کلام ''مختلف'' میں نے آپ کو ارسال کردیا تھا لیکن ہنوز وصولیابی کی رسید نہیں ملی۔ محبت اور پرخلوص دعاؤں کے ساتھ خواہش ہے کہ اپنے آنے والے کسی ناول میں مختلف میں سے کوئی غزل یا نظم بھی آپ شامل کریں۔

باجی انجم انصار!

ہمیں یاد رکھیے گا آپ دعاؤں میں اس طرح
ہم رکھتے ہیں آپ کو یاد دعاؤں میں جس طرح
خدا آپ کا دامن خوشیوں سے بھردے اس طرح
بہار میں شجر پھولوں سے بھرا ہوتا ہے جس طرح

☆☆☆

شازیہ افتخار

عمیرہ احمد! آپ کے لیے دلی دعا ہے کہ ''پیرِ کامل'' کا دوسرا حصہ بہت جلد منظرِ عام پر لے آئیں۔ ہمیں شدت سے انتظار ہے۔

انجم انصار!

تمہارا ساتھ ہو تو سارے موسم اچھے لگتے ہیں



شازیہ افتخار

وگرنہ بے مزہ ہیں پھول خوشبو اور برساتیں

☆☆☆

دُرِ شہوار تنویر

نمرہ احمد! آپ کی کردار نگاری اور منظر نگاری کمال کی ہوتی ہے، اس پر طرہ یہ کہ قاری کو ایک تجسس



دُرِ شہوار تنویر

میں مبتلا رکھتی ہیں۔ آپ کی تحریریں پڑھ کر یہ الزام غلط محسوس ہوتا ہے کہ ڈائجسٹ سنجیدہ ادب پیش نہیں کر رہے، دلی دعا ہے کہ آپ کامیابی کے ساتھ اسی طرح معیاری اور بامقصد ادب تخلیق کرتی رہیں، آمین!

نیلوفر عباسی!

خدا کرے تیری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں (آمین)

☆☆☆

شائلہ سہیل جاوید

عمیرہ احمد! آپ نے اپنے قلم کی طاقت سے بے بس، لاچار اور دوسروں پر انحصار کرنے والی عورت کو سر اٹھا کر جینے والی اور اپنی قوتِ بازو پر بھروسا کرنے والی عورت میں تبدیل کردیا۔ آپ اسی طرح تاریکی میں روشنی بکھیرتی رہیں اور آپ کے قلم کا زور بڑھتا رہے، آمین!

شوخ، چنچل، نٹ کھٹ فائزہ افتخار!

تم نے روتی ہوئی آنکھوں کو ہنسایا اکثر
اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور عبادت ہوگی

☆☆☆

تسنیم مہ پارہ

رفعت سراج! آپ کی تحریروں کے سحر میں قاری ایک ڈور کی طرح بندھتا چلا جاتا ہے۔ منفرد اسلوب، اچھوتے موضوعات، زندگی کی حقیقتوں سے قریب ترین کہانیاں آپ کا امتیاز ہے۔ خدا آپ کے قلم میں مزید اثر پیدا کرے اور نظرِ بد سے محفوظ رکھے، آمین!

عمیرہ احمد!

خدا کرے کہ چمکو مثالِ انجم تم
جو ہر سو کرے اجالا وہ ماہتاب رہو

☆☆☆

امینہ عندلیب

انجم باجی! آپ ناول لکھیں افسانے یا جلترنگ آپ کی تحریریں بوجھل ذہنوں کو فرحت بخشتی ہیں اس پر برجستہ محاوروں اور شاعری سے چار چاند لگ جاتے ہیں دعا ہے ستاروں کے مانند آپ کی تحریریں جگمگاتی رہیں، خوشیاں اور کامیابیاں آپ کا مقدر بنیں، آمین!

ناہید سلطانہ اختر!

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

☆☆☆

فریدہ جاوید فری

شیریں حیدر! آپ بہت اچھا لکھتی ہیں، آپ کے موضوعات بھی بہت نازک ہوتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ آپ تاعمر خوشیوں کے حصار میں اور خوشبوؤں

سے معطر رہیں، آمین!

انجم انصار!

تم سے ملنے کی دعا کر رہی ہوں میں
یہ خطا ہے تو خطا کر رہی ہوں میں

☆☆☆

سدرہ جاوید

سیما مناف! آپ کہاں ہیں آپ کے استقبال کے لیے ہم دعاؤں کے گجرے اور وفاؤں کے ہار لیے کھڑے



سدرہ جاوید

ہیں آئیں اور پاکیزہ کے صفحات کو رونق بخشیں۔

☆☆☆

صبا نور

"زندگی کو میری، اور مجھے زندگی کی ضرورت ہے" کا احساس دلا کر مجھے زندگی کی طرف واپس لانے اور میرے اندر علم کی جوت جگانے والی انجم آپی کے نام

تم نے لمحوں کو زندگی بخشی
ہم تو صدیوں کو رائگاں کرتے

☆☆☆

ثمن ہاشمی

رخ چودھری! آپ کی ہنستی مسکراتی تحریریں



ثمن ہاشمی

دل موہ لیتی ہیں۔ اللہ آپ کو تاعمر خوشیوں کی چھاؤں میں رکھے، آمین!

☆☆☆

رعنا کہکشاں

پاکیزہ کی گمشدہ مصنفہ مہناز عرفان!

وہ کیف میں ڈوبے ہوئے شام وسحر وہ خلد نظارہ ہر منظر
وہ گزرا زمانہ بیتے دن کیا؟ کیا دلِ ناداں مانگے ہے

☆☆☆

بشریٰ شیرازی

اقبال بانو! کہاں ہیں آپ؟ زیادہ نہیں سالانہ چار پانچ افسانے پاکیزہ کے قارئین کے ذوقِ مطالعہ کی نذر کر دیں۔

وہ محبت تھی اب ہوا معلوم
کام جس نے بھی سنوارے تھے



بشریٰ شیرازی

☆☆☆

زارا نقوش

عطیہ عمر! آپ کے موضوعات خوب ہوتے ہیں آپ کا حُسنِ بیان آپ کی تحریر کو مزید جاندار بنا دیتا ہے۔ بڑے سلیقے سے مذہب کے راستے پر ڈال دیتی ہیں۔

☆☆☆

مہ وش نقوی

عتیقہ محمد بیگ!

تیری ہنستی ہوئی زندگی کی راہوں میں
ہزار پھول لٹاتی ہوئی بہار آئے

☆☆☆

نائمہ شاہد

قیصرہ حیات! "پُلِ صراط" لکھ کر آپ نے میرا دل موہ لیا دلی دعا ہے کہ آپ اسی طرح معاشرے کی سچی تصویریں اپنے قلم سے کھینچتی رہیں اور گلابوں میں مہکتی رہیں، آمین!



زارا نقوش

☆☆☆

عزیز قارئین

پاکیزہ کی مصنفات کی بھی کمی نہیں اور قارئین تو ان گنت ہیں محدود صفحات میں ان تمام کو شامل کرنا یقیناً ہمارے اختیار میں نہیں جو ہمارے بس میں تھا وہ ہم نے کر دکھایا۔ پاکیزہ کی مصنفات کے نام اتنے سارے پیغامات دیکھ کر ہمیں بھی ہڑک اٹھی لیکن ہمارا پیغام پاکیزہ کی تمام مصنفات کے لیے ہے کہ اسی محبت اور خلوص سے لکھتی رہیں بالخصوص وہ مصنفات جو ماضی میں تسلسل سے پاکیزہ کے لیے لکھتی رہی ہیں اور اب منظر سے غائب ہیں...... محبانہ گزارش ہے کہ رابطہ بحال کر لیں۔ پاکیزہ کے صفحات آج بھی آپ کے منتظر ہیں، ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ (آمین)





بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆عزیز از جان بہنو! السلام علیکم رحمتہ اللہ و برکاتہ!

☆حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

☆ پیاری بہنو! آپ سب کو ماہنامہ پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ بفضلِ خدا پاکیزہ اپنے اکتالیسویں سال میں داخل ہو گیا ہے (ماشاء اللہ) پاکیزہ کا اونچا ہوتا ہوا گراف الحمدللہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں شائع تحریریں ہمارے قارئین کو بے حد پسند آتی ہیں۔ ہماری بھی یہ پوری کوشش ہوتی ہے کہ ناول، ناولٹ، افسانے، شاعری کے ساتھ ساتھ کارزر پر لکھنے والی تحریریں بھی زندگی کے تمام معاملات کی عکاسی کرتی ہوں۔ پاکیزہ، انسانی اقدار کا علم بردار ہے۔ پاکیزہ نے ہر دور میں محبت، رحم، انسانیت اور سچائی کا پرچم بلند رکھا ہے جو اسے منفرد حیثیت عطا کرتا ہے اور ہم ہمیشہ یہی چاہیں گے کہ ہماری مصنفات اپنے قلم سے مرہم کا کام لیں اور خنجر کا کام لیں تو اس وقت جب کسی ناسور کو نکالنا ہو کہ میں ادیب کو ایک ماہر طبیب بھی سمجھتی ہوں۔ میں اپنی مصنفات کی مشکور ہوں جو بطور خاص پاکیزہ کے لیے لکھتی ہیں درحقیقت ان کی تحریریں پاکیزہ کا سنگار ہیں۔ ہماری نئی مصنفات یا وہ تمام بہنیں جو پاکیزہ میں لکھنا چاہتی ہیں۔ ان سے صرف یہی کہنا ہے کہ وہ پاکیزہ میں شائع ہماری سینئر رائٹرز کی تحریروں کو پڑھیں۔ ان کی تحریریں ہم سب کے لیے ایک استاد کا درجہ رکھتی ہیں۔ مجھے اپنی نئی رائٹرز سے ایک شکوہ بھی ہے کہ وہ محنت سے بھاگتی ہیں اور اپنی ہر تحریر کو بے مثال تحریر کا درجہ خود ہی دے دیتی ہیں۔ ری رائٹ کرنے کا کہو تو منہ بن جاتا ہے اور اگر ہم اس میں کچھ قطع برید کر دیں تو شاکی ہو جاتی ہیں۔ پیاری بہنوں، یاد رکھیں سیکھنے کا عمل ساری زندگی جاری رہتا ہے اور میں تو آج بھی سیکھنے کی جستجو میں لگی رہتی ہوں اور اپنے چھوٹوں سے بھی کچھ سیکھ کر طمانیت ہوتی ہے تو آپ کیوں اتنی ڈپریسڈ ہو جاتی ہیں۔ یوں بھی تخلیقی ادب پیش کرنے کے لیے بہت زیادہ محنت کی ضرورت نہیں پیش آتی، یہ ایک فطری عمل کی طرح وجود میں آتا ہے اور اپنا راستہ خود بناتا ہے۔ یہ ایک الہامی کیفیت ہے جو کسی بھی شاعر یا ادیب پر طاری ہوتی ہے مگر اس کیفیت کے طاری ہونے سے قبل آپ کو مطالعے کا عادی ہونا چاہیے یاد رکھیں مطالعہ کرنے سے ذہن کے جالے صاف ہو جاتے ہیں۔

☆محترمہ عذرا رسول کا پیغام۔ "پیاری بہنو! آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ میں معراج رسول صاحب کی علالت کے باعث آپ سے رابطے میں نہیں رہ پاتی ہوں مگر پاکیزہ میں شائع ہر سطر میری نظر سے گزرتی ہے۔ آپ بہنوں کے دکھ سکھ سے بھی میں آشنا رہتی ہوں۔ میں اگر پاکیزہ کے پورے سال کے شماروں کا جائزہ لوں تو معلوم ہوگا کہ ہر شمارہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح دمک رہا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ ہر تحریر ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے۔ بعض تحریریں اپنے اسلوب، اپنے الفاظ کی وجہ سے کمزور بھی ہوتی ہیں مگر بنا مقصد یا پیغام کے کوئی تحریر شائع نہیں کی جاتی اور بہنوں کی محفل ایک ایسا آپریشن تھیٹر ہے جو معمولی سا دھبا بھی نظر انداز نہیں کیا کرتا ہے۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ میں بہنوں کی محفل کے خطوط پڑھ کر لطف اندوز بھی ہوتی ہوں کہ اس میں مکھن آمیز خطوط کی آمیزش کم ہوتی ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکیزہ کی کپتان یعنی آپ کی باجی انجم انصار رائٹنگ اسپیشلسٹ بھی ہیں۔ اگر کوئی نئی رائٹر اپنی تحریر کی مدح میں کوئی خط کسی سے لکھوا بھی دے تو وہ انجم انصار کی نظروں سے نہیں چوک سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ آج سے پندرہ برس قبل ایک خط موصول ہوا جس میں لکھا تھا کہ آپ بہت ظالم ہیں۔ آپ نے ایک رائٹر کا افسانہ شائع نہیں کیا اور وہ اس کے شائع ہونے کا انتظار کرتے کرتے مر بھی گئی۔ اب کم از کم اس کے مرنے کے بعد تو وہ افسانہ شائع کر دیں۔ انجم انصار نے وہ خط پڑھا تو فوراً کہا یہ خط تو مرنے والی کا ہی ہے اور بعد میں پتا چلا کہ ان موصوفہ نے خود ہی یہ ڈراما رچایا تھا۔ مختصر یہ کہ پاکیزہ میں آنے والی ہر تحریر بھی ردی کی ٹوکری میں نہیں ڈالی جاتی بلکہ انتہائی توجہ سے پڑھی

جاتی ہے۔ بے شک ادب زندگی کا ترجمان ہے اور زندگی تضادات سے عبارت ہے۔ اس عالم رنگ و بو میں حسن بھی ہے اور... بدصورتی بھی خیر بھی ہے اور شر بھی...... نیکی بدی، حق و باطل، اچھائی برائی...... یہ تمام اقدار تحریروں میں جگہ پاتی ہیں مگر میری یہ دلی خواہش ہے کہ ہماری مصنفات خیر کی اقدار کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیں کہ پاکیزہ ہمیشہ پاکیزگی کا ہی امین رہے۔" (انشاء اللہ)

☆☆☆

☆سالگرہ نمبر کے اس خصوصی شمارے میں کوئی خاص رنگ نہ ہو ایسا تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ تو آئیں اس کے لیے آپ کو پاکیزہ محل میں آنا ہوگا۔ یہاں تمام مصنفات شہزادیاں بیش قیمت اور محبت کی قوسِ قزح کے رنگوں کے جڑاؤ نگینے لگے تاج سجائے بیٹھی ہیں۔ یہ تمام شہزادیاں عام شہزادیوں جیسی ہرگز نہیں ہیں بلکہ یہ سب بہت خاص ہیں...... خاص الخاص کہ لکھنے والے کبھی عام لوگ نہیں ہوا کرتے (جی ہاں) ہمارے قارئین اور تبصرہ نگار بہنیں بھی اپنی مصنفات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش مند ہوتی ہیں کہ قلم کی اصل ہیروئنز تو یہی ہیں...... اکثر سے تو میری ملاقات ہوتی رہتی ہے مگر بہت سی رائٹرز کو سالہا سال سے جاننے کے باوجود میری ان سے دوبدو کبھی ملاقات نہیں ہوئی ہے مگر اللہ نے بفضلِ خدا یہ صلاحیت مجھے ضرور دی ہے کہ لفظوں اور لہجوں سے جہاں تصویر تو تھوڑی بہت ہی بنا پاتی ہوں مگر ان کے اخلاق و محبت کے بارے میں کافی کچھ جان لیتی ہوں اور اس میں مجھے 90 فی صد کامیابی ہوتی ہے۔ تو آئیں پاکیزہ محل میں میرے ساتھ......!

☆ یہ سامنے بے بی پنک کلر کے سوٹ میں بڑا سا دوپٹا اوڑھے جو شہزادی نظر آ رہی ہیں ان کا نام عمیرہ احمد ہے، درجنوں کتابیں اور ڈھیر سارے ڈرامے لکھنے کے باوجود تکبر کا دور دور نشان نہیں ہے۔ نرم اور میٹھی آواز دوسرے کی بات اتنی توجہ سے سنتی ہیں کہ اکثر لگتا ہے کہ فون لائن ہی کٹ گئی ہے۔ کسی بھی موضوع پر بات کر و بڑے دلنشین انداز میں بولتی ہیں۔ اپنے سے زیادہ دوسرے کو اہم سمجھتی ہیں اور اگر اللہ نے انہیں عزت اور شہرت کی بلندیوں پر پہنچایا ہوا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ اس میں ان کے میٹھے اخلاق کا بھی بہت ہاتھ ہے۔

☆ یہ ہلکے انگوری سوٹ میں سنجیدہ سی شہزادی جو بیٹھی ہیں ان کا نام ناہید سلطانہ اختر ہے۔ ان کی بڑی بڑی ذہین آنکھوں پر چشمہ بھی ہے۔ ناہید بہت ٹھہر ٹھہر کر بات کرتی ہیں۔ لہجہ بھی بے حد دھیما ہے۔ خواتین رائٹرز میں ٹی وی پر سب سے پہلے ناہید سلطانہ اختر نے لکھا اور دھوم مچا دی تھی۔ ناہید سے میری فون پر بھی بہت زیادہ بات نہیں ہوئی ہے مگر جتنی بھی ہوئی ہے اس میں، میں نے انہیں بے حد نرم خو پایا ہے۔

☆ اور اب جو سامنے قدرے شوخ لباس میں شہزادی کسی سے باتیں کرتی نظر آ رہی ہیں وہ رفعت سراج ہیں۔ بڑے مدلل انداز میں بولتی ہیں۔ لفظ تول کر بولنا جانتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ زمانۂ طالب علمی میں شاید اچھی مقرر بھی ہوں گی کہ میں جب بھی ان سے ملی ہوں مجھے ان کی باتیں سننا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ بڑی باہمت ہیں، بے شک ان کی بات کسی کو بری بھی لگ جائے تو وہ سچ بولنے سے کبھی باز نہیں آئیں گی۔

☆ یہ لائٹ کلر کے شلوار قمیص میں بات کرنے سے پہلے مسکرانے والی شہزادی قیصرہ حیات ہیں۔ قیصرہ بھی بہت دھیمے لہجے میں بولتی ہیں۔ ان کے لہجے میں مجھے ایک نغمگی بھی محسوس ہوتی ہے۔ انہوں نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا مگر میرا یہ خیال ہے کہ قیصرہ حیات تھوڑا بہت گانا، گانا ضرور جانتی ہیں (کیوں قیصرہ؟)

☆ اور یہ سفید ڈریس میں بے حد سوبر سی جو شہزادی بیٹھی ہیں وہ ہماری ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی ہیں۔ ان سے کئی بار ملاقات ہو چکی ہے وہ ایک بار میرے غریب خانے پر بھی اپنے شوہر کے ساتھ آ چکی ہیں۔ ذکیہ کا لہجہ ہی کیا ان کی عادتوں سے بھی میں واقف ہوں۔ نیک خو کسی کے بھی معاملے میں نہ دخل دینے والی، کسی کا احسان نہ لینے والی اور اپنی ذات سے دوسروں کو خوشیاں دینے والی شہزادی ذکیہ بلگرامی ان دنوں لکھنے کے بجائے صرف مطالعہ کر رہی ہیں۔

☆ اور یہ ہنستی مسکراتی شہزادی، سرخ اور بلیک کلر کے کامبی نیشن میں اقبال بانو بیٹھی ہیں۔ محبتیں لٹانے والی اور دوستوں کو دوست سمجھنے والی۔ اقبال بانو کو میں اس وقت سے جانتی ہوں جب ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور یہ یونیورسٹی کی طالبہ تھیں۔ محبت کے رنگوں پر لکھنے والی بانو خود بھی محبتوں سے ہی گندھی ہوئی ہیں۔ اونچی اور کھنکتی ہوئی آواز ہے اور بے حد پیار

کرنے والی دوست ہیں۔

اور یہ فیروزی کلر کے ایمبر انڈری والے سوٹ میں جو مسکراتی ہوئی شہزادی نظر آرہی ہیں۔ ان کا نام سیما مناف ہے۔ بے لوث، ہمدرد اور ہر ایک کے کام آنے والی۔ ایسی دوست جو دوستوں کی کامیابیوں پر خوش ہوا کرتی ہے۔ مہمان نواز اور سادہ مزاج سیما مناف سے میں جب بھی ملوں یا فون پر بات کروں میرا دل خوشی سے کھل جاتا ہے۔ اس وقت ماشاءاللہ سیما دو جوان بیٹوں کی ماں ہے اور مجھے اس کی شادی کی تقریب اس طرح یاد ہے جیسے وہ کل کی بات ہو۔

اور یہ لمبی سی سر پر اسکارف لپیٹے جو شہزادی نظر آرہی ہیں وہ نگہت اعظمی ہیں۔ میں نگہت کو اس وقت سے جانتی ہوں جب انہوں نے پاکیزہ میں لکھنا بھی شروع نہیں کیا تھا۔ بات چیت سے لگتا ہے جیسے کوئی ذاکرہ ہوں۔ بے حد مدلل انداز میں بات کرنے والی نگہت اعظمی ایک بڑی سرکاری افسر ہونے کے باوجود لہجے میں بے حد سادگی اور منکسر المزاجی رکھتی ہیں۔

یہ لمبی، دبلی پتلی پرپل سوٹ میں جو شہزادی تقریر کرتی نظر آرہی ہیں وہ ہماری شیریں حیدر ہیں۔ لہجے میں مٹھاس اس قدر ہے کہ لگتا ہے شہروں میں ہر مٹھائی کی دکان ان ہی کی ہے۔ افسانہ، ناول نگار ہونے کے ساتھ ساتھ یہ کالم نگار بھی ہیں۔ جب بھی ان سے ملی یا فون پر بات ہوئی محبت سے لبریز جملہ سنا۔ انجم باجی! آپ کیسی ہیں؟

اور یہ ٹین ایجر شہزادی نمرہ احمد ہے۔ نیلی فون پر بات کرنے پر مجھے یہ مشکل 20 سال کی لگتی ہے۔ ورنہ میں تو کئی سال سے سترہ پر ہی اڑی ہوئی تھی۔ بڑے بڑے مشکل موضوعات کا چناؤ کرنے والی یہ شہزادی اتنی نازک سی لگتی ہے جو چار صفحات لکھ کر کہتی ہو میرا ہاتھ دکھ گیا ہے۔

یہ عذرا بیگ ہیں، ہماری بے حد سینئر رائٹر ان کا لہجہ ہمیشہ دعائیہ ہوتا ہے اور محبت کے پھول ان کے منہ سے جھڑا کرتے ہیں اور ایسی ہی ایک اور شہزادی ہیں سلمٰی اعوان جو پاکستان میں سفرنامہ لکھنے والی ممتاز خاتون مصنفہ ہیں۔ سلمٰی کے لبوں سے بھی ہمیشہ دعاؤں کے پھول جھڑا کرتے ہیں۔ بے لوث، بے نیاز مگر سب کا بے حد خیال کرنے والی ہیں۔

اور اب جس پیاری سی شہزادی کا نام آرہا ہے اس کا نام عنیزہ سید ہے۔ سیالکوٹ شہر اس وجہ سے بھی بہت زیادہ مشہور ہے کہ وہاں مایہ ناز مصنفات رہتی ہیں۔ عنیزہ سید کو بھی میں نے پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا جب ان کی شادی ہونے والی تھی۔ بات چیت میں انتہائی مہذب، نرم رویہ رکھنے والی اور دوسروں کی عزت کرنے والی ہیں۔

شہزادی نوشین ناز اختر کے بارے میں، میں کیا کہوں۔ جب بھی فون پر بات کرتی ہیں دل کے تاروں کو چھو لیتی ہیں۔ بات چیت میں بے حد سادہ، پُرمحبت لہجہ اور اپنے ہر سینئر رائٹر کی دل سے عزت کرنے والی ہیں۔

اور یہ سرخ و سفید شہزادی شمیم فضل خالق ہیں۔ پشتو لب و لہجے میں اردو بولتی ہیں اور ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں۔ مجھے پشاور آنے کی دعوت اتنی زیادہ دی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ پشاور ضرور جاؤں اور یوں بھی اس شہر سے میری بہت قیمتی یادیں وابستہ ہیں، اس شہر میں کبھی میری پیاری سی شہزادی غزالہ نگار اور کزنی رہا کرتی تھیں (جو ان دنوں امریکا میں ہیں) سال میں کسی بھی دن ان کا فون آجاتا ہے اور وہ ایک، ایک کو اس طرح پوچھتی ہیں جیسے سب سے ان کا خون رشتہ ہو۔ شہزادی غزالہ محبت اور چاہت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اللہ انہیں ہمیشہ خوش رکھے کہ وہ دور رہ کر بھی مجھے ہمیشہ پاس محسوس ہوتی ہیں۔

شہزادی ساجدہ حبیب بے حد وضع دار اور بے حد سلیقہ مند ہیں۔ ان کے ہاں کئی بار گئی ہوں اور ان کی پُرمحبت شخصیت کی مہمان نوازی سے متاثر بھی ہوئی ہوں۔ سلیقہ اور رکھ رکھاؤ ان کی باتوں سے تو جھلکتا ہے مگر ان کے گھر کے ایک، ایک کونے سے بھی دمکتا ہے۔

شہزادی شوکت رانا الطاف بھی ایسی ہی ہیں۔ طبیعت میں انکسار بے حد ہے۔ لہجہ دعائیہ ہے اور اپنی دوستوں کی پیٹھ پیچھے عزت کرنا جانتی ہیں۔

شہزادی عالیہ بخاری جب حیدرآباد میں رہتی تھیں تو فون پر کافی بات چیت رہتی تھی مگر جب سے وہ کراچی آئی ہیں ان کا فون آنا بند ہوگیا ہے یا وہ ٹی وی کے لیے لکھنے میں زیادہ مصروف ہیں۔ ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی مگر بات چیت کے رنگ میں گھریلو سا رنگ چمکتا ہے۔

نگہت سیما اپنی تحریروں کی ایسی شہزادی ہیں جو پُرجوش اور پُرعزم ہونے کے ساتھ بے حد محتاط سی بھی نظر آتی ہیں۔ لہجہ بہت دھیما ہے، بناوٹ سے پاک ہے۔ نگہت کی باتوں میں ہمیشہ اپنا پن سا جھلکتا ہے۔

شہزادی عطیہ عمر سے بارہا ملی ہوں۔ فون پر بھی بات ہوتی ہے۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے والی شخصیت۔ ہر ایک کا خیال رکھنے والی۔ دعائیہ لہجے میں بات کرنے والی، ہنس مکھ اور بات چیت کرنے کی شوقین، جلترنگ کے کئی ہٹ خاکوں کے موضوعات مجھے عطیہ عمر نے دیے تھے۔

شہزادی اختر شجاعت بہت دنوں سے دربارِ پاکیزہ میں نہیں آئی ہیں۔ سامنے ملیں یا فون پر وہ بولتی ہیں اور میں سنتی ہوں۔ اختر شجاعت ایک ایسی خاتون ہیں جن کی باتوں سے ہم جیسے لوگ کچھ نہ کچھ سیکھا کرتے ہیں۔

شہزادی سیما یاسمین بخاری بڑی من موجی ہیں۔ غائب ہوتی ہیں تو پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھتی ہیں مگر جب بھی ملیں یا فون کریں ان کا لہجہ ہنستا مسکراتا سا ہوتا ہے۔ بڑی ٹیلینٹڈ ہیں۔ بہت کچھ کرنا چاہتی ہیں مگر انہیں وہ نام اور شہرت اتنی نہیں ملی جتنی کہ وہ اس کی حق دار ہیں۔ میری دعائیں آپ کے لیے ڈھیر ساری۔

شہزادی ناہید فاطمہ حسنین بے حد جذباتی سی ہیں اور بے حد حساس بھی۔ ان کے لہجے میں ان کا دل دھڑکتا ہے اور آواز تو ایسی ہے جیسی کسی براڈ کاسٹر کی ہو اور شہزادی غزالہ فرخ بھی اچھی رائٹر ہیں مگر آواز قدرے بھاری ہے لگتا ہے کوئی شہزادہ بول رہا ہے۔

شہزادی فریدہ اشفاق یہ بھی موڈی شہزادی ہیں۔ ان کو ہم کاہل تو کیا بحرالکاہل بھی کہہ سکتے ہیں۔ بہت کم لکھتی ہیں مگر جب لکھتی ہیں تو ان کی تحریر دل پر دستک دیتی ہے، ان کے لہجے میں تہذیبی رچاؤ نظر آتا ہے اور یہی رائے اسما قادری کے لیے بھی ہے۔

شہزادی سعدیہ رئیس کے افسانوں میں جیسی خانگی زندگی سانس لیتی نظر آتی ہے ویسا ہی گھریلو پن ان کے لہجے میں ہے۔ اندازِ گفتگو میں بھی بہت اپنا پن ہے۔ ان سے جب بھی بات ہو غیریت محسوس نہیں ہوتی اور یہی رنگ شہزادی میمونہ خورشید کا بھی ہے۔

شہزادی عاشقہ مسعود دربار میں نئی آئی ہیں مگر انداز بتا رہے ہیں کہ چھا جائیں گی۔ لہجہ بھی چھنکتا ہوا سا ہے۔

شہزادی سائرہ رضا نئی آئی ہیں مگر اندازِ تحریر میں پختگی ہے۔ گھریلو موضوعات پر خوب صورتی سے قلم اٹھاتی ہیں۔ ہاں آواز میں احساسات رچے ہوتے ہیں۔ صاف گو اور سچی لڑکی ہے۔ میری یہی رائے قرۃ العین شکیل اور شمع خانم کے لیے بھی ہے۔

شہزادی صائمہ اکرم شادی کے بعد سو بر زیادہ ہوگئی ہیں۔ چند سال پہلے ان کے تبصرے اور افسانے ایک دھوم سی مچا دیتے تھے مگر اب ان کی تحریروں میں بھی سنجیدگی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے اور گفتگو میں بھی۔ اب صائمہ سے بات کر کے ایسا لگتا ہی نہیں کہ صائمہ سے بات ہوئی ہے۔ کیا بات ہے صائمہ؟

شہزادی عالیہ حرا یہ بنیادی طور پر ناول نگار ہیں۔ افسانے کا ٹریٹمنٹ بھی ناول کی طرح کرتی ہیں لہجے میں بے ساختگی، ہنس مکھ انداز مزین ہے مگر ان کا زوردار قہقہہ سن کر لگتا ہے کہ وہ بادشاہِ عالم ہیں۔

شہزادی سکینہ فرخ بڑی پیاری لڑکی ہے۔ لکھائی بھی موتیوں کی طرح ہے اور بات چیت میں بھی سلیقہ ہے۔ آواز میں ہمیشہ ہنسی کا جلترنگ بجتا ہے۔ سینئر کی عزت کرتی ہے۔ اس کی تحریریں اسے بہت آگے لے کر جائیں گی۔ دھیمے لہجے میں ہنستی ہے کہ کہیں ہوا سے کھڑکیاں نہ کھل جائیں۔

شہزادی شائستہ عزیز اس سال پاکیزہ سے آؤٹ رہیں مگر ہمارے دلوں میں اِن ہیں۔ افسانے تو اچھے لکھتی ہیں مگر فون پر ان کا لہجہ جلد باز سا ہوتا ہے۔ اگر بات کرتے ہوئے لائن کٹ جائے تو وہ اسی کو خدا حافظ سمجھ لیتی ہیں۔ کیا بات ہے بادشاہو!

شہزادی سلمٰی غزل پاکیزہ کی نئی رائٹر ہیں...... مگر بات چیت میں ایسے رکھ رکھاؤ والی ہیں کہ لگتا ہے کہ نہ جانے کب سے ان سے واقف تھے...... آواز میں نغمگی ہے۔

شہزادی سیما رضا ردا اور شہزادی سائرہ غلام نبی پاکیزہ میں کسی نہ کسی حوالے سے ان دونوں کا تذکرہ رہتا

ہے۔ دونوں بہت اچھی افسانہ نگار ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی تو بہت اچھی دوست ہیں ہی مگر کسی دوسرے سے ملیں تو خلوص سے ملتی ہیں۔ دونوں کی آواز سُریلی ہے یہ دونوں ہی ٹی وی کے ایک نجی چینل سے وابستہ ہیں۔

✵ شہزادی غزالہ رشید اچھی افسانہ نگار ہیں۔ سالوں بعد ان کا فون آجائے تو محبت بھرا لہجہ ہوتا ہے۔ آواز بھی اچھی ہے۔ بے حد محتاط سی خاتون ہیں ہر ہاتھ ملانے والے کو دوست نہیں سمجھتی ہیں، لہجے میں اپنا پن ہوتا ہے۔

✵ شہزادی ثریا انجم کم کم لکھتی ہیں مگر اچھا لکھتی ہیں۔ لکھنوی لہجہ ہے، مزاج میں بے حد اپنائیت ہے اور آواز سے پرنسپل کا خاکہ ابھرتا ہے۔

✵ شہزادی عقیلہ حق تو عام زندگی میں بھی شہزادیوں کی طرح رہا کرتی ہیں۔ ان کی مخروطی انگلیوں میں ڈائمنڈ اور فیروزے کی انگوٹھیاں دیدہ زیب معلوم ہوتی ہیں۔ لہجے میں بے حد انکسار ہوتا ہے۔ سادہ انداز ہے مگر دوسرے کی تعریف اس قدر کر دیتی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ فی زمانہ دوسرے کی تعریف کرنے والے لوگ کم ہیں۔

✵ اور ہماری رضوانہ پرنس بھی حقیقی شہزادی ہیں۔ ہم کہہ کر بات کیا کرتی ہیں۔ چہرے پر معصومیت اور محبت ہم آہنگ ہے۔ تکبر سے پاک شخصیت مگر کوئی بات غلط ہو یا ان کی مرضی کے خلاف ہو تو رضوانہ پرنس اسی وقت سچی بات کسی کے بھی منہ پر کہہ سکتی ہیں۔ ایسی بہادر شہزادیاں بھی کم ہی ہیں۔

✵ شہزادی شائستہ زریں اچھی شاعرہ بھی ہیں اور اچھی مصنفہ بھی۔ یہ بھی اپنے نام کی تفسیر ہیں۔ میری شائستہ کے ساتھ تقریباً 25 سال سے دوستی ہے اور اس عرصے میں، میں نے شائستہ کو کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ یہ ایسی دوست ہے۔ جو پیٹھ پیچھے بھی دوستی کا حق نبھاتی ہے۔

✵ شہزادی سیما سراج اس سال پاکیزہ سے آؤٹ رہیں۔ یہ اچھی شاعرہ کے ساتھ اچھی مصنفہ بھی ہیں۔ سیما کا لہجہ تہذیبی رچاؤ سے مزین ہیں۔ جب وہ فون پر ٹھہر ٹھہر کر کہتی ہیں انجم انصار صاحبہ تشریف رکھتی ہیں تو میرے گھر کا ہر فرد ان سے ان کا نام پوچھے بغیر مجھے بتا دیتا ہے کہ پرنسپل صاحبہ کا فون آیا ہے۔

✵ شہزادی نیلوفر عباسی ایک بہت اچھی دوست ہیں۔ جو ہر موقع پر مجھے یاد رکھتی ہیں۔ ان کا کپل اتنا محبتی سا ہے کہ جب یہ لوگ امریکا سے کراچی آتے ہیں تو کراچی کا موسم کوئی بھی ہو ان کے آنے پر پُر بہار سا ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ ان کے اعزاز میں تقاریب ہونے لگتی ہیں، ماشاءاللہ نیلوفر کی آواز میں ایک دلکشی ہے۔

✵ شہزادی رفاقت جاوید پاکیزہ میں لکھنے سے قبل ہی بہت جگہ لکھ رہی تھیں اردو میں بھی اور انگریزی میں بھی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی ان کے مزاج کی لچک ہے۔ دوسرے کی بات توجہ سے سنتی ہیں۔ اتنی بڑی رائٹر نے میرے کہنے پر اپنے کئی افسانوں کو ری رائٹ تک کیا اور آج وہ ایک خوب صورت لکھاری ہیں اور خوب صورت شخصیت...... پنجابی کا تڑکا لگی اردو ان کے لبوں سے بہت پیاری لگتی ہے۔

✵ شہزادی رخ چوہدری سینئر لکھاری مگر بات چیت میں عاجزی لیے ہوئے۔ سادہ مزاج، سادہ گفتگو کرنے والی ایک ایسی دوست جس پر ٹرسٹ کیا جا سکتا ہے۔ جو مجھے اپنی دوست ہی نہیں ماں کا رتبہ بھی دیتی ہے۔ اس پیاری سی لڑکی کے لیے ڈھیر ساری دعائیں ہیں۔

✵ شہزادی عتیقہ محمد بیگ پاکیزہ کی نئی مصنفات میں ایک ٹیلینٹڈ اضافہ۔ معصوم، کم عمر اور بے لوث محبت کرنے والی اپنے سینئرز کو عزت دینے والی اور جو لوگ دوسروں کی عزت کرتے ہیں اللہ انہیں ضرور عزت دیتا ہے۔

✵ شہزادی شبانہ شوکت ٹیلی فون پر ٹھہر ٹھہر کر بولنے والی۔ تھوڑی سی دیر میں ڈھیر ساری باتیں کرنے والی شوخ چنچل سی لڑکی جس کے لہجے اور تحریر دونوں میں جان ہے۔ شاہدہ ملک، رابعہ نیازی، قرۃ العین رائے بھی ایسی ہی شہزادیاں ہیں۔

✵ شہزادی سدرۃ المنتہٰی کی پوری شخصیت ہی بے حد میٹھی سی ہے۔ اس کی بات جو مجھے سب سے زیادہ پسند آئی ہے اس نے اپنے گاؤں میں خواتین کے لیے اپنی کاوشوں سے ایک لائبریری کھولی ہے اور وہ ہر نئی کتاب پا کر اس قدر خوش ہوتی ہے کہ اس کے نیک مقاصد کی تمام شمعیں روشن ہوتی صاف نظر آنے لگتی ہیں۔ اس کی گفتگو میں بھی ہنسی کی آمیزش ہوتی ہے

اور مجھے ہمیشہ اس پیاری سی لڑکی سے بات کر کے سکون ملا کرتا ہے۔

✵ راحت وفا، ملتان اور راحت وفا، لاہور آپ دونوں شہزادیاں ہمیں عزیز ہیں۔ اولُ الذکر درس و تدریس سے وابستہ ہیں اور دوسری خاتونِ خانہ ہیں مگر یہ دونوں ہی اچھی قلم کار ہیں۔ دونوں ہی کے مزاج محبت سے گندھے ہوئے ہیں یہ شاید ان کے نام کا حصہ ہے کہ وفا نبھانے میں پیچھے نہیں رہتی ہیں۔

✵ شہزادی بشریٰ مسرور تحریری طور پر پاکیزہ سے آؤٹ ہیں مگر رابطے میں رہتی ہیں۔ اپنے سینئرز کو تو کیا جونیئرز کو بھی بے حد عزت اور محبت دیتی ہیں۔ آواز تو ان کی بے حد سُریلی ہے اور ہمیں پورا یقین ہے کہ ہر وقت گنگنایا تو ضرور کرتی ہوں گی۔ ہماری دعا کہ وہ خوش رہیں، صحت مند رہیں۔

✵ شہزادی صبیحہ شاہ اور شہزادی عابدہ رؤف لگتا ہے اب بھی روٹھی روٹھی سی ہیں۔ میرے کہنے کے باوجود بھی رابطہ نہیں کیا ہے۔ دونوں ہی بہت اچھی افسانہ نگار ہیں اور بہت اچھی دوست بھی مگر ان دنوں اپنی، اپنی مصروفیات میں اتنی مصروف ہو گئی ہیں کہ دل چاہتے ہوئے بھی مل نہیں پاتے۔

✵ شہزادی فرحانہ ناز ملک شوخ و چنچل تحریریں ان کی پہچان ہیں۔ کسی زمانے میں بڑی رغبت سے فون کیا کرتی تھیں مگر اب ان کی جگہ میسجز نے لے لی ہے۔ اس لڑکی میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہے کہ اس کی جانب دل لپکتا ہے اور بالکل یہی رائے سائرہ عارف کے لیے ہے۔ شازیہ افتخار خان، نبیلہ ابر راجا، ثمینہ عظمت علی، عالیہ بلگرامی، نزہت جبیں ضیاء، ارجمند عقیل، تحسین اختر، عظمیٰ افتخار سید، نظارت نصر، اسفا فیصل، صائمہ حیدر، شمع حیدر، غزالہ عزیز، ریما علی سید، کرن احمد، نگہت غفار، یہ شہزادیاں ہوا کا تازہ جھونکا ہیں۔ ان کی تحریروں اور ان کے لہجوں میں تازگی ہے۔

✵ شہزادی قانتہ رابعہ بڑی معصوم سی لڑکی ہے اور بہت پیارے طریقے سے اپنی تحریروں کے ذریعے روشنی پھیلا رہی ہے۔ اس کا لہجہ بھی مقناطیسیت لیے ہوئے ہے اور بالکل یہی انداز شہزادی طلعت جبیں نیاز کا ہے اور ایسا ہی عروسہ عالم اور بشریٰ گوندل کا بھی۔

✵ شہزادی خالدہ نسیم کے پاکیزہ میں کم ہی افسانے شائع ہوئے ہیں مگر جو لکھا ہے وہ بہت اچھا اور اپنے تجربے کے تحت لکھا ہے اور ان کی آواز تو جیسے رس بھری ہے کہ ہر لفظ سے امرت ٹپکتا ہے اور یہ بہت ہی پیاری عادت کی مالک ہیں اور مجھے دل و جان سے پسند ہیں۔

✵ شہزادی یمنیٰ احمد شاعرہ بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی اور دونوں ہی بہت اچھی ہیں۔ موڈ ہو تو بات کرتی ہیں، آواز میں ہنسی گھلی ہوتی ہے۔ شادی کے بعد سو بری ہو گئی ہیں اور کھنکتے لہجے والی شہزادی دلشاد نسیم اس سال پاکیزہ سے آؤٹ رہیں مگر بہت اچھی رائٹر ہیں اور نگہت نسیم بھی ان ہی جیسی ہیں۔

✵ شہزادی صائمہ قیصر انکساریہ رویہ رکھنے والی ہیں۔ وہ اپنی تحریروں اور اپنے ڈراموں سے آگے کی جانب بڑھ رہی ہیں مگر ان کا مزاج سادہ اور تکبر سے پاک ہے۔ فون پر بھولی بھولی سی آواز والی لڑکی لگتی ہیں۔

✵ یاسمین نشاط اختر یہ ہماری موڈی شہزادی ہیں۔ کسی معمولی بات پر بھی انہیں غصہ آسکتا ہے اور بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر سکتی ہیں۔ لوگوں پر ٹرسٹ کم کرتی ہیں۔ سمپل مگر ذہین لڑکی ہیں مگر افسانے بے حد اچھے لکھتی ہیں۔ ان کی آواز کسی بھولی بھالی لڑکی کی سی ہے۔

✵ نجمہ جبیں علیزئی، بینا عالیہ ٹوانہ، گیتی آراء، زاہدہ پروین، شگفتہ منیر، شگفتہ بھٹی اور نشاط خان یہ سب شہزادیاں بے حد معصوم اور بے حد سادہ سی ہیں۔ ان سب کے لہجے میں اتنی مشابہت ہے کہ مجھے بڑی حیرت سی ہوتی ہے۔ اگر سب ایک دوسرے سے ملیں گی تو پکا خیال ہے میرا ان کی آپس میں خوب نبھے گی۔ چلو بنا لو جلدی اپنا گروپ اور اب آجائیں پاکیزہ محل کے دربارِ شاعری میں جہاں شاعرات شہزادیاں محو خرام ہیں۔

✵ شہزادی امینہ عندلیب بڑی بہادر سی ہیں وہ جب بھی بات کرتی ہیں زبردستی ہنستی ہیں کہ ان کو ہمیشہ یہی خیال رہتا ہے کہ کوئی ان کے دکھوں اور بیماریوں کے بارے میں جان نہ پائے۔ میری شہزادی سدا سکھی رہو۔

✿ شاعرہ فریدہ جاوید فری پاکیزہ میں تو ان کی پہچان صرف شاعرہ کی ہی ہے مگر ماشاء اللہ اپنے جوہر دکھا رہی ہیں اور افسانے سے ناول نگاری تک آگئی ہیں۔ ان کا لہجہ اکثر شکوہ کناں رہتا ہے۔ اگر کسی مہینے ان کی شمولیت پاکیزہ میں نہ ہو تو ہمیں ان کی محبت بھری ڈانٹ سننی پڑتی ہے۔

✿ شاعرہ فریدہ خانم، لاہور میں بے حد مقبول ہیں۔ ان کے اعزاز میں ماشاء اللہ اس قدر تقاریب ہوتی ہیں اگر خدانخواستہ ہمارے پاس کوئی سرگرمی لکھنے کو نہ ہو تو فریدہ خانم کی سرگرمیوں کی رپورٹس ہمارے لیے کافی ہوں گی۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ جیسا مزاج ہے۔ کبھی بہت خوش نظر آتی ہیں اور کبھی بے حد مغموم سی۔

✿ شہزادی شگفتہ شفیق اپنے نام کی مکمل تفسیر ہیں۔ شگفتہ بھی اور شفیق بھی۔ چہرہ ہمیشہ ہنستا مسکراتا نظر آتا ہے۔ بے حد ایکٹو بہت کچھ کرنے والی۔ میرے پاس جب بھی آتی ہے مجھے ایک بیٹی کی طرح معصوم اور پُر محبت لگی ہے۔

✿ شہزادی نسیم نیازی فون پر بات کرے یا سامنے، اس میں ہمیشہ ایک تعلق نبھانے والی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ وہ ایک مددگار سی شخصیت ہے جیسے کسی کے گھر چلی جائے اور میزبان کے ساتھ مٹر چھیلنے لگے یا ساگ بنانے لگے ایک گھریلو سی لڑکی ہے۔

✿ شہزادی ہما بیگ کے بارے میں کیا کہوں کہ وہ شاعرہ زیادہ اچھی یا مصنفہ مگر میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ وہ بہت اچھی شاعرہ ہیں۔ اتنی اچھی کہ بہت نام کما سکتی ہیں۔ بے حد موڈی مزاج کی ہیں۔ رکھ رکھاؤ، سلیقہ اور دوستانہ انداز اپنی مرحومہ والدہ بیگم اختر بیگانہ سے لیا ہے۔ اگر وہ فون نہیں کریں گی تو مہینوں نہیں کریں گی اور ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک دن میں دو بار بھی بات ہو سکتی ہے۔ دوستوں کی اچھی اور مخلص دوست ہیں۔

✿ شہزادی سعدیہ ہما شیخ، سرگودھا کی یہ شہزادی بہت ہی اچھی شاعرہ ہے۔ اپنی شاعری میں تو احساسات کی خوب صورت ترجمانی کرتی ہے مگر اس کا لہجہ بھی گنگناتا ہوا سا ہے۔ وہ خوش ہوتی ہے تو لہجے سے ہنسی چھلک جاتی ہے اور اگر پریشان ہوتی ہے تو لہجہ بھی منہ بسورنے لگتا ہے۔ معصوم سی لڑکی ہے جس میں بناوٹ نہیں ہے۔

✿ شہزادی فریدہ افتخار اور شہزادی فائزہ شہزاد کا تعلق بھی پشاور سے ہے۔ دونوں ہی بہترین نظمیں لکھا کرتی ہیں۔ فریدہ افتخار کا لہجہ ذوق بھرا اور دعائیہ ہوتا ہے اور فائزہ شہزاد کا ہمیشہ ممنونیت بھرا۔ اس کی تحریریں نہ بھی شائع ہوں وہ کبھی شکوہ نہیں کرتی۔

✿ شہزادی زہرہ جنید نے بحیثیت شاعرہ اپنے آپ کو منوالیا ہے۔ دس سال پہلے کی زہرہ اور آج کی زہرہ جنید کی شاعری میں زمین آسمان کا فرق ہے مگر اس کا متبسم لہجہ اور نٹ کھٹ انداز ویسے کا ویسا ہی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے ازراہِ مذاق مجھے بتایا تھا کہ اس کی شکل مادھوری سے ملتی ہے اور وہ مجھے مادھوری سے زیادہ خوب صورت لگتی ہے کہ وہ ایک جوان بیٹی کی ماں ہونے کے باوجود خود بھی لڑکی سی لگتی ہے۔ آواز میں تو جھرنے بجتے ہیں۔

✿ شہزادی فصیحہ آصف خان بھی ایک اچھی شاعرہ ہیں۔ فون پر ان کا لہجہ ایک بیٹی کے انداز کا ہوتا ہے۔ باجی یہ بات نہیں ہے، باجی وہ بات ہے مگر محبت سے لبریز کہ مجھے سارے سرائیکی تخلیق کرنے والے نظر آتے ہیں۔ صبا نور، لبنیٰ، امینہ ناہید لیہ، کی یہ شہزادیاں بھی بالکل ایسی ہی ہیں۔

✿ شہزادی پروین عذرا نشنہ کی شاعری تو دل پر اثر کرتی ہی ہے مگر ان کا لہجہ بھی گڑ کی ڈلی ہے۔ اتنی محبت سے بات کرتی ہیں جیسے آپ کی کوئی قریبی عزیزہ ہوں اور بالکل یہی صفات شہزادی عنبر حسیب عنبر میں موتیوں کی طرح جڑی ہوئی ہیں۔

✿ بشریٰ نوید باجوہ، صدف قریشی، طلعت رانا، سامعہ تبسم، قمر شمس الحق، ایکل شادیان، صائمہ سجاد بخش، بختاور بلوچ، مسز فرح امجد، نگینہ ضیا بخش، یاسمین کنول، انیلا ناہید، ارم کمال، شمع حسین، شمسہ الماس، فرحت احمد، مصباح رضا سعید، آر۔ یاسمین، نور افشاں شیخ، منور شہزادی، تسنیم رضا ذوالفقار، رفعت خادم حسین، معصومہ شہزادی، مہناز کرن، سیدہ ہما شاہ، عنبر وسیم، ممتاز خانم، عروج ذکی، رفعت مبین رفی، فرحت جمال، دھنک علی، رخسانہ امجد، نوشی اقبال نوشی، عظمیٰ عنبرین، درخشاں ضیا، رضوانہ بدر، صائمہ مشتاق، میمونہ گل، نورین طلعت عروبہ، سمیرا مشتاق، فریدہ فرح لاکھانی، شگفتہ ناصر، تسنیم منیر علوی، سمعیہ ممتاز شیخ، پروین افضل شاہین، انیقہ انا، غزالہ جلیل راؤ۔ آپ تمام شاعرات شہزادیوں کی اور آپ کی شاعری کی میں دل سے عزت کرتی ہوں۔ آپ کی خوب صورت شاعری پاکیزہ کا تو سنگار ہے ہی مگر میں ذاتی طور پر

بھی آپ سب کی فین ہوں۔ ہمیشہ خوش رہیں اور اپنی شاعری کے گلدستے سے ہم سب کو مسحور کرتی رہیں، جزاک اللہ!

اور اب آجائیں محل کے اندر کے حصے میں جہاں گھر والے بھی موجود ہیں۔

✿ یہ آف وائٹ اسکارف اور آف وائٹ پرنٹ کے سوٹ میں شہزادی نزہت اصغر بیٹھی ہیں یہ کچھ عرصے سے پاکیزہ کے آفس میں ہماری مدد کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ بے حد دھیمے لہجے میں بولتی ہیں کہ کان لگا کر سننا پڑتا ہے۔ اس شہزادی کے مزاج میں خاصا رکھ رکھاؤ بھی ہے۔ اگر کوئی بات میرے خلافِ مزاج ہو جائے تو شہزادی نزہت مجھ سے معذرت کرنے میں دیر نہیں لگاتیں۔ یوں تو یہ انگریزی میں ایم اے ہیں اور فارسی سے بے انتہا شغف ہے مگر اردو سے بہت محبت ہے۔ بے حد محنتی اور ٹیلنٹڈ ہیں۔ لہجے میں شائستگی کا رچاؤ ہے۔ وہ مجھ سے دوبدو ملیں یا فون پر بات کریں، لہجے میں عزت اور محبت دونوں مترشح ہوتی ہیں۔

✿ شہزادی آمنہ حماد بھی بڑی محنتی لڑکی ہے اور مشورہ کرنے میں کبھی کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔ آمنہ حماد کی وجہ سے مجھے بڑی تقویت رہتی ہے مگر ان کی بھی ایک شاہانہ عادت ہے کہ بہت آہستہ بولتی ہیں کہ مجھے فون کا اسپیکر کھولنا پڑتا ہے اور کوئی پریشانی کی بات ہو تو وہ اپنے منہ ہی منہ میں کہہ دیں گی کہ ایک لفظ نہیں سمجھ آئے گا مگر ان دونوں شہزادیوں کی وجہ سے مجھے اپنے کام میں خاصی معاونت محسوس ہوتی ہے۔

پیاری بہنو! ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی میں بہت سے نام بھول گئی ہوں گی تو اپنے دل میں کوئی کینہ پالنے کے بجائے نظر انداز کر دیجیے گا۔ ہاں یہ میں بتا دوں کہ اس مختصر اجمالی جائزے میں تبصرہ نگار اور مراسلات نگار بہنیں شامل نہیں کی گئی ہیں۔ انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر ان کا دربار بھی سجالیں گے۔ ایک بات جو خاص طور پر کہنا چاہوں گی کہ اگر میری کسی بات سے کسی شہزادی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو ہاتھ باندھ کر معافی کی طلب گار ہوں کہ شہزادیوں کے مزاج کا کچھ پتا نہیں ہوتا کبھی معمولی بات پر بھی ان کی روشن پیشانی پر شکن آسکتی ہے۔

✿ ماہنامہ پاکیزہ کی یہ روایت برسوں سے قائم ہے کہ اپنے خصوصی شمارے میں جدا ہونے والی مصنفات، شاعرات کو نہ صرف خراجِ تحسین پیش کرتا ہے بلکہ ان کے لیے دعاؤں کے تحفے بھی بھیجتا ہے۔ تمام قارئینِ پاکیزہ سے استدعا ہے کہ ہم سے جدا ہونے والی ان مایہ ناز مصنفات اور شاعرات اور تبصرہ نگار بہنوں کے لیے کم از کم ایک بار سورۂ حمد اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کی مغفرت کے لیے ضرور دعا کریں، یہ ان کا ہم پر حق ہے کہ بے شک وہ ہم میں نہیں ہیں مگر اپنی تحریروں میں وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی۔

✿ خالدہ اسد، نسیم سحر قریشی، فاطمہ شہناز مرتضیٰ، عظمت عزمی، ایم سلطانہ فخر، شازیہ چوہدری، بلقیس ظفر، ایم کے صوفیہ، مسز طلعت حسین، چاندنی عمران، ظفرانہ عباس، ناظمہ طالب، شگفتہ کنول، پروین شاکر، وحیدہ نسیم، تحسین فاطمہ ترمذی، گوہر سلطانہ عظمیٰ، اطرو بہ نایاب، عطیہ بانو، فرزانہ سلیم، لبنیٰ عروج۔

میں تہہ دل سے اپنے ادارے کے دیگر لوگوں کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جن کا ساتھ میری ہمت اور توانائی کو ہمیشہ بحال رکھتا ہے۔ جناب کلب عباس انتہائی مستعد اور مددگار رہیں۔ محمد شہزاد خان، بدرالدین صاحب اور حمید صاحب کا بھی بے حد شکریہ جو ہر ممکن میری مدد کرتے ہیں۔

☆☆☆

✿ آیئے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درودِ ابراہیمیؑ پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین مرتبہ آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

آیت کریمہ یہ ہے۔

لا الہ الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ آپ کی باجی انجم انصار کی اٹھارویں کتاب کانچ سی لڑکی کتابی صورت میں شائع ہو گئی ہے۔ اس کا انتساب

پاکیزہ کی باہمت مستقل تبصرہ نگار اور شاعرہ مس امینہ عندلیب، سلانوالی کے نام ہے۔ جو کئی سالوں سے اپنی بیماریوں سے لڑتے ہوئے اپنی زندگی کے معمولات کمال خوبی سے ادا کر رہی ہیں۔ اس خوب صورت ناول کی قیمت صرف 250 روپے ہے۔ جو آپ اس پتے سے رابطہ کرکے منگوا سکتی ہیں۔ القریش پبلی کیشنز، سرکلر روڈ، چوک اردو بازار، لاہور۔ فون نمبر 042-37668958۔

☆ پاکیزہ کی معروف مصنفہ عنیقہ محمد بیگ کا ناول میری جان شائع ہوگیا ہے اور بہت خوب صورت سرورق سے باہتمام شائع ہوا ہے۔ اس کا انتساب عنیقہ کے والدین کے نام ہے۔ کتاب منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے۔ خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔ ہاں کتاب کی قیمت صرف 350 روپے ہے۔ فون نمبر 042-37314169۔

☆ پاکیزہ کی شاعرہ فریدہ جاوید فری کا پہلا ناول لمحہ لمحہ بہار ہو جائے شائع ہوگیا ہے۔ جس کی قیمت صرف 200 روپے ہے۔ اس ناول کو بارگاہ غزل پبلی کیشنز نے شائع کیا ہے۔ ناول خریدنے کے لیے آپ براہ راست مصنفہ سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ 0321-9658469۔

☆ فوزیہ افشین رانا، پنجاب آپ کو اپنے افسانوں کے مجموعے کے شائع ہونے کی مبارک باد۔ ہمارے پاس جب تک کتاب نہ آئے اس وقت تک ہم اس کے بارے میں نہیں لکھتے ہیں کہ کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی نے ہمیں یہ نیوز بھیجی کہ ان کی فلاں فلاں کتاب شائع ہوگئی ہے جبکہ حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

☆ شاعرہ غزالہ جلیل راؤ نے نئے، پرانے شاعر اور شاعرات کی نظموں اور غزلوں کا ایک خوب صورت انتخاب کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔ جس کا نام بچھڑنے سے ذرا پہلے ہے۔ کتاب کے صفحات 109 ہیں اور قیمت 220 روپے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس۔ غزل بارگاہ پبلی کیشنز پی او بکس نمبر 7 جی پی او، اوکاڑہ ہے۔

☆ پاکستان میں اس وقت بچوں کے لیے کتابیں بے حد کم لکھی جا رہی ہیں مگر ہم سلام کرتے ہیں اپنی رائٹر قانتہ رابعہ کو جو مسلسل بچوں کے لیے اصلاحی اور کارآمد کتابیں لکھ رہی ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے ان کی دو کتابیں محبت کا خزانہ اور دوستی ایسا ناتا ہیں۔ دونوں کتابیں بہت اچھے کاغذ پر اور بہت خوب صورت انداز میں شائع کی گئی ہیں۔ دوستی ایسا ناتا کی قیمت 55 روپے ہے جسے آپ ادارہ بتول 14 ایف سید پلازہ، 30 فیروز پور روڈ، لاہور سے منگوا سکتے ہیں اور محبت کا خزانہ منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے۔ منشورات، ملتان روڈ، لاہور۔

☆ معروف مصنفہ نوشین ناز اختر، لاہور غذائی ماہر کے طور پر ایک اسپتال میں جاب کر رہی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆ پاکیزہ کی مراسلہ نگار پروین افضل شاہین، بہاول نگر کے جیٹھ محمد اسلم کا کراچی میں دل کا آپریشن ہوا ہے۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ شاعرہ نجمہ ناز اصغر عارضہ قلب میں مبتلا ہیں ان کی کلی صحت کے لیے دعا کریں۔

☆ جاسوسی پبلی کیشنز سے وابستہ عبدالحمید کی پیاری بیٹی ثمرین کی شادی محمد مبین کے ساتھ گزشتہ ماہ آمنہ میرج لان، کراچی میں ہوئی۔ (بے حد مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری فرزانہ شعیب، انگلینڈ سے واپس سوات آگئی ہیں۔ ان دنوں بستر علالت پر ہیں۔ آپریشن کے مراحل سے بھی گزری ہیں۔ ان کے لیے دعا کے لیے التماس ہے۔

☆ مسز ستارہ شیخ، سندھ اور ان کے شوہر ان دنوں بیمار ہیں۔ شوگر لیول بھی کافی بڑھا ہوا ہے۔ ان کی کلی صحت اور زندگی کے لیے ضرور دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی تبصرہ نگار اور شاعرہ امینہ عندلیب، سلانوالی بے حد بیمار ہیں ان کی صحت اور زندگی کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی ہنوز بستر علالت پر ہیں ان کی صحت کاملہ کے لیے دعا کریں۔

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار ثمیرا احمید فاروقی، کراچی عمرے کی سعادت حاصل کرکے آگئی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ ڈاکٹر ثروت نور اپنی فیملی کے ساتھ ان دنوں جدہ سے کراچی آئی ہوئی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ مصنفہ شہناز وسیم، کراچی ان دنوں شدید بیمار ہیں۔ قارئین بہنوں سے استدعا ہے کہ ان کی صحت کاملہ اور زندگی کے لیے ضرور دعا کریں۔

☆ مصنفہ اصفا فیصل، ٹی وی کمرشل کرنے کے بعد ڈراموں میں بھی کام کر رہی ہیں اور میٹرو ون چینل پر نیوز اینکر کے طور پر کام کر رہی ہیں۔ (مبارکاں)

☆ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار مسز نزہت اشفاق کی بھتیجی، مقیم دبئی کے ہاں شادی کے پانچ سال کے بعد بیٹا ہوا ہے۔ (مبارکاں)

☆ میری بھتیجی ڈاکٹر بینش ندیم کی شادی گزشتہ دنوں فہد کے ساتھ اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں ہوئی۔ جس میں، میں نے بھی شرکت کی۔ (اپنی بھتیجی کے لیے بے شمار دعائیں اور ندیم بھائی اور ناہید بھابی کو بے حد مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری اسما سکندر اپنی فیملی کے ساتھ ان دنوں عمرے کی سعادت حاصل کرنے گئی ہوئی ہیں۔ (ماشاء اللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری افشین شاہد، جدہ جب بھی عمرہ کرنے جاتی ہیں وہ مجھے اور تمام پاکیزہ بہنوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔ (جزاک اللہ)

انتقالِ پُرملال

☆ سانحہ عباس ٹاؤن میں شہید ہونے والے افراد کے لیے دعائے مغفرت اور لواحقین و متاثرین کے لیے دعائے خیر۔

☆ معروف اور طرحدار شاعرہ محترمہ شبنم شکیل مختصر علالت کے باعث انتقال کر گئیں۔

☆ مصنفہ شہلا خان، ایبٹ آباد کے ابو انتقال کر گئے۔

☆ مصنفہ عالیہ بلگرامی، کراچی کی ساس چل بسیں۔

☆ میرے والد جناب انصار حسین صدیقی کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ شاعرہ ناہید بنت نور، واہ سیمنٹ ورکس کے بھائی مسعود احمد کی اس ماہ برسی ہے۔

☆ شاعرہ نجمہ ناز اصغر، کراچی کے شوہر اصغر حسین کی اس ماہ برسی ہے۔

☆☆☆

نوٹ: تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کریں اور صرف تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں، اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

✲ سیما مناف، کراچی سے۔ "محترمہ عذرا رسول اور انجم آپ کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ میں پاکیزہ کو کبھی نہیں بھول سکتی، اس میں چھپ کر مجھے ہمیشہ دلی خوشی ہوئی ہے اور آج جبکہ میں ٹی وی ڈرامے لکھنے میں زیادہ مصروف ہوں پھر بھی پاکیزہ کا مطالعہ جب تک نہ کرلوں مجھے چین نہیں ملتا۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ انجم انصار نے رابطہ برقرار رکھا ہوا ہے اور ہر موقع پر یاد رکھتی ہیں اور یہ سب مجھے بھی دل سے پسند ہے اس لیے پاکیزہ کی کامیابیوں اور کامرانیوں کے لیے دعا گو ہوں۔" (پیاری سیما مناف، اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ہمیشہ خوش و خرم رکھے، آمین)

✲ ڈاکٹر ممتاز ضیا، کراچی سے۔ "آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ کی دلی مبارک باد۔ فروری اور مارچ کے شمارے بے حد پسند آئے۔ خاص طور پر انجم تمہارے اداریے۔ عمیرہ نے اپنا ناول خوش اسلوبی سے ختم کیا اور ناہید سلطانہ اختر نے بھی بے حد خوب صورتی سے ناول کو اختتام تک پہنچایا۔ دیگر چلنے والے ناول بھی ٹھیک ہیں۔ قیصرہ حیات کا وضاحتی خط بھی اچھا لگا تھا۔ ہاں انجم تمہارا افسانہ اور ناول جلد از جلد آجانا چاہیے اور ہم عظمیٰ کی تحریریں بھی پڑھنا چاہتے ہیں۔ مہناز کا انٹرویو بے حد اچھا لگا تھا اس کے لیے نزہت اصغر کو مبارک باد پہنچا دیں۔" (نزہت اصغر شکریہ کہتی ہیں)

✲ صائمہ اکرم چوہدری، اسلام آباد سے۔ "سب سے پہلے سالگرہ کی دلی مبارک باد۔ انجم آپی! آپ کو شاید نہیں یقیناً

یاد ہوگا کہ میں نے اپنی باقاعدہ افسانہ نگاری کا آغاز پاکیزہ ڈائجسٹ سے کیا تھا۔ اب تک میرے ماشاء اللہ ستر کے قریب ناولٹ اور افسانے شائع ہو چکے ہیں ان میں زیادہ تر پاکیزہ میں ہی شائع ہوئے ہیں۔ (مجھے اچھی طرح یاد ہے) آپ نے ہمیشہ میری حوصلہ افزائی کی یہی وجہ ہے کہ مجھے بارہا دوسرے ڈائجسٹ سے جب یہ کہا گیا کہ میں پاکیزہ کے لیے نہ لکھوں تو میں نے اس بات پر کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ اس لیے کہ مجھے پاکیزہ سے محبت ہے اور آپ کے ساتھ ایک اپنائیت بھرا رشتہ ہے۔ اللہ پاک آپ کو زندگی اور صحت دے (آمین) مجھے یہ کہنے میں کوئی عار یا ہچکچاہٹ نہیں کہ پاکیزہ کی مقبولیت کے پیچھے 80 فیصد آپ کی شخصیت میں رچی اپنائیت، محبت اور خلوص ہے جو رائٹرز کو اس ادارے کے ساتھ وابستہ رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میں ابھی تک پاکیزہ کے ساتھ ہوں۔" (گڑیا! تمہیں رہنا بھی چاہیے کہ تم اس رسالے میں اپنے زمانہ طالب علمی سے لکھ رہی ہو اور اللہ نے تمہیں لکھنے کے طفیل عزت اور شہرت دونوں عطا کی ہیں اور ہاں جو تم نے مجھ سے شکایت کی ہے اس کا ازالہ میں ایک دو ماہ تک کر دوں گی...... اب تو خوش ہو ناں!)

٭ عتیقہ محمد بیگ، سیالکوٹ سے۔ "مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں دس سال کی تھی جب میں نے پاکیزہ ڈائجسٹ کے صفحات کو چھوا کیونکہ میری والدہ پاکیزہ ڈائجسٹ کی قاری ہیں اور میں ان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پاکیزہ ڈائجسٹ کو چھوتی تھی پھر پاکیزہ ڈائجسٹ میں انجم آپا سے بات چیت ہوئی تو یوں لگا جیسے اِک ماں، ایک بڑی بہن، ایک پیاری سی بڑی دوست مل گئی ہوں جن سے ہر بات کھلے دل سے کرلی گئی جہاں اپنائیت محسوس ہو۔ انسان پھر بار بار اسی کے پاس جاتا ہے۔ آپا کا ساتھ ہمیشہ میرے ساتھ رہے۔ ہر رائٹر کی پہلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنا کام قارئین تک پہنچائے۔ پاکیزہ ڈائجسٹ کا بہت بہت شکریہ جنہوں نے میرے پہلے ناول جانِ جاں کو جگہ دی۔ جن جن لوگوں نے تحریر کو پسند کیا وہ لوگ بہت پیاری سوچ، بہت پیارا دل رکھتے ہیں۔ جو نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ایک اچھی سوچ سے ہی انسان مزید لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ جن لوگوں کو میری تحریر پسند نہیں آئی وہ لوگ بھی میرے لیے قابلِ احترام ہیں۔ ہمارے مذہب میں مایوسی کفر ہے اس لیے میں تنقید پر مایوس نہیں ہوئی۔ جو قارئین ہماری سوچ، ہماری لکھی ہوئی تحریروں کو اپنا وقت دیتے ہیں پھر وہ تنقید کا حق بھی رکھتے ہیں۔ اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں البتہ ایک بات واضح کر دوں کہ ہر انسان کی سوچ دوسرے انسان کی سوچ سے مختلف ہوتی ہے۔ ناول کو ہر کسی نے اپنی سوچ سے پڑھا اور اس پر تعریف اور تنقید اپنی سوچ سے دی میرے لیے صرف اچھی سوچ معنی رکھتی ہے۔ اب اپنی فیورٹ رائٹر عمیرہ احمد جی کے لیے کچھ کہنا چاہتی ہوں کہ ان کی ہر تحریر میرے دل میں سمائی ہوئی ہے اور عمیرہ جی کی تحریروں کو پڑھ کر مجھے لکھنے کا شوق ہوا۔ عمیرہ احمد جی کو عکس کی کامیابی پر ڈھیر ساری مبارک باد۔ قیصرہ حیات جی کا ناولٹ بھی اچھا جا رہا ہے۔ ہماری سینئر رائٹر رخ چوہدری کا بہت شکریہ جنہوں نے میرے ناول پر اپنا تبصرہ دیا۔ مزید محنت کر کے اپنی خامیاں دور کروں گی۔ کرن احمد جی نئی مصنفہ کا بھی بہت شکریہ جنہوں نے ناول کو پسند کیا۔ آخر میں انجم آپا، نزہت اصغر، آمنہ حماد کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کے اچھے اخلاق سے میں پاکیزہ کا حصہ بنی۔ اس دفعہ تمام افسانے اچھے تھے کیونکہ میں افسانے بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔" (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

٭ مسز نزہت اشفاق، کراچی سے۔ "آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ ناہید سلطانہ اختر اور رفعت سراج کے ناولوں کی اقساط پسند آئیں۔ عتیقہ محمد بیگ کو بھی مبارک کہ ان کا ناولٹ بہ خیر و خوبی اختتام کو پہنچا۔ اس ماہ سب سے اچھا افسانہ نگہت اعظمی کا رہا۔ سائرہ رضا نے بھی اچھا لکھا۔ آئیڈیل افسانہ بھی پسند آیا۔ مہناز کا انٹرویو بہت اچھا لیا گیا تھا۔ دوبارہ پڑھ کر بھی اچھا لگا۔ قیصرہ حیات کے ناولٹ کی قسط بھی پسند آئی مگر اس ماہ کی بہنوں کی محفل ٹاپ پر تھی۔ ہاں پاکیزہ ڈائری مختصر لگی۔" (پسندیدگی کا شکریہ)

٭ فیروزہ بیگم، کراچی سے۔ "سب سے پہلے تو ادارے کے تمام لوگوں کو سالگرہ کی مبارک باد۔ تمام مصنفات، شاعرات اور تبصرہ نگار بہنوں کو بھی سالگرہ مبارک ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے پاکیزہ کا پودا ایک تناور درخت کا روپ دھار گیا ہے۔ جہاں تک میرا اندازہ ہے انجم انصار آپ کو پاکیزہ سے وابستہ ہوئے پچیس سال تو ہو گئے ہوں گے اور ان سالوں میں اتنے ڈھیر سارے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنا کہ ہر ایک کو یہ لگے کہ ہم انجم کے لیے اہم ہیں بہت بڑی مثال ہے اور اس کے لیے میں

عذرا رسول کو مبارک باد دیتی ہوں کہ ان کا ماہنامہ واقعی دل کو چھو لینے والا ہے اور ان کی ایڈیٹر بھی ایک آل راؤنڈر کھلاڑی کی طرح اپنی ٹیم کو لے کر کامیابی سے چل رہی ہیں۔ مارچ کے شمارے کی کہانیاں ایک دو کہانیوں کو چھوڑ کر خاصی بہتر رہیں، ناول اور ناولٹ سب ہی اچھے رہے۔ بہنوں کی محفل میں انجم تمہارے تفصیلی جواب کا مزہ علیحدہ ہی ہوتا ہے۔ اس دفعہ ترکی ڈراموں کے بارے میں تمہاری رائے جان کر بہت ہنسی آئی۔" (تبصرے کا شکریہ۔ آپ کا اندازہ سولہ آنے صحیح ہے۔ بفضلِ خدا مجھے اس ادارے سے وابستہ ہوئے پچیس سال ہو گئے ہیں)

٭ سعدیہ سلیم، سندھ سے۔ "سالگرہ مبارک۔ عمیرہ احمد نے سوالات کے جوابات بہت اچھے دیے تھے۔ اگر میں یہ کہوں کہ آج تک کسی مصنفہ نے اپنے ناول کے بارے میں اتنی اچھی وضاحت نہیں کی ہوگی۔ ناہید سلطانہ اختر کا ناول زندگی، زندگی سے بھرپور رہا ہے۔ قیصرہ حیات اور رفعت سراج بھی اچھا لکھ رہی ہیں یہ تو بڑی اچھی رائٹر ہیں۔ مجھے رضوانہ پرنس کے لیے گئے انٹرویوز بہت اچھے لگتے ہیں۔ عذرا رسول کا جیسا انٹرویو انہوں نے لیا تھا ویسا کوئی نہیں لے سکتا تھا۔ ان سے کہیں ناں کہ وہ کسی رائٹر کا انٹرویو بھی لیں جو عام ڈگر سے مختلف ہو۔ مارچ کے شمارے کے سب افسانے ہی اچھے لگے کسی ایک کا کیا نام لوں، ہر تحریر اچھی تھی۔" (شکریہ، رضوانہ پرنس شکریہ کہتی ہیں)

٭ نزہت اصغر، کراچی سے۔ "پاکیزہ کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ ماشاء اللہ ایک عرصے سے پاکیزہ ہر گھر کی زینت بنا ہوا ہے اور آج پاکیزہ کے قارئین دوستی کی ان دیکھی ڈور سے بندھے ہوئے ہیں۔ معراج رسول صاحب اور عذرا رسول صاحبہ کی محنتوں، ریاضتوں کا ثمر ہے کہ آج یہ ادارہ اتنا کامیاب اور منظم ہے (ماشاء اللہ) میری بھی پہچان اور شناخت اسی ادارے کے ایک پرچے دلکش کے ذریعے ہوئی اور پاکیزہ میں خطوط یا کبھی کسی مضمون کے ذریعے شمولیت رہی اور اب بھی سب کی مہربانیوں اور مدیرہ انجمن انصار صاحبہ کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی سے انٹرویو کا سلسلہ شروع ہے، ان صفحات کو پسند کرنے کا شکریہ۔ انجم باجی کی پاکیزہ سے طویل وابستگی ہی میری رہنمائی کا باعث ہے خاص طور پر بہنوں کی محفل نے سب کے دل و دماغ پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔ یہ ایک خبرنامہ ہے جبھی یہاں بے لاگ تبصرے آتے رہتے ہیں اور بہنیں صرف کہانیوں پر نہیں بلکہ اپنی ذاتی باتیں، تجربات و مشاہدات تک شیئر کرتی ہیں اور اس کے ذریعے بہت سی بیماریوں کے نسخے، علاج اور شفا کے لیے دعائیں بھی حاصل ہوتی ہیں۔ یہ کسی بھی مدیرہ کی کامیابی ہے کہ وہ خلوصِ نیت سے کام کرتے ہوئے اپنا اتنا بڑا حلقۂ احباب اور حلقۂ مداحین بنائے۔ یہ محترمہ عذرا رسول کی ذاتی توجہ، محنت، لگن اور خلوص بھی ہے کہ ایسا اسٹاف ملا اور یہ کہ تمام رائٹرز اور قارئین کو بھی ادارے سے باندھے رکھا ہوا ہے۔... کسی بھی ادارے کے نگرانِ اعلیٰ کی خوبی اور بلاشبہ خوش قسمتی ہوتی ہے کہ ان کے زیرِ سرپرستی کام کرنے والے انہی کی طرح محنتی، وفا شعار اور پُرجوش ہوں اگر سربراہ وسیع النظری اور بالغ نگاہی سے کام نہ لے تو دیگر اراکین بھی بہتر نتیجہ نہیں دے پاتے۔ میں پاکیزہ کی اس سالگرہ پر تمام اراکینِ ادارہ کو پُرخلوص مبارک باد اور دلی دعائیں پیش کرتی ہوں۔ آخر میں مدیرہ پاکیزہ محترمہ انجم انصار کی محنت اور خلوص کو سراہتے ہوئے شکریہ بھی ادا کرتی ہوں کہ میں اس میں مستقل لکھوں یا نہ لکھوں مگر وہ ہمیشہ سالگرہ اور عید کے موقع پر مجھے پھولوں کے تحفوں اور دعاؤں کے تحفوں کی صورت یاد رکھتی ہیں۔ میری دلی آرزو اور دعا ہے کہ یہ ادارہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہے اور ادارے کے نگرانِ اعلیٰ محترم معراج رسول کو ربِ کریم صحتِ کاملہ سے نوازے۔ محترمہ عذرا رسول کی ہمت، جوش و جذبے اور لگن کو دو چند کرے اور عزیزی ذیشان رسول اپنے والدین کے سائے میں زندگی کی تمام خوشیاں حاصل کریں اور ادارے کو اپنی گوناگوں صلاحیتوں اور قابلیت سے مزید ترقی، رونق اور کامیابی سے نوازیں۔" (آمین، ثم آمین)

✉ صالحہ بانو، کراچی۔ آپ کے طویل خط کے جواب میں، میں صرف اتنا کہوں گی کہ ہمارے ٹی وی چینلز ڈبل گیم کھیل رہے ہیں۔ ایک طرف تو انڈین ڈراموں کو دکھانے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے اس وجہ سے اسٹار پلس اور دیگر انڈین چینلز بند کر دیے گئے ہیں اور دوسری طرف انڈیا کے پرانے ڈرامے اور ڈانس کے کرتب تمام پروگرام پاکستان کے چینلز پر خوب دھڑلے سے دکھائے جا رہے ہیں۔ ترکی ڈراموں میں کھلے عام شراب پی جا رہی ہے۔ عورتیں فراکیں پہنے گھوم رہی ہیں اور عورتوں جیسی شکلوں والے مرد ہیرو نظر آ رہے ہیں۔ ہمیں تو سانولے سلونے ہیروز کو دیکھنے کی عادت ہے۔ لال ٹماٹر جیسے لڑکے،

مجھے تو کم از کم زنانے ہی لگتے ہیں۔ پاکستانی ڈراموں کا علیحدہ ہی لطف ہے۔ بدلیس کے سیکڑوں ڈراموں کے سامنے صرف زندگی گلزار ہے ہی کافی ہے۔ اس سے اچھا یا اس کے مقابلے کا کوئی ڈراما ہی نہیں ہے۔

سہیلی سنبل ملک، پنجاب۔ آپ نے سنبل ملک کی تعریف میں ہمیں خط لکھا ہے مگر اپنا نام لکھنا بھول گئی ہیں۔ کہیں آپ کا نام بھی تو سنبل نہیں ہے۔ خیر سنبل آپ کو ہی نہیں ہمیں بھی اچھی لگتی ہے۔ واقعی وہ بڑی محبت کرنے والی لڑکی ہے۔

منور شہزادی اور ارم، گوجرانوالہ۔ جی ہاں آپ کے خطوط نہ آئیں تو ہمیں آپ کی فکر تو لگ جاتی ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ باجی کوئی نئی خبر سنائیں۔ اس وقت میں اخبار پڑھ رہی تھی اور میری نظر اس خبر پر ہے، بمبئی میں اداکارہ وینا ملک کی سالگرہ کے موقع پر ان کے مداحوں نے ایک منٹ میں ان کے ہاتھوں پر 137 بوسے دیے اور یوں وینا ملک نے عالمی ریکارڈ قائم کر کے اپنا نام گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل کر دیا ہے۔ بے غیرتی کا یہ نام حاصل کرنا کیسا ہے، اس بارے میں زبان گنگ ہے مگر یہ پکا خیال ہے کہ آئندہ اپنی کسی تقریب میں یہ اداکارہ اپنا یہ ریکارڈ خود ہی توڑیں گی، استغفراللہ۔

ردا حسین، کراچی سے۔ ”انجم باجی میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ کا کس طرح شکریہ ادا کریں۔ آپ نے میری امی نجمہ ناز اصغر کا انٹرویو شائع کیا۔ جلد بازی میں اپنا نام لکھنا بھول گئی تھی۔ میں نے امی کا انٹرویو جس جس کو دکھایا سب بے حد خوش ہوئے۔“ (پیاری ردا حسین، آپ کا نام اب مجھے ہمیشہ یاد رہے گا کہ آپ بہت پیاری بیٹی ہیں جو اپنی ماں کا خیال رکھتی ہیں۔ اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، آمین)

حمیرا اسلام، کراچی سے۔ خوش آمدید، آپ نے لکھا ہے کہ لفظ خدا کے بجائے صرف اللہ بولا جائے اور لکھا جائے کیونکہ لفظ خدا فارسی کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے خود سے آنے والا۔ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ہم سب کو لکھنے، بولنے میں اللہ ہی استعمال کرنا چاہیے۔ توجہ دلانے کے لیے جزاک اللہ کہ ہم سب لوگ ہی اللہ کے ساتھ ساتھ خدا بھی کہتے ہیں اور اب محتاط ہو جائیں گے۔

عطیہ، گوجر خان سے۔ ”میں درس و تدریس سے وابستہ ہوں۔ پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ بہنوں کی محفل پڑھ کر آپ کی ایک تصویر ابھرتی ہے جس سے باتیں کرنے کو دل چاہتا ہے۔ آج آپ سے یہ کہوں گی کہ مارچ کے شمارے میں سائرہ رضا کا افسانہ نمبر ون رہا۔ ہماری مبارک باد ان تک پہنچا دیں۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے اور سائرہ رضا شکریہ کہہ رہی ہیں)

ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ ”پاکیزہ کی سالگرہ سب لکھنے والوں اور سب پڑھنے والوں کو مبارک ہو۔ اس ماہ کا اداریہ بھی زبردست رہا۔ ناہید سلطانہ کو ہماری جانب سے مبارک باد پہنچا دیں انہوں نے بے حد اچھے طریقے سے ناول کا اختتام کیا ہے۔ رضوانہ پرنس کے کیے ہوئے انٹرویو بہت یاد آتے ہیں مگر مہناز کا انٹرویو بے حد پسند آیا۔ اس ماہ نگہت اعظمی، سائرہ رضا، عقیلہ حق، فاطمہ خان اور شائستہ کی تحریریں پسند آئیں۔“ (پسندیدگی کا شکریہ)

سعدیہ، اسکاٹ لینڈ سے۔ ”انجم باجی آپ کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ پاکیزہ مجھے اور میری بیٹی کو بے حد پسند ہے خصوصاً آپ کا اندازِ تحریر۔ اور ہم ماں بیٹی جب تک پاکیزہ نہ پڑھیں ہمیں نیند نہیں آتی۔ بہنوں کی محفل میں چونکہ ہر موضوع پر بات کرنے کی اجازت ہوتی ہے اس لیے میں اپنی تمام مصنفات کو ایک بات بتانا چاہتی ہوں کہ مسلمانوں میں سالی کی حیثیت ایک بہن کی ہوا کرتی ہے اور سکھوں میں سالی سے مراد آدھی گھر والی کے لیا جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں بلکہ اب بھی وہاں کے گاؤں گوٹھوں میں ایک بھائی شادی کر لیا کرتا تھا اور اس کی بیوی سارے بھائی کی بیوی ہوا کرتی تھی یا بیوی خود اپنی بہن کو پیش کیا کرتی تھی۔ نئے دور میں تو ان کے ہاں سے بھی یہ باتیں ختم ہو رہی ہیں بلکہ کافی حد تک ہو بھی چکی ہیں مگر سالی کو آدھی گھر والی ان ہی لوگوں میں کہتے ہیں۔ اس لیے میں اپنی مصنفات بہنوں سے یہ کہنا چاہوں گی کہ وہ آئندہ یہ جملہ اپنی تحریروں میں استعمال نہ کریں۔“ (جزاک اللہ، آپ نے ایک بہت اچھی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس وقت مجھے ایک بہت پرانا پڑھا ہوا ایک لطیفہ یاد آ رہا ہے کہ جیل ..... میں کسی سکھ کو اس کے گھر سے ایک خط موصول ہوا کہ مبارک ہو تمہارے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ اس کا جیل کا ایک ساتھی اس سے حیرت سے بولا تم دو سال سے تو جیل میں قید ہو تو تمہارے ہاں بیٹا کیسے ہو گیا؟ اس پر سکھ ہنس کر بولا۔ ”میں یہاں پر ہوں مگر گھر پر میرا ایک بھائی تو موجود ہے ناں۔“ استغفراللہ)

عظمیٰ آفاق سعید، کراچی سے۔ ”پاکیزہ کی سالگرہ کی مبارک باد تمام مصنفات، شاعرات اور قارئین بہنوں کو اور اس کے لیے تحفہ یہ ہے کہ سب اپنی خوب صورت ترین تحریریں پاکیزہ کو ارسال کیا کریں کہ آپ کی محبت بھری تحریریں پڑھنے والوں کے لیے بھی کسی تحفے سے کم نہیں ہوتیں۔ مارچ کا شمارہ اے ون رہا۔ میں کس کس کی تعریف کروں۔ سائرہ رضا آپ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ عقیلہ حق آپ کی تحریریں بھی اب مجھے بہت اچھی لگا کرتی ہیں۔ رضوانہ پرنس آپ کی تحریروں کی تو میں فین ہوں۔ عنیقہ محمد بیگ، بہت اچھا اضافہ ہیں۔ سیما مناف کی تحریریں تو میرے دل کا یقین ہیں۔ عمیرہ احمد، ناہید سلطانہ اختر، عطیہ عمر، قیصرہ حیات تو اب اساتذہ رائٹرز میں ..... شامل ہیں۔ اس سالگرہ کا ہر پل ہر قاری اور مصنفہ کو مبارک ہو۔ پاکیزہ کا نیا سال اپریل سے شروع ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ نیا سال سب کو مبارک ہو، آمین۔“ (تمہیں بھی مبارک ہو)

صائمہ سلیم، فیصل آباد سے۔ ”عنیقہ محمد بیگ کا ناول سب سے زیادہ پسند آیا۔ ناہید سلطانہ اختر نے اپنے ناول کا اختتام بہت اچھا کیا ہے۔ عنیزہ سید کو خوش آمدید۔ میں ہمیشہ امینہ عندلیب کے لیے دعا کرتی ہوں کہ وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں، آمین اور بہنوں کی محفل کی بات ہی کیا ہے۔“ (ثریا، یہ محفل آپ بہنوں کے مزے مزے خطوط سے ہی سجا کرتی ہے۔ اس لیے اس محفل میں آتی جاتی رہا کرو)

فاتحہ رابعہ، گوجرہ سے۔ ”اداریہ اس دفعہ بڑا جاندار تھا۔ ننھی سی ایک تجویز ہے کہ اگر آپ اداریے میں ایک آیت کا ترجمہ اور حدیث بھی شامل کر دیں تو الفاظ کی قدر و قیمت بے پناہ بڑھ جائے گی بلکہ ہوا انشاء اللہ بطورِ گواہ ہم سے پہلے ہمارے نامۂ اعمال میں موجود ہوگا۔ جلترنگ مزے کا تھا روزمرہ زندگی کے واقعات کو مزاح اور طنز کا لبادہ پہنا کر پیش کرنا بہت جان جوکھوں کا کام ہے آپ تو بہت ہنر سے یہ کام کر رہی ہیں، ماشاء اللہ! بہنوں کی محفل سب سے پہلے پڑھتی ہوں سب کی رائے ایک خاندان کے افراد کی شکل میں سامنے آجاتی ہے۔ ابھی عنیزہ سید کا افسانہ پڑھ پائی ہوں۔ بہت زبردست تھیم ہے اب تو حق حلال کی بات کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ کمائی میں حلال کون دیکھتا ہے۔“ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

عنبر وسیم، گوجرانوالہ سے۔ ”عمیرہ احمد کو بنفسِ نفیس نہ پا کر تھوڑی سی تشنگی سی رہی البتہ عکس کے بارے میں انہوں نے اپنے جوابات بہتر طریقے سے دیے۔ child abuse ہمارے معاشرے کا المناک پہلو ہے۔ خود میرے ارد گرد اکثر لوگ اس سے متاثر ہو چکے ہیں۔ اس میں سب سے بڑا دخل تربیت کا ہے اور اکثر لڑکیاں مارے ڈر کے کسی سے کچھ کہہ سن بھی نہیں سکتیں۔ ماؤں کو ٹین ایج میں لڑکی کی ہمدرد دوست بننا چاہیے تاکہ وہ اپنا ہر مسئلہ اور فیلنگز ان سے شیئر کر سکے۔ فرحانہ نے یاقربان اپنے مخصوص انداز میں لکھا۔ منظر کشی، مکالمہ نگاری اور اندازِ تحریر بے ساختہ..... فرحانہ تسی تے چھا گئے ہو۔ قیصرہ حیات نے کہیں دیپ جلے کہیں دل بہت اچھا لکھا۔ قیصرہ آپ کیا عمیرہ کی پڑوسن ہیں؟ آپ میں مجھے کچھ کچھ عمیرہ احمد کا عکس نظر آتا ہے۔ افسانوں میں اپنی انگلی نمرہ کا سب سے اچھا افسانہ لگا۔ ہم کسی کی طرف انگلی کرتے وقت بھول جاتے ہیں کہ بقیہ تین انگلیاں ہماری طرف ہی آ رہی ہیں۔ کاش کہ خداوند کریم ہر انسان کو بصیرت و شعور عطا فرمائے، آمین۔ زندگی میں حجاب کی جان الطاف سے چھوٹی، بصد شکر۔ اویس انصاری، تقدیم کا ہی ہیرو ہے اور تسنیم اور مدثر کو دوبارہ مل جانا چاہیے۔ یہ میرا دل کہتا ہے۔ جانِ جاں عنیقہ محمد بیگ اچھے انداز میں لکھ رہی ہیں۔ رحما اور حسیب کا ملن ہوتا ہے کہ نہیں؟ میرے خیال میں رحما کا کپل اکرم کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔ روحانی مشوروں میں بیماری کے آداب سے مستفید ہوئے۔“ (تبصرے کا شکریہ)

یاسمین کنول، پسرور سے۔ ”فروری کا پاکیزہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ موصول ہوا۔ بہت اچھا لگا۔ عمیرہ احمد کے سوال و جواب پڑھ کر مزہ آیا اور معلومات میں اضافہ بھی ہوا۔ اب ان کا تفصیلی انٹرویو پڑھیں گے تو باقی تشنگی دور ہوگی۔ رخ چوہدری کی سبق آموز اور قابلِ عمل تحریر شگفتہ شگفتہ انداز میں بڑی اچھی لگی۔ انہوں نے بہوؤں کو بڑا اچھا پیغام دیا ہے۔ ہنسی ہنسی میں وہ اتنی اہم بات کہہ گئیں، موصوفہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔ زندگی بہترین تحریر ہے جبکہ امانت بہتر ہے۔ باقی جلترنگ کی تعریف نہ کرنا زیادتی ہے۔ مجموعی طور پر پاکیزہ بہت اچھا تاثر دے رہا ہے۔“ (شکریہ)

فصیحہ آصف خان، ملتان سے۔ ”عمیرہ احمد کی جاندار باتوں نے دل موہ لیا۔ میری کچھ دن پہلے ان سے بات ہوئی، ان کی آواز کی شیرینی میں ابھی تک ڈوبی ہوئی ہوں۔ اللہ ان کو لازوال ترقی اور خوشیاں دے، آمین۔ نسیم نیازی، فریدہ

جاوید فری، شگفتہ شفیق، حمیرا کلیم، فرحانہ ناز، صائمہ اکرم اور سب بہنوں کو ڈھیروں سلام پہنچا دیں۔" (آپ کے سلام و پیام پہنچائے جا رہے ہیں)

☜ عذرا کنول، ڈیرا غازی خان سے۔ "سرورق پر ماڈل موٹا شاہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ چہرے پر جھلکتی معصومیت کافی پُرکشش بنا رہی تھی۔ دین کی باتوں سے مستفید ہو کر مجھے کچھ کہنا ہے میں جا پہنچے جہاں ربیع الاول کے حوالے سے آپ نے بہت اچھے پیغامات سے نوازا۔ بہنوں کی محفل میں قیصرہ حیات اور رفعت سراج کو دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ قیصرہ حیات کچھ خفا سی لگ رہی تھیں۔ باقی بہنوں کے تبصرے اچھے تھے۔ شروعات ناہید سلطانہ اختر کے ناول زندگی سے کی جو کافی دلچسپی لیے ہوئے ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہے کہ ہم اس ناول زندگی سے اپنی اصلاح اور معاشرے کو پرکھ سکتے ہیں۔ ناہید سلطانہ اختر جی آپ کا یہ ناول مجھے بے حد پسند ہے۔ اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر مبارک باد کی مستحق ہیں آپ ویری ویلڈن۔ فرحانہ ناز ملک کا ناولٹ یا قربان کافی مزاح لیے ہوئے تھا پڑھ کر مزہ آ گیا۔ قیصرہ حیات کا کہیں دیپ جلے کہیں دل بہت اچھا ناولٹ ہے۔ اس میں روحیل کا کردار پاورفل نظر آ رہا ہے۔ افسانوں میں میمونہ خورشید کا محبت کے سوا، قرۃ العین شکیل، پاگل لڑکی۔ شمیم فضل خالق، خوشبو محبت کی۔ صائمہ حیدر، خزاں کے بعد۔ رفاقت جاوید، بساطِ زندگی۔ نمرہ احمد، اپنی انگلی۔ سچی بات ہے اس بار سارے افسانے زبردست اور سبق آموز تھے اس لیے یہ سارے اچھے لگے۔ عنیقہ محمد بیگ کا ناول جانِ جاں بھی اچھا ہے مگر یہ کیا حبیب تو اکرم کا دوست نکل آیا اور حبیب صاحب کی ایک عدد بہن صاحبہ بھی تشریف لے آئیں۔ جن کا پہلے تذکرہ نہیں تھا۔ عمیرہ احمد سے ملاقات سوالات کی روشنی میں پسند آئی۔ رخ چوہدری نے بھی اچھا لکھا۔" (تبصرے کا شکریہ)

☜ سنبل ملک، شاہدرہ سے۔ "میں سنبل ملک، شاہدرہ سے آپ سے نہایت ہی محبت بھرا تعلق جوڑ رہی ہوں۔ آپ کی باتیں پڑھ کر دل خود بہ خود آپ کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ یہ قلبی تعلق آپ کی دعاؤں سے مجھے کامیابی تک لے جائے گا، آمین ثم آمین۔ بہنوں کی محفل میں شامل تمام قاری، لکھاری بہنوں کو سلام۔ زم زم کے لیے دعائیں۔ سعدیہ رئیس، شگفتہ شفیق کو خصوصی سلام۔ عائشہ خالد، میرپور خاص کے بارے میں پڑھا تو دل چاہا کہ ان کے گلے لگ جاؤں اور ان کو مبارک باد دوں کہ اللہ پاک کی ذات نے ان پر خاص فضل و کرم کیا کہ NCHD کے مشکلات کا شکار ہونے پر اللہ نے پھر بھی ان پر کرم فرمایا۔ تو عائشہ آپی آپ خوش قسمت ہو ورنہ تو ہر شخص مسائل کا شکار ہے۔ شمیم خالق، اسما قادری، شیریں حیدر کے افسانے بھی زبردست تھے۔ مکمل ناول میں سکینہ فرخ کا ناول مجھے بے حکم اذاں زبردست تھا۔ سندیسے بھی زبردست رہا۔ خوش ذائقہ نے ہمیں بھی کوکنگ ایکسپرٹ بنا دیا۔ میں اکثر گنگناتی ہوں میں انتخاب اعلیٰ پائے کا تھا۔ لبنیٰ عروج کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ پاک ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے، آمین ثم آمین۔ آنٹی آپ نے مجھے گائیڈ کرنے کا وعدہ کیا ہے، میرے اندر ٹیلنٹ موجود ہے اور میں محنتی بھی ہوں اور مجھے رب کی رحمت پر مکمل یقین اور بھروسا بھی ہے کہ اگر اس مالک نے لکھنے کی صلاحیت عطا کی ہے تو ضرور اچھی مصنفہ کی خوبیاں بھی رکھی ہوں گی۔ بس تھوڑا پالش کرنے کی ضرورت ہے۔" (آپ ماشاء اللہ باصلاحیت لڑکی ہیں)

☜ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ "قیصرہ حیات کا خط دیکھ کر خوشی ہوئی۔ قیصرہ حیات بہت اچھی رائٹر ہیں اور بہت اچھا لکھتی ہیں۔ نمرہ احمد نے بہت اچھے موضوع پر لکھا۔ دوسروں کا گلا کاٹنا آسان ہوتا ہے مگر اپنی انگلی کاٹنا بہت مشکل۔ ہم دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر مسرت محسوس کرتے ہیں۔ شاید اپنی محرومیاں غالب آ جاتی ہیں۔ میمونہ خورشید کا محبت کے سوا اچھا تھا۔ محبت کے سفر میں بہت کچھ دینا پڑتا ہے بغیر کسی امید کے۔ تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ میاں بیوی دونوں کو سمجھوتے، کمپرومائز کرنا پڑتے ہیں۔ بیلنس رکھیں تو زندگی اچھی گزر جاتی ہے ورنہ انسان عمر بھر نا آسودہ رہتا ہے، دل سے کسک نہیں جاتی اس لیے چھوٹی موٹی تلخیوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ فرحانہ ناز ملک اچھا لکھتی ہیں یا قربان اچھا تھا لیکن ایک بات کرتی چلوں کہ ان کی کہانی اچھی ہوتی ہے لیکن ان کو ایک بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ محاورات اور ثقیل الفاظ کا استعمال کچھ کم کریں تو پڑھنے والوں کو مزہ آئے۔ ایک ہی پیرائے میں دو تین الفاظ و محاورات کا استعمال افسانے کو بوجھل بنا دیتا ہے اور قاری پڑھتے پڑھتے بھٹک جاتا ہے اصل کہانی سے۔ مزید اچھا لکھ سکتی ہیں اللہ کرے ہو زورِ قلم اور زیادہ۔" (تبصرے کا شکریہ)

☜ فائزہ فاروق سحر، لاہور سے۔ "گیس کا بحران ایک طرف ہم لائٹ سے بھی محروم ہوتے جا رہے ہیں سارا سارا دن

لائٹ کے بغیر مکھیاں مارتے گزر جاتی ہے جبکہ میری تو خیر سے رسالہ پڑھتے صبح سے شام ہو ہی جاتی ہے، کہانیوں کا چسکا ایسا ہے جو جائے میں کہاں۔" (پاکیزہ کی کہانیاں پسند کرنے کا شکریہ)

☜ امینہ عندلیب، سلانوالی سے۔ "آپ کو، باجی عذرا رسول اور پاکیزہ کے تمام معزز ممبران، پیاری رائٹرز، افسانہ نگار، ناول نگار، تبصرہ نگار، شاعرات بہنوں کو پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔ کافی عرصے بعد قلم اٹھایا ہے اور یہ سمجھ لیں کہ دو لائن روزانہ لکھوں گی تب پورا ہوگا۔ تمام بہنیں میری دعاؤں میں ہیں۔ میں اپنی محترم بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو مجھے دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔ خصوصی شکریہ شائستہ زریں، محمد علی، القریش پبلی کیشنز، لاہور۔ فون پر اتنے اچھے طریقے سے بات کی۔ شائستہ زریں صاحبہ کا لفظ لفظ پیار بھرا دعاؤں سے لبریز تھا بہت حوصلہ دیا۔ بھائی علی صاحب نے بھی بہت دعائیں دیں۔ یہ سب پیار جس پیاری ہستی کی وساطت سے مل رہا ہے دعائیں مل رہی ہیں وہ میری پیاری باجی انجم انصار ہیں۔ مجھے بہت سی بہنوں نے جتایا آپی انجم آپ کے لیے بے حد پریشان ہیں۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ 1990ء سے تاحال مجھے ان کے پیار میں کبھی کمی محسوس نہیں ہوئی۔ 1996ء میں جب میں دکھوں میں گھری تنہا کھڑی تھی باجی انجم نے کتنا حوصلہ دیا۔ یہاں تک کئی بار آفر کی میری بچی ہمیشہ کے لیے میرے پاس آ جاؤ۔ تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ 2005ء میں جب امی جان کا انتقال ہوا تب سے تو ان کی محبت ماں کے شفیق روپ میں ملتی ہے۔ جب میں بہت ایمرجنسی حالت میں ہوتی ہوں روتے روتے فون کرتی ہوں۔ باجی کے پاس الفاظ ہی نہیں ہوتے دکھ سے چپ یہی حال میری دوست نوشین ساجد کا ہوتا ہے۔ باجی کسی نہ کسی طرح حوصلہ دیتی ہیں چپ کرواتی ہیں۔ کانچ سی لڑکی کا انتساب میرے نام...... مجھے تو باجی نے پیار کا اتنا مقروض بنا دیا میں کیسے ان کی محبتوں کا حق ادا کروں؟" (پیاری مینا، محبتوں کے معاملات میں کوئی مقروض نہیں ہوا کرتا۔ تمہاری دعائیں میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں صحت کلی عطا فرمائے، آمین)

☜ صبیحہ، کراچی سے۔ "انجم، میں نے آج پہلی مرتبہ کسی ڈائجسٹ میں خط لکھا ہے۔ وہ بھی تبصرے کے لیے اس لیے کہ رخ چوہدری کا افسانہ آنچل میں جڑے رشتے بہت ہی عجیب لگا۔ انہوں نے اردو چینل کے ڈرامے بھابی سنبھال چابی سے متاثر ہو کر لکھا ہے بلکہ ڈرامے میں ساس کو پھاپھا کٹنی کہیں نہیں کہا گیا تھا۔ انجم آپ بھی ساس ہیں، کیا آپ پسند کریں گی کہ آپ کی بہو آپ کو پھاپھا کٹنی کہے۔ ایسے افسانے بچیوں کے ذہن پر کیا اثر ڈالیں گے۔ آپ بتائیں کیا یہ ٹھیک ہے، ایک جگہ انہوں نے موموں کے ڈائیلاگ بھی لکھ دیے ہیں۔ یہ افسانہ کم اور ڈراما زیادہ لگ رہا ہے۔ برائے مہربانی افسانہ اور رسالے دونوں کے معیار کا خیال کریں۔" (پیاری بہن صبیحہ، میں رخ چوہدری کو ذاتی طور پر جانتی ہوں کہ وہ کتنی دین دار اور نیک لڑکی ہے۔ ان کی کہانی مزاح کے رنگ میں تو ضرور تھی اور ایسی بہوؤں کو کون اچھا کہتا ہے کوئی بھی نہیں۔ اگر آپ کو اس کہانی کے کسی جملے سے تکلیف پہنچی ہو تو میری جانب سے معذرت قبول کر لیں)

☜ دعا زہرہ، پنجاب سے۔ "آپی میں نے کبھی خط نہیں لکھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس مقصد کے لیے قلم اٹھایا ہے۔ اس لیے اگر کوئی غلطی یا گستاخی ہو گئی ہو تو نا تجربے کار سمجھ کر درگزر کیجیے گا۔ پاکیزہ سے تعارف تو اس وقت ہوا جب خود سے بھی کوئی خاص تعارف نہ تھا۔ میرا سارا بچپن میری نانو کی طرف ہی گزرا۔ میری تینوں خالائیں پاکیزہ بڑے شوق سے پڑھتی تھیں۔ باقاعدہ ڈائجسٹ پڑھنا تھرڈ ائیر میں شروع کیا۔ یہ ایک انتہائی معلوماتی اور اصلاحی ڈائجسٹ ہے لیکن سب سے بڑھ کر جو چیز پاکیزہ کو سب سے زیادہ کامیاب بنا رہی ہے وہ ہے آپ کا اخلاق...... اتنے خوب صورت انداز میں آپ اپنی ہر مصنفہ حتیٰ کہ قارئین کو بھی ہر خوشی اور غم پر یاد کرتی ہیں کہ بے اختیار آپ سے رابطہ قائم رکھنے کا دل کرتا ہے۔ لکھنے کی صلاحیت مجھ میں پائی جاتی ہے یا نہیں اس کا اندازہ مجھے ٹھیک طریقے سے تو نہیں ہے لیکن آپی مجھے اپنی ہر ٹیچر نے یہ احساس دلایا کہ مجھ میں لکھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔" (گڑیا، آپ میں لکھنے کی یقیناً صلاحیت ہے مگر جو کہانی آپ نے ہمیں بھیجی ہے وہ پاکیزہ کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔ آپ مطالعہ جاری رکھیں اور اپنی کوئی دوسری تحریر ہمیں بھیجیں)

☒ تسنیم، جہلم رسالے کے لیے پسندیدگی ظاہر کی ہے انہوں نے ہماری توجہ بالخصوص ٹوٹکوں کی جانب کروائی ہے کہ اگر کوئی ریسرچ چھپے تو مکمل تصدیق کے ساتھ۔ پان کے متعلق انہوں نے ہی توجہ دلائی ہے۔ عمیرہ احمد کے عکس کی وجہ سے باقاعدگی سے

رسالہ پڑھتی رہی ہیں۔ عمیرہ احمد کی نئی کہانی کا انتظار ہے۔ پیاری تسنیم، ہماری عمیرہ احمد بہت جلد پاکیزہ میں ہوں گی۔ اپنی خوب صورت تحریر کے ساتھ۔ پان کے بارے میں ریسرچ کا مرسلہ ہمدرد کے میگزین سے لیا گیا تھا جس کا حوالہ بھی شائع کیا گیا تھا۔

٭ شازیہ رباب، کاموکی سے۔ ”سرورق میں تبدیلی اچھی لگی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ کیونکہ نئے سال کا گفٹ مجھے پاکیزہ میں میرے انٹرویو کی صورت میں ملا تھا جس کی مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ عمیرہ احمد کے جوابات بھی وضاحتیں بھی بہت اچھی لگیں۔ ویسے تو عکس کے بارے میں ہمیں کوئی تشنگی نہیں تھی پھر بھی جس طرح کچھ بہنوں نے لکھا ہے کہ آخری قسط میں عکس اور شیر دل کے حوالے سے کوئی ملاقات اچھی سی خوب رہتی۔ اب بات کرتے ہیں فروری کے شمارے میں شامل دیگر کہانیوں پر۔ سب سے بیسٹ تحریر نمرہ احمد کی اپنی انگلی رہی۔ نمرہ نے بہت اچھے موضوع پر بہت اچھا لکھا۔ فرحانہ ناز ملک اور رخ چوہدری نے اپ سیٹ ذہن کو قدرے ہشاش بشاش کر دیا خصوصاً قربان پڑھ کر ہم بھول گئے کہ ہمیں کوئی ذہنی ٹینشن تھی۔ امانت بھی بہت اچھا اسٹارٹ لے چکا ہے۔ قرۃ العین کا پاگل لڑکی نے کالج کا دور یاد کروا دیا۔ جب ہم اسی طرح کی کچھ پاگل لڑکیوں کے آس پاس ہوتے تھے جب وہ کلرک صاحب کو بھائی کا رتبہ دے کر ان کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتی تھیں اور ہر وقت ان کی ہر ادا پر دل و جان نچھاور کرتی تھیں۔ خزاں کے بعد صائمہ حیدر نے ہماری دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے میاں جانی بھی بے حد خشک، بے حد بورنگ قسم کے میاں جانی ہیں مگر ہم حیران ہوئے کہ ہمیں فین بنانے کا خیال بھی نہیں آیا۔ شاید ہمارا وہ پہلا اور آخری عشق ہیں اس لیے یا پھر شاید ہم ان کا عشق نہیں ہیں۔ نہ پہلا اور نہ آخری کیونکہ شادی سے پہلے وہ آئی لو یو پتا نہیں کتنی بار کہہ چکے ہیں اس لیے وہ سچے عاشق کی طرح پہلا پیار کے بعد اب قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ حقیقی بیوی کو بھی ان الفاظ سے نہیں نوازنا۔ اور ایک ہم ہیں جو صرف شادی سے شروع سے لے کر آج تک اور آئندہ آنے والے کل تک انہی سے شروع انہی پر ختم۔ جانِ جاں عتیقہ محمد بیگ کا ذرا بھی پسند نہیں آیا۔ حقیقت سے کوسوں دور پتا نہیں ایسا کہاں ہوتا ہے جہاں نہ غمِ روزگار ہے نہ غمِ دنیا سوائے غمِ محبوب کے۔ بہنوں کی محفل میں رفعت سراج کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپی، یہ بات باعثِ فخر ہے کہ مصنفات اور بہنیں اکٹھی تبادلۂ خیال کرتی نظر آتی ہیں اور ایسا صرف پاکیزہ میں ہوتا ہے۔ قیصرہ حیات کا ناول بھی بہت اچھا جا رہا ہے اور زندگی تو بے حد اچھا جا رہا ہے۔“ (تبصرے کا شکریہ)

٭ آسیہ اشرف، مقام نامعلوم۔ ”پہلی بار بہنوں کی محفل میں شرکت کر رہی ہوں۔ پاکیزہ کے بارے میں کیا کہوں، کس طرح تعریف کروں۔ الفاظ نہیں ہیں بس یہی کہہ سکتی ہوں کہ سب کچھ اتنا شاندار ہوتا ہے کہ سراہنے کے لیے الفاظ کا سہارا نہیں لیا جا سکتا بلکہ پاکیزہ کی قدر دل سے کی جا سکتی ہے۔ ہمیشہ سے ہی مجھے لکھاری بننے کا شوق رہا ہے۔ پاکیزہ پڑھا تو لگا کہ شاید یہی میری منزل کا راستہ ہے۔“ (اس محفل میں خوش آمدید، ہم ہر ٹیلنٹڈ بہن کی حوصلہ افزائی ضرور کرتے ہیں)

٭ نزہت شفیق، گوجرانوالہ سے۔ ”عکس بہت پسند آیا۔ اب عمیرہ احمد کے افسانے بھی لگائیں آج کل تو وہ چینلز پر چھائی ہوئی ہیں۔ ہاں عالیہ بخاری کا ایک ڈراما شروع ہوا ہے، آپ لوگ ان کی کہانیاں کیوں نہیں لگا رہے؟ آپ کا پرچہ پورا پڑھ نہیں پاتی کہ دوسرے مہینے کا آ جاتا ہے۔ ایک بات اور کہنی ہے کہ اگر برا نہ مانیں تو مراسلے اور کارنرز اور زیادہ دلچسپ و مزیدار ہونے چاہئیں۔ نعت اور حمد بھی بڑے شاعروں کی دیں۔ نئے شاعروں کے لیے الگ صفحات کر لیں۔ پاکیزہ ڈائری میں جو چیزیں آتی ہیں کبھی سب اچھی اور کبھی بالکل غیر دلچسپ لگتی ہیں۔ امید ہے میرے اس کھلے تبصرے پر آپ کی انتظامیہ غور فرمائے گی۔“ (گڑیا، ہماری بہنیں بہت محنت سے مراسلات بھیجتی ہیں۔ اگر آپ میں صلاحیت ہے تو آپ بھی ہمیں بھیج سکتی ہیں)

٭ نسیم نیازی، لاہور سے۔ ”بہت دنوں سے پاکیزہ سے غائب ہوں مگر کسی نے یاد نہیں کیا لیکن تمہیں بھی سوئے ہوؤں کو جگانے کی خوب ادا آتی ہے سو اس بار اِک نظم اور اِک خبر لگا کر قلم تھامنے پر مجبور کر ہی دیا تم نے۔ سب سے پہلے تو بات ہو عکس کی، عمیرہ احمد گو ماضی حال کے چکر میں بہت چکرائے رکھا مگر سترہ مہینوں تک میدان اپنے ہاتھ میں رکھ کر قارئین کی نبض پر ہاتھ رکھنے میں ہر قسط میں خوب کامیاب رہیں اور اینڈ میں تو مانو اپنی اعلیٰ ظرفی کے باعث عکس کا کردار موسٹ فیورٹ بن گیا جو بہت مشکل کام ہے، عورت کے لیے عکس نے وہ کر دکھایا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ عورت اگر اپنے دل میں وسعت پیدا کر لے تو یہ کام اتنا مشکل نہیں بشرط مرد مالی طور پر مضبوط ہو تو بہر حال اِک خوب صورت ناول خوب صورت انجام کے ساتھ مہینوں

ذہنوں پر چھایا رہا۔ کچھ بات ہو جائے زندگی کے بارے میں۔ میری ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ اگر ناول کی پہلی قسط وقت پر پڑھ لوں تو پھر باقاعدگی سے ہر قسط پڑھتی ہوں جو کسی وجہ سے پہلی قسط پڑھنے سے رہ جائے تو پھر کبھی تو وہ ناول اینڈ تک نہیں پڑھا جاتا اور کبھی ساری قسطیں اکٹھی کر کے پڑھتی ہوں تو اس بار زندگی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہوا مگر بھلا ہو شدید مفلوج کر دینے والی سردی کا کہ ہم نے بیڈ کی سائڈ پر پاکیزہ کے پچھلے تمام شمارے اکٹھے رکھے اور زندگی کو پڑھنا شروع کیا تو تمام قسطیں چار دن میں پڑھ ڈالیں۔ پڑھیں کیا ناہید جی نے تو مانو جکڑ سا لیا، ہر قسط شاندار...... زندگی کی حقیقت کو اس طرح قلم کی زبان ملی کہ سارے کردار، ساری مشکلات، پریشانیاں ارد گرد ناچتی دکھائی دیں۔ کہیں تسنیم پر غصہ آیا تو کہیں ہمدردی کا ابال بھی دل میں اٹھتا رہا اور سچی بات ہے مدثر پر غصے کے ساتھ افسوس بھی ہوتا رہا کہ کم عمر، ناتجربے کاری، کچے ذہن اسی طرح کے رویوں میں الجھ جاتے ہیں اور بے چارے ماں باپ بھی کیا کریں کہ عمر کے خواب ٹوٹے تو وہ بھی غلط صحیح کے فیصلوں میں الجھ کر زیادتی پر مجبور ہو جاتے ہیں غصہ تو شدید مجھے حجاب پر بھی آتا رہا کیونکہ عورت کتنی بھی مضبوط ہو جائے مگر اتنی ہٹ دھرمی اچھی نہیں لگتی، مرد کے تو اللہ جانے کون کون سے رنگ ہیں حقیقی زندگی میں نظر دوڑائیں تو بعض اوقات روح تک کانپتی ہے مگر عورت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے حجاب اپنے مثبت رویے سے الطاف جیسے بگڑے مرد کو سدھارنے کا کارنامہ انجام دے کر جہاں خود سرخ رو ہوتی وہیں بسمہ کے لیے بھی اچھا کر گزرتی۔ اک مرد جب مالی طور پر اتنا مضبوط ہو تو میرے خیال میں وہ چار شادیاں کرنے کا بھی حق دار ہے کیونکہ مالی پریشانی بھی زندگی کی ایک ایسی دیمک ہے جو اچھے اچھوں کے طوطے اڑا دیتی ہے۔ حجاب کی ہٹ دھرمی نے پورے گھرانے کو متاثر کیا اور اس نے خود اپنی زندگی کو بھی روگ لگا لیا۔ بہر حال عورت اتنی ہٹ دھرمی دکھائے تو اچھی نہیں لگتی باقی سلطانہ جی کا اس سے قبل بھی ایک ناول طلاق کے موضوع پر بے حد متاثر کن تھا اور اس ناول میں بھی اسی موضوع کو انہوں نے تفصیلی طور پر قرآن اور قانون کے حوالے سے بیان کر کے پڑھنے والوں کو بہت سی باریکیاں سمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں بہت کامیاب رہی ہیں۔ رفعت سراج کافی عرصے بعد دکھائی دی ہیں امانت کی پہلی قسط تو اتنی متاثر کن نہیں رہی کہانی کے کچھ تانے بانے سمجھ میں آنے تو لگے ہیں ویسے بھی ناول کی چند قسطوں کے بعد ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔“ (ہمارا یہ ناول بھی شاندار ہے اس کا اندازہ آپ کو بھی ہو جائے گا)

٭ اُمِ طلحہ، پنجاب سے۔ ”میں کافی عرصے سے پاکیزہ کی خاموش قاری ہوں۔ کافی عرصے سے آپ کو خط لکھنا چاہ رہی تھی لیکن مجھ میں ہمت نہ تھی بزدلی کہہ لیں۔ کہیں میرا خط شائع نہ ہوا تو کہیں ٹھکرا نہ جاؤں لیکن میری سوچوں کے برعکس ایک دن میں نے آپ کو جھجکتے ہوئے فون کیا آنٹی آپ نے مجھ سے اتنے اخلاق سے پیار سے بات کی جیسے صدیوں سے آپ کی اور میری آشنائی ہو حالانکہ میں آپ کے لیے بالکل اجنبی تھی جب آپ بالکل اجنبی سے اتنے اخلاق سے بات کرتی ہیں تو آپ کے چاہنے والوں کا کیا حال ہوگا، آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا ڈالا۔ آنٹی یہ تعریف نہیں اللہ تو سن رہا ہے کہتے ہیں منہ پر تعریف نہیں کرنی چاہیے، آنٹی میں نے آپ سے فون پر بات کی تھی کہ ہمارے علاقے کے قریب ایک صرف چغلی کی وجہ سے پورا گھر اتنا تباہ ہو گیا، میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں لکھ کر بھیج دوں آپ نے کہا تھا جگہ اور نام وغیرہ تبدیل کر کے لکھ دینا میں دیکھ لوں گی۔“ (گڑیا، ابھی آپ کی بھیجی ہوئی کہانی میں پڑھ نہیں سکی ہوں)

٭ عاشفہ مسعود، پنجاب سے۔ ”پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ وہ بھی ہمارے معاشرے کے گمبھیر مسئلے چائلڈ ابیوز پر اس میں سب سے اہم کردار ماں کا ہے۔ جاگتی باشعور ہوش مند ماں جو صرف بچے پیدا کرنا ہی نہیں انہیں پالنا بھی جانتی ہو۔ بیٹا ہو یا بیٹی ہر حال میں بچے سے مکمل دوستی ہونی چاہیے۔ اس کی ہر بات پوری توجہ سے سنیں۔ اس کو بار بار اپنی محبت کا یقین دلائیں کہ میں تم سے دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتی ہوں ہر کسی کے مقابلے میں تمہارا اعتبار کرتی ہوں۔ پانچ سال کی عمر تک بچے کو باتوں باتوں میں شعور دیں کہ یہ تمہارے جسم کے پرائیوٹ حصے ہیں۔ ان سے کوئی چھیڑ چھاڑ کرے تو فوراً مجھے آواز دو یا زور، زور سے چیخنا چلانا شروع کر دو۔ چھوٹے یا بڑے بچوں کو بتائیں، اس مسئلے میں شور کرنے میں آپ کی بے عزتی نہیں، ڈرنا ہمیشہ چور کو چاہیے آپ بھی خوف زدہ نہ ہوں۔ جو چیز ہاتھ میں آئے بے دریغ دے ماریں۔ بڑی بچیاں کسی کے ہاتھ کی غلط حرکت پر اپنی میز پن ہی زور سے چبھو دیں۔ اسکول، کالج آتے جاتے نوکیلی پن بیگ سے لگائیں۔ بچے کو کبھی کسی رشتے دار کے ہاں اکیلا نہ بھیجیں بے

شک وہ آپ کے بہن بھائی کا گھر کیوں نہ ہو۔ بہن بھائی آپ کے اپنے ہوتے ہیں مگر ان کے متعلقین غیر اور ویسے بھی زیادہ تر کیسوں میں قریب کے رشتے دار یا دوست ہی ملوث ہوتے ہیں۔ بچے کی ہر بات توجہ سے سنیں۔ کسی عزیز/رشتے دار سے ناگواری محسوس کرتا ہے یا اسے ناپسند کرتا ہے تو اس کی وجوہات دوستانہ انداز میں جاننے کی کوشش کریں۔ بچے کو اپنے بغیر کہیں رات نہ رہنے دیں۔ کبھی ملازم یا ملازمہ کے حوالے کر کے مطمئن نہ ہو جائیں۔ ملازمین کو بچہ دے کر ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں چاہے ملازم کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو۔ غریب طبقے میں ایک کمرے کے مکان ہونے کی وجہ سے بچے جلد اس معاملے میں باشعور ہو جاتے ہیں۔ بچوں کے قاری یا ٹیوٹر کو ہمیشہ لاؤنج میں بٹھائیں تاکہ کچن سے آتے جاتے آپ بار بار وہاں سے گزریں۔ سارا دن جتنی مرضی مصروفیت ہو بچے کی ہر سرگرمی پر آپ کی نظر ہونی چاہیے۔ بچے سے اسکول کی روداد دلچسپی سے سنیں۔ اس مسئلے کا سبب بھی ہمارا پیدا کردہ ہے۔ چھوٹے بچے جو آپ کے بیڈ روم میں سوتے ہیں ان کی موجودگی میں مکمل احتیاط کریں بیشتر بچے والدین کو دیکھ کر چھوٹے بچوں پر تجربہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بچے ٹی وی، نیٹ یا موبائل پر کیا دیکھتے ہیں ہم عام طور پر اس کی پروا نہیں کرتے۔ ہم نہ صرف چھوٹے بلکہ بڑے بچوں پر بھی ظلم کرتے ہیں۔ ہم نے شادی کو لاکھوں میں کر دیا ہے اور زنا مفت۔ بڑے جوان بیٹوں کے جائز راستے محض چھوٹی بیٹیوں کو بیاہنے کے چکر میں مسدود کر دیتے ہیں یعنی اللہ کے بجائے بیٹوں کو وسیلہ سمجھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رشتے مسترد کر کے بچوں کو بھٹکنے پر مجبور کرتے ہیں۔ فرنیچر، جوڑے، زیور، مکان بنانے کے چکر میں بچوں کی جوانیاں ان کے قیمتی سال برباد کر دیتے ہیں۔ بقول عمیرہ احمد یہ سادہ عورتیں جو گھروں میں مائیں بن کر بیٹھی ہیں بڑے ظلم ڈھاتی ہیں۔ ہر عمر میں نکاح کو فروغ دینا ہوگا۔'' (عاصفہ بہن میں آپ کی رائے سے سو فیصد متفق ہوں)

✉ بہن ایس، امریکا۔ سورۂ فاتحہ کا پانی آپ خود بھی پئیں اور اپنے شوہر کو بھی پلائیں۔ ان فیملیز میں زیادہ آنا جانا رکھیں جہاں بچے ہوں۔ دیگر باتوں کے لیے آپ مجھے فون کر سکتی ہیں۔

☜ نفیسہ آرا، یو اے ای سے۔ ''آپ کا رسالہ سب سے اچھا جا رہا ہے۔ اس میں وقتاً فوقتاً آنے والے انٹرویوز بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ مہناز کی بابت پڑھ کر دل اداس ہو گیا۔ ہمیں اپنے لیجنڈز کی ان کی زندگی میں ہی قدر کرنی چاہیے۔ عمیرہ احمد کی کہانی کا اختتام کچھ غیر متوقع لگا تھا اور اب ناہید آپا نے بھی جلدی سمیٹ دیا جبکہ قیصرہ حیات کا ناولٹ ابھی تو آہستہ چل رہا ہے یہ بھی فوراً ختم ہو جائے گا کم از کم سب کیریکٹرز کے انجام تو پورے دکھانے چاہئیں۔ ہاں چھوٹے بچوں کی تربیت سے متعلقہ مضامین بھی شائع کیا کریں۔'' (ثریا، ہر بہن کی پسند ناپسند مختلف ہوتی ہے۔ کسی کو کچھ پسند آتا ہے تو کسی کو کچھ۔ آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے)

☜ اسما، ایبٹ آباد سے۔ ''مجھے اپنے ناول پت جھڑ کے بارے میں پوچھنا تھا۔ مجھے پاکیزہ رسالہ بہت پسند ہے۔ شاعری بھی کرتی ہوں۔ رسالے میں شامل تمام تحریریں بہترین تھیں۔'' (ثریا، طویل تحریروں کو لگنے میں ٹائم لگتا ہے۔ پسندیدگی کا شکریہ)

☜ سائرہ عباس، کراچی سے۔ ''آپ کا رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ عکس کے بارے میں کہنا ہے کہ آخری قسط میں تیزی دکھائی گئی تھی۔ ویسے عمیرہ احمد کے جواب اچھے تھے۔ اب کیا ناہید سلطانہ آپی سے بھی سوال کر سکتے ہیں؟ آپ ایک دو مزاحیہ کہانیاں بھی دیا کریں۔ اس دفعہ رخ چوہدری کی کہانی مزاحیہ تو تھی مگر دلچسپ نہیں تھی کون ساس سے اس طرح باتیں کرتا ہے۔ فرحانہ ناز ملک نے بھی چپل جوتی چلا دی یہ کس طرح کی باتیں رائٹرز لکھتی ہیں۔ ایک بات اور کہنی ہے کہ پرانے رائٹرز کی کہانیاں آپ کے پاس ہوں تو ضرور لگائیں۔ ویسے مجموعی طور پر اچھا رسالہ ہے۔'' (پسندیدگی کا شکریہ۔ ثریا، آج کل ہر قسم کی بہویں ہیں اور ہر رنگ کی ساسیں ہیں)

☜ صائمہ شاہ، کراچی سے۔ ''آپ سب کو پاکیزہ کی سالگرہ کی ڈھیروں مبارک باد، میں نے جب بھی باجی انجم انصار سے بات کی ہمیشہ محبت اور خلوص ہی ملا۔ میرا اور پاکیزہ کا ساتھ بہت پرانا ہے، آپ کا شکریہ کہ میری باقاعدہ حاضری نہ ہونے کے باوجود یاد رکھتی ہیں۔ پاکیزہ کے تمام اسٹاف کو بہت مبارک باد ہو۔'' (شکریہ)

☜ سلمٰی غزل، کراچی سے۔ ''سب سے پہلے تو آپ کو ڈھیر ساری دعائیں اور شکریہ ساتھ ہی یہ بھی دعا کہ پاکیزہ دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے کہ اس کے توسط سے مجھے اپنی ایک بے حد عزیز اور بچپن کی دوست مل گئی۔ آپ نے جب فون پر بتایا اور نمبر لکھوایا کہ کشور نامی ایک خاتون کو میرے نمبر کی سخت تلاش ہے۔ آپ نے اخلاقی طور پر ان کو میرا نمبر دیا لیکن میں نے جب

کشور کے نمبر پر بات کی تو دل باغ باغ ہوگیا۔ یہ میری دوست عروسہ کی بھتیجی تھیں۔ میری یہ دوست اپنے دو بیٹوں اور شوہر کے ساتھ 1993ء میں امریکا شفٹ ہوگئی تھیں اور میرا کوئی رابطہ نہ تھا پھر انہوں نے پاکیزہ میں میرے بیٹے کی شادی کا احوال اور بہنوئی بدیع الزماں کے انتقال کی خبر پڑھی تو مجھے پہچان گئیں رات جب اس کا فون آیا تو میرا خوشی سے برا حال تھا۔ اس نے میرے بیٹوں کا نمبر حاصل کرنے اور پاکستان میں مجھے ڈھونڈنے کے لیے کمپیوٹر کا بھی سہارا لیا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ میں جنوری میں امریکا آچکی ہوں جبکہ میں بھائی کی وجہ سے ابھی جا ہی نہیں سکی۔ یقین کیجیے جس طرح اس نے خوشی کا اظہار کیا، اپنی کاوشیں بتائیں میرے دل سے آپ کے اور پاکیزہ کے لیے ڈھیروں دعائیں نکلیں۔ آپ چاہیں تو میرے اس خط کو بہنوں کی محفل میں شامل کرلیں تاکہ بہنوں کو پتا چلے کہ پاکیزہ ساری دنیا میں پڑھا جاتا ہے میری دوست مشی گن اسٹیٹ میں رہتی ہے۔" (آپ اور آپ کی سہیلیاں خوش رہیں۔ ہماری تو یہی دعا ہے)

٭ صائمہ قیصر ہاشمی۔ راول پنڈی سے۔ "اسلام آباد کے بیک گراؤنڈ پہ اگر خوبصورت نقوش والی ماڈل نہ ہوتی اور صرف پاکیزہ ہی لکھا ہوتا تو بھی ہم یونہی شمارے پر جھپٹتے۔ جس میں استادِ محترم انجم آپی پوچھتی ہیں کہ مجھے کچھ کہنا ہے جبکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ کہتی رہیں اور ہم پڑھتے رہیں کیونکہ وہ ہمیشہ بہت خوب کہتی ہیں اور قابلِ عمل بھی۔ آج کل پاکیزہ میں بڑے بڑے لوگوں کی کہانیاں چھپنے کے علاوہ جو خاصے کی چیز چھپ رہی ہے۔ وہ ہے اپنی بظاہر خاموش طبع نظر آنے والی مگر دراصل بہت خوشگوار سی طبیعت کی مالک ڈیئر نزہت اصغر جی کی سجائی ہوئی بزم کہ جس میں پہلے بھی کئی خاص اور خوبصورت لوگوں کے دل کے احوال اور زندگی کے تجربات سے متعارف ہوئے مگر اب مہناز جی مرحومہ کے جذبات نے تو رُلا ہی دیا۔ انہوں نے کہا۔" پروردگارِ عالم نے مجھے ان بدخبروں کے ملک میں زندہ رکھا ہے جہاں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔" شائستہ انجم کی آئیڈیل اس لیے خوشگوار لگی کہ چلو کسی نے تو چھپے رستم ٹائپ مردوں پر لکھا۔ جو اپنی مجبوریوں کے لیے ہی سہی پر کسی بات پہ تو خاموش سمجھوتا کرتے ہیں۔ ہم تو اس خاموشی کو ترستے رہتے ہیں بھیا! قیصرہ حیات جی ہماری پسندیدہ رائٹر ہیں اور ان کی پاکیزہ میں موجودگی ہمیں اچھی لگتی ہے۔ نشاط خان کی نوٹ بک...... کسی بھی فیلڈ کے دو کھلاڑی زندگی میں بھی مل جائیں تو خوب گزر سکتی ہے۔ فاطمہ خان، بس پہلا قدم اٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ عقیلہ حق کی ایک خواہشِ لاحاصل بہت ڈپریسنگ تھی۔ اس کے اینڈ پہ میرے منہ سے نکلا یا اللہ مدد۔ مجھے جو پسند آئی وہ کہانی نہیں ہزاروں حقائق پہ مبنی نگہت اعظمی کی زہر ہے۔ ماں اور باپ جیسے انمول، اونچے اور شاندار رشتوں کو جیسے... بدترین سلوک کرکر کے قبروں تک محض اپنے مفادات اور خودغرضیوں کے ذریعے پہنچایا جارہا ہے۔ عظمیٰ افتخار نے حدیثِ دل اچھی کہی۔ سائرہ رضا کی ہارے بھی تو بازی مات نہیں حقیقت سے قریب تر تھی۔" (تبصرے کا شکریہ)

٭ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ "ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ اینہ عندلیب کو اور سمیرا مجاہد کے بیٹے کو مکمل تندرستی و صحت عطا فرمائے، آمین۔ سلسلے وار ناولز اور آئیڈیل، نوٹ بک، ایک خواہشِ لاحاصل، جانِ جاں، زہر بھی پسند آئیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ ثمینہ پیرزادہ، غزل صدیق، ماہ نور بلوچ، نبیل، فیصل قریشی، سہیل احمد کے انٹرویوز پاکیزہ کی زینت بنائیں۔" (آپ کی فرمائش نوٹ کرلی گئی ہے)

عزیز بہنو! سالگرہ نمبر 1 ایک آپ کو کیسا لگا؟ اپنی آرا سے جلد آگاہ کیجیے گا کہ جب ہم نے انگلیاں فگار کی ہیں تو لہو رنگ کیسا آیا اور کیسا لگا......؟ مئی کا شمارہ سالگرہ نمبر 2 ہوگا۔ اب آئیں ہم سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔

یا ارحم الراحمین! میرے جسم کو شفا، دل کو اپنی ذات کا یقینِ کامل اور آنکھوں کو نورِ بصیرت عطا فرمانا اور جب تک زندہ رہوں اپنے ذکر کو صبح شام میری زبان پر جاری فرمادے اور ایسی جگہ سے مجھے رزق دے جو بلا رکاوٹ ملتا ہی رہے۔ بے شک ہمارا رب برکت اور بلندی والا ہے۔ آمین ثم آمین۔ یا مجیب یا مجیب یا مجیب!

دعاگو

آپ کی اپنی باجی

انجم انصار





پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ آفاق سعید

حمدِ باری تعالیٰ

جہانِ عالم میں ہر طرف سے ہے اسی کی موجودگی کا پرتو
ہر ایک ذرہ بتا رہا ہے اسی سے ہے زندگی کا پرتو
نزولِ رحمت بھی ہو رہا ہے یقینِ وحدت بھی ہو رہا ہے
ہر ایک نعمت دکھا رہی ہے اسی سے وابستگی کا پرتو
شجر کی شاخوں پہ ٹہنیوں پر جو پھول لہرا رہے ہیں ہر دم
لہک میں ان کی مہک میں ان کی اسی پہ دیوانگی کا پرتو
کسی بھی تخلیق پر جو سوچو تو خود حقیقت یہ کھل رہی ہے
ہر ایک شے میں چھپا ہوا ہے اسی کی شائستگی کا پرتو
رحیم رحمت مزاج اس کا اسی کی حکمت علاج اس کا
سب ہی کے دل پر ہے راج اس کا یہی ہے دل بستگی کا پرتو
ہماری باتوں میں نام اس کا ہے ذکر یوں صبح شام اس کا
کہا جو محسنؔ کلام اس کا اسی پہ وارفتگی کا پرتو

شاعر: محسنؔ علوی

مرسلہ: فریدہ جاوید فری، لاہور

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

میرے آقا یہ عبادت قبول کرلینا
جتنی کرتی ہوں محبت قبول کرلینا
اِک گناہ گار ہوں، نادم ہوں ہار بیٹھی ہوں
میرے مولا یہ ندامت قبول کرلینا
باوضو ہو کے چشم نم لے کر!
کر رہی ہوں تیری مدحت قبول کرلینا
میں سیاہ کار ہوں آقا غلام تیری ہوں
چاہتی ہوں تیری نسبت قبول کرلینا
خزاں نصیب رُتوں سے گلاب مانگتے ہیں
غم کے ماروں کی الفت قبول کرلینا
منتظر ہے یہ رحمتوں کی کنولؔ
اس کی چاہت قبول کرلینا

شاعرہ: یاسمین کنول، پسرور

فرمانِ رسول ﷺ

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی۔ "احکامِ الٰہی کو سنوں گا اور اطاعت کروں گا اور ہر مسلمان کی بھلائی چاہوں گا۔"

تو آپ ﷺ نے مجھے تلقین فرمائی تھی کہ کہو...... "جس قدر میری بساط میں ہوگا۔"

(صحیح بخاری)

مرسلہ: ارم احتشام، ملتان

بھروسا

رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ "میرے سامنے اُمتیں پیش کی گئیں مجھے بتایا گیا...... آپ کی امت میں ستر ہزار ایسے ہیں جو بلا حساب کتاب جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری)

مرسلہ: شگفتہ ناصر، فیصل آباد

محبت کس سے کی جائے

☆ سورج سے...... مگر اس میں تپش ہوتی ہے۔
☆ آگ سے...... مگر یہ جلا دیتی ہے۔
☆ پانی سے...... مگر یہ بہا کر لے جاتا ہے۔
☆ اونچائی سے...... مگر یہ سر کے بل گرا دیتی ہے۔
☆ گہرائی سے...... مگر یہ تو اپنے اندر دبا لیتی ہے۔
☆ پھولوں سے...... مگر یہ تو مرجھا جاتے ہیں۔

☆ کانٹوں سے...... مگر ان میں تو چبھن ہوتی ہے۔
☆ خوشیوں سے...... مگر یہ تو وقتی ہوتی ہیں۔
☆ لوگوں سے...... مگر یہ تو بے وفا ہوتے ہیں۔
☆ تو پھر کس سے محبت کی جائے......
☆ بے شک اللہ کی پاک ذات سے، جس کی محبت میں کوئی شک نہیں اور ہم سب کو صرف اسی کا محتاج ہو کر رہنا چاہیے کہ وہی ہر شے پر قادر ہے، ساری تعریفیں صرف اسی کے لیے ہیں، وہ ہم سے راضی ہوگا تو سب ہم سے راضی رہیں گے۔
مرسلہ: سمیرا مجاہد، صادق آباد

تنگی سے نکلنے کی راہ

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص استغفار کو لازم کر لے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر تنگی سے نکلنے کی راہ پیدا فرماتا ہے اور ہر غم سے خلاصی فرماتا ہے اور جہاں سے اسے گمان ہی نہیں ہوتا (وہاں سے) روزی دیتا ہے۔
(مشکوٰۃ شریف، باب الاستغفار والتوبۃ)
مرسلہ: انجم گلزار، کراچی

سفرِ عقیدت

مقدر میں میرے سفر پھر سے لکھ دے
میرے دل میں ہے جستجوئے مدینہ
میں کیوں آج بے کل سی ہو رہی ہوں
ہوا میں رچی خوشبوئے مدینہ
ہے حسرت کہ پھر ان فضاؤں میں جی لوں
میرے دل میں ہے آرزوئے مدینہ
میں سرمہ بنالوں اسی گردِ پا کو
میں آنکھوں میں ڈالوں خاکِ کوئے مدینہ
میرے سامنے سبز گنبد کے جلوے
میں عاصی کھڑی روبروئے مدینہ
یہی آرزو ہے یہی ہے تمنا
سفر میرا پھر سے ہو سوئے مدینہ
شاعرہ: فریدہ افتخار، پشاور

حُبِ نبی ﷺ

حرفِ سخن کو آج پھر کوئی نیا خیال دے
جو کہ میرے وجود کو حُبِ نبی ﷺ میں ڈھال دے
حُبِ نبی ﷺ میں اس طرح اپنے عمل کو رنگ دوں
حُبِ نبی ﷺ کا ذکر ہو دنیا میری مثال دے
مرسلہ: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

کہتا ہوں سچ......

☆ آپ فرشتہ یا دیوتا نہیں بلکہ انسان ہیں اور مشکلات انسانوں ہی کو پیش آتی ہیں۔
☆ تین آدمیوں میں راز، راز رہ سکتا ہے بشرطیکہ ان میں سے دو مر چکے ہوں۔
☆ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم اس پیاری زبان سے دوسروں پر کیچڑ اچھالیں۔
☆ ایک لمبی زبان انسان کو بہت چھوٹا کر دیتی ہے۔
☆ بعض لمحے چاقو کی دھار جیسے ہوتے ہیں، غلط فیصلہ ہو جائے تو ان کی کاٹ سے نہ جان بچتی ہے اور نہ ایمان۔
☆ جو راستوں کے عشق میں گرفتار ہو جائیں، منزلیں ان سے دور ہو جاتی ہیں۔
☆ کچھ خوابوں کو پانے کے لیے، کچھ خوابوں سے دستبردار بھی ہونا پڑتا ہے۔
☆ اپنے آپ کو چالاک سمجھنے والے ہی اکثر خطا کھاتے ہیں اور جان سے جاتے ہیں۔
☆ اگر فکریں لوگوں کی پیشانی پر رقم ہوتیں تو وہ لوگ جو دوسروں پر رشک کرتے ہیں ان پر رحم کھاتے۔
☆ بعض لوگوں سے مل کر انسان حیرت سے سوچتا ہے کہ وہ اب تک کہاں تھے اور جہاں تھے وہاں واپس کب جائیں گے۔
مرسلہ: نسرین خالد، سانگھڑ

یہ دل

امنگوں سے بھرا اک دل

دھڑکتا ہے ابھی مجھ سے
ابھرتی ہیں مچلتی ہیں
بہت سی خواہشیں اس میں
خوشی کی اک کرن پا کر
میں ہنس لوں تنہا شاموں میں
شگن چھولوں بڑھا کر ہاتھ
ستارے بھرلوں آنچل میں
دھنک رنگ چوڑیاں پہنوں
سجالوں پھول بالوں میں
نمی آنکھوں میں نہ ہو اب
نمودِ صبح کو پالوں میں
گھڑی بھر کے لیے ہی تم
کبھی مل جاؤ راہوں میں
حزیں دل کی تمنا ہے
امیدِ نو! جگالوں میں
شاعرہ: خالدہ نسیم، انگلینڈ

قرآن کریم کی تلاوت پر نیکیاں

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''جس نے قرآن کریم میں سے ایک جزو پڑھا اس کے بدلے ایک نیکی دی جائے گی اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔'' میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے۔ لام بھی ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے۔''
(جامع ترمذی شریف)
مرسلہ: طلعت رانا، چیچہ وطنی

کنارہ

سنو!
تمہیں تو علم ہوگا کہ
تم میری محبت کا کنارہ ہو
اور کنارے تو
ساتھ ساتھ چلتے ہیں
لیکن! کنارے مل نہیں پاتے
شاعرہ: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

وضو کی فضیلت

حضرت ضابحیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب بندہ وضو کرتے ہوئے کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی ڈالتا ہے (تو) اس کے منہ اور ناک کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ جب ہاتھ دھوتا ہے تو ناخنوں کے نیچے سے گناہ نکل جاتے ہیں پھر مسجد کی طرف اس کے جو قدم اٹھتے ہیں، وہ (قدم) اور نماز زائد (ثواب) ہوتے ہیں۔
(مسند احمد بن حنبل)
مرسلہ: سنبل ملک، تحصیل فیروز والا، شاہدرہ

دوستی

چاند کی چاندنی کی طرح پُرسکون
اور ستاروں کے مانند چمکتی ہوئی
ننھی سی بوندوں سی نازک ہے یہ
موتیوں کی طرح سے دمکتی ہوئی
مجھے لگتی ہے یہ آسماں کی دھنک
چوڑیوں کی طرح سے کھنکتی ہوئی
اس کی خوشبو سے دنیا معطر ہے
شوخ کلیوں سی ہے یہ مہکتی ہوئی
ایک رشتہ ہے یہ جسم اور روح کا
دھڑکنوں کی طرح سے دھڑکتی ہوئی
تانی چوہدری، آکسفورڈ، یو کے

انسان کے چار دشمن

انسان کے چار دشمن بڑے خطرناک ہیں، ان سے بچنے کے لیے نہایت ہوشیاری اور کوشش درکار ہے۔
1۔ دنیا...... نہایت دھوکے باز اور مکار ہے۔
2۔ نفس...... یہ تمام دشمنوں سے زیادہ مکار ہے۔
3۔ شیطان...... اس کا تو مشن ہی انسانی دشمنی ہے۔

4۔ برا انسان...... برا ساتھی، شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ وہ تو لاحول ولا سے بھاگ جاتا ہے۔ یہ تو ہر وقت ساتھ ہی رہتا ہے۔

مرسلہ: عنبر وسیم، گوجرانوالہ

مشورہ

جاتے ہوئے رک کر کہا
اس نے سنو!
میرا ایک مشورہ ہے تمہیں
تم بہت سادہ اور معصوم ہو
ہمیشہ ایسے ہی رہنا
شاید!
کہ کبھی میں لوٹ آؤں پھر سے

شاعرہ: بشریٰ باجوہ...... اوکاڑہ

بھول کی معافی

روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ نے رسول اکرم ﷺ سے نماز کے وقت سوتے رہ جانے کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ بندہ نیند کی وجہ سے نماز قضا کرنے میں قصوروار نہیں۔ قصور تو جاگتے ہوئے نہ پڑھنے پر ہے لہٰذا اگر کوئی شخص نماز کو بھول جائے تو یاد آتے ہی نماز پڑھیں۔ اول تو کوشش یہ ہونی چاہیے کہ نماز اول وقت ادا کی جائے۔

(جامع ترمذی شریف)

مرسلہ: ممتاز خانم، کراچی

غزل

کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
کوئی ایک لفظ تو ایسا ہو جو قرار ہو
کہیں ایسی رت بھی ملے ہمیں جو بہار ہو
کوئی ایسا وقت بھی آئے کہ ہمیں پیار ہو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ چراغ جاں
اسے نور دے اسے تاب دے کہ بنے کہکشاں
کوئی غم ہو جس کو کہا کریں جاوداں
کوئی یوں قدم ملائے کہ بنے کارواں
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے
میری رہ گزر خیال میں کوئی گل کھلے
میں سفر میں ہوں میرے پاؤں پہ پڑی دھول ہو
مجھے شوق ہے کبھی مجھ سے بھی کوئی بھول ہو
غم ہجر ہو شب تاز ہو ذرا طول ہو
کوئی ایک شخص تو یوں ملے کہ سکوں ملے

شاعر: جواد اشرف

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

موتی مالا

☆ آنسوؤں کو بہہ جانے دو یہ غموں کو مایوسیوں میں تبدیل ہونے سے روکتے ہیں۔

☆ خوشی صرف ہنسنے ہنسانے کا نام نہیں غصہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کا انتقام اپنے آپ سے لیتے ہیں۔

☆ میں صرف ایک چیز جانتا ہوں اور وہ یہ کہ میں کچھ نہیں جانتا۔

☆ تمام چیزوں کا حل نمکین پانی میں مضمر ہے آنسو، پسینہ، سمندر۔

مرسلہ: سدرہ کلثوم، مروت، پشاور

نادان محبت

وہ روٹھ جاتا ہے شکوہ کیے بغیر
ہم بھی تو سہے جاتے ہیں شکایت کیے بغیر
ہم سوچتے رہے محبت بے لوث ہوتی ہے
یہ یونہی ہوجاتی ہے عنایت کیے بغیر
قصور ان کا نہیں قصور تو ہمارا ہے
ہم نے بھی محبت کی اجازت لیے بغیر
ہم کتنے نادان تھے اتنا تو سوچ لیتے
جنت بھی کبھی ملی ہے عبادت کیے بغیر

شاعرہ: شبانہ، گولارچی

☆☆☆

جلترنگ

انجم انصار

ایک اشتہار یا تحفہ سالگرہ کا

باورچی کو تین سو آدمیوں کے کھانے کا آرڈر دے دیا گیا ہے۔ شامیانے والوں اور کیٹرنگ کے سامان کے لیے چار دوست بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔

شیروانی اور کلاہ ریڈی میڈ خرید لیا گیا ہے، دلہن کا غرارہ سوٹ چار گھنٹے کے لیے کرائے پر حاصل کرلیا جائے گا۔ سو فوری ضرورت ہے بلکہ ارجنٹ ضرورت ہے۔ ضرورت کی آخری تاریخ اٹھائیس مئی ہے کہ یہ مبارک کام بجٹ آنے سے پہلے، پہلے انجام دینا چاہیے۔

جی ہاں، شدید ضرورت ہے اس حور پری کی جو روز ہمارے خوابوں میں آتی ہے اس سے شباہت رکھنے والی دوشیزہ کامیاب قرار پائے گی۔ جس کے بوائے کٹ بال نہ ہوں (لونڈا سی لگے گی) خونخوار ناخن نہ ہوں (درندہ سی لگے گی) اونچی ایڑی کی سینڈل نہ پہنتی ہو (ایک نفسیاتی سروے کے مطابق اونچی ایڑی کی سینڈل پہننے والی خواتین تنگ مزاج زیادہ ہوتی ہیں اور ہاتھ چھوڑ بھی) سرخی پاؤڈر کم استعمال کرتی ہو (کہ برے میں وقت بھی بری نہ لگے) اتنی پڑھی لکھی ہرگز نہ ہو کہ شوہر جب شام کو گھر پہنچے تو اس سے حالات حاضرہ، ٹی وی کی ناظرہ، اخبارات کی جائزہ اور اسمبلی فاخرہ پر طبع آزمائی کرے اور نہ ہی اتنی ان پڑھ ہو کہ اگر شوہر کا بیرون ملک سے خط آئے تو پڑوس کے لڑکوں کے پاس پڑھوانے پہنچے اور محلے والوں سے جواب لکھواتی پھرے (اور گھر واپس آکر سوائے محلہ تبدیل کرنے کے کچھ اور نہ سوچ پائے) اتنی ماڈرن بھی نہ ہو کہ روز شام کو طارق روڈ جانے کی ضدیں کرے (ایک اخباری سروے کے مطابق طارق روڈ سے صرف مالدار اور ماڈرن خواتین شاپنگ کرتی ہیں) اور اتنی دقیانوسی بھی نہ ہو کہ پاس بیٹھ کر کیبل کے خصوصی اور کرارے پروگرام بھی دیکھنے سے انکار کردے۔ اتنی موٹی بھی نہ ہو کہ کپڑے سلوانے کے لیے شامیانے کے برابر کپڑا خریدنا پڑے اور اتنی دبلی بھی نہ ہو کہ ڈاکٹر چلا کر کہیں کہ آدمی میں دوسو ہڈیاں پائی جاتی ہیں مگر ان میں ایک ہزار موجود ہیں۔ نہ اتنی گوری ہو کہ لوگ پھیکے شلجم کا حوالہ دیں اور نہ اتنی کالی کہ برسات کی گھٹا کا گمان ہو، ہاں اتنی لمبی بھی نہ ہو کہ شوہر برخوردار نظر آئے اور نہ اتنی ٹھگنی ہو کہ بھیڑ بھاڑ میں شوہر... کندھے پر بٹھا کر چلے اتنی بدصورت نہ ہو کہ محلے کی عورتیں اپنے بچوں کو اس کے نام سے ڈرائیں اور نہ ہی اتنی خوب صورت ہو کہ اس کو دیکھ کر ہر کوئی اپنا آپ بھول جائے، کم از کم اتنی تمیز ضرور ہو کہ میکے سے لائے ہوئے اپنے پیسے (جو اس کے باپ بھائی دیں) میاں کی جیب میں لاکر رکھے مگر میاں کی جیبوں کی تلاشی لینے کی عادت نہ ہو۔

نوٹ: ان خوبیوں سے مزین لڑکیاں، بڑی عمر کی خواتین، مطلقائیں، بیوائیں اپنی تازہ ترین تین تصاویر کے ساتھ ارجنٹ اپلائی کریں، دولہا کا فیصلہ آخری ہوگا۔ کسی بھی پارٹی کو وجہ بتائے بغیر ریجیکٹ کیا جاسکتا ہے۔ جہیز کی مالیت کتنی ہوگی ڈالرز کی شرح میں لکھیں (روپے کی قیمت اتنی گر چکی ہے کہ اب اس کی ویلیو ہی نہیں رہی ہے۔)

پہلے آئیں اور پہلے پائیں کی بنیاد پر آپ ایک شاندار مستقبل کی مالک ہوسکتی ہیں لہٰذا دیر مت کیجیے تو پھر اپنی تمام تر پرسنل معلومات بھیج رہی ناں، ہاں

آپ...... کہ یہی میری سالگرہ کا تحفہ ہے...... آپ کی جانب سے میرے لیے...... جس سے میں پورا سال خوش رہوں گا بلکہ تمام عمر بھی ہو سکتا ہوں۔

منجانب: ایک کلرک بادشاہ (ایڈہاک)

اس مرتبہ

لوگوں کے مختلف مشاغل ہوتے ہیں اور اسی طرح پسند بھی وقت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے مگر انیلا کی پسند اور ذوق شوق کھانے پینے کی چیزوں سے شروع ہوتے تھے اور ان پر ہی ختم ہوتے تھے۔ وہ کسی کو کوئی تحفہ بھی دیتی تو کیک، مٹھائی، چاکلیٹ کا ہی دیتی۔

اس کو بے حد غصہ آتا جب اس کی کزنز اس کو الٹے سیدھے پرفیوم، کتابیں یا الٹے سیدھے کپڑے دیتیں۔

وہ اپنے تحائف اکثر بدتمیزی کے ساتھ واپس تک کر دیا کرتی۔ جب گھر کے بزرگوں نے اسے یہ سمجھایا کہ تحائف لے کر نہ غصے کا اظہار کرنا چاہیے اور نہ ہی اسے واپس کرنا کوئی اچھی بات ہوتی ہے، انیلا نے بزرگوں کا مشورہ تو مان لیا تھا مگر کبھی کسی کا دیا ہوا تحفہ وہ استعمال نہیں کرتی تھی اور شکریہ ادا کرنا تو اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ اس کے تمام کزنز نے یہ مشورہ کیا کہ اس کے امتحان کی شاندار کامیابی کی پارٹی میں سارے تحائف اس کی پسند کے ہونے چاہئیں مگر پہلے سے اس کو کوئی کچھ نہیں بتائے گا۔ اچھا ہے وہ اچانک دیکھے تو بے حد خوش ہوگی۔

پارٹی میں ملنے والے تمام تحائف...... انیلا نے اپنے اسٹور روم میں بے دلی سے پھینک دیے۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے ان کو چیک کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔

جب اسٹور سے عجیب سی بھبک آنی شروع ہوئی تو انیلا کی ملازمہ نے کئی مرتبہ اسٹور روم صاف کیا...... مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

ایک شام جب آف سے موڈ میں انیلا نے اپنے تحائف دیکھنے شروع کیے تو بے اختیاری ہی سر تھام لیا۔ ایک پیکٹ میں اس کی من پسند چاکلیٹس ایک دوسرے سے چپک کر اپنی شکل صورت کھو بیٹھی تھیں۔

کیک سوکھ گئے تھے اور سب سے زیادہ تعفن اس ڈبے سے آ رہا تھا جس میں اس کی کزن نے اس کے لیے ڈھیر سارے جھینگے رکھے تھے۔ دوسری جانب سارے کزنز پھر اس سے ناراض تھے کہ اس مرتبہ بھی اس نے ان کا کوئی شکریہ ادا نہیں کیا تھا۔

یہ دن

شہرت کے مینار پر کسی دوسرے کو کھڑا دیکھ کر دل میں کانٹا سا کھب جاتا ہے۔ حسد کا دھواں بھی اتنا گاڑھا اٹھتا ہے کہ اپنی ہی آنکھوں میں بھر جاتا ہے۔

"گر جائے کم بخت اس مینار سے۔" دل میں سرگوشی ابھرتی ہے۔

یہ ماننا پڑے گا کہ ابھی تک ہم نے دوسروں کی خوبیوں کا اعتراف کرنا نہیں سیکھا ہے...... مگر بہار نے تو میرے دل میں کانٹے سے گھونپ دیے تھے۔

اپنی سسرال میں نیک پروین کا خطاب حاصل کیا۔ نفاست میں لشکارے مارے۔ سلیقے میں خود کو منوایا...... اس کے سامنے سب کم تر نظر آتیں سونے پر مزید سہاگا کہ شکل صورت بھی ایسی کہ بہار کو دیکھو...... خزاں کا موسم بھی پیارا لگنے لگے۔ عورتوں کے ساتھ ساتھ مردوں کی آنکھیں بھی خیرہ ہو جاتیں۔

اور وہ ہماری سہیلی ہونے کے ناتے آئے دن میرے گھر چلی آتی...... اور میرا کلیجا جل کر راکھ ہو جاتا۔

اس کے جانے کے بعد اس کے اعزاز میں واہ واہ کے ڈونگرے بجتے رہتے اور میرے دماغ میں دھماکوں کی رفتار بڑھ جاتی۔

"اللہ بھابی، آپ کی سہیلی کتنی لمبی سی ہے......" ہماری چھوٹی نند ہمیشہ اس کی لمبائی پر مرتی۔

"بھابی آپ تو اس کے سامنے کوڈن لگتی ہیں......" چاروں نندیں ایک دوسرے کے ہاتھ پر

ہاتھ مار کر قہقہوں کی گرج میں کہتیں۔

"میں تو پھر بھی پانچ فٹ کی ہوں......" ان کے قہقہے سنگ باری کرتے۔

"دلہن...... تم کم از کم اتنا تو کر لو...... اپنی پیاری سی سہیلی سے کھانا پکانا ہی سیکھ لو...... اپنی ماں سے تو تم کچھ سیکھ کر نہیں آئیں۔"

"اے لو...... میں جو روزانہ اتنے مزے مزے کے کھانے پکاتی ہوں وہ کس کھاتے میں جاتے ہیں؟" مجھے غصہ ہی تو آ جاتا۔

"وہ تم تھوڑی ناں بناتی ہو......" ساری نندیں ایک آواز کہتیں۔

"ارے واہ سفید جھوٹ، آپ سب تو بستر پر پڑی سوتی رہتی ہیں...... باورچی خانے میں تو میرا ہی وقت گزرتا ہے۔"

"ارے بھابی آپ ڈبوں کے مسالے استعمال کرتی ہیں ناں تو پھر آپ کی مہارت کہاں سے آ گئی...... ڈبے کے مسالے، گوشت اور تیل ہی آپ ڈالتی ہیں...... سارا کام اور ذائقہ تو ڈبا انجام دیتا ہے۔"

"تمہاری سہیلی کہہ رہی تھی کہ وہ کھانا پکانے میں اپنے مسالے استعمال کرتی ہے، ڈبے کے مسالے استعمال نہیں کرتی۔" ساس اس کی تعریف کرتیں۔

"اماں کس قدر تو وہ پھرتیلی ہے...... سو آدمیوں کا کھانا خود تیار کر لیتی ہے اور وہ بھی تیزی سے...... اسے کہتے ہیں کام...... ہمارے ہاں تو کسی سے چائے بھی بنواؤ...... تو چائے مانگنے والا خود ہی ہاتھ جوڑ دیتا ہے کہ مجھے نہیں پینی جو پائے کی طرح پک کر ہی نہیں دے رہی۔"

"اللہ...... بہار کے ہاتھ میں ذائقہ کس قدر ہے...... کیسی خوش نصیب ہے اس کی ساس کہ کیسی اچھی بہو ملی ہے۔" ساس ایک بار اس کے گھر گھوم کر کیا آئیں...... صبح شام اس کی تعریفیں کرنا اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔

"ارے بھئی...... تمہاری سہیلی...... بہار کی آواز کس قدر پر بہاری ہے...... وہ فون پر تمہیں پوچھ رہی تھی...... مگر میں اس کی آواز کے سحر میں ایسا گرفتار ہوا کہ خواہ مخواہ اس سے باتیں کرتا رہا، تمہیں بلانا بھی یاد نہیں رہا...... ایک تمہاری آواز ہے، دفتر سے گھر فون کرو اور تم سے بات کرو تو لگتا ہے کسی اکھڑ لہجے سے دو پتھر کھائے ہوں، ذرا بھی ملائمت نہیں ہے تمہاری آواز میں۔" میاں جی تمسخر سے کہتے۔ تب بہار کی خوبیاں مجھے چبھنے لگیں...... اس کی انفرادیت سے شاک سے لگنے لگے۔

سسرال کا ہر فرد کھاؤ قسم کا تھا...... میں نے دماغ میں دہکتے ہوئے الاؤ پر چھینٹے مارے۔ جب اس سے کچھ سیکھنا چاہا تو معلوم ہوا کہ وہ سیاست داں بھی بہت اچھی تھی، خوب غلط غلط طریقے بتائے گئے، یوں گھر میں میرا مذاق پہلے سے زیادہ بننے لگا۔

میں بے وقوف زیادہ تھی یا شاطر اس کا اندازہ شاید دوسرا ہی کر سکتا تھا، وہ نخریلے لہجے میں قیامت کی ترکیبیں مجھے لکھواتی۔

چکن بروسٹ بنانے کے لیے کچی مرغی کو سادہ پانی میں تین دن بھگو کر رکھ دو، جب پانی میں بھبک آنے لگے تو اچھی بوٹیاں پیس کر اور بقیہ بوٹیوں پر پسا ہوا گوشت مل کر چھت پر رکھ دو اور جب اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دو گھنٹے بعد چھت پر جاتی تو وہ تمام گوشت چیل کوؤں کے پیٹ میں جا چکا ہوتا۔

"تم پتا مار کر کام نہیں کرتی ہو، ایک آدھ ڈش بھی اپنی دوست سے نہیں سیکھ سکی ہو۔" میری ساس اکثر مجھے طعنے دیتیں۔

"نہ جانے تم سے غلطیاں ہی کیوں ہوتی ہیں......" یہ رائے نندوں کی ہے...... جب وہ میرا مذاق اڑاتی ہیں اکثر یہ جملہ بھی دہراتی ہیں۔

تب میں سوچتی ہوں، واقعی مجھ سے غلطیاں ہوتی ہیں اور سب سے بڑی غلطی تو یہ کہ اتنی قابل لڑکی کو اپنی دوست بنا بیٹھی ہوں اگر میں کسی پھوہڑ، بدسلیقہ لڑکی کو اپنی دوست بناتی تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

☆☆☆

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی



☆صبا نور......لیہ
قلم ہو، تیغ ہو، تیشہ کہ ڈال مت چھینو
کبھی کسی سے کسی کا کمال مت چھینو
ابھی بجھاؤ نہ کینڈل، نہ کیک کاٹو ابھی
کچھ اور دیر میرا پچھلا سال مت چھینو
☆نبیلہ ملک......چوتالہ
رازِ دل نہ سنانا کسی کو فراز
دنیا میں سارے ہم راز بدل جاتے ہیں
کسی کے بچھڑنے سے کوئی مر نہیں جاتا
ہاں مگر جینے کے انداز بدل جاتے ہیں
☆پروین افضل شاہین......بہاول نگر
خزاں بہار ہو چاہے ہو رُت ساون کی
موسم پیار میں سارے موسم اچھے لگتے ہیں
☆مسز نگہت غفار......کراچی
میری زندگی کی کثافتوں میں لطافتوں کا خمار بھیج
میں خزاں رسیدہ نہال ہوں میری کونپلوں پر بہار بھیج
میرے آگے بڑھنے کے سلسلے ہیں طویل شب کے حصار میں
بجھے منظروں میں تپی ہوئی میری زندگی پہ نکھار بھیج

☆فصیحہ آصف خان......ملتان
پھر رہ گئی ان سے ملاقات ادھوری
پھر دل پہ اِک بوجھ نیا آن پڑا ہے
☆نفیسہ آرا......یو،اے،ای
عشق نشہ ہے نہ جادو جو اتر بھی جائے
یہ تو اِک سیلِ بلا ہے سو گزر بھی جائے
کٹ چلے عشق میں اِک بار تو پھر عشق کرو
کس کو معلوم کہ تقدیر سنور بھی جائے
☆عروبہ ناز......کوٹلی
جانے کیوں بخشی گئی ہے اس قدر عمرِ طویل
چند لمحے بھی بہت تھے زندگی کے واسطے
تیرگی میں عمر بھر روشن کیے جس نے چراغ
خود وہ ترسا ہے ہمیشہ روشنی کے واسطے
☆کائنات عبدالحلیم......میر پور خاص
فطرت تری صناعی پہ خود ناز کرے ہے
چہرہ ہے کہ آئینہ ہے خوش رنگ ادا ہو
وہ پھول ہے اور ایک زمانے کو ہے مطلوب
اس حسن کے پیکر کو بھی اے کاش پتا ہو
☆یاسمین کنول......پسرور
ابھی ابھی وہ ملا تھا ہزار باتیں کیں
ابھی ابھی وہ گیا ہے مگر زمانہ ہوا
☆صائمہ شاہ......کراچی
ہر ایک ہاتھ میں ہتھیار ہوں جہاں عارف
مجھے قلم سے وہاں انقلاب لانا ہے
☆ممتاز خانم......کراچی
کم اپنے مقدر کا اندھیرا نہیں ہوتا
سورج تو نکلتا ہے سویرا نہیں ہوتا
اس پیڑ کے سائے میں سکوں کس کو ملے گا
جس پیڑ پہ چڑیوں کا بسیرا نہیں ہوتا
☆انجم نگار......فیصل آباد
مت گلہ غیروں سے کر !! اے عظیم
اپنا بھی کچھ کم ستم ڈھاتا نہیں

☆سائرہ عباس......کراچی
جسے دیکھا وہ اپنی ذات کے زنداں کا قیدی تھا
یہ سارا شہر ہی اپنا حوالاتی لگا مجھ کو
☆رابعہ شاہد......یو،اے،ای
دلوں کے آئینے اللہ باصفا کر دے
بڑے خلوص و محبت سے ملنے والوں کے
☆فضہ بتول......بہارہ کہو
یوں بھی ہوتا ہے وہ خوبی جو ہے ہم سے منسوب
اس کے ہونے میں نہیں ہوتا ارادہ اپنا
خط کے آخر میں سبھی یوں ہی رقم کرتے ہیں
اس نے رسماً ہی لکھا ہوگا تمہارا اپنا
☆غزالہ طارق......سرگودھا
دیا سا دل ہوں محبت کدوں میں جلتا ہوں
لہو جلاتا ہوا دل جلوں میں جلتا ہوں
میں بار بار بجھا ہوں جہاں ہواؤں سے
میں بار بار انہی راستوں میں جلتا ہوں
☆نگہت آصف......اسلام آباد
اب محبت میں بھی اقبال ہماری اوقات
کیوں نہیں اپنے گزارے میں، بہت سوچتے ہیں
☆کوثر خورشید......یو کے
حسابِ لطفِ حریفاں کیا ہے جب تو کھلا
کہ دوستوں نے زیادہ خیال رکھا ہے
بھری بہار میں اِک شاخ پہ کھلا ہے گلاب
کہ جیسے تونے ہتھیلی پہ گال رکھا ہے
☆غزالہ یاسین......سرگودھا
اِک خواب اس کے سامنے دم توڑتا رہا
میرا مسیحا کوئی کرامت نہ کرسکا
پکا گھڑا تھا پاس مگر پھر بھی وہ حسن
دریا کو پار کرنے کی ہمت نہ کرسکا
☆نوشین اقبال نوشی......گاؤں بدر مرجان
اپنے ہونے کا پتا دے دینا
کبھی گزروں تو صدا دے دینا
یاد آجاؤں عبادت میں اگر
ہاتھ اٹھا دینا دعا دے دینا
☆ڈاکٹر کومل ستار......جام شورو
کبھی جھکنے کی تمنا کبھی سرکش لہجہ
اپنی الجھی ہوئی عادات پہ رونا آیا
☆روبینہ حیات مغل......کراچی
بھیگی ہوئی آنکھوں کا یہ منظر نہ ملے گا
گھر چھوڑ کے مت جاؤ کہیں گھر نہ ملے گا
پھر یاد بہت آئے گی زلفوں کی گھنی شام
جب دھوپ میں سایہ کوئی سر پہ نہ ملے گا
☆زینب حنیف......کراچی
مجھ سے لے لے مرے قسطوں پہ خریدے ہوئے دن
میرے لمحے میں مرا سارا زمانہ رکھ دے
مجھ کو آزادی ملی بھی تو کچھ ایسے ناسک
جیسے کمرے سے کوئی صحن میں پنجرہ رکھ دے
☆میمونہ عزیز......اسلام آباد
یہ کیا کہ اِک جہاں کو کرو وقفِ اضطراب
یہ کیا کہ ایک دل کو شکیبا نہ کر سکو
میرے سوا کسی کی نہ ہو تم کو جستجو
میرے سوا کسی کی تمنا نہ کرسکو
☆صائمہ امین......لاہور
انہی کے صدقے یارب میری مشکل کر آسان
میرے جیسے اور بھی ہیں جو دل کے ہاتھوں تنگ
☆منال علی......اسلام آباد
یوں تو لکھنے کے لیے کیا نہیں لکھا میں نے
پھر بھی جتنا تجھے چاہا نہیں لکھا میں نے
میری نظروں سے جو اِک بار نہ پہنچا تجھ تک
پھر وہ مکتوب دوبارہ نہیں لکھا میں نے
☆فائزہ رضا......میر پور خاص
وہ ہمیں بھولنا چاہیں تو بھلا دیں پل میں
ہم انہیں بھولنا چاہیں تو زمانے لگ جائیں
☆☆☆

خوش ذائقہ

پاکیزہ بہنیں



جھینگا کوفتے

اشیا: جھینگے، تین پاؤ۔ (اچھی طرح صاف کرلیں) پیاز، تین عدد۔ (باریک کترلیں) سرخ مرچ، چھ عدد۔ سبز مرچ، دو عدد۔ (باریک کاٹ لیں) ڈبل روٹی کا چورا، دو چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔ رائی کا تیل، ایک چھٹانک۔ ہلدی، دو گانٹھ۔ ادرک، ایک ڈلی۔ تیج پات دو عدد۔ ناریل کا دودھ، ڈیڑھ پیالی۔ کترا ہوا دھنیا، حسبِ ضرورت۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔

ترکیب: جھینگوں کو ابال کر سل پر باریک پیس لیں۔ پیاز اور سبز مرچوں میں انڈے کی زردی اور سفیدی کے علاوہ ڈبل روٹی کا چورا بھی ملالیں پھر اس مرکب کو جھینگوں کے پسے ہوئے گوشت میں ملادیں اور اس کے تقریباً بارہ گولے بنالیں، ان گولوں کو پہلے رائی کے تیل میں تلیں پھر تیز پات ڈالیں۔ اس کے بعد یہ مسالا ڈالیں اور پانی کے چھینٹے دے کر بھونیں۔ پھر ناریل کا دودھ تھوڑا تھوڑا کر کے اس میں ڈالیں اور نمک بھی ملادیں۔ چند منٹ بعد اس شوربے میں کوفتے ڈال دیں اور انہیں اس وقت تک پکنے دیں جب تک شوربہ گاڑھا نہ ہوجائے۔ اب اس میں سبز دھنیا کتر کر ڈال دیں۔ سالن تیار ہے۔

نادیہ......جہلم

ترکاری پلاؤ

اشیا: چاول، ایک کلو۔ آلو، ایک پاؤ۔ گاجر، آدھا پاؤ۔ شلغم، ایک پاؤ۔ بینگن، آدھا پاؤ۔ مٹر، ایک پاؤ۔ میتھی ساگ، پانچ گڈی۔ دہی، ایک پاؤ۔ پیاز، ایک پاؤ۔ دودھ، آدھا پاؤ۔ ادرک / لہسن، دو چمچ۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ لیموں کا رس، ایک چمچ۔ خشخاش / تل / ناریل، ایک، ایک بڑا چمچ۔ بادام / دھنیا، ایک، ایک بڑا چمچ۔

ترکیب: ساری ترکاریاں صاف کر کے کاٹ لیں اور تھوڑے سے گھی میں ہلکے بادامی رنگ پر تل کر نکال لیں۔ ایک دوسرے برتن میں باقی گھی گرم کر کے پیاز کے لچھے کاٹ کر اسے بادامی رنگ کا تل لیں۔ اب دہی میں سارے مسالے پیس کر ملادیں اور پیاز میں بگھار دیں۔ پانچ منٹ بھوننے کے بعد ایک پیالی پانی ڈالیں اور دیگچی کا ڈھکنا بند کردیں تاکہ دہی اور مسالے کی بُو مر جائے۔ جب پانی خشک ہونے لگے تو ساری ترکاریاں اس میں ڈال کر پانچ منٹ بھوننے کے بعد ہلکی آنچ پر دم کے لیے رکھ دیں۔ دوسری بریانی کی طرح چاول الگ، الگ ایک کنی پر ابال کر اس کی بھی تہ بہ تہ جمادیں اوپر سے دودھ ڈال کر دیگچی ڈھانپ دیں اور ہلکی آنچ پر دم ہونے کے لیے رکھ دیں۔

راحیلہ......پشاور

شلغم اروی قورمہ

اشیا: شلغم، اروی، آدھا کلو۔ پیاز، آدھا پاؤ۔ دہی، آدھا پاؤ۔ بادام، آٹھ عدد۔ ناریل پسا، دو چمچ۔ تل، دو چمچ۔ خشخاش، دو چمچ۔ دھنیا خشک، دو چمچ۔ نمک، دو چمچ۔ ادرک پسا ہوا، دو چمچ۔ لہسن پسا ہوا، دو چمچ۔ لال مرچ پسی ہوئی، دو چمچ۔

ترکیب: سب سے پہلے سارے مسالے بھون کر پیس لیں اور دہی میں ملا کر رکھ دیں، دوسری دیگچی میں گھی گرم کر کے پیاز کے لچھے کاٹ کر بادامی رنگ کے تل لیں، شلغم یا اروی دھو کر اس کے ٹکڑے کاٹ لیں اور پیاز میں بگھار دیں۔ جب شلغم یا اروی بادامی رنگ پر آجائے تو سارے مسالے جو دہی میں ملا کر رکھے ہیں وہ بھی اس میں ڈال دیں، پانچ منٹ بھوننے کے بعد سرپوش سے دیگچی کو ڈھانپ دیں تاکہ دہی کی بُو مر جائے اور شلغم یا اروی بھی گل جائے جب پانی خشک ہونے لگے اور مسالا کافی باقی رہ جائے تب ہلکی آنچ پر دم کے لیے رکھ چھوڑیں۔ دھیان رہے، اس میں پانی ڈالنے کی ضرورت نہیں کیونکہ شلغم اور اروی دونوں ہی پانی چھوڑتے ہیں۔

پروین افضل......کراچی

گاجر کی کھیر

اشیا: گاجر، ایک کلو۔ دودھ، دو کلو۔ چاول، ایک چھٹانک۔ چینی، ایک پاؤ۔ گھی، آدھا پاؤ۔ الائچی سبز، آٹھ عدد۔ کیوڑا، چار چمچ بڑے۔ بادام، ایک چھٹانک۔

ترکیب: گاجروں کو چھیل کر ان میں سے گٹھلی نکال لیں اور انہیں کدوکش کرلیں اور دودھ کو ایک برتن میں ڈال کر آگ پر رکھ دیں۔ ایک ابال آجائے تو اس میں گاجر اور پہلے سے بھگوئے ہوئے چاول ایک ساتھ ڈال دیں۔ آنچ ہلکی کردیں، گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد دیکھیں کہ گاجریں گل گئی ہیں اور دودھ خشک ہوکر اندازے کے مطابق رہ گیا ہے تو اس میں چینی اور گھی ایک ساتھ شامل کردیں اور چمچ سے اچھی طرح حل کریں تاکہ گھٹ کر کھیر کی شکل ہوجائے۔ اب اس میں الائچی پیس کر کیوڑا ڈال دیں اور نیچے اتار لیں اور ڈش میں نکال لیں یا پلیٹوں میں ڈال کر اوپر پستہ اور بادام باریک کاٹ کر چھڑک دیں۔ پسند کریں تو اوپر چاندی کے ورق بھی لگا سکتے ہیں۔

ناہید امبر......گوجرانوالہ

☆☆☆

سندیسے

پاکیزہ بہنیں



سالگرہ مبارک

دودھ، مکھن ملائی جیسی محبت سے گندھی ہوئی بہنوں کو سلام۔ میرا پیغام ہے محبت جہاں تک پہنچے، میری بہنوں ایک بات یاد رکھنا...... کچھ باتیں اور یادیں کبھی بوڑھی نہیں ہوتی ہیں، وہ کتنی ہی پرانی کیوں نہ ہوں جیسے پرانے تعلق باسی ہونے پر چھان بورے والے کو دان نہیں کیے جاسکتے۔ ایسے ہی ہمارا اور آپ کا پاکیزہ سے پاکیزہ رشتہ...... زندگی میں اتار چڑھاؤ تو آتے ہی رہتے ہیں اگر کوئی آپ کو یاد نہیں کرتا تو کوئی بات نہیں اصل چیز یہ ہے کہ کوئی آپ کو فراموش نہ کرے۔ آپ سب کو خوشیوں بھری پاکیزہ کی سالگرہ مبارک ہو۔

از: صائمہ سجاد بنگش، کوہاٹ

ذہانت پھیلائیں

ایک طالب علم نے تمام سوالوں کے درست جواب دیے مگر اسے فیل کر دیا گیا۔ سوالوں کے جواب یہ تھے۔

1۔ ٹیپو سلطان کس لڑائی میں شہید ہوا؟

ج۔ اپنی آخری لڑائی میں۔

2۔ اعلانِ آزادی پر دستخط کہاں ہوئے؟

ج۔ صفحے کے آخر میں۔

3۔ طلاق کی بڑی وجہ کیا ہوتی ہے؟

ج۔ شادی۔

4۔ دریائے سندھ کہاں بہتا ہے؟

ج۔ زمین پر۔

5۔ آپ آٹھ لوگوں میں تین آم کیسے تقسیم کریں گے؟

ج۔ ملک شیک بنا کے۔

دیکھو یار یہاں تو ذہانت کی کوئی قدر ہی نہیں۔

از: مصباح رضا سعید، فیصل آباد

سالگرہ مبارک

اپنی پیاری سہیلی نوشین ساجد کے نام! کیسے کرو گی میری چاہت کا اندازہ اے دوست، میرے پیار کا سمندر تیری سوچ سے بھی گہرا ہے۔

امینہ عندلیب، سلانوالی

ہنسیے گا نہیں

قرضہ دینے والی کمپنی نے اخبار میں اشتہار دیا کہ آپ کیوں پریشان ہیں؟ آپ اپنے دوستوں سے قرضہ نہ لیں ہم سے لیں۔ آپ کے دوست آپ کو چھوڑ دیں گے، ہم نہیں چھوڑیں گے۔

☆☆☆

ایک دوست دوسرے سے۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

دوسرا دوست غصے سے بولا۔ "جہنم میں۔"

پہلا دوست بولا۔ "اگر اچھے کام کیے ہوتے تو یہ دن تو دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔"

☆☆☆

استاد: "بتاؤ چاند روشن کیوں ہے؟"

شاگرد: "کیونکہ ابھی واپڈا والے چاند پر نہیں پہنچے۔"

از: پروین افضل شاہین، بہاولنگر

گرہ میں باندھ لو

تین ایسی نیکیاں جن کو کرنے سے قیامت کے دن عرش کا سایہ ملے گا۔

1۔ کسی ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑنا۔

2۔ دل نہ چاہتے ہوئے بھی معاف کرنا۔

3۔ کسی کی غلطی پر پردہ رکھنا۔

از: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

سالگرہ

سالگرہ کی شام مبارک
شام کے لب پر
میری یاد......
مچلتی رہنے دینا
اپنے حصے کی سب شمعیں
گل کر دینا...... لیکن
میرے نام کی آدھی شمعیں
جلتی رہنے دینا

از: نور افشاں، شکار پور

پیغام

اے شام کے ڈھلتے سورج
ان سے جا کر کہنا
اپنے مکان کی چھت پر
میں منتظر ہوں
تمہاری جانب سے
سالگرہ مبارک سننے کی
کیا تمہارے موبائل میں کریڈٹ نہیں
یا چوکیداری سخت ہو گئی ہے

شاعرہ: عظمیٰ آفاق سعید

مرسلہ: انیلا ناہید، لیہ

امتحان

☆ دوست کا امتحان...... مصیبت میں۔

☆ بیوی کا امتحان...... غربت میں۔

☆ مومن کا امتحان...... غصے میں۔

☆ آنکھوں کا امتحان...... بازار میں۔

☆ زبان کا امتحان...... محفل میں۔

☆ دل کا امتحان...... عشق میں۔

☆ ہاتھ کا امتحان...... کھانا کھانے میں۔

اور

☆ انسان کا امتحان...... قبر میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام امتحانوں میں کامیاب کرے، آمین۔

از: ماہ نور قیصر، راولپنڈی

دعا

کسی کو کچھ دینا ہے تو اسے اچھا وقت اور دعا دو کیونکہ تم ہر چیز واپس لے سکتے ہو مگر کسی کو دیا ہوا اچھا وقت اور دعا واپس نہیں لے سکتے۔

از: نفیسہ حسین، لاہور

خوب صورت بات

زبان کا وزن بہت ہی ہلکا ہوتا ہے مگر کم لوگ اسے سنبھال پاتے ہیں۔

قولِ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

از: ایلیا مہدی، کراچی

ہار، جیت

کسی کی سب سے بڑی ہار، کسی کی آنکھوں میں آنسو آپ کی وجہ سے اور زندگی کی سب سے بڑی جیت کسی کی آنکھوں میں آنسو آپ کے لیے۔

مہکتی کلیاں

☆ دو گھونٹ اللہ کو بہت پسند ہیں، ایک غصے کا اور دوسرا صبر کا۔

☆ دو قطرے اللہ کو بہت پسند ہیں جہاد میں بہے خون کا قطرہ اور تنہائی میں خوفِ خدا میں نکلا ہوا آنسو۔

☆ دو قدم اللہ کو بہت پسند ہیں ایک جو فرض نماز کے لیے اٹھا اور دوسرا جو کسی بیمار کی عیادت کے لیے۔ سبحان اللہ!

از: نفیسہ نہال، لاہور

☆☆☆

روحانی مشورے



ادارہ

سفر سے متعلق دعائیں

سفر میں حال اچھا رہنے کا عمل

حضرت جبیر بن مطعمؓ سے حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اے جبیر! کیا تمھیں یہ بات پسند ہے کہ سفر میں نکلو تو اپنے سب ساتھیوں سے بڑھ کر اچھے حال میں رہو اور سب سے زیادہ تمہارے پاس زادِ راہ رہے۔

حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا، میرے ماں، باپ آپ پر قربان ہوں! میں ضرور یہ چاہتا ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، تم یہ پانچ سورتیں سفر میں پڑھا کرو۔

1 سورہ کافرون
2 .سورۂ فتح
3. سورۂ اخلاص
4 .سورۂ فلق
5 .سورۂ ناس

ہر سورۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا کرو۔

سفر میں خوش حال رہنے کے لیے صدقہ دینا بھی بہت مفید ہے۔ اسی طرح قلی اور سامان اٹھانے والوں کی بھی مالی مدد کرنا اور ان کو نماز وغیرہ شریعت کے احکام کی ترغیب دینا بھی باعثِ خیر ہے اور سفر میں آس پاس کے مسافر احباب فارغ ہوا کرتے ہیں۔ ان کو خوب دین کی دعوت دینی چاہیے، ان سے تعارف اور دوستی کر کے دین کے نزدیک لانے کی کوشش کرنی چاہیے، نمازوں کے اوقات میں اذان دے کر جماعت سے نماز پڑھنے کی کوشش کریں، اسٹیشن پر، ائر پورٹ پر اذان دے کر جماعت سے نماز پڑھیں۔ اس لیے کہ اذان اور جماعت کی نماز شعائرِ اسلام میں سے ہے جہاں یہ زندہ ہوتے ہیں وہاں سے شیاطین بھاگ جاتے ہیں اور خیر و برکات کا نزول ہوتا ہے۔

اسی طرح سفر میں فضائلِ اعمال، فضائلِ صدقات، اصلاحی خطبات، ان کتابوں میں سے جو ممکن ہو اپنے ساتھ رکھیں اور سفر میں پڑھتے رہیں۔

حادثات سے محفوظ رہنے کی دعا

گھر سے روانہ ہوتے وقت یہ مبارک دعا ضرور مانگ لینی چاہیے کہ حوادث اور ایکسیڈنٹ وغیرہ سے بچنے اور بچانے کے لیے یہ دعا بہت ہی مفید ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی۔ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا ھٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمَنْظَرِ وَسُوْٓءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ۔

ترجمہ: اے اللہ ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کی اور جو عمل تجھے پسند ہو اس کی درخواست کرتے ہیں، اے اللہ، تو ہمارا یہ سفر ہم پر آسان کر دے اور اس کی مسافت کو طے کر دے، اے اللہ! تو ہی سفر میں ہمارا رفیق اور گھر بار میں ہمارا قائم مقام اور محافظ ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سفر کی سختیوں سے اور سفر میں کسی تکلیف دہ منظر سے اور بیوی بچوں اور مال و منال میں تکلیف دہ واپسی سے پناہ مانگتا ہوں۔"

سفر میں فضول باتوں اور لایعنی بحث میں وقت ضائع کرنے سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ جتنا ہم سفر میں ذکر و اذکار، تعلیم و تعلم اور دعوت دین میں لگے رہیں گے تو شیطان سے حفاظت رہے گی، اس لیے کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو سوار اپنے سفر میں دنیاوی باتوں سے دل ہٹا کر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف دھیان رکھے اور اس کی یاد میں لگا رہے تو اس کے ساتھ فرشتہ رہتا ہے اور جو شخص (واہیات) شعروں میں یا کسی اور (بے ہودہ) شغل میں لگا رہتا ہے تو اس کے پیچھے شیطان لگا رہتا ہے۔

لہٰذا اس مبارک فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے ہر مسافر کو چاہیے کہ اپنے اوقات خوب قیمتی بنائے اور ہر اس چیز سے بچے جس سے اللہ تبارک و تعالیٰ ناراض ہو جائے اور سفر میں خوش حال اور کامیاب رہنے کے لیے یہ دعا اور یہ عمل دونوں کا اہتمام کرے۔

سواری پر سوار ہونے کی دعا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سوار ہو جانے کے بعد کی دعا

سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

ترجمہ: پاک ذات ہے اس کی جس نے اسے (سواری کو) ہمارے بس میں کر دیا حالانکہ ہمیں اسے قابو کرنے کی طاقت نہیں تھی اور بالیقین ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

جب سواری کسی جگہ رکے

جب سواری کسی ایسی جگہ ٹھہرنے لگے جہاں اترنا ہے، خواہ تھوڑی دیر کے لیے اترنا ہو یا زیادہ دیر کے لیے، اس وقت یہ دعا کی جائے۔

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ

ترجمہ: اے میرے پروردگار! مجھے برکت والی جگہ پر اتارنا اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

اسی طرح بس یا گاڑی میں بیٹھے ہیں اور منزل مقصود آ جائے تو بھی یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

قرآن کریم میں ہے کہ یہ دعا حضرت نوحؑ نے اس وقت مانگی تھی جب ان کی کشتی خشکی پر لگنے والی تھی۔ آج کل خاص طور سے ہوائی جہاز سے نیچے اترتے وقت بھی یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

☆☆☆

اہمیت درود

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا جب تم کچھ بھول جاؤ تو مجھ پر درود بھیجتے رہو ان شاء اللہ فوری یاد آ جائے گا۔

صدقۂ جاریہ

گیارہ باتیں گیارہ باتوں کو ختم کر دیتی ہیں
1۔ شرک ایمان کو 2۔ توبہ گناہ کو 3۔ دکھ زندگی کو 4۔ غصہ عقل کو 5۔ صدقہ مصیبت کو 6۔ چغلی دوستی کو 7۔ نماز بے حیائی کو 8۔ نیکی بدی کو 9۔ جھوٹ رزق کو 10۔ ظلم انصاف کو اور 11۔ تکبر اعمال کو
اچھی بات پھیلانا صدقۂ جاریہ ہے۔

مرسلہ: عاصمہ ہدایت، ملتان



شوابے ہومیو کلینک



From Nature.
For Health.



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں؛ پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔

کان بجنا

نجمہ.........حیدرآباد

سوال:۔ میری والدہ کی عمر 50 سال ہے۔ اُن کے کان بجتے ہیں۔ پہلے تو یہ تکلیف کم تھی مگر اب سوتے میں بہت زیادہ کان بجتے ہیں۔ سو نہیں پاتیں، دل تیز تیز دھڑکتا ہے۔ سر میں چکر آتے ہیں۔ کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں۔ دُعاؤں کی۔ جواب جلدی دیجیے گا۔

جواب:۔ آپ نے یہ نہیں بتایا کہ کب سے اور کیسے یہ شکایت ہوگئی ہے۔ کوئی علاج کروایا کہ نہیں۔ کوئی اور بیماری تو نہیں۔ کان بجنے میں وہ کیسی آواز محسوس کرتی ہیں۔ باقاعدہ معائنہ ضرور ہونا چاہیے۔ ایک ماہ تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں اگر فائدہ نہ ہو تو کلینک آکر ملیں۔ calc.Carb 30 Spigelia30,Gelsemium 30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر 3 مرتبہ دن میں استعمال کریں۔ شوگر، بلڈ پریشر چیک کرائیں۔ نمکین اور میٹھی چیزوں سے پرہیز کریں۔

قد نہیں بڑھ رہا

ناھید احمد.........کراچی

سوال:۔ میرے بیٹے کی عمر 18 سال ہے۔ لیکن اس کا قد 5 فٹ ہے۔ ہم نے اس کے تمام ٹیسٹ کروائے ہیں۔ جن میں گروتھ ہارمون کی کمی آئی تھی اور ڈاکٹر نے ہارمونز کے انجکشن لگوانے کو کہا تھا۔ لیکن ہم نے نہیں لگوائے۔ ہومیو پیتھک علاج بھی کیا جس کا نسخہ میں آپ کو بھیج رہی ہوں، مہربانی فرماکر مجھے کوئی ایسی دوا دیں جس سے اس کے قد میں اضافہ ہو۔ بہت مہربانی ہوگی۔

جواب:۔ 18 سال کی عمر میں کیوں خیال آیا کہ قد بڑھنا رہ گیا ہے۔ کلینک آکر بھی دکھا سکتی تھیں۔ بچے کے قد کے سلسلے میں ہونے والے ٹیسٹ کی رپورٹس بھی بھیجیں یا لے کر آئیں پھر ایک اچھا علاج تجویز کیا جاسکتا ہے۔

نسوانی حُسن

حافظ ام کلثوم.........سیالکوٹ

سوال:۔ ڈاکٹر صاحب میرا مسئلہ بہت سی لڑکیوں کا مسئلہ ہوگا۔ لیکن شرم و حیا کے سبب وہ یہ مسئلہ کسی سے بیان نہیں کرتی ہوں گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے، ہر جگہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں نے اس کے لیے کریمیں بھی استعمال کیں لیکن کوئی فرق نہیں پڑا۔ میری عمر اٹھائیس سال ہے۔ دو ماہ بعد شادی ہے جس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ مہربانی کرکے اچھی دوا تجویز کریں جو جلدی اور دیرپا اثر کرے۔ بہت دُعائیں دوں گی۔ میری جسامت بھی دُبلی ہے۔

جواب:۔ شرم و حیا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنا مسئلہ کسی معالج کو بھی نہ بتاسکیں، نہ اس کے پاس جاکر معائنہ کراسکیں۔ گھر والوں کو بھی عقل ہونی چاہیے، اپنی اولاد پر نظر رکھنی چاہیے، ان کے ساتھ دوستی والا ماحول رکھیں تاکہ وہ اپنے مسائل کی آگاہی دیں نہ کہ شرم کے ہاتھوں وقت اور زندگی گنوا دیں۔ صرف 2 ماہ قبل خط لکھا ہے جب تک اس کا جواب ملے گا وہ بھی گزر چکے ہوں گے۔ بہرحال آپ کو نسخہ دے رہے ہیں۔ شادی کے بعد بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ Onosmodium CM کی ایک خوراک 10 قطرے آدھا کپ پانی میں لیں۔ 15 دن تک مزید کوئی دوا نہ لیں۔ اس کے بعد اگر ضرورت ہو تو Chimaphila 30 5،5 قطرے دن میں تین مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ یاد رکھیں یہ تمام ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ہوں۔

ماہواری، لیکوریا

حرا.........سیالکوٹ

سوال:۔ میری عمر 26 سال ہے اور غیر شادی شدہ ہوں۔ ڈاکٹر صاحب میرا مسئلہ یہ ہے کہ نو سال سے مجھے لیکوریا کی شکایت ہے۔ ہر ماہ ایام کے بعد مجھے ہلکی خارش محسوس ہوتی ہے اور ایک ہفتہ تک وقفے وقفے سے لیس دار رطوبت خارج ہوتی رہتی ہے۔ داغ سفید رنگ کا ہوتا ہے پھر تقریباً ایک ہفتے کے بعد پانی خشک ہوجاتا ہے۔



ماہواری مجھے ہر ماہ باقاعدگی سے آتی ہے لیکن گزشتہ چار سال سے صرف تین دن ہوتی ہے اور چوتھے پانچویں دن صرف دھبا لگ جاتا ہے۔ اس سے پہلے ماہواری ٹھیک کھل کر ہوتی تھی۔ اب تو میری ٹھوڑی کے نیچے کچھ کالے کالے۔ بال بھی اُگ آئے ہیں۔

میں ایک اسکول ٹیچر ہوں اور ایک پرائیویٹ اسکول میں جاب کرتی ہوں۔ اب ایک نیا مسئلہ یہ پیدا ہوگیا کہ جب میری ماہواری کی تاریخ نزدیک ہوتی ہے اور مجھے کوئی کام کا دباؤ ہو تو مینسز شروع ہوجاتے ہیں۔ ایک سال سے نیا مسئلہ پیدا ہوگیا ہے۔ پہلے تو ایسا بالکل نہیں تھا۔ لیکوریا کی وجہ سے بریسٹ بھی تھوڑے نرم پڑگئے ہیں۔

جواب:۔ بی بی صحت کا خیال رکھیں اور صفائی کا بھی۔ مینسز کے وقت پیڈ زیادہ دیر نہ رکھیں تبدیل کرلیا کریں۔ متوازن غذا استعمال کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Calc.Carb 30 Kali.Phos 30 اور Graphites 30 کے 5،5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

جسم پر نشانات

بشریٰ ملک.........راولپنڈی

سوال:۔ میرے مسائل درج ذیل ہیں۔ میرے معدے میں اکثر درد رہتا ہے۔ چار سال پہلے میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ وقتی طور پر تو ٹھیک ہوگئی تھی۔ لیکن اس کے بعد میری پسلیوں کے اُوپر بیرونی حصے میں سوجن ہوگئی ہے اور میرا پیٹ بھی موٹا ہوتا جارہا ہے اس کی وجہ سے مجھے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہننا پڑتے ہیں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں بہت موٹی ہوگئی ہوں۔

میری آنکھوں کے گرد گہرے حلقے ہیں۔ بہت ساری چیزیں استعمال کیں لیکن ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا۔ پلیز ان کے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

میرے جسم پر سفید رنگ کے چھوٹے چھوٹے نشان ہیں (منہ، ہاتھوں اور پیروں کے علاوہ) تقریباً یہ داغ بچپن

سے ہیں۔ علاج بھی کروایا، نشان بڑھنا تو رک گئے لیکن پہلے والے نشانات پر کوئی فرق نہیں پڑا۔ ان کی وجہ سے مجھے احساسِ کمتری ہوتا ہے۔ چہرے کا رنگ بھی باقی جسم کے برعکس سانولا ہے اور بیماری یا پریشانی میں سیاہ پڑ جاتا ہے۔ یہ نشان کوئی چیز کھانے کی وجہ سے نہیں ہوتے۔ پہلے میری بڑی بہن کو تھے۔ اس کے بھی ٹھیک نہیں ہوئے۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں کہ یہ چھوت کی بیماری ہے اور حساس جلد اس سے متاثر ہوتی ہے۔ میرے اور میری بہن کے علاوہ یہ نشانات کسی کو بھی نہیں ہیں۔

جواب:۔ بشریٰ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کیا بیمار ہوگئی تھیں؟ Graphites 30 اور Calc.Carb 30 ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ان دواؤں کے 5,5 قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔

قد بڑھ جائے

مریم محمود.........لیّہ

سوال:۔ دیکھنے میں بہت کمزور لگتی ہوں۔ ذہنی پریشانی تو کوئی بھی نہیں ہے۔ خوراک بھی نارمل ہے۔ دودھ کا استعمال بھی روزانہ کی خوراک میں شامل ہے۔ میرے ابو، امی کا بھی قد نارمل ہے، زیادہ بڑا نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا قد تھوڑا بڑا ہو جائے اور وزن میں بھی اضافہ ہو۔ کیونکہ دیکھ کر بھی کہتے ہیں کہ بہت کمزور ہو، کھاتی پیتی نہیں ہو کیا؟

برائے مہربانی آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز کردیں جس سے میرے دونوں مسئلے حل ہو جائیں کیونکہ پانچ ماہ بعد میری شادی ہے۔ پلیز جلد از جلد میرے خط کا جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب:۔ متوازن غذا استعمال کریں یعنی دودھ، مکھن، پنیر، انڈے، گوشت (مچھلی، گائے، بکرے) کا۔ سبزیاں اور پھل کھائیں۔ پانی آٹھ گلاس کم از کم روزانہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے دو گھنٹے بعد پئیں۔ بیڈمنٹن ٹائپ کا کوئی کھیل باقاعدگی کے ساتھ کھیلیں۔ Thyroidinum 30 اور Calc.Carb 30 کے 5,5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ استعمال کریں۔ یاد رکھیں یہ ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ہی ہوں۔

ماہواری کیا ہوتی ہے؟
کیوں اور کیسے آتی ہے؟ اور اس کی خرابیاں

بہت سی خواتین ہمیں ماہواری سے متعلق لکھتی رہتی ہیں۔ فرداً فرداً بھی ہم خواتین کو اس سے آگاہی فراہم کرتے رہتے ہیں۔ لیکن آج ہم ایک بار پھر تمام خواتین کے لیے ماہواری سے متعلق تفصیلاً لکھ رہے ہیں تاکہ وہ خواتین جو ماہواری سے متعلق اکثر پریشان رہتی ہیں وہ اس مضمون سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

ماہواری کی خرابیاں

اس سے پہلے کہ آپ ماہواری کی خرابیوں کے متعلق جانیں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ آپ کو پہلے یہ بتایا جائے ماہواری ہوتی کیا ہے؟ کب، کیوں اور کیسے آتی ہے؟ ماہواری کی تعریف ہم یوں کر سکتے ہیں کہ جب ایک لڑکی بالعموم 11 سے 14 سال کی عمر کو پہنچتی ہے تو اس کے جسم میں کچھ کیمیائی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ یہ تبدیلیاں اس کے دماغ سے شروع ہوتی ہیں جو اس کے مختلف گلینڈز پر اثر انداز ہوتی ہیں اور پھر آخر میں بیضہ دانی پر اثر انداز ہو کر وہاں سے ایک بیضہ رحم کی طرف خارج کرتی ہیں۔ یہ بیضہ رحم میں 22 دن کے بعد رحم کی جھلی، لعاب، خون کے ساتھ اندام نہانی کے ذریعے خارج ہو جاتا ہے۔ اس اخراج کو ہم ماہواری، حیض یا Menses کہتے ہیں۔ بچی کو جب ماہواری شروع ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکی بالغ ہو گئی ہے یعنی اس قابل ہو گئی ہے کہ وہ بچہ پیدا کر سکے۔

دورانیہ

بعض بچیوں میں یہ 9 سال کی عمر میں بھی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ عموماً 45 سے 55 سال.... کی عمر تک جاری رہتی ہے۔ یہ ایک قدرتی عمل ہے، نارمل حالت میں ہر 22 دن بعد ہوتی ہے۔ یہ 3 سے 5 دن برقرار رہتی ہے۔ دو سے پانچ دن تک کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں۔ ابتدائی ایک دو سالوں میں بھی بے قاعدگی ہو سکتی ہے۔

کچھ حالتوں میں یہ نہیں ہوتی اور یہ نارمل بات ہوتی ہے۔ مثلاً

(1) بالغ ہونے سے پہلے (2) حالتِ حمل میں

(3) بچے کو دودھ پلانے کے دوران (4) بڑی عمر میں 45 سے 55 سال۔

مقدار و حالت

نارمل اس کی مقدار 40 سے 80 ملی لیٹر تک خارج ہوتی ہے جو کم سے کم 5 ملی لیٹر اور زیادہ سے زیادہ 200 ملی لیٹر تک ہو سکتی ہے۔ اس کی رنگت پہلے دن چمکدار سرخ یا گلابی ہوتی ہے اور آخری دنوں میں گہرا سرخ یا براؤن رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کی بو ناخوشگوار ہوتی ہے۔

علامات

ماہواری سے پہلے یا اس کے دوران بالعموم کوئی خاص علامت نہیں ہوتی سوائے معمولی بے چینی کے جو دو قسم کی ہو سکتی ہے۔ (1) عمومی (2) مقامی۔

(1) عمومی General

ماہواری سے دو تین دن پہلے چکر آئیں گے یا سر کے درد کی شکایت ہو سکتی ہے یا تھکن محسوس ہوگی چڑچڑا پن یا افسردگی یا اپنے آپ کو بیمار محسوس کرے گی، وزن بڑھا ہوا محسوس ہوگا۔ یہ ساری علامتیں ایک ساتھ بھی ہو سکتی ہیں۔

(2) مقامی Local

چھاتیوں میں بھاری پن، پیٹ میں دکھن، تشنج، درد، کمر یا ٹانگوں کی دکھن، بدہضمی یا پیشاب کی زیادتی۔ جن خواتین کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا ہو ان کو پہلے دن کمزوری زیادہ ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ تکالیف نارمل حالت میں یا تو نہیں ہوں گی یا بہت معمولی قابلِ برداشت ہوں گی۔ لیکن جب ان میں کوئی ایک یا سب برداشت کے قابل نہ رہیں تو پھر اس کا علاج کرانا ضروری ہے جو ہومیو پیتھی میں ممکن ہے۔

ماہواری کے دوران خیال رکھیں

1 صفائی کا خاص خیال رکھیں، جب پیڈ وغیرہ خراب ہو جائیں تو ان کو فوراً تبدیل کردیں ورنہ بدبو اور انفیکشن کا خطرہ رہتا ہے۔

2 روزانہ نہائیں۔

3 اچھی غذا لیں۔

4 ہم بستری سے اجتناب کریں جو شرعاً بھی منع ہے۔

اب ہم بات کریں گے ماہواری کی خرابیوں پر۔

چکر کا دورانیہ



Duration Of Cycle

اس میں مندرجہ ذیل تین خرابیاں ہو سکتی ہیں۔

(۱) مختصر ہو جائے گا۔ یعنی چکر کا دورانیہ ۲۱ روز سے کم ہو جائے گا۔

(۲) لمبا ہو جائے گا۔ چکر کا دورانیہ بڑھ کر ۳۵ روز سے بھی زیادہ ہو جائے گا۔

(۳) بے قاعدہ۔ اس کا دورانیہ بے قاعدہ ہوگا کبھی مختصر اور کبھی لمبا۔

ماہواری کا خون
Menstrual Bleeding

جیسا کہ اوپر بتایا تھا کہ ماہواری دو سے پانچ دن تک جاری رہتی ہے اور اس میں ۴۰ سے ۸۰ ملی لیٹر تک خون کا اخراج ہوتا ہے اس میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں ہو سکتی ہیں۔

(۱) مقدار کا کم ہونا۔ یہ دو صورتوں میں ممکن ہے۔

(الف) خون کی مقدار کم ہوگی۔

(ب) اخراج کا دورانیہ کم ہوگا۔

(۲) زیادتی ہوگی۔ یہ بھی دو صورتوں میں ہو سکتی ہے۔

(الف) خون کی مقدار زیادہ ہوگی۔

(ب) دورانیہ بڑھ جائے گا۔

(۳) ماہواری کی خرابی دونوں یا کسی ایک خرابی کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ یعنی دورانیہ میں یا خون کے اخراج میں۔

Terminology

ماہواری کی بیان کردہ خرابیوں کو مندرجہ ذیل نام دیے گئے ہیں۔

(۱) Amenorrhoea اس کا مطلب ہے کہ ماہواری کا نہ ہونا۔

(۲) Hypomenorrhoea اس کا مطلب یہ ہے کہ خون کی مقدار کم ہوگی لیکن ماہواری کا چکر اور دورانیہ باقاعدہ ہوگا۔ خون کا اخراج دو دن سے کم بھی ہو سکتا ہے، تین سے چار دن تک جاری بھی رہ سکتا ہے۔ لیکن

کم خون کے اخراج کے ساتھ صرف دھبا آئے گا۔ یہ بھورے رنگ کا اخراج ہوگا۔

(۳)Menorrhagia اس میں خون کا اخراج بڑھ جائے گا لیکن ماہواری کے چکر میں کوئی باقاعدگی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اس میں اضافہ مقدار یا دورانیہ دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

(۴)oilgomenorrhoea جب ماہواری کا دورانیہ بڑھ جائے یعنی پانچ دن سے بھی زیادہ ہوجائے لیکن مقدار، باقاعدگی اس کی برقرار رہے گی۔

(۵)(Polymenorrhoea) اس کا مطلب ہے کہ ماہواری کا چکر ۲۱ روز سے کم ہوجائے جبکہ ردھم اور باقاعدگی برقرار رہے۔

(۶) Hypo Oilgomenorrhoea میں خون کی مقدار کا اخراج کم ہوگا اور چکر کے دورانیہ میں اضافہ ہوگا۔

(۷)Epimenorrhagia اس میں خون کی مقدار کا اخراج بھی زیادہ ہوگا جبکہ چکر کا دورانیہ کم ہوجائے گا جو ۲۱ روز سے بھی کم ہوگا۔ خون بہت زیادہ خارج ہوگا جو ۸ دن سے زیادہ بھی خارج ہوسکتا ہے۔

(۸)Metrostaxis اس میں کوئی سائیکل نہیں ہوتا کیونکہ ماہواری بے قاعدہ ہوتی ہے۔ خون کا اخراج بہت زیادہ ہوتا ہے یا نارمل ہوتا ہے اور مستقل جاری رہتا ہے یا رہ سکتا ہے۔

اب ہم ان کے اسباب کا جائزہ لیں گے۔ یہ دو قسم کے ہوسکتے ہیں۔

ا جسمانی یا فزیالوجیکل اسباب

(۱) بلوغت کی عمر 14-12 سال کو پہنچ جانے کے بعد دیر ہوجائے۔

(۲) حالتِ حمل۔

(۳) زمانۂ رضاعت میں۔

(۴) سن یاس میں جس کی عمر 50-45 سال ہے۔

2 مرضیاتی یا پیتھالوجیکل اسباب

(۱) رحم کا پیدائشی طور پر نہ ہونا۔

(۲) کسی خرابی کے باعث رحم کا نکال دینا۔

(۳) رحم یا اس کی جھلی کی کوئی بیماری۔

(۴) بیضہ دانیوں کی بیماریاں مثلاً ٹیومر، سسٹ یا ان میں ہارمونز صحیح طور پر نہ بنیں یا یہ پیدائشی ہی نہ ہوں یا کسی آپریشن کے بعد نکال دیا گیا ہو وغیرہ۔

(۵) پیچوٹری غدود کی خرابیاں۔

(۶) بے نالی غدود کی بیماریاں۔

(۷) حاد و مزمن قسم کے امراض۔

(۸) ہارمونز یا ہارمونی ادویات مثلاً ایسٹروجن، پروجیسٹرون کا استعمال اور منشیات کا استعمال۔

(۹) وزن کی اچانک تبدیلی۔

(۱۰) دماغ کے ہائپوتھلامس کی نفسیاتی اعصابی وجوہات۔

احتیاط و علاج

جب بیان کردہ کسی خرابی میں سے آپ کو یا کسی عورت کو یہ مسئلہ پیش آجائے تو سب سے پہلے:

(۱) اپنے آپ کو پُرسکون رکھیں کہ یہ خرابی صرف آپ کو ہی نہیں بلکہ نہ جانے کتنی خواتین کو ہوتی ہے لہٰذا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ بہت ساری نئی چیزوں سے ہمیں زندگی میں سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا حوصلے سے کام لیں۔ اپنی شفایابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے ضرور مدد طلب کریں۔

(۲) غذا کا یعنی متوازن غذا کا خیال ہر صورت رکھیں۔ اپنے آپ کو تھکائیں نہیں۔ وزن کا خیال رکھیں، یہ نہ زیادہ ہو، نہ کم ہو۔ ہلکی ورزش کریں۔

(۳) اچھے ماہر معالج سے رابطہ کریں، اس کو تفصیل سے اپنی ہسٹری کے متعلق بتائیں اور پھر اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی ہدایت پر عمل کریں۔ آپ کا معالج آپ کی بیماری کے سبب کا تعین کرتے ہوئے آپ کے لیے تشخیصی ٹیسٹ، علاج اور احتیاط تجویز کرے گا، آپ اس پر عمل کریں۔

پُراعتماد رہیں آپ کے مسئلے کا ہومیوپیتھی میں علاج ممکن ہے۔

☆☆☆☆